اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

سیرت حضور مفکرِ اسلام

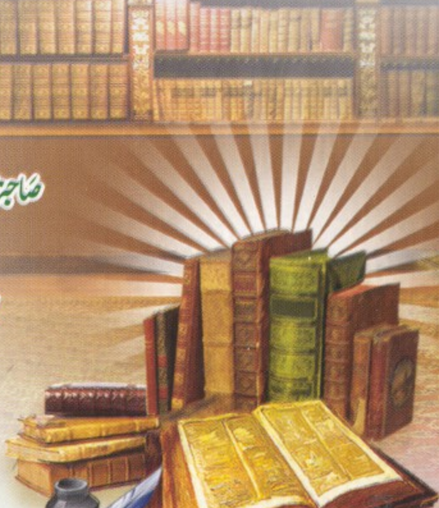
قبلہ عالم پروفیسر محمد حسین آسی علیہ رحمۃ اللہ

حسب الارشاد

صاحبزادہ پیر محمد عطاء الحق نقشبندی

از قلم

سعید محمد عامر آسوی



ادارہ الحقیقہ

سیرت حضور مفکرِ اسلام

قبلہ عالم پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ



حسب الارشاد

صاحبزادہ پیر محمد عطاء الحق نقشبندی

از قلم

سعید محمد عامر آسوی

شیران اسلام پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

نام کتاب : سیرتِ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز

نام مصنف : سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی

کمپوزنگ : لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر، شکر گڑھ

ایڈیٹنگ : محمد اکرام مجددی

اشاعت اوّل : جمادی الاوّل ۱۴۳۶ھ / مارچ ۲۰۱۵ء

مرکزِ تقسیم : دفتر شیرانِ اسلام، آستانہ عالیہ حضور مفکرِ اسلام
نقشِ لاثانی نگر۔ شکر گڑھ۔ ضلع نارووال

قیمت : 800/= روپے

زیرِ اہتمام : ادارہ الحقیقہ شکر گڑھ

حافظ نعیم آسوی 0300-7123402

فہرست

نذرِ انتساب

اس فقیر پُرتقصیر کی زندگی کا قیمتی ترین اثاثہ یہی چند اوراق ہیں، جنہیں نذر کیا جارہا ہے اس کریم کی بارگاہِ عظمت پناہ میں

جس کے حسنِ تصرّف نے لاتعداد کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے حضور جھکایا...... جس کے فیضِ نظر نے ایک زمانے کو عشق وغیرتِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دولتِ لازوال سے مالا مال کیا...... جس کے دَر کی گدائی سرمایہ پرستوں، جاگیرداروں اور کرسی نشینوں کی آستاں بوسی اور کاسہ لیسی سے بے نیازی کی ضامن تھی...... جس کا دامنِ توسّل دنیاداروں کی تیغِ ستم کا شکار افراد کے لیے بہترین پناہ گاہ تھی...... جس کا اشارۂ ابرو نہ جانے کتنے لوگوں کے مقدّر کا صورتگر تھا...... جس کی محبّت وسنگت اسرار کی کشّاف، جس کی

ذاتِ ستودہ صفات انوارِ کتاب وسنت کی آئینہ دار، جس کی تجلّیاتِ صورت ہی نہیں حسنِ سیرت بھی بے مثال و بے نظیر اور جو مجھ ایسے ہزاروں بیکسوں کا قبلۂ مراد تھا......اور جس کی نگاہِ کیمیا اثر نے میرے قبلہ و کعبہ، میرے محسن و مربّی، میرے ولی نعمت، شمس العرفاء بدر الاولیاء حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی جیسا شریعت وطریقت کا امام تیار کر کے زمانے کو دیا۔

یعنی

پیکرِ رُشد وہدایت، منبعِ فیضِ کرامت، سلطان الواصلین، برہان الکاملین،

مخزنِ اسرارِ حقانی، مطلعِ انوارِ رحمانی، قیوم زمانی، غوثِ صمدانی

اعلیٰحضرت پیر سید **علی حسین شاہ** صاحب نقشِ لاثانی

قدس سرہٗ العزیز

ہاں ہاں! اُسی بزرگِ باکمال کے حضور یہ اوراق

بطور نذرِ غلامانہ پیش کرتا ہوں:

؎ برگِ سبز است تحفۂ درویش

چہ کند بینوا ہمیں دارد

فقیرِ بارگاہِ حضور مفکّرِ اسلام

سعید آسوی

غرضِ تصنیف

دینِ اسلام میں طبقۂ اولیاء کو ایک خاص مقام اور شان وعظمت حاصل ہے۔ چنانچہ ان کی صحبت وسنگت اختیار کرنا، ان سے محبت کرنا، ان کی سیرت کا اِتباع سب نفع بخش امور ہیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں[1]، حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ بدعملی کے سبب ناامید ہو جائے گا۔ حق سبحانہٗ فرمائے گا: اے میرے بندے! کیا تو فلاں عارف کو پہچانتا تھا؟ وہ جواب دے گا، ہاں میں پہچانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا میں نے تجھے اس کے طفیل سے بخش دیا۔ مقامِ غور ہے کہ جب محض شناختِ ولی، وسیلۂ نجات ہے تو اولیاءُ اللہ کی سنگت ومحبت اور ان کی سیرت کا اِتباع بطریقِ اولیٰ وجہِ نجات وبخشش ہوگا۔ اسی طرح صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ (صلی اللہ علیک وسلم) اس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں، جس نے ایک قوم (مثلاً گروہِ اولیاء) کو دوست رکھا مگر اُن کی ملاقات سے مشرّف نہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا، اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ۔ یعنی قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔

ان ہی کے قدموں کی برکت سے آسمان سے مینہ برستا ہے (بِھِمْ تُمْطَرُوْنَ ۔[2])، زمین سے نباتات اُگتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں (وَ یُنْبِتُ وَیَدْفَعُ الْبَلاء ۔[3])، فریادیں سنی جاتی ہیں (بِھِمْ تُغَاثُوْنَ ۔[4]) اور انہی کی برکت سے مدد کی جاتی ہے (وَبِھِمْ تُنْصَرُوْنَ ۔[5])۔

پھر اولیائے کرام وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جہاں ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں بمصداق "تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْن" رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے۔

انہی امور کے سبب ان صالحینِ امت کے تذکرے کفارۂ سیئات ٹھہرائے گئے ہیں (ذِكْرُ الصَّالِحِيْنَ كَفَّارَة" ۶)۔ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ سے دریافت کیا گیا کہ تذکرۂ مشائخ سے مریدین کو کیا نفع حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَلْحكَايَاتُ جُنْد" مِّنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ يقوى بِهَا قُلُوْبُ الْمرِيْدِيْن۔ ۷

ترجمہ: حکایاتِ مشائخ خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدین کے دل قوی ہوجاتے ہیں۔

اس پر سوال کیا گیا کہ کیا آپ کے اس قول کی صداقت پر کوئی دلیل ہے؟ فرمایا کہ ہاں اور وہ اللہ عزّ وجل کا یہ ارشاد ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِه فُؤَادَكَ ج ۸

ترجمہ: اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھیرائیں۔ (کنز الایمان)

۱۔ نفحات الانس۔ ص ۲۱
۲۔ ابنِ حبان فی تاریخہٖ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ
۳۔ ابونعیم فی الحلیہ وابنِ عساکر عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۴۔ ابنِ حبان فی تاریخہٖ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ
۵۔ الطبرانی فی الاوسط عن انس بسند حسن
۶۔ فتح الکبیر۔ ج ۲۔ ص ۲۰
۷۔ رسالہ قشیریہ۔ باب الارادۃ
۸۔ سورۂ ھود۔ آیت ۱۲۰۔ ع ۱۰

اس آیت میں ربّ کریم اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے فرماتا ہے کہ ہم رسولوں کے قصے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو کوئی رنج ومصیبت پہنچے تو غور کریں کہ ایسی تکالیف میں ان نبیوں نے صبر وتوکل سے کام لیا ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے دل میں ثبات و قوّت وعزم پیدا ہوجاتا ہے۔

مولٰینا جامی علیہ الرحمہ نے سید الطائفہ کے مذکورہ ارشاد کو بہارستان میں یوں منظوم کیا ہے:

هجومِ نفس و هوا كز سپاه شيطانند
چو زور بر دلِ مرد خدا پرست آرد
بجز جنودِ حكاياتِ رهنما یاں را
چه تاب آنكه براں رهزناں شكست آرد

اولیاءِ کرام کے تذکار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ میرے افعال واحوال ان بزرگوں جیسے نہیں تو وہ بہتری کے لیے مستعد ہوجاتا ہے۔ اور غرور وتکبّر، ریا وخود پسندی اور اس جیسے دیگر مکروہات سے بچ جاتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ محبت میں جذبۂ اطاعت کو قوی کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے، چنانچہ جب اولیاء اللہ جو اعلیٰ وبلندترین سیرت کے مالک ہوتے ہیں، کے حالات ایک قاری پڑھتا ہے تو لامحالہ ان کی محبت میں گرفتار ہوکر راہِ اطاعت پر گامزن ہوجاتا ہے جو بالآخر رضائے الٰہی پر منتج ہوتی ہے۔

یادر ہے کہ محبوبانِ خدا کے تذکرے جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوتے

ہیں فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا) کے قرآنی وعدے ہی کی گویا تفسیر ہوتے ہیں۔زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلۂ زرّیں کی ایک کڑی ہے۔اس میں مہر سپہر ولایت ، ماہِ سمائے حقیقت سیدی و سندی حضور مفکرِ اسلام اعلیٰحضرت پروفیسر محمد حسین آسی صاحب قدس سرہٗ النورانی کا ذکرِ جمیل ہے۔میرے پیارے باباحضور نے اس دہرِ ناپائیدار میں زندگی کے دن جس حزم و احتیاط ،بصیرت و فراست اور راستی و پاکبازی سے گزارے ،کم از کم دورِ آخر میں اس کی مثال کمیاب ہے۔سیرتِ مقدّسہ کا ہر ہر ورق زرّیں اور ایک ایک نقش اجلا ہے۔لڑکپن میں والدِ گرامی علیہ الرحمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو شیخِ کریم ،پیکرِ رُشد و ہدایت ،منبعِ فیضِ کرامت،قیومِ زمانی ،غوثِ صمدانی اعلیٰحضرت پیر سید علی حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز نے براہِ راست اپنی تربیت و کفالت میں لے لیا۔مثالی علوئے استعداد، اَنتھک جذبۂ خدمت اور شیخِ کامل کی نظرِ کیمیا اثر نے اس اوجِ مقام پر فائز کر دیا کہ خود ''نقشِ لاثانی'' تھے تو آپ ''جلوۂ نقشِ لاثانی'' ٹھہرائے گئے۔پھر شیخِ کریم نے حُبِّ خدا ورسول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)اِتباعِ شریعت و سنّت ،خدمتِ دینِ متین ،سرکوبیِ فتنِ دورِ حاضر،تحفظِ ناموسِ رسالت و ولایت اور جذبۂ سربلندیٔ اسلام جیسے محاسن و محامد سے کچھ اس طرح متصف کیا کہ ''شمس العرفاء'' ، ''بدرالاولیاء'' اور ''مفکرِ اسلام'' جیسے القاب سے ملقب بہ ہوئے۔آپ شریعت و طریقت کے مجمع البحرین ،دورِ حاضر میں اسلام کے مبلّغِ اعظم ،کتاب و سنّت کے خوشنما پیکر،صدق و صفا اور بذل و عطا کے نورانی مجسّمہ تھے۔تحفظِ ختمِ نبوّت کا شعبہ ہو،(۱۹۷۰ء میں) سوشلزم کا فتنہ ہو،باطل فرقوں کی بیخ کنی کا میدان ہو،نت نئے فتنوں کی گوشمالی کا معاملہ ہو،اہلِ اسلام

کی دینی و ملّی غیرت کو جگانے کا پروگرام ہو، پاکستان مخالف اذہان کی تیرگی کو ختم کرنا مقصود ہو، اربابِ سیاست اور مقتدر حلقے کی اصلاح مطلوب ہو، اصلاحِ معاشرہ کا مسئلہ درپیش ہو غرضیکہ ان تمام شعبہ جات میں آپ کے کارہائے نمایاں از حد لائقِ ستائش اور کردار مجاہدانہ ہے۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کی حیاتِ مقدّسہ ''جُہدِ مسلسل'' سے عبارت ہے، جہاں تھکاوٹ، غفلت یا سستی کا نام و نشان بھی نہیں۔آپ کی حیاتِ مقدّسہ کا نمایاں ترین 'ماٹو' تھا:

رسول اللہ(ﷺ) توں صدقے جان میری
ایہہ فانی زندگی قربان میری

آپ اوائلِ عمری ہی میں اپنی زندگی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی 'نذر' کر چکے تھے۔پھرتا حیات خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے لَو لگائے رکھی ،دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے کوئی علاقہ نہ تھا،آپ کی پاک وطیب زندگی میں فضولیات کا ہلکا سا تصوّر بھی نہیں ملتا۔چنانچہ ربِّ کریم نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے اور شیخِ کریم کی دعا سے آپ کی حیاتِ طیبہ کو خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی عظیم ہستیاں کہیں صدیوں کے بعد منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔

قرنہا باید کہ تایک مردِ صاحبدل شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

ان کی آمد سے پہلے روحِ فطرت ان کی منتظر رہتی ہے اوران کے وصال کے بعد زمانہ ان کے گیت گاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اولیاءِ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان دنیائے ششجہت سے انتقال فرما کر خود تو دوسروں کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر یہ دوسرے ان سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے مزار کی تنہائی میں رہ کر بھی دلوں میں جلوے بکھیرتے ہیں۔ چنانچہ میرے بابا حضور کل بھی مرکزِ نور تھے اور آج بھی زمانے کی شبِ تاریک اس 'مہرِ منیر' کی تابشِ کردار سے نور کی بھیک مانگتی ہے۔ آج بھی آپ کی عنایات کو محسوس کرنے والے کر رہے ہیں۔ آج بھی آپ کے تصرّفات شکستہ دلوں کا مقدّر بنا رہے ہیں۔ غرض آپ اپنی خداداد توانائیوں سے آج بھی زندہ بلکہ زندہ تر ہیں اور اس پر آپ کے دربار کی رونقیں بھی شاہد ہیں۔

'نام فقیر تنہا ندا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہُو'

اولیاءِ کرام کی حیات بعد از وصال مسلّمہ ہے، تاہم دیدارِ عام کا سلسلہ منقطع ہونے کے سبب ہر آدمی وہ فیض حاصل نہیں کر سکتا، جو زیارت سے مختص ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے فکری و نظری فیضان کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لیے ان کے تذکروں کو کتابی شکل دینے کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اس کی چند وجوہات قیومِ زمانی، قطبِ ربانی، قندیلِ نورانی حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کی زبانِ حق ترجمان سے سنیں:

''ایک تو اس لیے کہ ان قدسی نفوس کی یہ داستانیں صبر و رضا، ہمّت و استقامت، عشقِ خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ والہ وسلم)، خلق و مروّت غرض بہترین علمی و عملی اسباق سے لبریز ہوتی ہیں اور پڑھنے والا عموماً ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہ (تذکرے) خلقِ خدا کے لیے معیارِ حق بن

جاتے ہیں، حرص و ہوا کے بندے جو جبہ و دستار کے بل بوتے پر پیری و مریدی کے حسین نام سے عوام کو دھوکا دیتے رہتے ہیں، ان داستانوں کے آئینوں میں ان کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ تیسرے اس لیے بھی کہ بزرگانِ دین کے دشمن اور دن رات ان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے، ان تذکروں کے اُجالے میں 'نقب زنی' بھی نہیں کر سکتے۔''

بحمدہٖ تعالیٰ اور بکرمہٖ المصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کوشش کی گئی ہے کہ زیرِ نظر کتاب ان تمام مقاصد کی تکمیل کرے۔ اس میں عصرِ حاضر کے عظیم ترین مردِ کامل حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی عادات و خصائل، اَخلاق و اطوار، معمولات و ارشادات، کرامات و تصرّفات غرض آپ کی سیرتِ مقدّسہ کے متعدّد پہلوؤں پر ذاتی مشاہدے اور دستیاب معلومات کی بنیاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور پُر خلوص کوشش کی گئی ہے کہ مصدّقہ اور قابلِ اعتماد روایات و حقائق ہی کو بیان کیا جائے۔

مجھے کھلے دل سے اعتراف ہے کہ ایک 'مردِ کامل' خصوصاً 'حضور مفکّرِ اسلام' قدس سرہٗ النورانی کی سیرتِ مقدّسہ پر قلم اٹھانے کے لیے جن ظاہری و باطنی اوصاف و خصوصیات کی ضرورت ہے، میں ان سے عاری ہوں۔ میری علمی بے بضاعتی اور عملی تہی دامنی اس کارِ عظیم کی انجام دہی کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یعنی حضور مفکّرِ اسلام جیسی عظمت و استقامت کی پہاڑ شخصیت کی سوانح نگاری ایک نہایت مشکل کام تھا۔ اس کے لیے علم و فضل کی وسعت ہی نہیں، عظمتِ کردار بھی درکار تھی۔ المختصر! مجھ ایسے 'ناقص' کے لیے یہ سب اتنا آسان نہیں تھا، نہ میں اس لائق۔ ہاں وہ خود ایک 'محروم' کو 'سعادت مند' بنانا چاہیں تو

ہ بر کریماں کارہا دشوار نیست

وہ ایک لمحہ میں 'فقیرِ بینوا' کو 'صاحبِ تخت وتاج' بنانا جانتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ قلم اٹھانا ان کی بلکہ ان کے اسلاف کی توجہ اور مرضی کے بغیر محال ہے۔ تو جب 'توجّہ' اور 'مرضی' شاملِ حال ہے تو تحریر کے تقاضے بھی انہوں نے پورے کرالیے ہوں گے۔

میں اپنے فکر وعمل کا جائزہ لیتا ہوں تو تاریکی وظلمت کے بادل دکھائی دیتے ہیں۔ دل میں جھانکتا ہوں تو 'سوز' نظر آتا ہے نہ 'ساز'، نہ ہی نورِ عقل میسّر، زندگی یوں جیسے ایک راہ گم کردہ مسافر، جو منزل سے ناآشنا اندھیری رات میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ اسی حال میں رحمتِ الٰہی کا ابرِ نیساں برستا، دل میں یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ اگر خداوندِ کریم اور اس کے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو حضور جیسی شخصیت کا آستانہ کیونکر ملتا۔ بس اس خیال کی آمد ہوتی ہے تو آناً فاناً یوں محسوس ہوتا ہے جیسے غم کے بادل چھٹ گئے ہیں، ظلمتیں کافور ہوگئی ہیں۔ دل ڈھارس بندھاتا ہے کہ اگرچہ میرے گناہ بے شمار ہیں مگر میرے سوہنے رب کی رحمت ان سے بھی بے حد و بے عدزیادہ ہے، بلکہ اس کے فضل سے میرے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رحمت کا سمندر بھی میرے گناہوں سے بہت بڑا ہے، بلکہ میرے شیخ کریم کی رحمت و کرم بھی خدا و مصطفیٰ (جل وعلا فصلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) کے فضل سے میرے گناہوں سے ازحد زیادہ ہے۔

متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ یہ سگِ بارگاہ اپنِ محسن ومربّی، اپنے ولی نعمت، اپنے خطاپوش، اپنے عطاپاش، سراپا خیر وبرکت بابا حضور کے مزارِ پُرانوار پر حاضر ہوا ہی تھا کہ دل نے درد بھری التجا کی، 'حضور! میرے جیسا ناقص، آپ جیسے کامل کے لائق قطعاً نہیں'۔ کچھ دیر یہ کیفیت رہی، پھر اچانک خیالات کے ایک نئے ہجوم نے دستک

دی، جس کی آمد نے خوب رُلایا کہ "نہیں حضور! میں نے غلط کہا، آپ ہی کے تو لائق ہوں، اَور کون ہے جو مجھ ایسے 'شقی' کو 'سعید' کرے، مجھے نفس کے وار سے بچائے، پناہ دے۔ میرا درد، میرا غم اس قابل کہاں کہ کوئی اَور سُن سکے، ہاں! آپ ہی سُن سکتے ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے دَورِ حاضر میں سب سے بڑے نائب اور اُن صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رحمتوں کے بہترین نمائندے آپ ہی تو ہیں"۔

رحمت وکرم کی اسی صورتحال پر شکر گزاری کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش یہ تحریر ہے۔ ہاں ہاں! یہی کہہ سکتا ہوں:

ے کریماں کہ در لُطف بالا ترند
سگاں پرورند و چُنیں پرورند

تصنیفِ کتاب کا ایک مقصد وہی ہے جو خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ نے "تذکرۃ الاولیاء" کے مقدّمہ میں بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

"چودھویں وجہ یہ کہ شاید میری تصنیف کے صلے میں یہ اولیاءِ کرام قیامت میں میرے سفارشی بن سکیں اور جس طرح اصحابِ کہف نے اپنے کُتّے کی رعایت کو ملحوظ رکھا، اِسی طرح یہ اولیاءِ کرام میری رعایت کو بھی ملحوظ رکھیں، گو میرا درجہ اس سے بھی کم ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت جمال موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اسی تمنّا میں خونِ دل پیتے اور دولت صرف کرتے گزر گئی کہ کسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے روضۂ اقدس کے قریب قبر کی جگہ مل جائے اور جب جگہ مل گئی تو انتقال کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ قبر پر یہ کتبہ لگا دینا کہ آپ کا کُتّا آپ ہی کے دَر پر پڑا ہے۔ اِس روایت کے مطابق میری بھی یہی دعا ہے کہ یا اللہ! اصحابِ کہف کا کُتّا چند ہی قدم اُن

کے ساتھ چلا تھا کہ تو نے اس کو بھی اصحاب کہف میں شامل کر دیا۔ اِس طرح میں بھی تیرے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں اِس لیے مجھے بھی روزِ محشر ان لوگوں کے سامنے شرمندگی سے بچالینا اور تیری وہ مخصوص توجہ جو اولیاءِ کرام کے ساتھ وابستہ ہے، اِس سے مجھے بھی محروم نہ رکھنا اور میری اس تصنیف کو اپنے سے دُور کرنے کی بجائے اپنے قُرب کا ذریعہ بنا دینا اور بلاشُبہ تو دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔ آمین'' (اُردو ترجمہ 'تذکرۃ الاولیاء')

یہ عاجز اس مردِ کامل کی دعا پر اپنے حق میں بھی آمین کہتا ہے۔ کاش میرے شیخِ کریم، میرے آقا و مولا، ملجا و ماوی حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ القوی بھی آمین فرمادیں۔

آخر میں میں شکر گزار ہوں اپنے بابا حضور کے وارث و جانشین جناب صاجبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ کا جنہوں نے اس کارِ عظیم میں مکمل سرپرستی فرمائی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ کریم وارثِ حضور مفکرِ اسلام کو دو جہاں کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں سراپا اَخلاص جناب حاجی شوکت علی صاحب کی خدمات نہایت مستحسن ہیں۔ اس تصنیفِ لطیف کی کمپوزنگ میں انہوں نے خاصی محبّت و محنت سے کام لیا ہے۔ کئی اُمور میں جناب ممنون احمد آسوی صاحب، حافظ محمد نعیم صاحب، حافظ محمد اظہر نعیم صاحب اور جناب محمد آفتاب صاحب کا تعاون بھی میسر رہا۔ اللہ کریم ان سب کو بلکہ ہر اس شخص کو بہترین جزا عطا فرمائے جس نے ایک مردِ کامل کی سوانح حیات کی اشاعت کے لیے خلوص کے ساتھ کام کیا۔ آغازِ کتاب میں جن جید علماء و مشائخ کے تاثرات درج ہیں، ان کی بلندیٔ درجات کے لیے بھی دعا گو ہوں۔

آمین بجاہ النّبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

گدائے حضور مفکرِ اسلام

سعید آسوی

(۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ بروز سہ شنبہ بمطابق ۲۴ جون ۲۰۱۴ء بروز منگل)

مقدّمہ

مایہ ناز اسکالر، مصنف، محقق یادگارِ اسلاف، علامہ رضاء الدین صدّیقی صاحب

(ادارہ ’زاویہ‘۔ لاہور)

حضرت قبلہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کی ایک نادرروزگار شخصیت ہیں، اُن کی ذاتِ والاصفات گونہ گوں کمالات سے مشرف اور مزین تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی اپنے قبلہء مقصود کے گردونواح میں گزاری، اس کا تعلق اُن کے ذوقِ محبت اوراپنے شیخ سے غیر مشروط وابستگی سے تھا۔ وہ سیالکوٹ اور شکرگڑھ کے تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے اور ہمیشہ علی پور شریف کی حاضری ان کے التزام میں رہی۔ کوچہ جاناں کے اس مستقل طوف نے انھیں عمر بھر سرشار رکھا اور بلاشبہ وہ روحانی کیف سے معمور رہے اوراُن کا پروردگار ہی جانے کہ وہ معرفت کی کن بلند منزلوں سے آشنا ہوئے۔ میرے جیسا ظاہر بین شخص تو اس حوالے سے سوچتا ہے کہ اگر اُن جیسی بھر پوراور جامع الکمالات شخصیت لاہور یا اسلام آباد جیسے کسی مرکزی شہراور کسی مرکزی ادارے میں ہوتی تو زمانہ اُن سے اور بھی اچھی طرح مطلع ہوتااوراُن سے استفادہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا، اوران کے علم وعرفان کا دائرہ اکناف عالم میں پھیل جاتا۔

مضافات کے علاقوں میں زندگی گزر کرنے کے باوجودانھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے قیمتی اوقات کو بہر حال ضائع نہیں ہونے دیا۔ خاکسار کواُن سے بہت سی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوااوراُن سے حاصل ہونے والافہم اورشعور میری زندگی کا ایک اہم اثاثہ ہے۔ میں نے 1981ء میں انجمن طلبہ اسلام میں شمولیت اختیار کی، اس وقت میں درالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا طالب علم تھا۔ انجمن کے مختلف اجلاسوں میں سیالکوٹ کے بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی اُن تمام سے پروفیسر صاحب کا تذکرہ سنا جس نے بھی ان کا ذکر کیا بڑے ہی احترام اور محبت کے ساتھ کیا اور وہ نوجوان جواُن کے حلقے میں حاضری دینے والے تھے انھیں وابستگی دین، احترام رسالت اور تنظیمی فکر کے اعتبار سے دوسروں سے بہت مختلف پایا۔ اُن سے ملاقات اور زیارت کا ایک گونہ اشتیاق سا دل میں پیدا ہوگیا۔ میں ایک دن بہت حیرت زدّہ ہوا جب علاقہ بجوات کے رہنے والے ایک دوست محترم محمد رفیق نے مجھے کہا کہ آپ کو سیالکوٹ میں پروفیسر محمد حسین آسی صاحب یاد فرمارہے ہیں اوران کی طرف سے دعوت ہے کہ فلاں تاریخ محفل میلاد کی ایک نشست تقریر کے لیے آؤ۔ محمد رفیق صاحب نے مجھے بتایا کہ میں بھی اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں پروفیسر صاحب کے پاس زیرِ تعلیم رہا ہوں، میرا معمول ہے کہ جب بھی تعطیلات پر گھر جاتا ہوں تو پروفیسر صاحب کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا ہوں۔ اس بار میں نے اُن سے تمہارا ذکر کیا کہ ہمارا ایک دوست بھی تقریر کرلیتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اسے ہماری محفل میں شرکت کی دعوت دو۔ خبر ملی کہ پروفیسر صاحب نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے خوگر ہیں اور کسی بھی نوجوان میں دین وملت کے حوالے سے صلاحیت دیکھتے ہیں تو اُس کی کمال حوصلہ افزائی فرماتے

ہیں۔اُسے اپنی سرپرستی میں لے لیتے ہیں اور ممکنہ حد تک اُس کی اس صلاحیت کی آبیاری فرماتے ہیں۔ میں نے اس نظر کرم کو اپنے لیے بڑی سعادت کا سامان جانا۔اُن کی خدمت میں حاضری ہوئی، انھوں نے جس انداز سے پذیرائی فرمائی اس کی یاد کسی طور بھی بھلائی نہیں جاسکتی۔

1988ء اور 1989ء میں مجھے سیالکوٹ میں حاضر ہونے کا موقع میسر آیا،ان دوسالوں میں ان سے بہت نیاز حاصل رہااور میں نے ان کے بہت سے اوصاف کا بہت قریب سے مطالعہ کیا،ان کا ذوقِ کتاب بہت ہی عمدہ اور بہت ہی وسیع تھامیں نے اپنی زندگی میں اُن جیسے وسیع المطالعہ افراد کم ہی دیکھے ہیں۔قدرت نے انھیں حافظہ اور استحضار علمی کی دولت سے بھی بڑی فیاضی سے نوازا تھا۔ان سے گفتگو کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا ایک دریا رواں ہے۔ایک ایسا دریا جس میں بیش بہا نادر و نایاب موتی ہیں اور اس پر کمال یہ ہے کہ ہر شخص کی فہم وفراست اور ذہنی سطح کے مطابق اس سے محوکلام ہوتے۔فضیلت علمی کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود ان کا لباس ، ان کی شخصیت ان کا رہن سہن بے انتہاء سادہ تھا۔مزاج میں کسی تکبر اور رعونت کا شائبہ تک نہیں تھ۔مجھ جیسے کم علم انسان کی بھی اس خلوص سے پذیرائی کرتے کہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہوتا کہ شاید یہ کوئی بہت ہی بڑی شخصیت ہے۔

بہت زیادہ مطالعہ کرنے والے لوگ عام طور پر کیف محبت سے خالی ہوجاتے ہیں،خشک طبیعت ہوجاتے ہیں لیکن پروفیسر صاحب کو اللہ نے بڑی ہی گداز طبیعت عطا فرمائی تھی۔محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ،ان کا نشانِ امتیاز تھا میں نے ایک صاحب دل سے یہ سنا کہ ”کامل پیر تو بہت سے دیکھے ہیں لیکن کامل مرید

صرف پروفیسر محمد حسین آسی کو دیکھا ہے“۔ان کی نعتیہ شاعری، ان کی نثر کی ایک ایک سطر اس سرشاری اور وابستگی کی روشن دلیل ہے۔کئی ایک مرتبہ مجھے ان کے آستانہ عالیہ پر رات ٹھہرنے کا موقع ملا۔بساوقات سونے میں بہت تاخیر بھی ہوجاتی لیکن میں نے ہمیشہ دیکھا کہ وہ کچھ ہی دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد چپکے سے اٹھتے لائٹ جلائے بغیر آہستہ سے نکلتے وضو تازہ کرتے اور اپنے پاک پروردگار کی بارگاہ میں سربسجود ہوجاتے ۔یہ معمولات نماز فجر تک جاری رہتے اور وہ اپنے سلسلے کی سارے اوراد و وظائف کا التزام بھی فرماتے۔ میں نے انھیں نعت،میلاد اور سیرت کی محافل میں ہمیشہ دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا،نشست کی طوالت پیرانہ سالی اور بساوقات شدت کی بیماری کے باوجود بھی وہ ادب کے اس زاویہ کو کبھی بھی ترک نہ فرماتے۔

علم ،ادب، عاجزی ،شاعری ،معمولات تصوف کے ساتھ ساتھ ان میں دین اوروطن کے حوالے سے غیرت اور حمیت اس درجہ پر تھی کہ بایدوشاید، میں نے جن اوصاف کی طرف مختصر اشارہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں کیا ہے۔زیرنظر کتاب میں ان کی بہت سی مثالیں آپکے مطالعہ سے گزریں گی۔ہمارے دوست بڑی تحسین کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک عبقری اور محترم شخصیت کی مبارک زندگی کے بہت سے گوشوں کو آشکار کیا اور نسل نو کو اپنے ایک محسن سے روشناس کروانے کی سعیء بلیغ فرمائی۔اللہ رب العزت انہیں دارین میں خوش وخرم رکھے۔

زاویہ نشین
رضاءالدین صدیقی

تقریظ

حضرت العلام، شیخ الاسلام صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ رضوی صاحب
(سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث ابدالوی علیہ الرحمہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ)

عزیز القدر جناب سعید محمد عامر آسوی زیدمجدہٗ قابلِ صد مبارکباد اور لائقِ تحسین ہیں کہ انہوں نے عظیم محقق و دانشور، بلند پایہ مصنف، جید عالمِ دین، عظیم ترین مفکّر و مصلح، نعت گو شاعر، فنافی الشیخ اور سچے عاشقِ رسول حضرت علاّمہ پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہٗ العزیز کے حالاتِ زندگی ''سیرتِ حضور مفکّرِ اسلام'' کے عنوان سے مرتّب کرنے کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے اس کتاب میں حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی کی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اندازِ تحریر عام فہم، دلکش اور دلنشیں ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس رجلِ عظیم کا سراپا آنکھوں میں گھومنے لگتا ہے جس نے علم کے چراغ جلا کر ہزاروں سینوں کو علم کے نور سے روشن کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز اپنے دَور کی وہ قد آور علمی، دینی، ادبی اور روحانی شخصیت ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت، مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی حقانیت و حفاظت اور دلائل و براہین سے شاندار اور بھرپور ترجمانی

فرمائی۔ آپ کی علم دوستی، معارف پروری، خلوص و محبت، زُہد و تقویٰ اور حکیمانہ طرزِ گفتگو نے ایک عالم کو متاثر کیا۔

آپ کے اندازِ تربیّت اور فیضانِ صحبت نے ہزاروں نوجوانوں کو بے مقصد زندگی سے نکالا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فروغ اور اصلاحِ اُمّت کے لیے جدّ و جہد کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ آپ کی تحریروں میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مہک ہے۔ آپ کی جگمگاتی تحریروں نے دورِ جدید کی متعفّن اور تاریک فضاؤں میں حُبّ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے انوار اس فیاضی سے بکھیرے کہ ہر طرح تاریکیاں اجالوں میں بدل گئیں۔

حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی علمی اور روحانی تربیّت سے فیض یافتہ اور آپ کے منظورِ نظر عزیزِ گرامی جناب سعید محمد عامر آسوی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے زیرِ نظر کتاب کو مرتّب کر کے اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ میرے لیے یہ امر باعثِ مسرّت ہے کہ زیرِ نظر کتاب ''سیرتِ حضور مفکّرِ اسلام'' کے مرتّب کے بارے میں حضرتِ آسی علیہ الرحمہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے بڑے ہی پیار سے تاثرات تحریر فرمائے جو آپ کے ایامِ علالت میں ''ماہنامہ الحقیقہ'' میں شائع ہوئے تھے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''اہلِ سنت علماءِ محققین میں نوجوان اور نہایت محنتی ہیں۔ افتخار احمد ممنون کے بعد تحقیق و تدقین میں میرے معاونِ اوّل یہی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کی تحریر و تقریر کو شرفِ پذیرائی حاصل ہے۔ ویسے کئی سال کے میل جول کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا

ہوں کہ اس ماحول میں ان جیسے مؤدب، اطاعت شعار، وفا سرشت، صاحبِ درد، شاگردنواز، مصلحِ احوال اور کم گو بہت ہی کم علماء ہیں۔ سالہا سال کے عرصے میں ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ میں نے کوئی مہم ان کے ذمہ لگائی ہو اور انہوں نے سر نہ کی ہو۔

میری دعا ہے کہ میرے پیر دستگیر کے فیض سے میرا خدا اور میرا نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس میرے بچے پر میرے تصوّرات سے زیادہ مہربان رہیں۔ آمین" (الحقیقہ: مئی ۲۰۰۴ء۔ صفحہ ۸۵)

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل زیرِ نظر کتاب کو قبولِ عام کا شرف بخشے اور مرتّب کو جزائے جمیل سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

۲۵ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	محمد نور المصطفیٰ رضوی
بمطابق	خانقاہ ڈوگراں۔ ضلع شیخوپورہ
۱۸ دسمبر ۲۰۱۴ء۔ جمعرات	پنجاب پاکستان

تقریظ

ممتاز علمی، ادبی، روحانی شخصیت عالمِ باعمل، پیر سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب

(برہان شریف۔ اٹک)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم .

رحمت حق بہانہ می جوید فقیر کے ابتدائی استاذ مولانا شوکت حیات صاحب نے بچپن میں مجھے حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "تذکرۃ الاولیاء" عنایت فرمائی۔ فقیر نے اس کتاب کو حرزِ جاں بنا لیا تھا، جہاں جاتا یہ کتاب میرے ہمراہ ہوتی حتیٰ کہ زمانۂ طالب علمی میں نصاب کی کتابوں کے ساتھ "تذکرۃ الاولیاء" بھی ساتھ رکھی ہوتی تھی۔ گھر میں اکثر رات کو سونے سے قبل میرے والدین اور بہن بھائی مجھ سے اس کتاب کا ایک باب ضرور سماعت کرتے تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے مجھے اولیاء اللہ کا گرویدہ بنا دیا اور میں اولیاء اللہ کے تذکرے تلاش کر کے پڑھتا اور ایمان تازہ کرتا تھا۔

فقیر کا زمانۂ طالب علمی تھا کہ فوجی کاٹن ملز موجودہ ٹیکسلا کاٹن ملز حسن ابدال

میں سیالکوٹ کے محمد یوسف صاحب ملازمت کرتے تھے اور وہ میرے والد گرامی کے دوست تھے۔ایک دن وہ ایک کتاب کے مطالعہ میں منہمک تھے،فقیر نے دیکھا تو وہ ''انوارِ لاثانی'' تھی۔اس کے مصنف ''عمدۃ المحققین پروفیسر محمد حسین آسی علیہ الرحمہ'' ہیں۔کتاب کی ورق گردانی کی تو از حد پسند آئی،فقیر نے ان سے یہ کتاب اپنی لائبریری کے لیے عاریتاً لے لی۔اس کو پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا چلا گیا۔ یہ راقم کا حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلا غائبانہ تعارف تھا۔ان کی محبت کا نقش دل میں جاگزیں ہو کر رہ گیا۔پھر کچھ عرصہ بعد مطالعاتی دورے پر لاہور گیا۔جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور میں علماءِ کرام سے ملاقاتیں کیں۔بالخصوص مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ،علامہ محمد منشا تابش قصوری اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔دیواروں پر دارالعلوم حزب الاحناف میں ایک تقریبِ سعید کے اشتہار چسپاں تھے جس کے مقررین میں عمدۃ المحققین پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نمایاں تھا۔حضرت شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اشتہار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے راقم سے فرمایا کہ ان ''آسی صاحب'' کو جانتے ہو؟ فقیر نے عرض کیا کہ بچپن سے غائبانہ تعارف ہے،ان کی کتاب ''انوارِ لاثانی'' پڑھ چکا ہوں۔فرمانے لگے کہ ان سے آج ضرور ملاقات کرو،یہ تحریکِ فروغِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے سفیر ہیں۔چنانچہ رات کو حضرت سے ملاقات کی اور ان کی تقریرِ منیر بھی سنی۔

یہ حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے بالمشافہ پہلی ملاقات تھی۔یہ غالباً ۱۹۸۵ء اور ۱۹۹۰ء کے درمیان کسی سال کا واقعہ ہے۔اس کے بعد نہ جانے حضرت

پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے کہاں کہاں اور کتنی ملاقاتیں ہوئیں اور ٹیلی فون پر بھی گفت وشنید ہوتی رہی۔راولپنڈی میں محمد اسلام باجوہ مرحوم کے ہاں بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔۲۰۰۵ء میں جب فقیر کے والد گرامی سید مسکین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات ہوئی تو آپ علالت کے باوجود برہان شریف تشریف لائے،تعزیت کی، فاتحہ پڑھی اور فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔آپ راقم کی قلمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔بالخصوص بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے عقیدہ ومسلک کے بارے میں لکھی گئی کتاب کو بہت سراہتے تھے۔آپ بندہ کے مہربان اور قدردان تھے۔اپنی وفات سے ایک دن قبل جب راولپنڈی میں چیک اپ کے لیے تشریف لائے تو بندہ کو ملاقات کے لیے بلایا اور والہانہ انداز میں ملاقات کی اور اہلِ سنت کی زبوں حالی پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔یقیناً عمدۃ المحققین حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ تحریکِ فروغِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ایک سفیر تھے۔آپ جہاں گئے نوجوانوں کو بیدار کیا،اس پر آپ کے مشاہیر تلامذہ شاہد عادل وناطق ہیں۔

میں نے اپنی زندگی میں مختلف اربابِ علم ودانش کی زیارت کی ہے لیکن جن شخصیات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ان میں حضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہایت نمایاں ہے۔آپ نے اپنی ساری زندگی درویشانہ انداز میں گزاری،جب بھی پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عزت و ناموس پر کسی بدبخت نے حملہ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو آپ کا قلم خنجر خونخوار کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔کالجوں میں رہ کر آپ نے ایک انقلاب برپا کیا۔نوجوانوں کے فکرو اعتقاد کی اصلاح میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی،کالجوں کے میگزینوں کے اہم نمبر ترتیب دیئے

جن میں ''سیرت نمبر''، ''قرآن نمبر'' اور ''اسلام نمبر'' کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ تنظیم ''شیرانِ اسلام'' بنائی جس نے اسلام مخالف قوتوں کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے۔ مجلّہ ''الحقیقہ'' ایک حقیقت بن کر سامنے آیا، جس کا ایک عظیم وضخیم نمبر زیر تدوین ہے۔ ہنوز تحفظِ ختمِ نبوّت نمبر کی جلد اوّل سامنے آئی ہے۔ آپ جہاد بالقلم کے بھی ایک زبردست سپاہی تھے، جس پر آپ کی درجنوں کتابیں گواہ ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر تھے لیکن اپنی ساری شاعری کو صرف ''نعت گوئی'' کے لیے محدود کر دیا تھا۔

ضرورت تھی کہ کوئی مردِ میدان بنے اور اس عظیم علمی وادبی تحقیقی شخصیت کے احوال وآثار پر قلم اٹھائے اور دنیا کے سامنے لائے۔ الحمدللہ اس کارِ خیر کے لیے عزیزم علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی کے نام کا قرعہ نکلا، آپ نہایت محبت اور لگن سے اپنے شیخِ طریقت مفکرِ اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کی ''حیاتِ جاوداں'' کو صفحۂ قرطاس پر لاکر منصۂ شہود پر لائے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخِ طریقت کی ہدایت اور رہنمائی کی روشنی میں یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں حضرت علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے رنگِ تحریر کی جھلکیاں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

یہ ضخیم کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب الگ الگ تبصرہ کا متقاضی ہے لیکن یہاں اس پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

آغاز میں حمد ونعت اور انتساب ہے اور پہلا باب ''نبوت وولایت'' ہے۔ دوسرا باب آپ کے ''ابتدائی حالات وواقعات'' پر مشتمل ہے، جس میں ولادتِ باسعادت،

والدین، خاندان، عہدِ طفولیت، شباب، حلیہ اور نکاح جیسے عنوانات شامل ہیں۔

تیسرا باب ''درس وتدریس'' ہے جس میں آپ کی دینی ودنیاوی تعلیم اور درس وتدریس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

چوتھا باب ''بیعت وخلافت'' ہے جس میں مفکرِ اسلام کو بحیثیت ایک شیخ کامل پیش کیا گیا ہے

پانچواں باب ''حج وزیارت'' ہے جس میں آپ کے حج وزیارت کے ایمان افروز اسفار کو تحریری شکل دی گئی ہے۔

چھٹا باب ''شیرانِ اسلام اور مجلۃ الحقیقہ'' ہے جس میں شیرانِ اسلام اور مجلۃ الحقیقہ کے اغراض ومقاصد سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ نیز نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی شکر گڑھ کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

ساتواں باب ''اوصافِ حسنہ'' ہے جس میں آپ کی زندگی کے روشن اور تابناک پہلو دکھائے گئے ہیں اور آپ کو ایک عظیم عاشق رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب ''حضور مفکرِ اسلام اور جذبۂ حُبّ الوطنی'' ہے جس میں مملکت خداداد پاکستان، بانی پاکستان، مصورِ پاکستان سے آپ کی بے پناہ محبت اور دشمنانِ پاکستان سے آپ کی نفرت کی چند جھلکیاں نمایاں طور پر دکھائی گئی ہیں۔

نواں باب ''اخلاقِ حضور مفکرِ اسلام'' ہے جس میں آپ کے اخلاق کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ آپ کا زہد وتقویٰ، خود نمائی سے پرہیز، جود وسخا اور فقر واستغناء کو نمایاں طور پر لیا گیا ہے۔

دسواں باب ''مذہبی تعامل'' ہے جس میں مختلف مسائل پر آپ کا نقطۂ نظر پیش کیا

گیا ہے۔

گیارہواں باب ''معمولاتِ مبارکہ'' ہے جس میں آپ کے شب وروز کے معمولات، وظائف کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

بارہواں باب ''کرامات وتصرفات'' ہے جس میں کرامت کی تعریف، اولیاء کی کرامات کے بارے میں اولیاءِ کرام کے فیصلے اور پھر آپ کی چند کرامات وتصرفات کو پیش کیا گیا ہے۔

تیرہواں باب ''وصال اور مابعد وصال'' ہے جس میں مفکرِ اسلام کے سفرِ آخرت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور مختلف شعراءِ کرام کا خراجِ عقیدت بھی شامل ہے۔ جن میں غلام مصطفیٰ مجددی، طارق سلطان پوری، سید عارف مجہور رضوی، اور فیض الامین فاروقی کا منظوم کلامِ خراجِ عقیدت نمایاں ہے۔

چودھواں باب '' ملفوظات و ارشادات '' ہے جس میں توحید، رسالت، صحابہ، اہل بیت، ذکر خدا، مراقبہ، درود شریف، اتباعِ شریعت اور آدابِ طریقت کے بارے میں آپ کے ملفوظات وارشادات پیش کیے گئے ہیں۔

پندرھواں باب ''شیوخ وسلاسل'' ہے جس میں نسبت کی برکات، شجرہ شریف نقشبندیہ قادریہ کو منظوم صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور پھر مشائخِ نقشبند کے مختصر حالات پیش کیے گئے ہیں۔ گویا یہ شجرہ نقشبندیہ کی مختصر شرح ہے۔

سولہواں باب ''علمی وادبی کارنامے'' ہے جس میں مفکرِ اسلام کی ۳۱ مطبوعہ اور ۲۰ غیر مطبوعہ تصانیف وتالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ گویا آپ کی تصنیف وتالیف کی کل تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ کی تمام تصانیف کو از سرِ نو نئی آب وتاب کے ساتھ شائع کر کے افادۂ عام کے لیے پیش کیا جائے۔

الحمد للہ! عزیزم علامہ سید محمد عامر آسوی حسینی نے میرے ممدوح حضرت مفکرِ اسلام علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کو احسن انداز میں کتابی صورت دے کر ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آپ کی علمی، ادبی، ملی اور تحقیقی خدمات کو نہایت کاوش سے سولہ ابواب میں ایک سلک مروارید کی طرح یکجا کر دیا ہے۔ یقیناً دنیائے علم وادب میں آپ کی اس کاوش کو نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ فقیر ان کو اس کارنامہ پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے طفیل ان کو اور ناشرین کو آخرت میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے اور ہم سب کی بھی بخشش فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

دعا گو ودعا جو...... گدائے کوئے مدینہ شریف

سید صابر حسین شاہ بخاری

ادارہ فروغِ افکارِ رضا۔ برھان شریف ضلع اٹک پنجاب

(۷ دسمبر ۲۰۱۴ء بروز اتوار)

تقریظ

از قلم: عالمِ نبیل، فاضلِ جلیل، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ

علامہ غلام مصطفیٰ مجدّدی صاحب

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اس نعمت پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ راقم عاجز جیسے بے بضاعت انسان کو ایک عظیم مفکّر، عظیم شاعر، عظیم پیکرِ روحانیت اور عظیم مردِ برحق کی تقریباً سولہ سال مسلسل زیارت اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اُس عظمت مآب شخصیت کا اسمِ گرامی ہے، 'جناب محمد حسین آسی نقشبندی'۔ آپ کا وصال میرے جیسے بے شمار لوگوں کے لیے سانحۂ جاں گداز تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کی شخصیت پر کوئی مبسوط مقالہ رقم کروں۔ آپ کی فکر، آپ کے شعر، آپ کے کردار پر کوئی جاندار تحریر لکھوں، ''حضور مفکرِ اسلام'' کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ لکھنے کی ناتمام کوشش بھی کی جسے احباب نے اچھے انداز سے چھپوایا۔ وہ واقعی ایک ناتمام کوشش تھی لیکن بعد میں لکھنے والوں کے لیے ایک مہمیز کا کام دے رہی تھی۔ ایک ذرّہ ماہ کی کیا تعریف لکھتا، ایک قطرہ دریا کی کیا شان بیان کرتا، پھر وقت کے تقاضے رکاوٹ بنتے رہے۔ دو سال کی بیماری بھی سدّ راہ ثابت ہوئی۔ سیرت النّبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر دو جلدیں ''حضور پیغمبرِ نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم'' کے عنوان سے بھی ہر

چیز پر مقدّم تھیں۔ اِدھر ''سیرتِ حضور مجدّدِ اعظم مجدّد الف ثانی'' پر بھی کام جاری تھا۔ یہ اسباب تھے جن کی بنا پر میں اپنے استادِ گرامی کا حق ادا نہ کر سکا۔ خدا تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ اسی دوران میرے استادِ گرامی کے ایک اور پروردۂ نگاہ، عالی جناب سعید محمد عامر آسوی صاحب ادام فیوضہ میدانِ عمل میں اترے اور ''سیرتِ حضور مفکّرِ اسلام'' کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب بہت مختصر عرصے میں لکھ دی۔ میں نے اس کتاب کا مسوّدہ بہت سے مقامات سے پڑھا ہے، الحمدللہ ساری کتاب عقیدت اور ارادت میں ڈوب کر رقم کی ہے اور ساتھ علمی مواد بھی فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب حضور مفکّرِ اسلام کے چاہنے والوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوگی، مولا کریم ہمارے ممدوحِ کریم کے درجات بلند فرمائے اور مؤلفِ فاضل کے قلم میں، فکر میں اور عمل میں مزید تابندگی پیدا فرمائے۔ شائع کرنے والوں اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے راہنمائی لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النّبی الکریم والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الاوّلین والآخرین و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین اِلیٰ یومِ القیامِ والدین۔

غلام مصطفیٰ مجدّدی

خادم درگاہِ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ دربار

حضرت مولانا نورالدین سرکار نقشبندی

نورانی روڈ۔ شکر گڑھ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ونعت

ایک ذرّہ ناچیز، ایک بے نوا فقیر بصد عجز و نیاز حمد و ستائش اور مدح و ثناء کے گل ہائے خوشبودار اس بارگاہِ بے کس پناہ میں پیش کرتا ہے، جس نے محض "کُن" کہہ کر کائناتِ ارض وسما کو تخلیق فرمایا۔ (اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ O [۱] سورہ یٰسین:۸۲)

☆ ..... جس نے اصلِ ممکنات، حاصلِ کائنات، فخرِ موجودات، شاہدِ ذات وصفات، سیّدِ کُل، ختم الرُسل حضور پرنور شافع المنشور حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو لَوْلَاکَ لَمَا کا تاج پہنا کر دنیا میں بھیجا۔ (لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا [۲] مواہب اللدنیہ)

☆ ..... جس احسن الخالقین نے علم وحکمت سے مخلوق کو پیدا فرمایا اور انسان کو شرفِ خلافت سے نوازا۔ (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً [۳] البقرہ:۳۰)

☆ ..... جس خالقِ فہم وذکا کی کُنہ سے عقلِ کُل بھی عاجز ہے:

تیری کُنہ کو کوئی [illegible] کیا تیری شان جلّ جلالہٗ
تو محیط فکرتِ نارسا تیری شان جلّ جلالہٗ

☆ ..... جس ربِ واحد کی ذات وصفات میں بلکہ اوامر وافعال میں بھی شریک کا امکان نہیں۔

---

[۱] ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے 'ہوجا' وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

[۲] ترجمہ: اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم اس دنیا کو پیدا نہ کرتے۔

[۳] ترجمہ: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

☆ ..... جس معبود و مسجودِ برحق کے حضور ہر شے کی حقیقت سجدہ ریز ہے۔

☆ ..... درود وسلام ہو! ! اس جامع الکمالات، متجمع الصفات، سرورِ کائنات افضل الصلوٰات واکمل التحیات پر جس کے اوصافِ کمالیہ اور کمالاتِ عالیہ کے بیان کے لئے قلمِ قدرت کے علاوہ کوئی قلم نہیں اور کلامِ فطرت کے سوا کوئی کلام نہیں۔

☆ ..... درود وسلام ہو! اس شہبازِ لاہوتی، مسند نشینِ لامکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر جس نے تخلیقِ کائنات سے ہزار ہا سال پیشتر عالمِ قُدس کی بے جہت فضائے لامکانی کو منوّر کیا۔

☆ ..... درود وسلام ہو! اس مرجعِ تشبیہات، مطلعِ تجلّیات پر جس کی نور بیزیوں نے عدم کی تاریکیوں کو حیات کی روشنی بخشی اور جس کے نور کی ضیاپاشیوں سے یہ عظیم عرش، یہ وسیع کرسی، یہ تابندہ قلم، یہ بسیط لوح وقلم، یہ زرنگار فلک، یہ چمکتا آفتاب، یہ دمکتا ماہتاب، یہ مسکراتے ستارے، یہ برق پاش کہکشاں، یہ گرجتا بادل، یہ لطافت ریز بادِ نسیم، یہ نغمہ انگیز مرغانِ سحر، یہ سربفلک کوہسار، یہ نشاط انگیز آبشار، لبِ نازک سے لطیف پنکھڑیاں، یہ نورانی فرشتے، یہ رعنا حوریں، یہ باکمال انسان غرضیکہ عالمِ رنگ وبو کا ذرّہ ذرّہ اور قطرہ قطرہ وجود میں آیا اور جس کے طفیل کائنات کی ہر چیز کو حیاتِ جاوداں نصیب ہوئی:

روشن ہوئی ہیں تم سے دوعالم کی وسعتیں
صبحِ ازل کے مہرِ درخشاں تمہیں تو ہو

☆......درودوسلام ہو! اس حاملِ قرآن، روحِ ایمان، جانِ دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر جوایسی کتاب لایا کہ زبان آورشاعروں، آتش بیان خطیبوں، دقیقہ رس فقیہوں، بلند پایہ عالموں اور مایہ ناز ادیبوں کی حقیقت شناس زبانیں دفعتاً چیخ اٹھیں کہ:

خالق ارض وسما کی قسم! ہم نے کاہنوں کی لطیف باتیں، جادوگروں کے مؤثر منتر، شاعروں کے الہامی قصیدے، آتش بیان ادیبوں کی سحر آگیں عبارتیں سنیں اور دیکھیں، مگراے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)! جو بےنظیراور وجد آفریں کلام آپ سناتے ہیں اس کا تو جواب نہیں۔

☆......درودوسلام ہو! اس مرہم ناسورِ جگر، آرام دلہائے مضطر، عظمتِ نوع بشر اور مقصودِ فکر ونظر صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر جس نے سوتوں کو جگایا، گرتوں کو سنبھالا، بزدلوں کو شجاعت کا آبِ حیات پلایا، فکر وعمل کے جمود کو توڑا اور جس کی بے مثال عملی زندگی سے قیامت تک نوعِ انسانی نت نئی ہدایت اور روحِ عمل حاصل کرتی رہے گی:

توحسن فطرت کا آئینہ ہے، جمال تیرا خدا نما ہے
عمل تیرا مشعلِ ہدایت ، کلامِ حق ہے کلام تیرا

☆......درودوسلام ہو!! اس آفتابِ نبوّت، مفتاحِ خزائنِ رحمت، مصباحِ محافلِ عظمت اور مہبطِ وحیِ آسمانی، امینِ اسرارِ رحمانی، عالمِ علومِ عرفانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر جس نے بجسدِ عُنصری بیداری میں فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک اور پھر عرشِ بریں سے قابَ قَوسینِ اواَدنیٰ کی جلوہ گاہِ ناز تک سیر کی اور ظاہری آنکھوں سے ذاتِ الٰہی کا ازلی وابدی جلوہ بےحجابانہ مشاہدہ کیا۔

☆......اور بے حد وبے حساب درودوسلام ہو! اس ذاتِ حق نما پر جس کا روئے

انور جمال اللہ، دستِ اقدس یداللہ، جس کی رضا رضائے خدا اور بیعت بیعتِ خدا ہے۔

☆......اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھی تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر

☆......اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر

☆......اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اصحاب واحباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر

☆......اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت کے کاملین پر

☆...... بلکہ تمام افرادِ امت پر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 1

نبوّت وولایت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کائنات کیا ہے؟اس میں انسان کا کیا مقام ہے؟

زندگی کیا ہے؟اور مقصدِ تخلیق کیا ہے؟اس کی ابتداء وانتہا کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہیں ہر شخص سوچتا ہے لیکن صرف اپنی 'سوچ' کسی تسلّی بخش جواب تک نہیں پہنچاتی۔ کبھی وہ فلسفہ کا سہارا لیتا ہے تو کبھی سائنس کا، لیکن یہ دونوں بھی اسے کسی منزل پر نہیں پہنچاتے۔ اس لئے کہ یہ تمام راز انسان کے اپنے دائرۂ تحقیق سے باہر ہیں۔ انہیں وہی جانتا ہے جوان سب کا خالق ہے(وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ٥ یٰسین[1])

جی ہاں! اس کائنات کی ابتداء وانتہا کا علم رکھنے والی ذات وہی ہوسکتی ہے جواس کی

[1] ترجمہ: اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جانتا

ابتداء وانتہا کے وقت وہاں موجود ہو اور کوئی بھی شے اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ مخلوق اپنا مقصدِ تخلیق کیوں کر متعین کر سکتی، اس کی اہل تو وہی ذاتِ اقدس ہے جس نے ظلماتِ عدم سے وجود کی روشنی اسے بخشی۔ المختصر! اگر ہم 'زندگی' اور 'انسانیت' کے سربستہ راز جاننا چاہتے ہیں تو ہم

'ربّانی ہدایت' کے محتاج ہیں۔ یہی 'ربانی ہدایت' دوسرے لفظوں میں 'مذہب' کہلاتی ہے۔ پھر اس 'ربانی ہدایت' یا 'مذہب' کے حصول کے لئے انسان وسیلے کا محتاج تھا۔ یہ وسیلہ رب نے انبیاء کو ٹھہرایا اور یوں سلسلۂ نبوت کا آغاز ہوا۔ دنیا کے اندر سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ گویا سلسلۂ انسانی کے آغاز ہی سے اس کی رہنمائی کا انتظام بھی پہلے ہی دن سے کر دیا۔ یعنی آفرینش و مذہب کو آغاز ہی سے ساتھ ساتھ رکھا۔ جناب آدم علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام اور رسولانِ عظام (علیہم السلام) مختلف ملکوں اور قوموں میں بھولی بھٹکی مخلوق کو راہِ حق دکھانے کے لئے مختلف ادوار میں تشریف لاتے رہے اور یوں دنیا صفوتِ آدم، مولدِ شیث، شجاعتِ نوح، حلمِ ابراہیم، لسانِ اسمٰعیل، رضائے اسحٰق، فصاحتِ صالح، رفعتِ ادریس، حکمتِ لقمان، بشارتِ یعقوب، جمالِ یوسف، صبرِ ایوب، حُبِّ دانیال، وقارِ الیاس، عصمتِ یحیٰی، قبولِ زکریا، زُہدِ عیسیٰ اور علمِ خضر (علیہم السلام) کا نظارہ کرتی رہی، یہاں تک کہ سب سے آخر میں، خدا کے سب سے بڑے محبوب، کائنات کے سب سے بڑے مُعلّم و مُقنّن، انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ حضور احمدِ مجتبیٰ، محمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء رحمۃٌ للعٰلمین بن کر، ختمِ نبوّت کا تاج پہن کر جلوہ طراز گیتی ہوئے:

تعالیٰ اللہ محبوبِ خدا ﷺ تشریف لے آئے
امام المرسلین ﷺ شاہِ ہُدیٰ تشریف لے آئے
وہ مقصودِ خلائق اصلِ عالم محورِ ہستی
سراپا نور، سر تا پا عطا تشریف لے آئے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے انسانیت و اَخلاق اور روحانیت و سعادت کے گلشن میں روح پرور بہاریں آگئیں۔۔۔ ضلالت وسفاہت اور جہالت و بربریت کا شیرازہ بکھر گیا۔۔۔ ریاضِ کونین میں خلوص ومحبت اور علم و دانش کے غنچے مسکرانے لگے۔۔۔ گل کدۂ رحمت کا وہ گلِ رنگین کھِلا جس کی روح افزا نکہت سے نیکی اور حق پرستی کی ساری فضا مہک اٹھی۔۔۔ آتشکدۂ کفر وشرک کے کھولتے دوزخ سرد ہو کر رہ گئے۔۔۔ صنم خانے لرز اٹھے۔۔۔ شر و فساد کے دفتر الٹ گئے۔۔۔ شکوہِ عجم، صولتِ روم اور سطوتِ ایران خاک میں مل گئی۔ مظلوم اور دکھی دنیا کے مردہ جسموں میں جان آ گئی۔۔۔ فردوسی ماہ وشوں نے پیغامِ مسرّت و شادمانی سنایا کہ اے اہلِ عالَم! حق و صداقت کے علمبردارِ معظم، علم وعرفان کے معلّمِ اعظم، اتفاق واتحاد کے پیکرِ مجسّم اور عدل وانصاف اور اخوّت و مساوات کے قائدِ مکرم، نبیِ محتشم ومحترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالَمِ قُدس سے عالَمِ امکان میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔

کارکنانِ قضاوقدر کو بارگاہِ ربُّ العزّت سے فرمانِ والا شان ہوا:

ندا آئی دریچے کھول دو ایوانِ قدرت کے
نظارے خود کرے گی آج قدرت شانِ قدرت کے

صدا ہاتف نے دی اے ساکنانِ خطۂ ہستی
ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی بستی
مبارکباد بیواؤں کی حسرت زا نگاہوں کو
اثر بخشا گیا نالوں کو، فریادوں کو آہوں کو
ضعیفوں بیکسوں، آفت نصیبوں کو مبارک ہو
یتیموں کو، غلاموں کو، غریبوں کو مبارک ہو
مبارک ہو کہ دورِ راحت وآرام آپہنچا
نجاتِ دائمی کی شکل میں اسلام آپہنچا
مبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جنابِ رحمۃ للعٰلمیں تشریف لے آئے

بے حد و بے عد درود و سلام ہوں اس 'جانِ رحمت' پر جو 'نور' بن کر آئے اور کتابِ مبین لائے:

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لئے ہوئے
تزئینِ کائنات کا ساماں لئے ہوئے

وہ کتاب جو لازوال صداقت، ابدی شریعت اور ربّانی دستور کی حامل ہے:

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اولایزال است وقدیم (اقبال)

گدایانِ رسول کی قسمت کا کیا کہنا:

ان کا خدا زندہ (ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ البقرہ: پ۳)

ان کا نبی زندہ (نَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ مشکوٰۃ شریف)
ان کی کتاب زندہ (بلکہ زندگی بخش: لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔ انفال۔ پ۹)
اور اس کتاب کی تفسیر یعنی سُنّتِ رسول زندہ
اور جب کتاب وسُنّت زندہ تو وہ 'انقلاب' بھی زندہ

جس نے کفر و ضلالت کے بت پاش پاش کر دیے تھے۔۔۔ جس نے عرب کے خاکستر نشینوں کو رشکِ ماہ و پرویں کر دیا تھا۔۔۔ اور خانہ بدوشوں کو تہذیب وتمدن کا امام بنا دیا تھا۔

جس نے نظارہ گاہِ عالم میں صدیوں سے ذات پات کی صلیب پر لٹکے ہوئے انسان کو اتارا اور اس کے سر پر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ (اور ہم نے اولادِ آدم کو قابلِ تکریم بنایا) کا تاج پہنا دیا۔

جس نے اوہام میں کھوئے ہوئے انسان پر تسخیرِ کائنات کے اسرار کھولے اور عالم شہادت سے ماوراغیب کے لامحدود خزانوں کا راستہ دکھایا۔

جس نے عقل کو سعیِ پیہم اور جُہدِ مسلسل کا راز سمجھایا اور عشق کو کیفِ وصال سے بہرہ ور کیا۔

ہاں ہاں، انسان کو انسانِ کامل بنانے والی نبوّت کی یہ انقلابی تعلیم آج بھی زندہ ہے اور بندے کو حریمِ کبریا تک پہنچانے والا کتاب وسیرت کا یہ فیضان آج بھی جاری وساری ہے۔ تاریخ پر نظر دوڑائیے، ایسے انسان ہر دور میں اور دنیائے اسلام کے ہر گوشے میں نظر آئیں گے۔ جن پر انسانیت کو بجا طور پر ناز ہے۔ کہیں حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیض رسانی و دادرسی کی داستان ہوگی تو کہیں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی

گنج بخشی کے تذکرے ہوں گے۔۔۔ کہیں خواجۂ نقشبند کی عظمت کا نقش چمکتا ہوگا تو کہیں سلطانِ باہو رحمۃ اللہ علیہ کی اللہ ھُو کی ضربیں قلوب و اذہان کو منور کرتی ہوں گی ۔۔۔ کہیں خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی غریب نوازی کے چرچے ہوں گے تو کہیں حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی استقامت کا شہرہ ہوگا۔ یہ فیضانِ نبوّت نہیں تو اور کیا ہے، جس نے ابوحنیفہ وشافعی جیسے مجتہد۔۔۔ رومی وجامی جیسے عاشق۔۔۔ اقبال وغزالی جیسے فلسفی۔۔۔ ایوبی وغزنوی جیسے مجاہد وبت شکن۔۔۔ طارق ومحمد بن قاسم جیسے فاتح وشجاع ۔۔۔ بابا فرید وبختیار کاکی جیسے عابد وزاہد۔۔۔ شاہِ لاثانی ونقشِ لاثانی جیسے روشن ضمیر صوفی۔۔۔ اور فاضلِ بریلوی جیسے بلند نظر مفتی پیدا کیے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

شوکتِ سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمو
فقرِ جنید وبایزید تیرا جمالِ بے نقاب

ولی کون ہے؟ نبی کا وارث، جو نبی کی اتباع سے قربِ خداوندی حاصل کر لیتا ہے۔ نبی کی وراثت مال ودولت سے نہیں[1]، علم وعرفان سے متعلق ہوتی ہے (اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآء)۔ ولی پہلے خود اس چشمۂ علم وعرفان سے فیضیاب وسیراب ہوتا ہے پھر اوروں کو 'ساقی' بن کر جام بھر بھر کر پلاتا ہے۔ پابندیٔ احکامِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) اسے رب کا محبوب اور مردِ کامل بنا دیتی ہے۔ ایسا محبوب کہ اِدھر نظر اٹھے، اُدھر تقدیر بنے، اِدھر زبان حرکت میں آئے، اُدھر بگڑے کام سنوریں۔ اور ایسا کامل کہ اس کی سمع و بصر دور ونزدیک کی ہر شے کو محیط ہو۔ اور اس کی پروازِ روحانی کے سامنے زمان ومکان کی

۱۔ نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْبِیَآءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ. (الحدیث)

حدیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ بقولِ ذوق:

اِس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا ہم کو
آسماں تِل کے برابر نظر آیا ہم کو

نبیٔ کریم رؤف'' رّحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غلامی اسے دنیا ومافیہا سے بلند تر کر دیتی ہے۔ بقول حضور مفکرِ اِسلام علیہ الرحمہ:

''وہ ستاروں پہ کمندیں ڈالتا ہے، مہر وماہ کو شکار کرتا ہے، گردشِ ایام اس کا مرکب بن جاتی ہے اور فطرت کے مظاہر اس کے تابع فرمان ہوجاتے ہیں۔ انسانِ کامل ہونے کی حیثیت سے خلافتِ ارضی کا اہل، قدرت کے ارادوں کا مظہر اور نظامِ کائنات کا محور بن جاتا ہے۔ سوئے تو زمانے کے نقشے بناتا ہے، جاگے تو ان میں رنگ بھرتا ہے۔ حضور غوثِ اعظم کا قصیدہ غوثیہ اور مجدد پاک کا نظریہ قیومیت اس پر دلیلِ روشن ہے۔ احادیثِ شریفہ میں 'بارش' اور 'رزق' کو انہی کی برکات کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے[1]''۔

مگر ولی کے ان کمالات وتصرّفات کا تعلق دنیائے رنگ وبو سے ہے، اس کا اصل کارنامہ تو دلوں کے زنگ دور کرنا ہے، قلب ونفس کا تزکیہ ہے۔

۱۔ الترمذی: ۲۳۸۳۔ وصحیح الحاکم: ۳۲۵ عن انس رضی اللہ عنہ۔
جامع الاحادیث والمراسیل: ۹۶۵۶۔ الطبرانی فی الکبیر عن عبادہ رضی اللہ عنہ بسند صحیح۔
الترمذی: ۱۷۰۳۔ ابوداؤد: ۲۵۹۵۔ البخاری: ۲۸۲۹ باب من استعان من الضعفاء۔ احمد: ۸۹۸ عن علی رضی اللہ عنہ بسندِ حسن

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہدایت فضلِ خداوندی سے ملتی ہے اور اس فضلِ خداوندی کے حصول کے لئے ہم نبوّت وولایت کے وسیلے کے محتاج ہیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر مَلَک باشد سیہ ہستش ورق (رومی)

قرآنِ کریم نے وَابْتَغُوْآ اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ [1] کا حکم اسی لئے دیا ہے اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [2] میں انہی کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

قرآنِ حکیم فرقانِ حمید میں ایمان، مومن، توحید، مُوَحِّد، حُبِّ خدا و رسول، اطاعت واتّباعِ رسول، صبر، صابرین، تقویٰ، متّقین، توکّل، متوکّلین، احسان، محسنین، قُنُوت (فرمانبرداری)، قانتین (فرمانبردار)، ذکر اور ذاکرین کے جس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں، درحقیقت ان میں اولیاء اللہ کے مختلف پہلوؤں کا ذکر مقصود ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ ان اوصاف وکمالات کی ضرورت ہے تو ان کا مخزن ومنبع یہی ذواتِ قدسی صفات ہیں۔ خدا ان کے ساتھ ہے، یہ خدا کے پیارے ہیں تو پھر اس کے قرب کے راستے بھی یہی بتا سکتے ہیں۔

اَلْوَلِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ قَرِیْبٌ مِّنْهُ

ولی وہ ہے جو اللہ سے قریب ہے اور اللہ اس سے قریب ہے۔

ایک حدیثِ قدسی ہے:

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَ لٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ .... (فصوص الحکم:۲۰۳)

۱۔ المائدہ: ۳۵ ۲۔ التوبہ: ۱۱۹

ترجمہ: میں زمین وآسماں میں نہیں سماتا لیکن بندۂ مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔

مولائے روم علیہ الرحمہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

در دلِ مومن بگنجم اے عجب
گر ہمی خواہی ازیں دلہا طلب

یعنی بندۂ مومن کے دل میں میں سماجاتا ہوں، اگر میری جستجو ہے تو دل میں تلاش کر۔

جب حدیثِ پاک اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوْبِ (میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں ہوں) کی رو سے تجلّیاتِ ربّانی بندۂ مومن کے شکستہ دِل میں اترتی ہیں تو لامحالہ خدا کے متلاشی کو یہیں سے سراغِ منزل ملے گا۔ اسی لیے اہلِ حق کے ہاں یہ بات شہرت کا درجہ رکھتی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت وسنگت [1] نفلی زُہد وعبادات اور چلّہ ومجاہدہ سے زیادہ اہم ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء!
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا (رومی)

یعنی سو سال کی مخلصانہ عبادت سے، تھوڑا سا وقت ولی کی صحبت میں گزارنا زیادہ اچھا ہے۔

اور خواجۂ اجمیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

من از کنج خراباتے، جمالے دیدہ ام واللہ
کہ چندیں سال می جستم بمحراب مناجاتش

۱۔ اہل اللہ کی صحبت وسنگت کا حکم ہمیں حضور ﷺ کی اس حدیث سے بھی ملتا ہے:
عَلَیْکَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّکْرِ... (مشکوٰۃ)، یعنی تم پر اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نصیحت فرماتے ہیں:

تُو ہم طفلِ راہی بسعی اے فقیر
برو دامنِ پیرِ دانا بگیر

یعنی اے فقیر! تو اس راستے سے مانندِ طفل ناواقف ہے، جا کسی دانا پیر کا دامن پکڑ (کہ تجھے منزل پہ پہنچا دے)۔

حافظ شیرازی دلیل دیتے ہیں:

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
چو چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند

یعنی وادیٔ ایمن (مدین) کے چرواہے مراد کو تب پہنچے، جب چند سال حضرت شعیب علیہ السلام کی جان سے خدمت کی۔

انہی نکات کی مزید وضاحت دیکھنی ہو تو امام الاولیاء سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمہ کی 'الفتح الرّبانی' اور شیخ الاولیاء مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوباتِ شریفہ دیکھئے۔ بلکہ حدیثِ پاک ہے:

لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ۔۔۔(مشکوٰۃ)

ترجمہ: ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا۔

آنچہ زرمی شوَد پرتوِ آں قلبِ سیاہ
کیمیائیست کہ درصحبتِ درویشاں است

تاریخ کا جائزہ لیں، بلکہ تاریخ ہی نہیں دورِ حاضر بھی ان شواہد سے بھرا پڑا ہے کہ ہدایت کا سب سے بڑا سبب مردانِ حق کی غلامی اور گمراہی کی سب سے بڑی وجہ

انبیاء واولیاء کی دشمنی و بے ادبی ہے۔

جملہ عالَم زیں سبب گمراہ شُد
کم کسے ز ابدال آگاہ شُد
ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را مثلِ خود پند اشتند

ترجمہ: دنیا بھر کے گمراہ صرف اس بنا پر گمراہ ہوئے کہ وہ اللہ والوں کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ان گمراہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کا دعوی کیا اور اولیاء اللہ کو بھی اپنے جیسا سمجھا۔

حدیثِ قدسی بھی اس حقیقت کو اس طرح سمجھا رہی ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ ... (بخاری)

ترجمہ: (خدا فرماتا ہے کہ) جو میرے کسی ولی کا دشمن ہوا سو میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیرِ مکافات
با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد، برافتاد

یعنی اس دنیا میں ہمارا بہت تجربہ ہے جو بھی شرابِ معرفت پینے والوں سے الجھا، نیست ونابود ہو گیا۔

بعض لوگوں نے ان کے مقام ومنصب کو سمجھا نہیں اور بڑی سادگی سے کہہ دیا کہ جی کتاب وسنّت کے ہوتے کسی رہبر کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ کتاب وسنّت کی سمجھ کے لیے مُعلّم وہادی کا سہارا اور بھی ضروری ہے۔ جن لوگوں نے اپنی عقلِ ناقص

سے انہیں سمجھنا چاہا، راہِ حق سے بھٹک گئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بقول اقبال:

؎ اجتہاد اندر زمانِ انحطاط — قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ترجمہ:۔قومی زوال کے وقت کا اجتہاد ملت کو تباہ کر کے دکھ دیتا ہے۔

یاد رکھئے! کتاب وسنّت کے انوار سے مستنیر ہونے کے لیے دل ونگاہ کی طہارت شرطِ اوّل ہے اور یہ دولت کسی مردِ کامل کی آستاں بوسی کے بغیر مشکل ہے۔

کیمیا پیدا کُن از مُشتِ گلے — بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمع خود را ہمچو رومی بر فروز — روم را در آتش تبریز سوز

حیرت ہے، دنیاوی علوم سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت مسلّم، فن سیکھنے کے لیے کسی ماہر کی مدد ضروری، منزل پر پہنچنے کے لیے واقفِ راہ کا سہارا درست تو پھر فقر کی پیچ در پیچ راہوں کو طے کرنے کے لیے کسی ہادی کی ضرورت سے انکار کیوں؟ یقیناً ضرورت ہے مگر اسے جو منزل پر پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ جو خدا سے ملنا چاہے، وہ خدا والوں کے پیچھے چلے، کہ قرآن کا اعلان ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ........ (لقمان: پ۲۱)

ترجمہ:۔اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

دِیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم وحکمت از کتب دِیں از نظر

یعنی اے بے خبر! دین کو کتابوں کے اندر مت تلاش کر، کتابوں سے علم وحکمت ملتے ہیں، جبکہ دین نظر سے ملتا ہے۔

اس عنوان کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمانِ عالیشان پر ختم کیا

جاتا ہے جس میں انہوں نے اہل اللہ کے منصب اور اس کی اہمیت کو نہایت خوبصورت مثال سے سمجھایا ہے، فرمایا:

"اہل اللہ کی مثال مخلوق کے ساتھ ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے چاہا کہ دریا عبور کریں اور بادشاہ تک پہنچ جائیں۔ بعض لوگ راستے سے واقف ہوئے اور عبور کر گئے۔ اور جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ باقی لوگ خبط الحواس بنے ہوئے ہیں اور قریب ہے کہ ڈوب جائیں کیونکہ وہ اس راستے سے واقف نہیں ہیں جس پر پہلے لوگ چلے۔ لہٰذا جو لوگ بادشاہ تک پہنچ گئے تھے ان کو حکم دیا کہ ان کی طرف واپس ہوں تا کہ جس راستے سے خود آئے ہیں اس سے ان کو واقف کرا دیں۔ پس وہ آئے اور کنارے پر کھڑے ہو گئے اور ان کو آواز دی کہ راستہ ادھر ہے۔ غرض ان کو راہ سے باخبر کرتے رہے اور جب وہ ان کے قریب پہنچے تو ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور سمندر سے خشکی پر کھینچ لیا۔ یہ ہے اہل اللہ کا اہم فرض۔"

(سیرتِ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ، ازمولانا زاہد القادری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 2

ابتدائی حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ القوی کی ولادت با سعادت:

چاندنی رات کا پچھلا پہر تھا۔ 'بکنور' کی گلیاں بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں۔ مزاراتِ اولیاء سے گھری یہ پوری بستی رحمتوں کی گود میں محوِ خواب تھی۔ آسمانوں کے دریچے کھُل گئے تھے۔ فضائے بسیط میں فرشتوں کے پَروں کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی کہ زاہدِ شب زندہ دار اور شرع و طریق کے ماہرِ اسرار جناب صوفی محمد مقبول (علیہ الرحمہ) کے گھر چمنستانِ قُدس کا ایک ایسا پھول کھِلا، جس کی خوشبُو نے آگے چل کر ایک جہان کو مُعطّر کرنا تھا۔

ہوا لُطف و عنایت کی چلی گلزارِ ہستی میں
ترا آنا نہیں، آنا ہے یہ فصلِ بہاراں کا

یہ گل خُوشنما، فقرِ غیّور کا دلکش نمونہ، میدانِ شریعت و طریقت کے امام، مادر زاد ولی، شمس

العرفاء، بدرالاولیاء مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ العزیز تھے جو اپنے دور میں آسمانِ معرفت کے ستاروں میں آفتابِ نصف النہار بن کر چمکے۔ اسی لیے شمس العارفین اور بدرالکاملین کے القاب آپ کے اسمِ گرامی کے ساتھ لازمی حصہ بنے۔

یہ رات دو بجے کا وقت تھا۔ پیر کی صبحِ سعادت طلوع ہونے والی تھی۔ سال ۱۹۳۹ء تھا۔ جبکہ "بکنور" (بقعۂ نور سے) تحصیل پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور (انڈیا) کا ایک خوبصورت مقام تھا۔

زہے دولتِ مادرِ روزگار
کہ نُورے چنیں پروردر کنار

والدین کریمین نے نومولود کے نورانی چہرے کو دیکھا تو باغ باغ ہو گئے اور ربِّ کریم کا شکر ادا کیا۔ آپ کے نانا جان جناب علی محمد علیہ الرحمہ جو حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے خاص مرید اور نہایت متقی انسان تھے، محض خواب میں اشارہ پا کر چلے آئے۔

اسمِ گرامی:

حضور مُفکّرِ اسلام قدس سرہ القوی کے والدِ گرامی نے اپنے شیخ قیّومِ زمانی، قُطبِ ربانی پیر سید جماعت علی شاہِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فرزندِ ارجمند کا نام پوچھا تو جواب ملا "محمد حسین"، "محمد حسن"۔ حضور شاہِ لاثانی ان مردانِ باصفا میں سے تھے جن کی نگاہ لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے، ماضی و مستقبل ان کے لیے برابر ہیں۔ اور جن کی نگاہِ دور بیں سے کچھ بھی محجوب (چھپا ہوا) نہیں تھا۔ چنانچہ آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کوئی اپنے بچے کا نام رکھنے کی درخواست کرتا تو کبھی ایک اور کبھی زیادہ نام بتا دیتے۔ جتنے نام بتاتے،

اتنے ہی بچے تولّد ہوتے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور حضور کی ولادت سے تین چار سال بعد آپ کے بھائی محمد حسن کی ولادت ہوئی جو دس ماہ کی عمر میں ہی وصال فرما گئے۔

والدین کریمین:

سیدی وسندی حضور مُفکّرِ اسلام قدس سرہ القوی کے والدِ مکرّم اور اوّلین استاد صوفیٔ باصفا جناب محمد مقبول صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ولد جناب چراغ دین صاحب ولد جناب شرف دین صاحب ولد جناب شہاب دین صاحب علیہم الرحمۃ) ایک عارفِ کامل اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق اور ان کے اوّلین سجادہ نشین (اور پوتے) قیّومِ زمانی پیر سید علی حسین شاہ نقشِ لاثانی قدس سرہ کے پروردہ مُفیض تھے۔ دونوں مقدّس شخصیات کا ذکر اس ذوق وشوق سے کرتے تھے کہ سننے والے کے دل ودماغ بھی شمیمِ محبّت سے مُعطّر ہو جاتے۔ مزے لے لے کر اپنے ان دو آقاؤں کی داستانِ رحمت وعظمت سنایا کرتے۔ حضور شاہِ لاثانی قدس سرہٗ ہر سال آپ کے گاؤں بکنور میں تشریف لاتے تو آپ کے گھر میں ہی قیام فرما ہوتے، (گویا اس علاقے میں آستانہ عالیہ علی پور سیّداں شریف کے خصوصی نمائندے آپ تھے)۔ گھر میں فقرِ محمدی (ﷺ) کی کیفیت تھی۔ مکان بالکل خستہ حال تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا کہ "اب مکان نیا بننا چاہیئے"، یہ ان کلمات کی برکت تھی کہ اسباب بھی بن گئے، حالات بھی سُدھر گئے اور جلد ہی اچھا خاصا مکان تعمیر ہو گیا۔ بعد از وصالِ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ فرماتے:

"آج بھی جس شخص کو بھی فیض ملے گا اور جس طرح کا بھی ملے گا،

وہ (بفضلِ خدا) حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ ہی سے ملے گا''۔

(یعنی اُن کا فیض آج بھی بکمال جاری وساری ہے، اور مقامِ غوثیت وقیومیت جو اُن کو حاصل ہے، اسی بات کا متقاضی ہے)

پیرخانے سے آپ کو جو سب سے بڑی دولت ملی تھی وہ محبتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی متاعِ لازوال تھی۔ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر نہایت والہانہ انداز میں کرتے اور اکثر یہ شعر بھی پڑھا کرتے:

منعم مکن از عشق وے اے مفتیٔ زماں

معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ !

(حافظ شیرازی علیہ الرحمہ)

''یعنی اے وقت کے 'مفتیٔ اعظم' مجھے اس محبوب کے عشق سے مت روک، میرے نزدیک تُو (اس طرزِ گفتگو میں) معذور ہے کیونکہ تو نے اسے دیکھا ہی نہیں''۔

آپ اردو اور فارسی کے مایہ ناز فاضل تھے۔ حضرت مولانا روم، شیخ سعدی، نظامی گنجوی، خواجہ حافظ اور حضرت اقبال کا اکثر نعتیہ کلام ازبر تھا۔ آپ فارسی زبان سے قطعی طور پر نابلد تھے، لیکن حضور نقشِ لاثانی نے ایک نظر میں سکھا دی۔

جناب صوفی محمد مقبول صاحب علیہ الرحمہ (جنہیں اہلِ خانہ 'میاں صاحب' کہا کرتے) سخاوت کے دھنی، دل کے غنی اور سادگی واخلاص کا پیکر تھے۔ عاجزی کا یہ عالم تھا کہ کوئی فقیر آجاتا تو بہت عزت دیتے۔ اچھی جگہ بٹھاتے، کھلاتے پلاتے، دعا کرواتے۔ نیز دھوبی حضرات جب صبح کپڑوں کی گٹھڑیاں اٹھائے نہر پر دھونے کے لیے جا رہے ہوتے

،ان کی گٹھڑیاں باصرار لے کر اپنے سر پہ رکھ لیتے اور منزل پر پہنچا کر واپس آتے۔

آپ شعبۂ تعلیم وتدریس سے وابستہ تھے تاہم بلند جگہ بیٹھنے کی بجائے طلباء کے متوازی بیٹھ کر شفقت ومحبت سے پڑھاتے۔ شرفِ تلمذ حاصل کرنے والے تلامذہ آج بھی آپ کے منفرد اور شفقت وخلوص بھرے اندازِ تدریس کو یاد کرتے ہیں۔ بالخصوص اس عاجز کے والدِ محترم جناب غلام محمد صاحب جن کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ،نہایت عقیدت سے آپ کے مشفقانہ وجداگانہ طرزِ تدریس کو بیان کیا کرتے۔ ہمیشہ سلام کرنے میں پہل کرتے۔ آپ کے کئی شاگرد بیان کرتے ہیں کہ بہت دفعہ ہم نے نیت کی کہ سلام کرنے میں آج ہم پہل کریں گے لیکن کبھی کامیابی نہ ملی۔

اللہ نے آپ کو خلقِ خدا کی حاجت روائی کا سبب بنایا تھا۔ چنانچہ کثیر تعداد میں عوام وخواص نے آپ سے استفادہ کیا۔ اوقاتِ تدریس میں بھی حالات کے ستائے لوگ آپ کے پاس چلے آتے تھے۔ جسے آپ دورانِ تدریس اچھا نہ جانتے تاہم خوفِ خدا ان کو خالی واپس بھیجنے میں مانع تھا۔ کسی حاسد نے افسرانِ بالا کو شکایت کر دی۔ چنانچہ ایک افسر گھوڑی پر سوار آموجود ہوا اور گستاخانہ انداز سے پیش آنے لگا حالانکہ اخلاقاً وشرعاً آپ کا موقف سنا جانا چاہیئے تھا۔ پھر یکا یک یہ ہوا کہ اس افسر کی گھوڑی اسے کاٹنے کے لیے آگے بڑھی، یہ صاحب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب یہ منظر تھا کہ وہ صاحب بھاگے پھر رہے تھے اور انہی کی گھوڑی ان کی جانی دشمن بنی پیچھے پیچھے تھی۔ بھاگتے بھاگتے گھوڑی ایک مرتبہ پھر پاس سے گذری تو آپ نے فقط اتنا فرمایا ''اس نے تو گستاخی کی ہی تھی، تُو تو نہ کر''۔ چنانچہ اب گھوڑی نے اس کی جان بخشی اور وہ چلا گیا۔ (اس واقعہ کے راوی جناب یونس علی صاحب ولد میر زمان صاحب ولد

فقیر محمد صاحب ساکن آدھوانہ ہیں جو آپ کے قریبی عزیز ہیں اور ان کے والدِ گرامی بکھور سے ہی ہمارے حضور کے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے آگئے تھے)۔ جناب صوفی پیر محمد مقبول صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ ورسول کے فضل اور شیخِ کریم کی نگاہ سے یہ کمال حاصل تھا کہ نہ صرف تعویذات اور دم کرنا سریع التاثیر تھے بلکہ تھوک مبارک جس بیمار کے ماتھے یا متاثرہ جگہ لگاتے باذنِ اللہ اسے شفا ہو جاتی۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابھی پانچویں جماعت کا طالبعلم تھا جب والدِ ماجد کو رات بھر عبادت کرتے اور اللہ ورسول کی یاد میں کثرت سے روتے دیکھتا تھا۔ اور اس قدر بے اختیار ہو کر روتے کہ اہلِ محلہ بھی رونے کی آوازیں سنتے تاہم اس رِقّتِ قلبی کو بھی اللہ ہی کا بہت بڑا احسان سمجھتے تھے۔ ایک روز والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ صاحبزادے کے لیے بھی دعائیں کیا کریں۔ اگلی صبح فرمانے لگے: ''آج ساری رات صرف انہی کے لیے (دعاؤں میں) گزاری ہے''۔ یہ ایک صالح باپ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے کہ لختِ جگر اپنے دور کے اولیاء میں ممتاز ترین مقام پہ فائز ہوئے۔

سلطان الاذکار جو صوفیاء کے ہاں ایک خاص انداز سے مروّج ذکر ہے، آپ کثرت سے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کو اس حال میں ذکر کرتے دیکھ لیا کہ جسم کا ہر عضو علیٰحدہ ہو کر اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ تاہم آپ نے بعد میں اسے کسی کو بتانے سے منع فرما دیا۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ ابھی نویں جماعت کے طالبعلم تھے (ہائی سکول شکر گڑھ میں) کہ والدِ محترم علیل ہوئے اور طویل بیماری کا آخری دور موضع کندووالی متصل علی پور میں گذرا، جہاں قریبی عزیز چودھری چراغ لطیف مرحوم کے ہاں قیام

رہا۔ جس دن آپ کا وصال ہونا تھا، سہ پہر کو حجامت بنوائی، اپنے آستانے علی پور سیدّاں شریف آکر وضو کیا۔ روزہ افطار کیا (رمضان المبارک کا ماہِ مقدس تھا)۔ بعد نمازِ مغرب بچوں سے سورۂ ملک پڑھوانے کی فرمائش کی۔ دورانِ تلاوت اگر کسی سے زیر زبر پیش کی بھی غلطی ہوئی تو آپ نے تصحیح کر دی۔ پھر آپ بظاہر بہ اطمینان بیٹھے ہوئے تھے تاہم دیکھنے والے محسوس کر رہے تھے کہ کسی کا شدّت سے انتظار ہے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ 'حضرت صاحب کے آخری سلام (مراد زیارت) کا انتظار ہے'۔ (حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ مسجد میں نمازِ تراویح ادا کر رہے تھے)۔

اتنے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پاس بیٹھے احباب بولے، حضور نقشِ لاثانی تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تو ابھی مسجد میں ہیں۔ پھر بھی نے دیکھا کہ آنے والے تو ایک اور عزیز (جناب رمضان صاحب) حضور مفکرِ اسلام کے ماموں تھے۔ تاہم آنکھیں مشتاقِ دید ہی رہیں اور نمازِ تراویح ادا ہونے کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اہتمامِ غسل کے بعد حضور نقشِ لاثانی کے حکم کے مطابق ایک ہی شخص پاس تھا جس کا بیان ہے کہ مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، لیکن نظر نہ آیا۔ جس نے بآواز بلند کہا، السلام علیکم۔ اور میت نے جواب دیا، وعلیکم السلام۔ وہ شخص وہاں سے اٹھ گیا۔ یونہی ماسٹر خادم حسین صاحب (حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے ماموں کے بیٹے)، ان کے والد چند افراد کے ساتھ آئے تو آپ تادیر مسکراتے رہے۔ آپ کی وصیت کے مطابق قیومِ زمانی حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کی عطا کردہ ٹوپی قبل تدفین آپ کو پہنائی گئی۔ بعد از عشاء آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ آپ کی عقیدتِ صادقہ کا ثمر تھا کہ وصال (مورخہ ۱۹ رمضان ۱۳۷۶ھ بمطابق ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء) کے بعد مزارِ حضور شاہِ لاثانی کے قدموں کی

طرف دفن ہوئے۔ سچ کہا تھا بیدم وارثی نے:

مرکے بھی میکدے سے ہم باہر نہ جائیں گے
میکش ہماری خاک کے ساغر بنائیں گے

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بی بی رحمۃ اللہ علیہا بھی عارفہ کاملہ اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کا گہرا شغف رکھتی تھیں۔ وظائف بھی کثیر تھے جو وردِ زباں رہتے۔ در پر آنے والے لوگوں کے ہجوم کے لیے لنگر کا اہتمام فرماتی تھیں جو نہایت مشقت طلب کام تھا۔ چنانچہ چولہا شاید ہی کبھی بجھا ہو۔ حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ آپ کے پورے خانوادے پر نہایت مہربان تھے۔ مہربانی و شفقت کا یہی معاملہ والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ بھی تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ جب والدہ صاحبہ کے پہلو میں سخت درد کے دورے پڑنے لگے، بہت علاج کروائے مگر آرام نہ آیا۔ آخر ایک ماہر طبیب نے ستر روپے کا نسخہ تجویز کیا جبکہ (حضور کے) والدِ محترم کی تنخواہ ان دنوں صرف چھتیس روپے تھی۔ خدا کی قدرت، حضور شاہِ لاثانی آپ کے گھر (بکنور) تشریف لے آئے۔ والدہ درد سے سخت بے چین تھیں۔ حضور شاہِ لاثانی نے بس یہی فرمایا، ''دیکھو جی درد کو یہی گھر نظر آیا ہے۔ لڑکے کی تنخواہ چھتیس روپے اور نسخہ ستر روپے کا''۔ اتنا فرمانا تھا کہ تکلیف ختم ہوگئی اور پھر کبھی نہ ہوئی۔

۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو آپ کا وصال مبارک ہوا۔ جنازے، دسویں اور چالیسویں میں حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ آپ کی قبر مبارک آپ کے آبائی گاؤں موضع پھگواڑی شریف کے قبرستان میں ہے۔

خاندانِ نور:

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کے خاندان میں بکثرت صالحین و کاملین ہوئے۔

آپ کے والدین کریمین علیہا الرحمہ ولی، ہمشیرہ محترمہ (جو آپ سے سات سال بڑی ہیں) نہایت عبادت گذار اور مستجاب الدّعوات، اہلیہ محترمہ از حد سخیہ و عابدہ و زاہدہ اور دین کی بلند نظر مبلغہ، بھانجے صاحبزادہ محمد عطاء الحق نقشبندی (موجودہ سجادہ نشین) آپ کے فیض کے وارث اور دینی غیرت و حمیّت سے آراستہ، ننھیال کی طرف سے نانا جان صفا کی دولت سے مالا مال، ماموں جان متّقی اور متعدد درویش صفت احباب جگمگاتے ستاروں کی مانند، جبکہ دودھیال کی جانب سے تحقیق ہی نہیں ہو سکی کہ درویشی کا گوہر کہاں سے نسل در نسل چلا آتا ہے۔ یہاں صرف یہ دیکھ لیں کہ حضور کے دادا جناب چراغ دین صاحب علیہ الرحمہ کے دادا جان جناب شہاب دین صاحب علیہ الرحمہ بھی اپنے دور کے بلند نگاہ صوفی تھے۔ علاقے میں ان کے تقویٰ، سخاوت، خدمتِ خلق اور بارعب شخصیّت کا خاصا شُہرہ تھا۔ لوگ باہمی جھگڑوں میں ان سے فیصلے کراتے تھے۔ ایک خاتون بالواسطہ بے ادبی کر بیٹھی۔ پھر جب اسے معلوم ہوا کہ آپ ان کی اس حرکت سے آگاہ ہو چکے ہیں تو فقط آپ کی ہیبت اور سامنے آنے کی دہشت سے بچنے کے لیے گھر بار چھوڑ کر شوہر اور بچوں کے ہمراہ گاؤں سے چل دی۔ آپ نے راستے میں ہی انہیں جا لیا اور گاؤں چھوڑنے کی وجہ دریافت کی۔ پھر نہایت شفقت و مسکراہٹ سے ان کی دلجوئی فرما کر واپس بھیجا۔ وہ آپ کے بہت گرویدہ ہو گئے۔ ان بزرگ سے لے کر ہمارے حضور تک سب باکمال ہوئے۔ یقیناً یہ ایک نورانی خاندان ہے جو عرصۂ دراز سے خلقِ خدا کی

اصلاحِ احوال، اخلاقی وقلبی تطہیر اور معاشرتی و اخلاقی برائیوں کے تدارک کے سلسلے میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرتا رہا اور بحمدہٖ تعالیٰ حاصل کر رہا ہے۔

عہدطفولیت:

قدرت جن افراد سے مخصوص کام لینا چاہتی ہے، انہیں صلاحیتیں بھی مخصوص ہی عطا کرتی ہے اور پھر ان صلاحیتوں کی نگرانی بھی خود ہی کرتی ہے۔ عظیم لوگوں کا بچپن اور یونہی لڑکپن بھی عظیم ہوتا ہے اور دیکھنے والے ابتداء ہی سے ان کے عظیم کارناموں کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ طفولیت پر نظر کیجیے۔ عہدِ رضاعت میں ماہِ رمضان میں طلوعِ آفتاب تا غروبِ آفتاب دودھ ہرگز نہ پیتے۔ اور اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے ہوئے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خود ارشاد فرمایا کہ میں اوائل عمری میں جب بھی لڑکوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا تو غیب سے ایک آواز آتی کہ "لہو ولعب سے باز رہو" چنانچہ میں رک جاتا۔ یونہی حضور سیدنا شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کے زمانۂ طفولیت میں ایک مجذوب بزرگ کہیں باہر سے علی پور شریف تشریف لائے۔ ان کے سامنے آپ اپنے ہمجولیوں کے اصرار پر کسی کھیل میں مشغول ہو گئے تو وہ مجذوب بزرگ جنہیں کسی نے کبھی کلام کرتے نہ دیکھا تھا، خاموش نہ رہ سکے اور فرمانے لگے، تم ان فضول کاموں کے لیے نہیں ہو لہٰذا ان میں مت پڑو۔ آپ یہ ارشاد سن کر ان کے پاس آ بیٹھے اور پھر کبھی اس کھیل میں حصہ نہ لیا۔ (انوارِ لاثانی)

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کا مبارک بچپن بھی آپ کی عظمتِ شان اور

مقامِ رفیع کا مظہر ہے۔ ولادت کے موقع پر متعدد احباب کو بشارت دی گئی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ آپ کے صالح و متقی نانا جان محض خواب میں اشارہ پا کر چلے آئے اور بھی لوگ اس خوش کن خبر سے مسرور کیے گئے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دیہاتی فضا میں پرورش پانے والے بچے گالی گلوچ کے عادی اور شائستگی سے دور ہوتے ہیں۔ ان کا شعور بھی عموماً پست ہوتا ہے۔ مگر ہمارے حضرت فطرتاً خوش اطوار، شائستہ، نہایت صفائی پسند اور پختگیٔ شعور سے مزین تھے۔ آپ کی عادات عام دنیاداروں کی سی نہ تھیں۔ اپنی پسندیدہ عادات اور حُسنِ اَخلاق کی بدولت اپنوں بیگانوں اور چھوٹوں بڑوں میں یکساں ہردلعزیز تھے۔ صبر وقناعت، تسلیم و رضا اور محبت و مشقت کی طرف ابتداء ہی سے طبیعت مائل تھی۔ کبھی والدین کو رنجیدہ تو کیا معمولی پریشان بھی نہ کیا۔

آپ کی ہمشیرہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ شِیر خوارگی میں جب بھی ماہِ رمضان آیا، آپ نے دودھ نہیں پیا۔ شِیر خوارگی کے بعد بھی یہی سلسلہ رہا یعنی اس ماہِ طیبہ میں دن بھر کھانا پینا موقوف رہتا۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے آپ کو کچھ کھانے کو دیا تو آپ نے توتلی زبان میں عرض کیا، 'ابھی اجان نئیں ہوئی'، انہوں نے خوب پیار کیا۔

پھر عمر مبارک بمشکل چار پانچ سال تھی، جب سحری کے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے اور جس طرح سے ہوتا مصلّیٰ بچھا کر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ گھر کے دیگر افراد کو بھی اس وقت جگا دیتے۔ نمازِ پنجگانہ کے اہتمام کی یہ صورت تھی کہ جونہی اذان ہوئی وضو کیا، محلّے کے چھوٹے بچے ساتھ لیے اور مصلّیٰ بچھا کر خود امامت شروع کر دی، جب کہ

دیگر بچوں کو پیروی کرنے کی ہدایت کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ باجماعت نمازوں کی ادائیگی کا جو شوق جنون کی حد تک تا حیات آپ پر غالب رہا، اس کی ابتداء اوائلِ عمری ہی میں ہو چکی تھی۔ بچوں کے ساتھ آپ کا تعلق اسی قدر رہا، ورنہ بچپن اور یونہی لڑکپن میں بھی عام بچوں سے الگ تھلگ ہی رہتے تھے۔ کھیل کود میں کبھی بھی رغبت نہ رہی۔ یہی وہ دور تھا جب کثرت سے مزارات پہ جانے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اپنے علاقے کے بڑے مزارات کی حاضری کا گہرا شغف تھا۔ ٹوپی اور سُنّت کے مطابق سفید لباس پہننے کا آغاز بھی اسی دور سے ہو چکا تھا۔ اگر کوئی کسی اور رنگ کا یا کوئی اور لباس پہنانے کی کوشش کرتا تو بھی نہ پہنتے۔ مثلاً ابھی آپ تیسری جماعت کے طالبعلم تھے جب آپ کی ہمشیرہ محترمہ نے نہایت محبت سے سرخ رنگ کا ایک خوبصورت لباس سلائی کر کے پہنانا چاہا، آپ نے انکار کر دیا۔ ہمشیرہ محترمہ نے خود پہنانے کی کوشش کی تو آپ نے بے اختیار چیخ مار دی جسے والدِ محترم نے تین چار سو گز کے فاصلے پر واقع سکول سے سن لیا اور دوڑے چلے آئے اور صورتِ حال سے آگاہ ہو کر فرمانے لگے کہ ''یہ بچہ حق کے راستے پر ہے تم اس کو سرخ رنگ کا جوڑا (جو کہ خلافِ سُنّت ہے) کیوں پہناتی ہو؟''

اسی عمر میں آپ نہایت ہردلعزیز تھے۔ اساتذہ کی آنکھوں کا تارا اور طلباء کی نگاہوں کا مرکز ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ سکول میں ایک تقریب ہوئی۔ سب نے بڑے شوق سے تصویریں بنوائیں لیکن آپ نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ سگریٹ، حُقّے وغیرہ سے سخت نفرت تھی یہاں تک کہ حقہ کپڑے کو لگ جاتا تو خوب اچھی طرح سے دھوتے۔ تیسری جماعت میں تھے جب استاد صاحب نے آپ سے حقہ گرم کرنے کو کہا

۔ آپ ادب سے کھڑے رہے نہ ہاں میں جواب دیا نہ ناں میں۔ والدِ محترم علیہ الرحمہ قریب کھڑے تھے۔ انہوں نے حقے کی ٹوپی پکڑ کر کہا کہ یہ کام یہ نہیں کریں گے، لائیں میں کیے دیتا ہوں۔

یہ قول بھی عظیم باپ کا اپنے عظیم بیٹے سے متعلق ہے، جوان کے بچپن میں ارشاد فرمایا گیا:

''یہ کچھ خاص ہیں، عام نہیں۔ حضرت صاحب (حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ) نے کرم کیا ہوا ہے، جب چمکیں گے تو دنیا دیکھے گی''

شبابِ مُقدّس

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقتِ پیری گرگِ ظالم می شود پرہیزگار

(جوانی کے عالم میں توبہ پر قائم رہنا انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سُنّت ہے۔ بڑھاپے میں ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے)

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ پاک ہے کہ 'جس کو خدا جوانی اور حُسن عطا فرمائے اور وہ ان دونوں چیزوں کو خدا کی راہ کے لیے وقف کر دے، خدا تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس پر فخر فرماتا ہے کہ یہ میرا اچھا بندہ ہے'۔

حضور مُفکّرِ اِسلام رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ شباب ذہنی و قلبی تطہیر اور فکری و عملی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں اپنے ربّ جلّ مجدہٗ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمتِ شان بیان کرنے اور انوارِ شریعت و

طریقت پھیلانے میں صَرف کر دی تھیں۔ نیز خدمت واطاعتِ شیخ پر تا حیات کمر بستہ رہے۔

عنوان 'کسبِ علم' میں بیان کردہ تفصیلات آپ کے دورِ شباب کی سرگرمیوں کا کچھ خاکہ پیش کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا آغازِ شباب تکمیلِ علم، وَسطِ شباب اشاعتِ علم اور اختتامِ شباب فیضانِ شریعت وطریقت کی تقسیم کا 'دورِ شباب' تھا۔ وہ بزرگ حضرات جن کی چشمِ ظاہر سے آپ کے احوالِ ظاہری مخفی نہیں تھے، بیان کرتے ہیں کہ جوانی میں جبکہ آپ کے ہم عمر دنیاوی مشاغل میں نہایت سرگرم ہوتے، آپ تہجد کے پابند (اور وہ بھی ہمیشہ غسل کر کے)، نہایت عابد وزاہد اور اپنے خدا اور رسول کو راضی رکھنے کے لیے رات رات بھر جاگنے والے تھے۔

کتنے ہی حضرات ایسے ہیں جو بیان کرتے ہیں کہ لوگ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے اور آپ بند کمرے میں مصلّے پر کھڑے نوافل ادا کر رہے ہوتے اور اکثر رات یونہی بیت جاتی۔ کثرتِ عبادت سے ایڑیوں اور ٹخنوں پر نشانات بن چکے تھے۔

آنکھوں میں شرم وحیا تھی۔ اپنی نظر کی سخت حفاظت فرماتے تھے۔ بازار نہیں جاتے تھے کہ دورِ حاضر میں بازار عورتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ اگر کہیں اور جانے کے لیے مجبوراً گذرنا ہوتا تو سر پر سفید کپڑے کا بڑا رومال باندھ کر چہرے کا زیادہ تر حصّہ چھپا کر گذرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں کہ کنواری لڑکی سے زیادہ شرم وحیا کے مالک تھے۔ ہمارے آقائے ممدوح کی

سیرت میں بھی اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفتِ مبارکہ کا عکس پایا جاتا تھا۔ چنانچہ غیر محرم خواتین عمر رسیدہ ہوں یا کم سن، کسی صورت بات کرنے کے بھی روادار نہ تھے۔ بیعت فرماتے تو بھی درمیان میں چادر تان لیتے یا چارپائی کھڑی کر دیتے اور چادر کا ایک کونہ پکڑا کر بیعت فرماتے۔

حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ نہایت منکسر المزاج تھے۔ اخلاقِ حمیدہ آپ کا شعارِ زندگی تھا۔ سخی یہاں تک تھے کہ گھر سے جو کچھ پاتے راہِ مولا میں دے دیتے۔ طبیعت نہایت سادہ تھی۔ نمود وریا سے نفرت تھی۔ آپ کی مبارک جوانی قرآنِ پاک کی اس آیت کی زندہ تفسیر تھی:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ط
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ط..... (سورہ لقمٰن۔ آیت ۱۹۔۱۸)

ترجمہ: اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل۔ بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا۔ اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کو پست کر۔

تبلیغِ دین کے سلسلے میں دور دراز کے مقامات کا سفر کرنے سے کبھی نہ ہچکچائے۔ سفری صعوبتیں، مالی مشکلات اور خرابیٔ صحت جیسے مسائل کبھی دینی کاوشوں کی راہ میں حائل نہ ہوئے۔

پھر یہی وہ دور تھا جس میں پیر خانے کی حاضری بھی جاری رہی۔ سیالکوٹ،

بہاولپور، لاہور، شیخوپورہ وغیرہ شہروں میں رہتے ہوئے بھی مرشدِ کریم کے در پر کثرت کے ساتھ اور بالخصوص قیامِ سیالکوٹ کے دوران بلا ناغہ حاضری یقیناً ایک مشکل امر ہے تاہم جس نے عشق و مستی کی مے چکھی ہو اسے کسی رکاوٹ کی کیا پروا۔ چنانچہ اِدھر مریدِ صادق کا جذب وشوق اپنا آپ دکھا رہا تھا تو اُدھر شیخِ کامل کی بخشش وعطا اپنے جوبن پر تھی۔ بس پھر کیا تھا، منزلیں طے ہوتی رہیں۔۔۔ 'طائرِ لاہوتی' عشق کے پروں سے پرواز کرتا رہا۔۔۔ حجابات اٹھتے رہے۔۔۔ حقائق منکشف ہوتے رہے۔۔۔ بالآخر شیخ کریم کی عنایت وتوجہ سے ایک ایسا شاہکار تیار ہوا کہ خود شیخ کو اپنی محنت کے ثمر آور ہونے پر ناز تھا۔ شیخ نے اپنے اس مرید و مراد کو خلقِ خدا کے لیے فیض رساں بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی چنانچہ مریدِ صادق نے بھی فیضان رسائی میں کمی نہ رکھی اور خلقِ خدا کی ہدایت وفلاح کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جوانیاں اَوروں نے بھی گذاریں مگر یہ کیسی جوانی تھی کہ جس میں سراسر اطاعتِ خُداوندی، عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء، خدمتِ شیخ اور تبلیغ واشاعتِ دینِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مشاغل ہی تھے، اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہستیاں کہیں صدیوں کے بعد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ان کی آمد سے پہلے فطرت ان کی منتظر رہتی ہے اور ان کے ارتحال کے بعد زمانہ ان کے گُن گاتا ہے۔

حُلیہ مُبارک:

خدا نے آپ کو حُسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حُسنِ صورت سے بھی خوب مزیّن کیا تھا۔ میانہ قد، روشن آنکھیں، سُنّت کے نور سے جگمگاتا چہرہ، گندمی مائل بہ سفیدی

رنگت، پُر گوشت رخسار، قدرے موٹی مگر چہرے پر موزوں خوبصورت ناک، تمام اعضاء بدن جسمِ اطہر پر انتہائی متناسب، سفید لباس، سفید کپڑے کی نقشبندی ٹوپی، نرم دم گفتگو گرم دم جستجو، سراپا سے عجز وانکسار ظاہر، خاموش ہوں تو پُر جلال، محوِ کلام ہوں تو جمال ہی جمال۔

تیرے بدن کا ہر جز، اِک شعر خوبصورت
لیکن یہ تیری آنکھیں پورا کلام جیسے

نکاحِ مبارک:

حضور ہادیٔ دوراں، مُحسنِ انساں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مشہور حدیثِ پاک ہے:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

ترجمہ: نکاح میری سنت سے ہے، جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں (یعنی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں)۔

نیز فرمایا:

اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنِ فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ...

(مشکوٰۃ جلد دوم۔ کتاب النکاح۔ حدیث نمبر ۱۷/۲۹۶۲ عن انس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: جس وقت کوئی شخص نکاح کرتا ہے اس کا آدھا دین مکمل ہو جاتا ہے۔ باقی آدھے میں وہ اللہ سے ڈرے۔

نکاح کا مقصد و فائدہ کیا ہے؟ فرمایا:

فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ.....

(مشکوٰۃ جلد دوم۔ کتاب النکاح۔حدیث نمبر۱/۲۹۴۶۔عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: نکاح نظر کو نیچا رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔

اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی نشاندہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمائی:

اِنْ لَّاتَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ " فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ " عَرِيْضٌ"

(مشکوٰۃ دوم۔ کتاب النکاح۔حدیث ۱۱/۲۹۵۶ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اگر تم نکاح نہ کرو گے تو زمیں میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔

نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے رسمِ نکاح کے قیام سے اسلام کے معاشرتی نظام کو بہت سی اخلاقی بیماریوں سے محفوظ کرلیا۔ دراصل انسان کے فکر و نظر کی پاکیزگی اسی مبارک سنت سے وابستہ ہے۔ اولیائے عظام محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے فیض پانے کے لیے نکاح کرتے ہیں۔ کیونکہ:

مپندار سعدی کہ راہِ صفا

تواں یافت جز درپئے مصطفےٰ

ترجمہ: اے سعدی مت خیال کر کہ صفا کا راستہ تو درِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے بیگانہ ہو کر پالے گا۔

آپ کا نکاحِ مبارک اپنے ماموں جان جناب محمد رفیق صاحب کی صاحبزادی صاحبہ سے ۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہوا جبکہ عمرِ عزیز چھبیس (۲۶) برس تھی۔ مائی صاحبہ نہایت پارسا، تہجد گذار، خدارسیدہ اور سلیقہ شعار تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

والہانہ محبت و عقیدت رکھتی تھیں۔ اپنے مرشدِ ذی شان حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کا ذکر خیر (خواتین میں) ایسی وارفتگی سے کرتیں کہ سننے اور دیکھنے والے مسحور ہو جاتے۔ علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرسِ مقدس اور دیگر خاص تقاریب کے مواقع پر زنانخانے میں رہتے ہوئے بھاری کام سرانجام دیا کرتی تھیں۔

قبلہ مائی صاحبہ کو علومِ شریعہ میں خاصا درک تھا اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں آپ کی کاوشیں از حد مستحسن تھیں۔ تاحیات جامعہ انوارِ لاثانی برائے طالبات (آستانہ عالیہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ) کا نظم و نسق نہایت بہترین انداز سے چلایا۔ جہاں درسِ نظامی اور حفظِ قرآن کے باقاعدہ سلسلوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً عربی گرائمر، تجوید و قرأت اور دیگر کورسز بھی کرائے جاتے تاکہ وہ خواتین یا بچیاں بھی استفادہ کرسکیں جو باقاعدہ طویل عرصہ داخلِ مدرسہ رہ کر علم حاصل نہیں کرسکتیں۔

کون نہیں جانتا کہ خواتین کی تعداد ہمارے معاشرے میں مردوں کی تعداد کے برابر ہے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت سے بے توجہی برتنا آئندہ آنے والی پوری نسل کی تباہی ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو سمجھا اور خوب سمجھا۔ چنانچہ خواتین میں محافل کا شعور پیدا کیا۔ ان محافل میں آپ خود شرکت فرماتیں اور اصلاحِ عقائد و احوال کی خاطر بہترین خطابات سے نوازتی تھیں۔ تاہم اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ کسی بھی خاتون یہاں تک کہ نعت شریف پڑھنے والی بچیوں کی آواز بھی بند کمرے سے باہر نہ جانے پائے۔ آپ نے معاشرے میں مروج شادی بیاہ اور دیگر مواقع کی قبیح رسموں کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ خواتین میں ان سے اجتناب کی بھرپور تحریک چلائی۔

یہی وجوہات ہیں کہ قیوم زمانی حضور شہنشاہ لاثانی، حضور نقش لاثانی اور حضور

نقشہ نقش لاثانی (پیر سید عابد حسین شاہ صاحب عرف لالہ جی سرکار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ سے ازحد راضی اور مہربان تھے۔ ان کی روحانیت نے آپ کو نوازا اور خوب نوازا۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے آخری حصے میں جب آپ نہایت علیل رہنے لگیں تو ایک روز حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے آپ سے فرمایا کہ لالہ جی علیہ الرحمہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ کیا حال ہے نیز فرمایا ہے کہ انشاء اللہ عنقریب آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوا۔ یہ واقعہ پچھلے بزرگوں کی آپ پر توجہ کی ایک جھلک ہے ورنہ کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہوئے اور کسی نہ کسی ذریعے سے ہم تک پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے شیخ اور شیخ الشیخ کے ساتھ آپ کا روحانی رابطہ درجۂ کمال کا تھا۔ آپ سے کرامات کا صدور بھی ہوا۔ نیز آپ کی دعائیں بھی نہایت سریع القبول تھیں۔

خدائے بزرگ و برتر نے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کو اولاد کی مصروفیات میں نہیں ڈالا۔ قدرت آپ سے تبلیغِ دین اور اشاعتِ طریقہ کا جو عظیم کام لینا چاہتی تھی، اس کے لیے آپ کو زیادہ سے زیادہ فارغ رکھنا مقصود تھا۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 3

درس و تدریس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسبِ علم (دینی ودنیاوی تعلیم کا حصول)

اللہ جلّ شانہٗ نے عِلم کی افادیت یوں سمجھائی:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ط.....(فاطر:۲۸)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

یعنی علم کے حصول کا ایک لازمی نتیجہ خوفِ خدا کا حصول ہے۔ نبی کریم رؤف رّحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا فرمانِ عالیشان ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ.....(ابن ماجہ)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جہاں طلبِ علم کو ہر مسلمان پر فرض ٹھہرایا وہاں اس کی طلب میں سفری صعوبتیں برداشت کرنے کی بھی تلقین فرمائی:

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْماً سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقاً مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ.....(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جو علم طلب کرنے کے لیے ایک راہ پر چلے اللہ تعالی اسے جنّت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلاتا ہے۔

واضح رہے کہ انسان کی عمر مختصر ہے اور علم کی کوئی اتھاہ نہیں، اس لیے تمام علوم کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے۔ مثلاً علمِ نجوم، طب، حساب اور عجائباتِ عالَم کا عِلم، البتہ اتنا علم ضروری ہے جتنا شریعت سے متعلق ہو۔ مثلاً علمِ نجوم جس سے رات کے وقت اوقات کی تعیین کی جا سکے۔ علمِ طب اس قدر کہ صحت کی حفاظت کی جا سکے۔ اسی طرح علمِ حساب اتنا جس سے وراثت، ضروری لین دین یا عِدّت وغیرہ کے مسائل حل ہو سکیں۔ الغرض اتنا اور اسی قدر فرض ہے جس سے عمل درست ہو۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو غیر نافع علم حاصل کرتے ہیں (یعنی جس کے ساتھ عمل نہ ہو)۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ.....(البقرہ:۱۰۲)

ترجمہ: اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا اور نفع نہ دے گا۔

حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر روز یہ دعا مانگتے تھے:

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے۔

قلیل علم کے باوجود عمل کی کثرت ہونی چاہیئے یعنی علم عمل کے ساتھ مزیّن ہونا چاہیے۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے:

اَلْمُتَعَبِّد بلا فقه كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُوْنَةِ

ترجمہ: بے علم عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی طرح ہے۔

حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے راستے میں ایک پتھر دیکھا جس پر لکھا تھا، مجھے الٹ کر پڑھو۔ میں نے پڑھا تو اس پر لکھا تھا:

اَنْتَ لَا تَعْلَمُ بِمَا تعمل فَكَيْفَ تَطْلُبُ مَالَا تَعْلَم

ترجمہ: جس کا تجھے علم ہے جب تو اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ کیوں مانگتا ہے جس کا تجھے علم ہی نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جو چیز تو جانتا ہے، جب اس پر عمل کرے گا تو اس کی برکت سے تجھے وہ چیز بھی حاصل ہو جائے گی جس کا تجھے علم نہیں ہے۔

یاد رہے کہ علم اور اس پر عمل سے بلند تر درجہ اور کسی شے کا نہیں۔ اگر علم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے عجائبات میں سے کسی ایک بات کی بھی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ علم ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے انسان بلند مقام ومرتبے کا مالک بنتا ہے اور اسے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ جتنے صوفیائے متقدمین اور اولیائے کاملین ہوئے ہیں، سب کے سب اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی بے نظیر تھے اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم، داتا گنج بخش علی

ہجویری، حضرت مجدّد الف ثانی، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی وغیرھم علیہم الرحمہ والرضوان نہ صرف اقلیمِ درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشورِ علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ یہ حضراتِ قدسی صفات تصوّف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کو لازم ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابنِ جوزی جو طبقۂ صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہورِ عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

وَمَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ فِي التَّصَوُّفِ اِلَّا رُؤُساً فِي الْقُرْاٰنِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ وَالتَّفْسِيْرِ۔

ترجمہ: صوفیاءِ متقدّمین علومِ قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ طریقت کا علم کے ساتھ گہرا ربط ہے اور بغیر علم چارۂ کار نہیں۔

بقول شیخِ سعدی علیہ الرحمہ:

ے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

ہاں یہ احتیاط ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ حصولِ علم سے مقصود محض رضائے خدا ورسول ہو۔ بحث ومناظرہ، جنگ وجدل، ریا ونمود اور دنیا طلبی نہ ہو ورنہ علم حجابِ اکبر بن جائے گا۔ نیز علم سے اصل فائدہ حاصل کرنے کا دارومدار استاد کی شخصیت پر بھی ہے۔ دورِ حاضر میں قوم کے زوال کا ایک اہم سبب کامل استاد کا نہ ہونا ہے۔ بقول اقبال:

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

ابتدائی تعلیم: حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ القوی جس اوجِ کمال کی طرف گامزن تھے ،اس کا تقاضا تھا کہ علومِ ظاہر و باطن کے چشمۂ شیریں سے سیراب ہوں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدین کریمین سے حاصل کی ۔ گویا اس انمول ہیرے کی تراش خراش کے کام کی ابتداء گھر ہی سے ہوئی۔ قرآن پاک ناظرہ والدِ ماجد علیہ الرحمہ نے پڑھایا۔ ساتھ ساتھ عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ادبِ بزرگانِ دین، اَخلاقِ حَسَنہ کے اَسباق بھی پڑھے جاتے رہے۔ والدہ کریمہ علیہا الرحمہ نے بھی آپ کی شخصیت نکھارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

سکول کی تعلیم: بعدازاں سکول میں داخل کرادیا گیا۔ عمرِ عزیز آٹھ برس تھی کہ مملکتِ خداداد پاکستان کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ چنانچہ آپ اپنے خاندان کے ہمراہ بکنور سے ہجرت کر کے پھگواڑی تشریف تحصیل شکرگڑھ ضلع نارووال (پاکستان) آگئے۔ جو شہر شکرگڑھ سے جانبِ مشرق تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں آپ کی معصوم نگاہوں نے ہجرت کے خونیں واقعات کا مشاہدہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تاحیات پاکستان کے لیے ہمہ وقت دعائیں مانگتے رہے۔ گویا:

میرا سانس امانت ہے تیری یادوں کا
ٹوٹ کر اس سے زیادہ تجھے چاہوں کیسے

تیسری سے آٹھویں جماعت تک گورنمنٹ مڈل سکول پھگواڑی میں تعلیم حاصل

کی۔ ابھی پانچویں جماعت کے طالبعلم تھے کہ فارسی پر مکمل عبور تھا۔ شاعری کے ساتھ بھی فطری لگاؤ ابتداء ہی سے تھا۔ چھٹی جماعت میں باقاعدہ اس طرف رخ ہوا تو پہلا شعر جو تیار ہوا حسب ذیل تھا:

توقیر جس نے کی ہے خدا کے حبیب ﷺ کی
مولیٰ نے اس کو جنّت اعلیٰ نصیب کی

ساتویں جماعت میں سکول میں ہونے والے مشاعروں میں باقاعدہ حصّہ لیا۔ آٹھویں میں ذوقِ سخن اور تیز جبکہ میٹرک میں تیز تر ہو گیا۔

فروری ۱۹۵۶ء میں اینگلو ورنیکر امتحان سے فارغ ہوئے تو نتیجہ آنے تک اکثر وقت دربار حضور شاہِ لاثانی میں حاضری کی سعادت سے بہرہ یاب رہے۔ نویں جماعت کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول شکرگڑھ میں داخلہ لیا۔ ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ والدِ ماجد علیہ الرحمہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ آخر ان کی طویل ناسازیٔ طبع ،وفات حسرت آیات پر منتج ہوئی ۔ اس کے ایک ماہ بعد (مئی/جون ۱۹۵۶ء) میٹرک کا رزلٹ آیا۔ آپ نمایاں حیثیت سے پاس ہو چکے تھے۔ تاہم ان دنوں والدِ کریم کے وصال کی وجہ سے سوز و درد کی کیفیت غالب تھی۔ انہی دنوں مالی مشکلات کے سبب تعلیم جاری رکھنا ایک مسئلہ بن رہا تھا چنانچہ گھر والے مزید حصولِ تعلیم کے حق میں نہیں تھے لیکن یہاں بھی شفیق باپ نے دستگیری فرمائی اور متعدد احباب (ماموں اور استاد وغیرہ) کے خواب میں تشریف لا کر فرمایا "انہیں پڑھاؤ اور خرچ سے نہ گھبراؤ، ان کے اخراجات (اللہ و رسول کے کرم سے) حضرت صاحب کے ذمّہ ہیں "۔

کالج کی تعلیم: چنانچہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں آپ نے داخلہ لے لیا۔ والدِ ماجد کی طویل بیماری، پھر ان کے وصال سے داغِ یتیمی، معاشی دشواریاں غرضیکہ ایک سے بڑھ کر ایک پریشانی موجود تھی لیکن شکر صد شکر کہ زخموں پر مرہمِ جاں فزاء رکھنے والے طبیبِ جاں موجود تھے یعنی قیومِ زمانی حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں چھپالیا:

بچشم خلق عزیز جہاں شود حافظ

کہ بر درِ تو نہد، روئے مسکنت بر خاک

شیخِ کریم کے طفیل رہائشی مسائل نے ستایا نہ تعلیمی مشکلات نے دبایا۔ صوفیٔ باصفا، قدوۂ اہلِ وفا صوفی رحمت علی صاحب درزی علیہ الرحمہ کے ہاں (موضع غازی پور متصل جناح پارک سیالکوٹ) رہائش کا بندوبست فرما دیا گیا۔ صوفی صاحب، حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق اور پروردۂ نظر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طبیعت میں از حد اخلاص، انکسار اور سادگی رچ بس چکی تھی۔ انکی اہلیہ محترمہ بھی ان کی طرح سراپا شفقت ومحبت تھیں۔ حضور شاہِ لاثانی قدس سرہ نے اپنی مرضی کے مطابق صوفی صاحب کو نقشبندی اور پھر قادری سلسلے میں بیعت فرما کر دو سلسلوں کے فیض سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضور شاہِ لاثانی کی یہ عادتِ مبارکہ نہیں تھی کہ کسی کو خود بیعت کی ترغیب دیتے۔ کسی نے اس سلسلہ میں عرض کی تو بندہ نوازی فرماتے۔ پھر ایک سلسلے کے بعد خود دوسرے سلسلے میں بیعت فرمانا تو بالکل ہی بہت عجیب تھا، مگر صوفی صاحب پر یہ کرم فرمایا (مرشدِ حقانی نے ان کی استعداد کو ملحوظِ خاطر رکھ کر یہ نوازش

فرمائی)۔ بہر حال ان کے ہاں قریباً دو برس قیام رہا۔ انہوں نے ہمیشہ حقیقی والدین کا سا سلوک کیا۔ ان کا جوان اور نیک نہاد بیٹا محمد شریف اس سے چند مہینے قبل پانی میں ڈوب کر شہید ہو گیا تھا۔ قبلہ صوفی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا اور رب نے مجھے محمد حسین (آسی صاحب علیہ الرحمہ) کی شکل میں بیٹا دے دیا۔ اور آسی (صاحب) کا باپ فوت ہو گیا تھا، اسے میری صورت میں اللہ کے فضل سے باپ مل گیا۔ ان کی اولاد نے بھی آپ کو ایک فردِ کنبہ ہی کی حیثیت دی اور تا حیات یہ خاندان بزرگوں کی روش کو نبھاتا رہا۔

مرشدِ کامل (حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ) اس دوران کئی بار یہاں تشریف لائے اور ہر بار ایسی کرم فرمائی سے نوازتے جو دوسروں کے لیے بھی نمونہ بن جاتی۔ صوفی صاحب کے گھر کے دروازے کے پاس ایک کنواں تھا، جس کی اوپر کی سطح زمین کے ساتھ برابر تھی۔ ایسی صورتحال میں کسی بھی قسم کے پانی کا کنویں کے پانی میں ملنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ احتیاطاً آپ اس کنویں کا پانی نہ تو نوشِ جاں فرماتے اور نہ اس سے وضو کرتے تھے۔ بلکہ ان مقاصد کے لیے پانی کا انتظام کہیں اور سے تھا۔

اس عرصہ میں ایک اور بات نہایت قابلِ ذکر و دلچسپ ہے۔ کالج میں پینٹ پہننا لازمی قرار دے دیا گیا۔ آپ کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی۔ تاہم جب اساتذہ کا اصرار بڑھا تو ایک دن آپ نے ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ پینٹ نما پیرہن پہن کر اوپر تہبند باندھا اور کالج چلے گئے۔ چیکنگ کے لیے موجود آفیسر نے کہا، یہ کیا؟۔ آپ نے تہبند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، یہ رب کا حکم ہے اور دوسرے کپڑے کی طرف اشارہ

کر کے فرمایا، یہ آپ کا حکم ہے (یعنی بولیے اب کس کا حکم مانوں)۔ آپ کی دینی غیرت وحمیّت اور فکر و مزاج میں ایمانی پختگی نے اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا۔ معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگے، آپ کے لیے آپ کے رب کا حکم ہی کافی ہے۔ سچ یہ ہے کہ شریعت کے احکامات کی تعمیل کا جذبہ دورِ شباب میں بھی اپنے پورے شباب پر رہا۔

حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ غازی پور یا سیالکوٹ میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کوئی نہ کوئی منقبت لکھ کر پیش کر دیتے اور بسا اوقات پڑھ کر سنانے کی کوشش کرتے۔ حضور کو اپنی مدح سننے سے سخت احتراز تھا اور سختی سے روک دیتے مگر آپ اپنا وظیفہ جاری رکھتے اور پنجابی یا اردو میں منظوم ہدیۂ عقیدت لکھنے کی رِیت باقاعدہ ہوگئی۔ جب آپ سالِ اوّل میں تھے، اس دور کی ایک پنجابی رباعی، جس میں حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں فریاد کی گئی ہے، ملاحظہ کیجیے:

غم دا چارہ چرا چرند کہہ کے ، دے پر پرواز پرند ای سئی
مفتی صاحب دے فتوے داڈر کوئی نئیں، میں حقیر حضور دارند ای سئی
خانہ شراب پلا ساقی! بہتی نئیں منگدا، بوند بند ای سئی
دردمندی دادردعطا کردے! اے کریم ساقی آسی لندھ ای سئی

اردو، فارسی، پنجابی، عربی کی طرح انگریزی زبان میں بھی ایسا کمال حاصل تھا کہ کالج کے اس دور میں ہی دو دو گھنٹے انگریزی کے پروفیسرز سے انگریزی میں بات چیت کر لیتے تھے۔

۱۹۵۸ء میں ایف اے کا نتیجہ آیا تو پورے لاہور بورڈ میں جو اس وقت کراچی

کے سوا تقریباً سارے مغربی پاکستان پر محیط تھا، ایک نمبر سے سیکنڈ آئے۔ اب ہر طرف اور ہر جگہ آپ کی علمی لیاقت کی دھوم مچ گئی۔ اساتذہ وطلبا، دوست احباب سب رشک بری نظروں سے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ خود مرشدِ گرامی نہایت مسرور تھے۔ آپ اس سیکنڈ پوزیشن کو بھی شیخ ہی کا صدقہ قرار دیتے تھے۔ آپ کی زبانی سنیے:

"سال اوّل کا نتیجہ نکلا تو میرے فرسٹ آنے کا اعلان کیا گیا۔ (میرے ۵۶۰/۴۹۱ نمبر تھے)۔ دربار شریف حاضر ہوا اور سلام عرض کر کے نتیجے کی مبارکباد عرض کی۔ حضور اپنے پروردۂ نگاہ ایک یتیم بچے کی کامیابی پر بہت مسرور ہوئے اور دیر تک الحمد للہ کہتے رہے۔ سگِ بارگاہ نے عرض کیا، حضور اگر اگلے سال ایک نمبر زیادہ آجائے تو بورڈ میں فرسٹ، یا سیکنڈ آنے کی توقع ہے۔ (یوں التجا کی وجہ یہ تھی کہ اس سے ایک سال قبل سیالکوٹ کا ایک ساجد نامی طالبعلم ۴۹۲ نمبر لے کر بورڈ میں سیکنڈ آیا تھا)۔ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ نے فرمایا، اللہ کے لیے یہ کب مشکل ہے۔ بات آئی گئی ہوئی۔

سالِ دوم کا (بورڈ والا) امتحان قریب آیا تو میں بخار اور درد وغیرہ میں مبتلا ہو گیا۔ نہایت دردناک قسم کا عریضہ دربار شریف ارسالِ خدمت کیا (کہ مر گیا تو قبر کا امتحان، بچ گیا تو بورڈ کا امتحان اور تیاری کسی کی بھی نہیں) پہلے روز انگریزی کا پرچہ تھا۔ پرچہ ٹھیک ٹھاک دیا۔ باہر نکلا تو سخت بخار (کہ بعض دوستوں نے میری صحت سے مایوس ہو کر میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجنے کا مشورہ دے دیا) اسی روز اگلا پرچہ عربی آپشنل کا تھا۔ پرچہ شروع ہونے سے پندرہ منٹ پہلے بخار اترا اور پرچہ تسلّی بخش ہوا۔ چند روز کچھ یہی کیفیت رہی۔ جس دن ریاضی کا پیپر تھا، حضور رات سے سیالکوٹ تشریف فرما

تھے۔صبح زیارت کی تو حضور نے تسلّی دی اور تبرک کی لسی عطا فرمائی۔فارسی کا پرچہ آیا تو حضور اس روز بھی سیالکوٹ جلوہ افروز تھے۔ میں نے جلدی جلدی جوابات مکمل کیے اور بغیر دہرائے حضور کی زیارت کے لیے پہنچ گیا (امتحان کے دوران اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی کتابوں کی وی پی آگئی اور وقت نکال کر انہیں بھی دیکھتا رہا) قریباً دو مہینے بعد نتیجہ آنا تھا۔حضور ان دنوں تحصیل شکرگڑھ میں جلوہ گر تھے۔ نتیجے کے دن صبح حضور قبلۂ عالم نقشِ لاثانی قدس سرہ کی خدمت میں سلام کیا اور رزلٹ کے بارے میں عرض کیا۔حضور نے تسلّی دی اور رولنمبر بھی لکھوالیا کہ ہوسکا تو ہم بھی اخبار دیکھیں گے۔ اس دور میں اخبار شکرگڑھ میں گیارہ بارہ بجے کے قریب پہنچتا تھا۔

شکرگڑھ جا کر اخبار دیکھا تو میں ۶۵۰/۹۲۴ نمبر لے کر بورڈ میں سیکنڈ آیا تھا اور فرسٹ آنے والا جو گورنمنٹ کالج لاہور کا امیدوار[1] تھا،صرف ایک نمبر زیادہ حاصل کرسکا تھا۔ایک روایت کے مطابق حضور قبلۂ عالم نقش لاثانی قدس سرہ نے رزلٹ سن کر فرمایا آنا تو اسی کو فرسٹ تھا،مگر جو اللہ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔حضور کے اس ارشاد میں یہ اشارہ بھی تھا کہ مانگنے والے نے بھی فرسٹ یا سیکنڈ آنے پر رضامندی ظاہر کردی تھی (میں اگر صرف فرسٹ آنے کا ذکر کرتا تو شیخ کامل کی دعا سے خداوند کریم یونہی کرتا)۔امتحان کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ یہ رزلٹ اپنی محنت کی بناء پر نہیں بلکہ دعائے شیخ کا نتیجہ تھا''۔

....

[1] اللہ رکھا اختر (ایم اے اے۔ایم ایڈ) سینئر ہیڈ ماسٹر (ریٹائرڈ) عدالت گڑھ نیا شہر سیالکوٹ بیان کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کالج لاہور کا یہ طالبعلم امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور ایک نمبر کا اضافہ کرکے اسے اوّل لایا گیا تھا۔ہم ساتھیوں کو اس پر بڑا افسوس تھا۔یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ حسب عادت اخبارات میں دوم پوزیشن کی خبر کے ساتھ اپنی تصویر دینے پر تیار نہ ہوئے کیونکہ نمود و نمائش پسند نہ تھی۔

آپ خود فرماتے ہیں:

ہجومِ غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا
کہ اس کو شیخِ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

۱۹۶۰ء میں آپ نے بی اے کیا۔جناح اسلامیہ کالج کے ہاسٹل (شیریں منزل) میں مقیم رہتے ہوئے بی اے کی تکمیل کی۔ پھر ۱۹۶۱ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی جبکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اسلامیات اور اردو دو مضامین میں ایم اے کیا۔

سیالکوٹ اور لاہور میں قیام کے دوران حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے مزارات سے فیوضات حاصل کرتے رہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سکول کا دور (۱۹۵۶ء تک) اور بالخصوص کالج کا پانچ سالہ دور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء) کسبِ علم کے ساتھ ساتھ بحث و نزاع کا دور تھا۔مختلف نظریات اور مکاتبِ فکر کے اساتذہ جن میں کٹر دہریئے اور کیمونسٹ بھی تھے،عیسائی اور ملحد بھی تھے،پھر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں فضائلِ نبوّت کے منکر،اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کے باغی،صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دشمن،اولیاءِ عظام علیہم الرحمہ کے مخالف غرض ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے نقطہ نظر کی وکالت کر کے ہم خیال بنانے اور متاعِ ایمان لوٹنے کی کوشش کرتے رہے (ان اساتذہ میں اہلِ حق بھی یقیناً موجود تھے مگر وہ عموماً خود کو تبلیغ و اشاعت سے سبکدوش سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں)۔بعض اوقات کالج کا وقت ختم ہوجاتا مگر مناظرہ ختم نہ ہوتا۔چنانچہ دوسری نشست ان کے مکان پر منعقد ہوتی اور بحمدہٖ تعالیٰ اور

بطفیلِ شیخِ کامل ہمیشہ آپ نے اپنا نقطہ نظر قرآن وحدیث کے آئینے میں بخوبی واضح کیا جبکہ مخالفین اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے۔ آپ کے ایک استاد صاحب کو بالآخر آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر یہ کہنا پڑا کہ، ''پیروں کے ماننے والوں کا ایمان کمزور نہیں ہو سکتا''۔(یہ ۱۹۶۱ء کے اوائل کی بات ہے)۔

یونہی جناح اسلامیہ کالج کے ایک غیر مقلد استاد جو پرنسپل بن کر ریٹائرڈ ہوئے، اپنے مناظرانہ ومدلّل طرزِ تبلیغ پر ایسے نازاں تھے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور تدریس کے دوران بھی کھلم کھلا چیلنج کرنے کے عادی تھے (ظاہر ہے کہ کوئی جواب دینے والا ہی سامنے نہ ہو تو ہر بڑے سے بڑے عالم اور ہر جید سے جیّد فقیہہ کو چیلنج کرنا کیا مشکل ہوگا)۔ بی اے کے دو سالوں میں شاید ہی کوئی پیریڈ ایسا ہوگا جب اُن سے مناظرے کی شکل پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ اور مرشدِ کامل علیہ الرحمہ کی توجّہ سے انہیں پریشان نہ ہونا پڑا ہو۔ کئی سال بعد جب دوبارہ اسی مادرِ علمی میں تدریسی فرائض کے لیے جانا ہوا تو اُنہوں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قریباً ان الفاظ میں آپ کا ذکر کیا:

''یہاں میں نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا، ایک آسی صاحب تھے
جن پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا''۔

یوں قدرت نے مختلف اشخاص کو قریب سے دیکھنے اور مختلف افکار کو سمجھنے کا اہتمام کئے رکھا۔

خالصتاً دینی تعلیم کا حصول: حضور مفکّرِ اسلام علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو (فیضِ علمِ شریعت وطریقت) ملا ہے، سیّدی وسندی حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ سے ملا

ہے۔ مطالعے کا شوق بچپن سے تھا۔ شیخِ کریم کی صحبت وسنگت نے اس شوق کو جنون میں بدل دیا۔ چنانچہ دن اور رات کا بڑا حصّہ عربی وفارسی گرائمر، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ نیز جدید وقدیم علوم کی مختلف کتب کے مطالعے کی نذر ہوتا تھا۔ شیخِ کریم کی نگاہ وتوجہ ہر مسئلے میں رہنمائی کرتی تھی۔ تصوّف وطریقت کے اسباق بھی انہی کے اقوال و افعال سے حاصل ہوئے۔ اگرچہ عالمِ بے بدل پیرِ طریقت مولانا عبدالرشید صاحب علیہ الرحمہ (سمندری والوں) کے مدرسے میں گئے تاہم مختصر سی مدّت کے لیے۔

۱۹۶۰ء میں لاہور قیام کے دوران قائداعظم علیہ الرحمہ کے دستِ راست اور تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد مولانا محمد بخش مسلم صاحب علیہ الرحمہ سے شرفِ ملاقات رہا۔ آپ انہیں اپنا استاد کہا کرتے تھے۔

۱۹۶۳ء میں بسلسلہ تدریس بہاولپور تشریف لائے تو فیض الملّۃ، شیخ الحدیث حضرت علاّمہ محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ سے دو سال ملاقات و باہمی استفادہ کی صورتحال رہی۔ اسی عرصہ میں امامِ اہلِسنّت حضرت علاّمہ سیّد احمد سعید کاظمی صاحب قدس سرہٗ سے بھی استفادے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ایک تقریب میں ان کی موجودگی میں حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے اسمِ گرامی 'محمد ﷺ' کے معارف بیان کئے تو انہوں نے خوب داد دی اور فرمایا، 'جی چاہتا ہے یہ بیان کرتے جائیں اور میں سنتا جاؤں'۔ پھر خود بھی اسی موضوع پر اپنے مخصوص علمی وفکری انداز میں اظہارِ خیال فرمایا۔ حضور مفکّرِ اسلام علیہ الرحمہ ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شیخ القرآن مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ کی زیارت اور علم کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کا موقع بھی ملا۔ ڈسکہ میں مفتی معین

الدین صاحب کے پاس مسائل پر بحث کے لیے اور بھکی شریف علاّمہ جلال الدین صاحب علیہا الرحمہ کے پاس کسی حدیثِ پاک کی شرح کے لیے بھی کبھی کبھار جانا ہوتا۔ تاہم ان تمام شخصیات سے اکتسابِ فیض قلیل وقت اور قلیل مدّت تک رہا۔ یونہی شاعری کا بلند ذوق بھی وہبی تھا۔ تاہم آپ نے اپنے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولانا نُور عالم خالد مرحوم، غلام حسن طور اور علاّمہ مولانا محمد جلیل رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند نظر شعراء سے بھی کسی حد تک استفادہ کیا۔ یاد رہے کہ آپ کی وسیع شاعری اردو، پنجابی کے علاوہ انگریزی اور فارسی میں بھی موجود ہے۔

بہر حال ان تمام علوم کا تعلّق تو کسب وطلب کے ساتھ تھا، اِن کے علاوہ اُن علوم کا کون اندازہ کرسکتا ہے جو مبداءِ فیض (یا قدرتِ کاملہ) کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔ عارفِ روم فرماتے ہیں:

خویش را صافی کن از اوصاف خود
تا بہ بینی ذاتِ پاک وصافِ خود
بینی اندر دل علومِ انبیاً
بے کتاب و بے معین و اوستا

یعنی بشریت کے اوصاف سے باہر آ، تا کہ اپنی پاک وصاف ذات (جو اصل 'مقامِ آدمی' ہے) کو دیکھ سکے۔ اس طرح تو اپنے دِل میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بے پایاں علوم کا بحرِ زخار موجزن پائے گا اور تجھے کسی کتاب، مددگار یا استاد کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

جو لوگ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت سے مشرف ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضور باتوں باتوں میں ایسے ایسے علمی دقیق نکات بیان فرماجاتے تھے کہ چوٹی کے علماء وفضلاء ششدر رہ جاتے تھے۔ چنانچہ متعدد علماء آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ نیز علماء کی ایک کثیر تعداد آپ کے فیضِ نگاہ سے تیار ہوئی جو کہ عالمِ اسلام کے لیے آپ کی طرف سے گراں بہا تحفہ ہیں۔

....

دورِ طالب علمی کے چند واقعات

(یہاں دورِ طالبعلمی اور بعد ازاں زمانہ تدریس کے زیادہ تر ان واقعات کو قلمبند کیا جائے گا جن سے مختلف طبقہ ہائے فکر کو سمجھنے کا موقع ملے گا، نیز اصلاحِ احوال کے سلسلہ میں آپ کی تڑپ کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ واقعات کی ترتیب میں سنِ عیسوی کا لحاظ رکھا گیا ہے)

☆......۱۹۵۶/۵۷ء میں حضور مُفکّرِ اِسلام علیہ الرحمہ ایف اے کے طالبعلم تھے۔ دسمبر کی تعطیلات ہوئیں تو دربار شریف سلام عرض کرکے گھر جانے کا پروگرام بنا۔ ایک ہم جماعت جو مسلکاً دیو بندی تھا، بھی ساتھ ہولیا۔ آپ نے اپنے شیخ کریم کی دست بوسی کے بعد قدم بوسی بھی کی۔ حضور نقشِ لاثانی نے نہ روکا۔ وہ دست بوسی کے بعد قدم بوسی کے لیے جھکنے لگا تو حضور نے روک دیا اور اسے اس شرف سے محروم رکھا۔ اگلے دن آپ اور یہ ہم جماعت ٹرین سے شکر گڑھ جا رہے تھے تو اچانک وہ کہنے لگا' آخر قدم بوسی کا کیا ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ تو بعد کی بات ہے، تاہم اس سوال سے ایک الجھن ختم

ہوگئی۔ میں رات ہی سے سوچ رہا تھا کہ آخر آپ کو قدم بوسی کی اجازت کیوں نہ ملی۔ اب معلوم ہوا کہ چونکہ اسے ناجائز سمجھتے تھے اور حضور آپ کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھے لہٰذا اس سعادت سے بے بہرہ کر دیا۔ کم از کم یہ تو ظاہر ہو گیا کہ اللہ والے دل کے جاسوس ہوتے ہیں جیسا کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے، رہ گئی قدم بوسی کی دلیل تو کئی احادیث و روایات اس پر شاہد ہیں''۔

☆...... ۱۹۵۸ء میں انگریزی کے ایک غیر مقلد استاد تھے جو سالِ دوم کو پڑھاتے تھے۔ ایک دن نہ جانے کیا جوش آیا، دفعتاً فرمانے لگے:

'مسجدوں میں اللہ اور رسول (جل مجدہ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نام تو لکھا نہیں ہوتا، البتہ 'یا شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ' لکھا ہوتا ہے اور شیئاً للّٰہ کا معنیٰ ہے، اللہ کا حصہ۔ ایک طالب علم نے کہا، 'سر ایسی مسجدیں کہاں ہیں، جن میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک نہیں اور یہ لکھا ہے'۔ پروفیسر صاحب کہنے لگے، 'میں دکھا سکتا ہوں'۔ اب آپ چپ نہ رہ سکے اور بولے، 'کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے لائق پروفیسر صاحب کو شیئاً للّٰہ کا معنیٰ نہیں آتا۔ شیئاً کا معنیٰ ہے کوئی چیز اور لِلّٰہ کا معنی ہے، اللہ کے لیے۔ سارے جملے کا مفہوم یہ ہوا 'یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی، اللہ کے لئے کچھ دیجئے'۔ اس میں 'اللہ کا حصہ' کہاں سے آگیا''۔ پروفیسر صاحب چند لمحے خاموش رہے، پھر کہنے لگے، قرآن تو کہتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ گویا وہ تو بالکل ہمارے جیسے بشر ہیں، انہوں نے پتا نہیں کیا کیا بنا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دوستو! ہمارے پروفیسر صاحب کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام بشروں جیسے ہیں، میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ حضور تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جس چیز کی نسبت

بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو جائے، قرآن پاک کی رو سے وہ بے مثال ہو جاتی ہے۔

سنو میری دلیل نمبر۱: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ... (سورۃ الاحزاب: ۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو، تم اَور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

ظاہر ہے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد سے مشرّف ہونے والی خواتین جب دوسری عورتوں کی طرح نہیں رہیں تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنا کتنی جرأت ہے۔

اب سنو دلیل نمبر۲: مگر پروفیسر صاحب کہنے لگے، چلو رہنے دو پڑھتے ہیں۔

☆...... اسی دَور میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب دیوبندی مکتبِ فکر سے متعلق تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے کہا، 'ہم مسجد میں جشن نزولِ قرآن منانے لگے تو ایک وکیل تیمور نامی کے پاس گئے اور انہیں صدارت کے لیے کہا۔ انہوں نے کہا، 'میں قرآن کو نہیں مانتا، اس میں ربط نہیں'۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا، 'سچی بات یہ ہے کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکے۔

اسلامیات کے پروفیسر کا قرآنِ پاک کے بارے میں یہ جملہ گویا ایک دھماکا تھا جس سے اسلامیات پڑھنے والے نوجوانوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے (کہ معاذ اللہ جب اسلامیات کا پروفیسر قرآنِ پاک کا دفاع کرنے کی بجائے اس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہے تو ظاہر ہے۔۔۔)

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے اٹھ کر کہا، اگر کسی تیمور لنگ کو قرآن میں ربط نظر نہیں آتا تو اس کا اندھا پن ہے، میں ثابت کرتا ہوں کہ جتنا ربط قرآنِ پاک میں ہے ایسا دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے، واقعے کا واقعے سے، سورت کا سورت سے۔ پھر وجہِ ربط نہیں، مفسّرین نے دادِ تحقیق دی اور وجوہِ ربط بیان کیں۔۔۔' دس پندرہ منٹ کی تقریر کے بعد پروفیسر صاحب نے آپ کی بات کا 'بے ربط' سا جواب دینا چاہا تو آپ پھر کھڑے ہو گئے اور ہم جماعتوں سے مخاطب ہو کر پوچھا 'کیوں ساتھیو! میری بات کی تمہیں سمجھ آئی ہے کہ نہیں'۔ سب نے کہا آ گئی ہے۔ آپ نے کہا، 'اب مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ پروفیسر صاحب کو میری بات کی سمجھ نہیں آئی'۔ پروفیسر صاحب اس پیریڈ میں پھر نہ بولے۔

☆......کالج کے پرنسپل صاحب نے کالج ہال میں محفلِ میلاد منعقد کرائی اور بعد میں قیام وسلام ہوا۔ فارسی کے پروفیسر صاحب جو غیر مقلد تھے اور دیو بندی حضرات اس میں سب کھڑے ہو گئے۔ اگلے دن آپ کلاس میں پہنچے تو قیام کے مسئلے پر بحث چھڑ چکی تھی۔ فارسی کے پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ ادب سے حکم کی تعمیل زیادہ ضروری ہے۔ (اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاُدَبِ)۔ اللہ رکھا صاحب اور اختر صاحب کھڑے ہو گئے اور بولے، 'کبھی کبھی ادب امر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ شعر بھی پڑھا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے دلیل دی کہ حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا، میرے نام کے آگے سے 'رسول اللہ' کاٹ دو، مگر انہوں نے نہیں کاٹا۔ گویا ادب کو حکم پر ترجیح دی۔

پروفیسر صاحب کہنے لگے، کاٹ دیتے تو بہتر ہوتا۔ اس پر آپ علیہ الرحمہ نے آٹھ دس منٹ تقریر کی اور پروفیسر صاحب کا پوری کلاس نے خوب مذاق اڑایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:

وہ علی المرتضیٰ جنہیں بابِ مدینۃ العلم کہا جاتا ہے، وہ علی المرتضیٰ جنہیں صحابہ کرام سب سے بڑا قاضی کہتے تھے، آج تک کسی نے ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی بارگاہ میں عرض کروں، 'ٹھیک ہے پوری امت میں خارجیوں کے سوا کسی نے آپ سے اختلاف نہیں کیا اور سب کو آپ کی علمی عظمت تسلیم ہے، مگر مبارک ہو آج آپ کا استاد پیدا ہو گیا اور وہ جناح اسلامیہ کالج میں فارسی کا پروفیسر ہے'۔

☆......سالِ سوم میں انگریزی کا پیریڈ تھا۔ انگریزی کے پروفیسر صاحب جو صدر شعبۂ انگریزی تھے، ایک مضمون جس کا عنوان Defence Of Nonsense تھا، کا تعارف کراتے ہوئے فرمانے لگے:

All those things that we can't understand are non-sensical.So these miracles of the prophets and karamat of the saints are all non sensical.Do you agree with this definition of a nonsense,Mr. Asi?

ترجمہ:۔ وہ تمام چیزیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے، بے عقلی کی چیزیں ہیں۔ سو معجزاتِ انبیاء

اور کراماتِ اولیاء سب ایسی ہی ہیں۔ آسی! کیا بے عقلی کی اس تعریف سے تم متفق ہو؟۔

آپ نے جواب دیا:

My good sir,this definition of nonsense is quite nonsensical.

ترجمہ:۔ جنابِ والا! بے عقلی کی یہ تعریف بڑی احمقانہ ہے۔

کلاس روم میں سنّاٹا چھا گیا۔ چند منٹوں کے بعد صدرِ شعبہ کہنے لگے، آؤ پڑھیں۔ اگلے روز حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کی اگوکی ریلوے اسٹیشن پر زیارت ہوئی۔ ایک ساتھی نے یہ واقعہ سنایا۔ حضور نے فرمایا میں وہاں ہوتا تو یہی جواب دیتا۔ آپ نے عرض کی، 'آپ وہیں تھے اور یہ جواب آپ ہی نے دیا تھا'۔

☆......۱۹۵۹ء میں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے اشارے پر آپ کالج کے ہاسٹل میں داخل ہو گئے۔ یہاں آپ کی کاوش سے ایک مرزائی نوجوان مرزائیت کی لعنت سے آزاد ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ اسی طرح ایک نوجوان جس پر دہریت کا غلبہ تھا، دوبارہ ایمان کے نور سے روشن ہو گیا۔ باقی طلبہ بھی خدا کے فضل اور حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی رحمت سے آپ سے خاصے متاثر تھے۔ آپ نے یہاں اذان و نمازِ باجماعت کا اہتمام کیا اور خود امامت کے فرائض سر انجام دیتے۔ آٹھ تراویح پڑھنے والے بیس رکعات پڑھنے لگے۔ ایک مرتبہ ہاسٹل کے طلبہ اور سپرنٹنڈنٹ ہاسٹل کے درمیان ایک تنازع کھڑا ہو گیا۔ آپ کو صورتحال کا علم اس وقت ہوا جب پرنسپل صاحب نے کچہری لگائی۔ اختر نامی طالب علم (تحصیل شکر گڑھ) کا کہنا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے بارے میں نامناسب بات کہی۔ پرنسپل صاحب نے کچھ اور بھی

شکایات سنیں اور پھر اختر سے کہا کہ "سپرنٹنڈنٹ سے معافی مانگے"۔ اب یہاں آپ بول اٹھے: 'پرنسپل صاحب! آپ نے سنا جو سپرنٹنڈنٹ کے خلاف شکایت ہوئی؟' پرنسپل صاحب نے کہا 'ہاں'۔ آپ نے کہا، 'آپ پر کیا اثر ہوا'۔ بولے، 'میں تو چاہتا تھا کہ مجھ پر بجلی گر پڑے مگر یہ نہ سنتا'۔ آپ نے کہا، 'پھر بھی اختر کو معافی مانگنے کو کہتے ہیں، میں تو اختر کو معافی مانگنے نہیں دوں گا'۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا، 'میں نے تو یہ کہا تھا کہ مستشرقین نے یوں کہا ہے' (یعنی میں نے اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی)۔ آپ بولے، 'اگر مستشرقین نے ایسی بکواس کی تھی تو آپ نے اسے کیوں دھرایا'۔ وہ چپ ہو گیا اور پرنسپل صاحب خاموشی سے لوٹ گئے۔

شیخ کریم علیہ الرحمہ کی توجہ سے آپ نے ہاسٹل کی فضا میں انقلاب برپا کر دیا۔ چنانچہ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے، "آسی (صاحب) کے آنے سے ہاسٹل پاک ہو گیا ہے"۔

(اس سے پہلے اذان و نمازِ باجماعت کا اہتمام نہیں تھا) خدا کے فضل سے باجماعت نماز ہی ادا نہیں ہونے لگی بلکہ آپ نوجوانوں کو ساتھ لے کر ہر جمعرات سیالکوٹ کے عظیم و جلیل تاجدار حضرت امام علی الحق قدس سرہ کے مزار پر حاضری دیتے تھے۔ کالج میں پروفیسر تجمل حسین راٹھور انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ انگریزی کے ساتھ فلسفے کے مطالعے نے ان کو شکوک و شبہات میں گرفتار کر کے ان کی ذہنی فضا کو تیرہ و تاریک کر دیا تھا۔ بعض دفعہ وہ آپ کو اس قسم کے پیغام بھی بھیجا کرتے تھے کہ آسی (صاحب) کو کہنا، انگریزی سیکھنی ہے تو پانچ وقت کی نماز نہ پڑھا کرے بلکہ دو تین کی کافی ہے۔ تاہم کسی حد تک وہ بھی آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بعض دفعہ رات کے دس بجے دربار

امام صاحب میں نظر آتے۔ آپ نے ایک مرتبہ پوچھا، 'یہاں کیسے آئے؟'۔ کہنے لگے
آسی (صاحب)! یہاں سکون ملتا ہے''۔ وہ نوجوان جو اس وقت ہاسٹل میں تھے، کا
سے فارغ ہو کر کوئی کسی طرف نکل گیا اور کسی نے کوئی شغل اختیار کر لیا۔ مگر ہاسٹل کی
مقدّس فضا کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے اور ان کے فکر و عمل کو مدّتوں روشن کر
رہے۔

☆...... یہ تھا ہاسٹل کا معاملہ، کالج کا معاملہ تو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ یہاں (جا
اسلامیہ کالج سیالکوٹ) دیوبندی، غیر مقلد، رافضی و خارجی اساتذہ ہی نہیں، اسلامیہ
لفظ کالج کے نام میں داخل ہونے کے باوجود کئی کمیونسٹ ذہن کے لوگ بھی تھے۔ آپ
فرمایا کرتے تھے:

''میں ایک مدت تک سوچتا رہا ہوں کہ آخر کالج میں مجھے کیوں داخل کرایا گیا؟
کیا معروف دینی تعلیم اس سے زیادہ بہتر نہیں تھی؟۔ تو کالج کے حالات پر غور کر
سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عموماً اسلام کے بارے میں جن مختلف خیال لوگوں کو کا
میں دیکھنے کا موقع ملتا تھا، ہمارے دینی مدرسوں میں اس کا چانس بہت کم ہے۔ پیرو مر
حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ نے اس قسم کے لوگوں کے عین درمیان رکھ کر ان میں سے کو
سے متاثر نہیں ہونے دیا بلکہ دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بچ گیا۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ کا
میں بدمذہب لوگ اپنے بچوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ کے لیے بھی داخل کراتے ہیں۔ میں
نے طالبِ علمی کے معروف دَور میں بھی اس کا مشاہدہ کیا اور بطور استاد بھی۔ چنانچہ
ہمارے نوجوان بڑی آسانی سے ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور علم حاصل کرتے کر
ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ مگر قربان جائیں، جس سراپا بصیرت و شعور شخصیت

نے اس عاجز کو کالج میں داخل کرایا تھا، اس نے اس وقت گو یہ راز نہیں کھولا، لیکن
حقیقت یہ ہے کہ اپنے سگِ بارگاہ کے ایمان کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ اس کے ذریعے کئی
دوسرے نوجوانوں کا ایمان بھی بچا لیا۔ میں سوچتا ہوں آدھی صدی گزرنے کے باوجود
ابھی تک کالجوں اور سکولوں کو سنبھالنے کا ہمیں تصوّر نہیں آیا، اور میرے آقا علیہ الرضوان اتنا
عرصہ پہلے بھی کیسی خداداد بصیرت و احساس کے مالک تھے''۔

☆...... حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے ایک استاد ہوا کرتے تھے جو ملتان یونیورسٹی کے
رجسٹرار کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کی ملازمت کا آغاز مڈل سکول کی ہیڈ ماسٹر
ی سے ہوا۔ جلد ہی ان کا تبادلہ پنڈ دادنخان ہو گیا مگر وقتاً فوقتاً میل جول کا سلسلہ جاری
رہا۔ ۱۹۶۰ء میں وہ تبادلہ کرا کے شکر گڑھ ہائی سکول آ گئے۔ یہ وہ دَور تھا جب آپ نے
بی اے کا امتحان دیا تھا۔ مئی ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ آپ کو شیخوپورہ اور استاد صاحب کو
لاہور جانا تھا۔ دونوں ٹرین میں مل گئے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے ایک اہلِ حدیث
خطیب کا ذکر شروع کر دیا اور اس کی علمیت اور فصاحت و بلاغت وغیرہ پر خوب لیکچر دیا۔
آپ نے جواباً کہا، ''استاد جی! ذرا غور کر کے بتائیں، جب آپ کے ممدوح منبر پر
بیٹھ کر کہتے ہیں کہ میرا یہ ماس نبی کے ماس کی طرح ہے، کیا اس وقت انہیں احساس ہوتا
ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں داخل ہیں؟'' استاد صاحب نے کچھ لمحے
خاموشی اختیار کی اور پھر فرمایا، نہیں، ایسا نہیں۔ آپ نے کہا'' جنابِ والا! جس مولوی کو
منبر پر بیٹھ کر بھی یہ یاد نہیں رہتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا امتی ہوں، اس کی فصاحت
و بلاغت اور جوہر خطابت کی کیا حیثیت''؟ استاد صاحب دلیل کو سننا پسند کرتے تھے
چنانچہ اتنا موزوں اور مدلل جواب سن کر لاہور تک بالکل خاموش رہے۔

☆...... غالباً ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے، (جو آغازِ شباب میں آپ کے کمالِ عشقِ رسالت نیز زُہد و عبادت پر خوب روشنی ڈال رہا ہے) جسے اللہ رکھا اختر صاحب (سیالکوٹ) بیان کرتے ہیں کہ راتوں کو مسلسل جاگنے اور دن کو روزہ رکھنے سے ایک دفعہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو تھوک کے ساتھ خون آنے لگا۔ بہت فکر مند ہوا اور منت و کوشش سے ان کو کالج ڈسپنسری واقع ڈپٹی باغ لے گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت توجہ سے معائنہ کرنے کے بعد کہا ''تھوک میں خون کی آمیزش انتہائی خشکی اور گرمی کی وجہ سے ہے دوائی بھی لے جائیں اور ساتھ باقاعدگی سے دودھ استعمال کریں۔ مناسب نیند پوری کریں''۔

یہی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا محور و مرکز عشق رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم رہا۔ اکثر راتوں کو ادریس بھٹی، پروفیسر عبداللہ، میں اور چند دیگر احباب بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے۔ جب کبھی بات اِدھر اُدھر، دنیا کی ہوتی نظر آتی، آپ دخل دے کر اس کا رُخ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف موڑ دیتے اور جب دوسرے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ خیر شروع کرتے تو آپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات آجاتی۔ یہ ایمان افروز مجلس سرائے بھا بھڑیاں سیالکوٹ میں جناب ادریس بھٹی مرحوم (مایہ ناز سائنسدان) کے ہاں منعقد ہوتیں اور بہت سی ایسی راتوں میں سونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

اللہ رکھا اختر صاحب کالج کے پانچ سالہ دَور میں آپ کے ہم جماعت رہے ہیں۔ دینی اجتماعات میں اکثر آپ کے ساتھ جاتے تاہم ابتداء میں علماءِ کرام اور سجادہ نشین حضرات پر تنقید کرنے میں خاصے مشہور تھے۔ بعد ازاں آپ کی صحبتِ بابرکت کے طفیل حضور نقشِ لاثانی کے مرید بھی بنے اور آپ کے زیرِ تربیت رہ کر محبتِ خدا اور رسول

کے انوار سے مستنیر بھی ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوشبو جو قبلہ آسی صاحب علیہ الرحمہ نے میری روح میں سمودی ہے، اسے باقاعدہ محسوس کر رہا ہوں اور دورانِ تدریس چھتیس سالوں میں اسے قریباً دولاکھ انسانوں میں تقسیم کرتا رہا ہوں اور آخری سانس تک یہ سلسلۂ جنوں انشاء اللہ جاری رہے گا۔ (ذرا اندازہ فرمائیے، حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ کی تربیت یافتہ ایک شخصیت دولاکھ افراد کو جذبۂ ایمانی سے سرشار کر رہی ہے تو وہ سینکڑوں تلامذہ جو آپ کے طفیل علم وفضل کے بلند درجوں پر فائز ہوئے، اُن کے پیدا کردہ اخلاقی وفکری دینی انقلاب کی وسعت کس قدر ہوگی۔ پھر آپ کی اپنی مساعیٔ جمیلہ جوان سب کی مجموعی کاوشوں سے بدرجہا زیادہ ہیں کس قدر قابلِ صد آفریں ہوں گی)۔

☆...... ۶۱-۱۹۶۰ء میں جب کہ آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں بی ایڈ کر رہے تھے، اسلامی جمیعت طلبہ کا ایک رہنما (اور اسلام و ایمان کا ایک رہزن) مختار نامی کہنے لگا کہ مولانا مودودی کی کتابیں آپ کو پڑھنی چاہیئے۔ آپ نے بیماری کا عذر پیش کیا لیکن اس نے پھر بھی اپنی بات پر اصرار کیا۔ آپ نے کہا، 'اچھا ٹھیک سہی، مگر میرا ایک معیار ہے اور وہ یہ کہ چھ سات سو صفحات کی کتاب میں ایک سطر اللہ یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان وعظمت کے خلاف ہو تو میں مصنف کو جاہل یا باغی تصور کرتا ہوں۔ اس بدبخت کا جواب یہ تھا، 'اسلام ایک نظام ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقام کوئی مرکزی تو نہیں'۔ آپ نے فرمایا، 'اگر امت کے والی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مقام بھی مرکزی نہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی مرکزِ ملت نہیں تو بتاؤ کون ہے؟ آج جس اقبال کے ساتھ تم اپنا رشتۂ محبت ظاہر کرتے ہو، وہ تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کو مرکزِ ملت سمجھتے تھے۔ وہ

بارگاہِ رسول میں بڑی نیازمندی سے عرض کرتے ہیں:

یہی اسلام ہے میرا، یہی ایماں میرا
تیرے نظارۂ رخسار سے حیراں ہونا

اور یہ کہ

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

(اور اشعار بھی سنائے)۔ فرمایا: حق بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو مرکزِ ملت نہ سمجھنا دراصل ان کی نبوت کا انکار ہے۔ کیا آپ قرآنی تصریحات سے بے خبر یا بے نیاز ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بیعت اللہ سے بیعت اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ خدا کے مجرم معافی کے لیے جائیں تو کہاں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے در پر۔ دیکھئے دشمنوں کا ان قرآنی وضاحتوں پر بھی ایمان نہیں اور منافقینِ مدینہ کی سنت سیۂ پر عمل کرتے ہوئے سر گھماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے کتراتے ہیں۔
(سورۃ المنافقون)

☆..... سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ کے پاس حاضری، کبھی دفتر سوادِ اعظم میں، کبھی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو میں جانا آپ کے معمولات کا حصہ تھا۔ ان دنوں کو آپ نہایت کیف انگیز قرار دیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ اپنے دولتخانے سے اور آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے ہاسٹل سے دفتر سوادِ اعظم اندرونِ موچی دروازہ لاہور میں

حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ کے پاس یکجا ہو جاتے۔ یوں مقدس 'ارواحِ ثلاثہ' کا یہ روزانہ علمی و فکری اجتماع ہوتا۔ اس میں حضرت مسلم علیہ الرحمہ بہت زیادہ اپنے مشاہدات بیان کرتے اور علمی و فکری عقدوں کی گرہیں کھولتے اور حضرت نعیمی بھی کبھی لب کشائی فرماتے البتہ آپ محض بغور سنتے رہتے۔ انہی مجلسوں میں ایک دن حضرت مسلم علیہ الرحمہ فرمانے لگے کہ ایک بار علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا گلا دُکھنے لگا اور بات کرنا دشوار ہوگیا تو ہم نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کا ارادہ کیا۔ علامہ فرمانے لگے، نہیں، کسی ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا علاج اسی طرح کرو جیسے ایک درویشِ خدا مست نے سرسید احمد خان کا کیا تھا۔ ہوا یہ کہ سرسید کہیں تقریر کرنے کے لیے پہنچے مگر گلا بیٹھ گیا اور بات نہیں ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک درویش کہیں سے آنکلا۔ اس نے کہا، تیرے عقائد ٹھیک نہیں، مگر آج تو اچھی بات کہنے کے لیے آیا ہے لہٰذا تیرا گلا ٹھیک کیے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس (درویش) نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور سید کے گلے پر لگادی، گلا فوراً ٹھیک ہوگیا۔ ہم نے علامہ سے پوچھا، ہم یہ علاج کیونکر کریں۔ فرمایا! حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے آستانے سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر لے آؤ اور گلے پر لگادو، گلا ٹھیک ہوجائے گا۔

☆..... داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ عالمِ اسلام کی مایہ ناز شخصیت ہیں۔ ہمارے حضرت کو ان سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ داتا صاحب علیہ الرحمہ کی بھی نوازشات اور عنایات آپ پر ازحد تھیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل واقعات اسی حقیقت کے عکاس ہیں:

O..... یہ واقعہ بھی ۱۹۶۰ء ہی کا ہے۔ کالج کی طرف سے حسبِ دستور ایک ڈاکٹر کو بلا کر اپنی اصطلاح کے مطابق سب طلباء کی ڈاکٹری کا انتظام تھا اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک

چھوٹے سے کمرے میں ڈاکٹر ایک ایک طالبِ علم کو بلا کر تنہائی میں نا معقول انداز سے چیک اپ کرتا۔ آپ کو یہ انداز نہایت ہی گھناؤنا محسوس ہوا۔ وہاں موقعے پر ایک پروفیسر صاحب تشریف لائے تو ان سے کہا مگر انہوں نے مسکرا کر کہا، 'مولانا! یہ ایک معمول کی بات ہے، سب کے ساتھ ہوتا ہے، آپ بھی (معائنہ) کرالیں'۔ آپ پریشان ہو گئے کہ چھٹکارے کی جو ایک صورت بنی تھی، وہ بھی ختم ہوگئی۔ اب آپ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے استمداد کی۔ عرض کیا، 'حضور! ہم تو لاہور میں آپ کے مہمان بن کر آئے ہیں تو کیا مہمانوں کے ساتھ یوں سلوک کیا جاتا ہے'۔ دل ہی دل میں یہ فریاد جاری تھی کہ باری آگئی۔ اندر گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا، 'مولانا آپ تو بالکل ٹھیک ہیں'۔ آپ نے فرمایا، 'جی! بالکل ٹھیک ہوں'۔ تو بغیر کسی قسم کے چیک اپ یا ٹیسٹ کے بولے، 'تو اچھا پھر جائیں'۔

☆...... ہاسٹل میں قیام کے دوران آپ اکثر نمازیں اور بالخصوص رمضان المبارک کی عشاء داتا صاحب علیہ الرحمہ کی مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک رات آپ کمرے سے نکل کر باہر سڑک پر آئے تو دیکھا کہ خانہ بدوشوں کے ایک خیمے میں سے ایک لڑکی نکل کر اچھل کود کر رہی ہے۔ اس کی عمر بمشکل چھ سات سال ہوگی اور یہ بار بار کہہ رہی تھی، 'جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر آپ بہت زیادہ افسردہ ہو گئے۔ بار بار یہی خیال آتا تھا کہ جب اس عمر میں اس کی بے باکی کا یہ عالم ہے تو جوان ہو کر یہ کیا کیا آفتیں ڈھائے گی۔ نہایت مغموم و اداس، اسی قسم کے خیالات میں ڈوب کر دربار شریف حاضر ہوئے تو سب سے پہلے حسبِ معمول حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی چوکھٹ پر حاضر ہو کر سلام کیا۔ پھر مسجد میں آئے تو چند لمحوں کے بعد جماعت کھڑی ہو

گئی۔ اس وقت ایک چھوٹا سا بچہ جو بمشکل چار پانچ سال کا ہوگا، آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مسجد کے امام صاحب کوئی سرحدی پٹھان تھے، بے نیاز قسم کے۔ وہ تراویح کی نماز عام قاریوں کی طرح جلدی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ۔ یہ بچہ نمازِ فرض، سنت و نفل پڑھ کر تراویح میں بھی کھڑا رہا، حتیٰ کہ امام صاحب کی قرأت سے جو نمازِ تراویح بڑے لوگوں کے لیے بھی صبر آزما ہو چکی تھی، اس بچے نے کمالِ ہمت و حوصلہ سے ادا کی۔ امام صاحب نے نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہی تو بچہ رکوع میں چلا گیا اور امام صاحب کے رکوع میں آنے تک رکوع ہی میں رہا۔ یہ واقعہ سنا کر آپ نے فرمایا کہ گویا یوں سمجھئے! داتا صاحب نے میرے مغموم دل کو تسلی دینے کے لیے وہاں کھڑا کیا جہاں ساتھ ایک ایسا سعادت مند بچہ نماز پڑھنے والا تھا جو اس لڑکی سے بھی کم عمر تھا۔ گویا اشارہ اس طرف تھا کہ اگر لڑکی کے انداز سے پریشانی ہوئی ہے تو یہ بھی دیکھو، ابھی ملت میں اس سے بھی کم عمر بعض ایسے بچے بھی ہیں جو ازحد سعید ہیں۔

....

دورانِ تدریس اہم واقعات

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے تقریباً ۳۹ سال تدریس کے فرائض سر انجام دیئے۔ ۱۹۶۱ء میں اشاعتِ اسلام ہائی سکول شکر گڑھ میں شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ تاہم ۳ جنوری ۱۹۶۲ء کو گورنمنٹ سروس کا باقاعدہ آغاز گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول سیالکوٹ سے ہوا۔ مئی ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ ہائی سکول چک ڈی بی ۱۱۷/ تحصیل منڈی یزمان ضلع بہاولپور تبادلہ ہوگیا۔ دو تین ماہ رہنے کے بعد نور پور نورنگا

(بہاولپور) تشریف لائے۔ تقریباً چھ ماہ گورنمنٹ ہائی سکول ڈسکہ بھی تعینات رہے۔

۱۹۶۵ء میں پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں قلیل عرصہ اے ای او کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۸ء قریباً پونے دو سال گورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ سے وابستہ رہے۔ بعدازاں مارچ ۱۹۶۸ء میں گورنمنٹ ہائی سکول شکر گڑھ تبادلہ ہوا۔ ساڑھے سات سال شکر گڑھ میں قیام رہا۔

نومبر ۱۹۷۵ء میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں بطور لیکچرر تقرر ہوا۔ پندرہ سال شہرِ خودی میں قیام رہا۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۹۰ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج شکر گڑھ تشریف لائے اور یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ نے شعبۂ تدریس ہی کو کیوں اختیار کیا؟

آپ کا تعلیمی کیریئر نہایت شاندار تھا۔ سکولوں کالجوں میں یہاں تک کہ بورڈ میں بھی نمایاں ترین کارکردگی کا آپ نے مظاہرہ کیا۔ آپ جس پیشے کا بھی انتخاب کرنا چاہتے، دنیاوی ترقی کے دروازے کھلے تھے۔ تاہم آپ نے درس و تدریس کو پسند فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سمجھتے تھے کہ ملتِ اسلامیہ آج تنزّلی و پستی کے تاریک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ بالخصوص نوجوانانِ ملت اخلاقی وفکری اعتبار سے جس قدر آج آوارگی کا شکار ہیں، مسلمانوں کا پورا ماضی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ اگر اس صورتحال کا تدارک مقصود ہے تو سرمایۂ ملت یعنی نوجوانوں سے رابطہ اور اصلاحِ احوال ایک بدیہی امر ہے اور اس کے لیے سکولوں کالجوں سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے گھر کو آگ لگی ہے اور مجھے اپنے گھر کو بچانا ہے۔ چنانچہ اس

میدان میں قدم رکھا۔ نیز قدرت آپ سے اشاعتِ شریعت وطریقت کا جو عظیم الشان کام لینا چاہتی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ دنیاوی مصروفیات آڑے نہ آئیں۔ اور آپ مکمل دلجمعی کے ساتھ قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے مشن کو جاری وساری رکھ سکیں۔ چنانچہ اس شعبے سے بہتر کوئی اور شعبہ نہ تھا جس میں دینی سرگرمیوں کے لیے خاصا وقت دستیاب ہو جاتا ہے۔

۳ جنوری ۱۹۶۲ء کو آپ کی گورنمنٹ سروس کا آغاز ہوا اور یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو انجام۔ اس طویل عرصے کو آپ نے کیسے گزارا، ان تعلیمی اداروں میں جا کر پوچھ لیجئے جہاں آپ نے تدریسی فرائض انجام دیئے اور ان شہروں اور قصبوں کے باسیوں سے پوچھ لیجئے جہاں آپ نے جلسوں جلوسوں میں حصہ لیا۔ کوئی جمہوری حکومت یا مارشل لاء آپ کو حق بیانی سے نہ روک سکا اور نہ کسی باطل کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکا۔ آپ کو ہیڈ ماسٹروں، پرنسپلوں، ڈائریکٹروں، انسپکٹروں اور سیکریٹریوں کا کبھی کوئی خوف دامن گیر نہ ہوا۔ جب کبھی ان باتوں کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے "اس میں میری بہادری نہیں تھی ...... میرے محافظ، میرے وارث اور میرے مربّی نے ہمیشہ میری آبرو کی حفاظت کی"۔

آج کوئی بھی شکر گڑھ آ کر دیکھ لے۔ اذان کے وقت پورا شہر درود وسلام کی دلنواز صداؤں سے گونج رہا ہوتا ہے۔ مگر جب حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ ۱۹۶۱ء میں یہاں بسلسلہ ملازمت تشریف لائے تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ یہاں کی مساجد اکثر و بیشتر سنی حضرات کی تھیں مگر ان پر قبضہ 'قبضہ گروپ' کا تھا۔ سارے شہر میں گھوم پھر کر ایک مسجد ایسی نہیں ملتی تھی جس کا امام صحیح العقیدہ سنی ہو۔ بڑی پریشانی تھی۔ ایک دفعہ قیومِ زمانی حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ موضع فتو چک میں تھے۔ آپ نے (شکر گڑھ کا) یہی رونا

رویا تو ارشاد ہوا، ''کام شروع کر دیں، میں نے جو کہا، اللہ آپ کے ساتھ ہے، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ کے ساتھ ہے، اللہ کے ولی آپ کے ساتھ ہیں اور میں آپ کے ساتھ ہوں''۔ یہ فرمانِ عالیشان سن کر آپ کے دل کو نہایت سکون ملا۔ صبح شکر گڑھ تشریف لائے اور صبحِ انقلاب کی جستجو میں لگ گئے۔ چند ہفتوں بعد حضرت مولانا ابو محمد محمد عبدالرشید قادری رضوی علیہ الرحمہ بھی تشریف لے آئے اور پھر وہ کچھ ہو کے رہا جو شیخ کریم کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا۔ آج پورے شکر گڑھ شہر میں سنیت کو مقدم اور باوقار مقام حاصل ہے تو یہ آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے اور فضا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کے معطر و جانفزا نعروں سے گونج رہی ہے تو آپ ہی کے دم قدم سے ایسا ممکن ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ بالخصوص شہر شکر گڑھ اور بالعموم دیگر بڑے شہروں میں آج جو دینی و روحانی انقلاب پیدا ہوا، عشاقِ مصطفیٰ کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی، عوام النّاس میں ملی و قومی غیرت پروان چڑھی، ان سب کی گردنوں پر حضور مفکرِ اسلام کا بارِ منت ہے۔ اگر آپ فکری و روحانی انحطاط کے اس تاریک دور میں اور بدعقیدگی و بے حسی کے اس طوفان میں جہاد نہ فرماتے اور احقاقِ حق کے سلسلے میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگاتے تو آج صورتحال یکسر مختلف ہوتی اور بالخصوص بدعقیدگی کا سانپ کب کا اپنا زہر قوم کی رگوں میں مکمل طور پر پھیلا چکا ہوتا۔ قیامت تک آنے والی نسلیں اس ضمن میں آپ کے زیر بار رہیں گی اور آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتی رہیں گی۔

اب آیئے ان واقعات و تفصیلات کی طرف جو آپ کے عرصۂ تدریس سے متعلق ہیں۔

☆..... ۱۹۶۱ء میں بہاولپور سے آپ کا تبادلہ ڈسکہ ہائی سکول میں ہوا۔ ایک مرتبہ وہاں سے آپ کو دربار شریف جانا تھا۔ آپ بس اڈے میں کھڑے تھے۔ ان دنوں ایک

مجذوب 'بابا بوری والا' کے نام سے بہت مشہور تھا۔ وہ ہر وقت ایک بوری اپنے گرد لپیٹے ہوتا تھا۔ اس کی وضع قطع دیکھ کر آپ سوچ رہے تھے کہ معلوم نہیں، یہ نمازیں بھی پڑھتا ہے کہ نہیں۔ اسی اثنا میں بابا سڑک پار کر کے پاس آیا اور کہنے لگا، 'جناب نمازاں پڑھ ای لئی دیاں نیں'۔ اتنا کہہ کر وہ پاس سے گذر گیا۔ (یہ واقعہ درویشوں، مجذوبوں کے ساتھ آپ کے تعلق کا آئینہ دار ہے)۔

☆..... مئی ۱۹۶۳ء میں آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول چک ڈی بی/۷/۱۱ تحصیل منڈی یزمان ضلع بہاولپور میں ہوا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نہایت عابد و زاہد اور صحیح العقیدہ تھے۔ ان سے آپ کی پہلی ملاقات ہوئی تو عقیدہ دریافت کرنے کے لیے انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ آپ نے بغیر کسی مصلحت کے صاف صاف کہہ دیا کہ جن لوگوں نے 'مولوی' بن کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گستاخی کو اپنی زندگی دوروزہ کا مقصد بنا لیا، ملّت کے انتشار کا سبب بن گئے اور آج قوم اتفاق و اتحاد سے جتنی دور ہے، سب انہی لوگوں کی وجہ سے ہے۔ بات لمبی ہوگئی تو سکول کے عربی کے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب، جن کا تعلق جمعیت علمائے اسلام سے تھا، بھی آ گئے۔ دخل اندازی کرتے ہوئے وہ بولے، 'قاری محمد طیب صاحب (دیوبندی) نے کیا خوب لکھا ہے کہ یہ لوگ کسی کا زہد و عبادت نہیں دیکھتے، تبلیغ اسلام کی خاطر کسی کی محنتِ شاقہ پر ان کی نظر نہیں جاتی، چھ سات سو صفحات پر مشتمل کتاب میں سے ایک دو فقرے نکال لیتے ہیں اور اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں'۔ آپ نے جواباً فرمایا، ''ہاں قاری صاحب کا یہی معیار ہوگا مگر اللہ نے ہمیں یہ معیار نہیں بتایا، اس نے وضاحت سے فرما دیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا

تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○.... (الحجرات:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (کنزالایمان)

فرمائیے! اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں قاری طیب کا فیصلہ کیا حیثیت رکھتا ہے"۔

مولٰینا محمد یعقوب صاحب جامعہ عباسیہ بہاولپور سے فارغ ہونے کے علاوہ حافظِ قرآن بھی تھے۔ انہوں نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا، البتہ یہ کہا کہ اس آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نہیں ہے۔ آپ نے اصرار کیا کہ ہے، وہ انکار کرتے رہے۔ آخر کار قرآنِ پاک منگوایا گیا تو ان کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب انہیں اس میں بھی ان کی خواہش اور علم کے برعکس یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مل گیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ "بات یہ ہے کہ یہ الفاظ اگر نہ بھی ہوتے تو باقی آیت پر تو ان کا ایمان تھا ہی، اس سے انہوں نے کیا نتیجہ نکالا اور اس معیار کو سمجھنے کی بجائے [illegible] قاری طیب کے معیار کو کیوں اپنائے رہے۔ وہ جاہل نہیں تھے قرآنِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس علاقے میں ان کا مدرسہ پندرہ سال سے چل رہا تھا۔ فرمائیے، اللہ کے مقابلے میں اپنے گرو گھنٹال کی بات ماننا کیا شرک نہیں ہے؟"

☆...... یہی مولٰینا محمد یعقوب اس واقعے سے ذہنی طور پر بہت پریشان ہو گئے تھے۔ ایک دن اتوار کو ہاسٹل میں حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ چارپائی پر آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹے

تھے کہ جماعتِ اسلامی کے چند اساتذہ کو چھیڑ دیا۔ ان دنوں مولوی غلام غوث ہزاروی جو جمیعت العلمائے اسلام کے مرکزی رہنما تھے، مولانا مودودی کے خلاف بہت کچھ لکھتے تھے اور بعض دفع نہایت سخت زبان استعمال کرتے تھے۔ ان اساتذہ کا کہنا تھا کہ مولانا مودودی آخر عالمِ دین ہیں انہیں تحقیر کے انداز میں منشی کہنا مناسب نہیں۔ مولٰینا یعقوب صاحب انہیں منشی کے کئی معنیٰ بتا کر مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ آخر ایک گھنٹے کی بحث کے بعد مولانا مان گئے کہ منشی کا لفظ واقعی سخت ہے اور انہیں یہ لفظ مولانا مودودی جیسے عالم کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ آپ یہ ساری بحث سن رہے تھے، اب جب مولوی صاحب مان گئے تو آپ اٹھے اور اٹھ کر فرمایا:

"اسی قسم کا اختلاف ہمیں بھی علمائے دیوبند سے ہے۔ یہ لوگ حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان وعظمت کے خلاف بہت جری واقع ہوئے ہیں۔ پہلے قرآنِ پاک سے دیکھ لیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذکر میں الفاظ کس محتاط انداز سے استعمال ہونے چاہئیں۔ چنانچہ عام تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اگرچہ خطبہ ٹھہر ٹھہر کر دیتے تھے اور کوئی ارشاد مبہم نہیں ہوتا تھا، پھر بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک آدھ جملے کے وقت کسی وجہ سے توجہ نہ دے سکتے تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کرتے رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ (یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہماری رعایت فرمادیجئے)۔ یہودی منافق جو اس مجلس میں ہوتے، اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، رَاعِنَا کو ذرا لمبا کر کے رَاعِیْنَا (اے ہمارے چرواہے) بنا دیتے اور یوں توہین کے ناپاک جذبے کی تسکین کر لیتے۔ اللہ کریم نے اس کا سدِّ باب یوں کیا کہ رَاعِنَا کہنے پر ہی پابندی لگادی اور حکم دیا کہ آئندہ اُنْظُرْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (ہم پر نظر رکھیے یارسول

اللہ صلی اللہ علیک وسلم) کہو۔ ارشادِ عالی یوں ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ...... (البقرہ:۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (کنزالایمان)

اس واقعہ پر غور فرمائیے، مسلمانوں کو ایسا لفظ کہنے کی ممانعت کر دی گئی جس میں تھوڑی سی تبدیلی سے گستاخی کی صورت پیدا ہو سکے۔ نیز انہیں ہدایت کر دی کہ آئندہ خوب غور سے سنا کریں تاکہ دوبارہ اعادہ کرانے کی ضرورت نہ پڑے۔ نیز یہ بھی سوچئے کہ اس آیت میں کافروں سے مراد کون ہیں؟ یقیناً وہی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے گستاخ ہیں۔"

اس پس منظر کے بعد آپ نے علماءِ دیوبند کی چند عبارات ان کے سامنے رکھیں (مثلاً اشرفعلی تھانوی نے 'حفظ الایمان' میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اور خلیل احمد انبیٹھوی نے 'براہینِ قاطعہ' میں جو کچھ تحریر کیا ہے) سب لوگوں نے بیک زبان ہو کر آپ کی تائید کی اور مولوی یعقوب کو خاموش ہونا پڑا۔

☆......۱۹۶۳ء ہی میں جبکہ 'نور پور نورنگا' میں تھے، وہاں چیئرمین کا دیوبندی بیٹا جو آپ سے گہری عقیدت رکھتا تھا، ایک دن آکر کہنے لگا، دیکھئے اللہ کریم نے قرآن میں صاف ارشاد فرمایا: ' قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ .... تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ

السلام ہماری طرح بشر تھے (معاذ اللہ)۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: 'اچھا یہ بتاؤ کہ انسانی دل زیادہ سخت ہے یا پہاڑ؟'۔ کہنے لگا کہ ظاہر ہے پہاڑ۔ آپ نے سورہ حشر کے آخری رکوع کی آیت سنائی۔ پھر فرمایا 'یہ قرآن کس پر نازل ہوا'۔ اس نے عرض کی، حضور علیہ السلام پر'۔ فرمایا 'جو قرآن کے نازل ہونے کی جگہ ہے، وہ عام بشر کس طرح ہو سکتے ہیں' (آپ نے مزید دلائل بھی دیئے)۔ تب وہ کہنے لگا کہ بڑے بڑے مولویوں اور عالموں کے پاس گیا ہوں، لیکن جس انداز سے آپ نے سمجھایا ہے وہ کسی نے نہیں سمجھایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا (کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں) عاجزی تھا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سید المتواضعین بھی تو ہیں۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ اب کوئی اور کہے کہ جی آدم علیہ السلام ظالم تھے (نعوذ باللہ) تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام نے دعا مانگی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اب کوئی اس طرح کے کلمات کہے کہ جی وہ ظالم تھے تو کافر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نبی تو اس طرح کے کلمات کہتے ہی ہیں عاجزی کے طور پر، امت کو یہ جائز نہیں کہ وہ بھی کہنے لگے۔

☆......یہ واقعہ ۱۹۶۴ء میں بہاولپور میں پیش آیا۔ لیکچر کے دوران ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ 'ہاں بالکل اہلِ ایمان کا یہی عقیدہ ہے'۔ کہنے لگا، 'پھر فوراً کرسی سے اٹھ جائیے' (کہ اس کے نیچے بھی۔۔۔نعوذ باللہ)۔ آپ نے جواباً فرمایا، 'قرآن میں یہ آیت ہے نا کہ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی

تسبیح بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا، ’جی بالکل ہے‘۔ آپ نے فرمایا، ’پھر فوراً زمین پر سے پاؤں بلند کرلو کیونکہ یہ ذرے بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں‘۔ وہ سخت شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا اور جملہ حاضرین آپ کی حاضر جوابی اور قوتِ استدلال سے مسحور ہو گئے۔

☆...... حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ سرکاری ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۸ء گورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ میں فرائضِ تدریس سرانجام دیتے رہے۔ یہیں رئیس العلماء، فخر الفقہاء علامہ حافظ محمد سعید صاحب خطیبِ اعظم علی پور چٹھہ سے ملاقات رہی۔ اور انہیں کے توسّط سے حضرت کیلیانوالہ میں حاضری ہوتی رہی۔ اس دور میں متعدد علمی شخصیات کے ساتھ ملاقات رہی تاہم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد نواز نقشبندی علیہ الرحمہ (وصال: ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء) جو فخر نقشبندیہ حضرت پیر سید نور الحسن شاہ صاحب (حضرت کیلیانوالہ) قدس سرہ کے مریدِ صادق، محدثِ اعظم حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) کے شاگردِ رشید، اور پیکرِ علم وعرفان پیر سید جلال الدین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ہم سبق تھے، کا ذکر بہت محبت سے کرتے تھے۔ ان کے وصال کے موقع پر فرمایا:

’’مولانا علم وفضل ہی کے ذروۂ اولیٰ پر فائز نہیں تھے، عمل وکردار میں بھی بلندیوں کو چھو رہے تھے‘‘۔

☆...... مفتی ابنِ مفتی، مناظر ابنِ مناظر حضرت علامہ شفقات احمد صاحب نقشبندی فرماتے ہیں:

’’مجھے تین سال آپ کے زیرِ سایہ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جس بنا پر مجھے آپ کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ تقویٰ کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز

تھے۔ آپ ہر نماز تازہ وضو ہی سے نہیں بلکہ تازہ غسل سے پڑھا کرتے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا، ’آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے وضو کے اعضاء چمکتے ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا پورا جسم ہی چمکتا ہو‘۔ اور آپ نے کبھی بے وضو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نامِ مبارک نہیں لیا‘‘۔

☆...... جناب صفدر علی چودھری صاحب جو اِن دنوں ڈائریکٹر DVM یونیورسٹی راولا کوٹ ہیں، گورنمنٹ ہائی سکول شکر گڑھ میں آپ کے شاگرد تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سکول میں وبا سی پھیل گئی کہ نوجوان دکانوں سے کچھ خریدتے تو کھوٹے سکّے دے دیتے اور دکاندار حضرات پہچان نہ کر سکنے کے سبب رکھ لیتے۔ بعد میں پہچان ہونے پر تلملاتے۔ اساتذہ کے پاس شکایات آئیں جس پر انہوں نے ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن سب بے سُود رہا۔ جب حضور کے نوٹس میں یہ بات آئی تو آپ نے اعلان کرا دیا کہ جن طلباء کے پاس کھوٹے سکّے ہیں، وہ مجھے دے کر ان کے بدلے اصلی سکّے لے جائیں۔ چنانچہ بہت سے طلباء نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ’یہ لڑکے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت میں سے ہیں، اور کھوٹے سکّے دے کر گنہگار ہو رہے تھے، گنہگار ہونے سے بچانے کے لیے اور اس فعل کے سبب آتشِ دوزخ کا ایندھن بننے کے خطرے کے پیشِ نظر میں ان کے کھوٹے سکّے اصلی سکّوں سے بدل رہا ہوں‘۔ بہت سے لڑکوں نے آپ کے اس طرزِ عمل کی بدولت توبہ کی۔

☆...... داتا صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ آپ کے تعلق کے حوالے سے اوراقِ گذشتہ میں واقعات درج ہوئے۔ یہاں دو مزید واقعات نقل کیے جا رہے ہیں، جن کا تعلق زمانہ

تدریس سے ہے۔

○...... سرکاری ملازمت کے بعد مہینے میں ایک بار ضرور مزارِ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ پر حاضری دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سالہا سال تک یہی معمول رہا۔ ایک بار جب گورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ میں فرائضِ تدریس سرانجام دے رہے تھے، داتا صاحب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ ۱۹۶۸ء کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں داتا صاحب کے دربار میں (جمعرات کی) ہفتہ وار محفل آپ کے سرِ انور کی طرف ایک برآمدے میں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب جاری تھی اور آپ داتا صاحب کے چہرۂ پرنور کی طرف موجود تھے۔ یہاں سے محفل محض چند فٹ کے فاصلے پر تھی اور آواز پوری طرح سنائی دے رہی تھی۔ ایک نعت خواں پارٹی نے جب یہ شعر پڑھا:

میری ساری عمر دی کمائی
داتا دی گلی دے پھیرے
کیہ جانن عقلاں والے
جو رشتے نے تیرے میرے

تو آپ کا دل بہت محظوظ ہوا۔ جی ہی جی میں عرض کی، 'حضور میں مہینے میں ایک دفعہ حاضر ہوتا ہوں۔ اگر میرے لیے آپ بیس روپے کا انتظام کر دیں تو ہر جمعرات کو حاضر ہو جایا کروں گا۔ (اس وقت علی پور چٹھہ سے لاہور تک چار بار آنے جانے کا کرایہ بیس روپے بنتا تھا)۔

جب آپ واپس علی پور چٹھہ پہنچے تو فخر العلماء حضرت علامہ حافظ ابوالشفقات علامہ محمد سعید احمد صاحب علیہ الرحمہ کہنے لگے، 'رسول نگر سے ایک چودھری صاحب آئے

تھے اور فرماتے تھے کہ ایک خطیب چاہئے جسے تانگے والا لے جایا اور واپس چھوڑ جایا کرے گا۔ خطیب کو ہم بیس روپے ہی دے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں'۔ یعنی داتا صاحب علیہ الرحمہ نے آپ کی آدھی رات کے وقت کی گئی عرض پر واپس گھر پہنچنے سے پہلے پہلے انتظام فرما دیا۔

☆...... ۱۹۷۰ء میں (جبکہ جمعیت العلمائے پاکستان اور جماعتِ اسلامی دونوں سوشلزم کے مقابلے کی وجہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب آچکی تھیں) آپ داتا دربار حاضر ہوئے۔ رات یہیں قیام رہا۔ صبح واپسی کے لیے جو چوکھٹ پر سلام عرض کرنے لگے اور اجازت مانگی تو دل میں آواز آئی، 'نہیں، ابھی نہیں'۔ بقول درد علیہ الرحمہ:

قاصد! یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے
ان کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

باقی کی بات حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی اپنی زبانی سنئے:

''میں دربار شریف سے نکلا اس امید پر کہ کوئی حکمت نظر آئے گی۔ غالباً مکتبہ حامدیہ میں جا کر کتابیں دیکھنے لگا تو مولانا ارشد القادری علیہ الرحمہ کی کتاب 'جماعت اسلامی' ہاتھ لگی۔ واپس دربار پر حاضر ہوا تو اجازت مل گئی۔ دل کو یقین ہو گیا کہ حضرت داتا صاحب نے دل میں جو 'وصلِ غیر'[1] کے دروازے کھل رہے تھے، دیکھ لیے اور انہیں بند کرنے کے لیے یہ اہتمام فرمایا۔ اس پر حیرت نہیں ہوئی کہ میری بیماری داتا صاحب

۱۔ اوپر مذکورہ دونوں جماعتوں کے قرب کو بری نظر سے نہ دیکھنا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واشگاف ہے، ہاں اس پر تعجب ہوا کہ داتا صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس بیماری کا علاج کس کتاب میں ہے اور کتاب بھارت سے آچکی ہے اور فلاں جگہ ہے۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ واقعی داتا صاحب ایسے تمام افراد اور ایسی تمام جماعتوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں، جو امت کا رابطہ اس کے والی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کاٹتی ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ اور سوشلزم کا رد:

☆......۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء میں پورا ملک 'سوشلزم'[۱] کے طوفان کی زد میں تھا۔ بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں کو پیپلز پارٹی کا سٹیج ناچنے کے لیے مل چکا تھا۔ اور پاکستان کے

....

[۱] سوشلزم (یا اشتراکی نظام) خدا کے وجود کی نفی کرتا ہے۔ اس نے مادیّت کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اس کے نزدیک مادی ضروریات ہی انسان کی حقیقی ضروریات ہیں، اس لیے انسان کو ان ہی ضروریات کے لیے مصروفِ جدّ وجہد رہنا چاہیئے۔ ان کے علاوہ سب کچھ فریبِ نظر ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے اس مادی دنیا کے علاوہ ایک عالمِ بالا کا تصور بھی دیا ہے جو ابدی و دائمی ہے۔ اس لیے اسلام کے تجویز کردہ ضابطۂ حیات میں دنیا اور آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کا پروگرام موجود ہے۔ جبکہ اشتراکی فکر کی پرواز اسی مادی عالمِ شش جہت (دنیا) کے اندر محدود ہے۔

اسلام کے نزدیک ہر قسم کی املاک، افراد کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اس امانت کا حصول اور استعمال خالقِ کائنات کی مرضی و منشاء کے مطابق ہی ہوسکتا ہے۔ جبکہ سوشلزم میں صورتحال یکسر مختلف ہے۔ اس نظام میں ملکیت کے اکتساب اور استعمال دونوں پر افراد کے مطلق حق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور یہیں سے اس نظامِ معیشت سے وابستہ معاشی ناہمواریاں، دولت کی نامنصفانہ تقسیم اور امیر و غریب کی طبقاتی کشمکش جیسے عوارض جنم لیتے ہیں۔

سوشلزم میں سود ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ اسلامی نظامِ معیشت میں سود کی قطعی طور پر ممانعت کردی گئی ہے۔

اشتراکی نظامِ معیشت اپنی فطرت کے اعتبار سے اکتناز وارتکاز یعنی وسائل معاش کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہوجانے کا رجحان رکھتا ہے۔ اس میں دولت کو امراء سے غرباء کی طرف منتقل کرنے کا کوئی موثر داخلی نظام موجود نہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظامِ معیشت اکتسابِ رزق کی جدوجہد کو حلال ذرائع کا پابند بنا کر دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کررہ جانے کے امکانات کو بالکل محدود کردیتا ہے اور معاشی اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

مشرقی و مغربی خطے ہنگاموں اور نعروں سے گونج رہے تھے۔ جمعیۃ العلمائے اسلام یعنی دیوبندی جماعت کا کثیر حصہ غلام غوث ہزاری اور مفتی محمود کی قیادت میں پیپلز پارٹی سے 'عقد' کرچکا تھا۔ ہر علاقہ، ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں اسلام اور سوشلزم کی بحثوں میں الجھا ہوا تھا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو اینڈ پارٹی اس الحادی نظام کو ملکِ عزیز میں رائج کرنا چاہتے تھے۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے پوری ایمانی طاقت کے ساتھ اس کا رد کیا۔ آپ نے تقاریر و تحاریر میں اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ پھر آپ قلمی و قولی جہاد تک ہی محدود نہیں رہے، بلکہ عملی طور پر مذہبی و سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں کرکے اس فتنے اور اس کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا۔ اس وقت شکر گڑھ کے علماء کو سوشلزم کی بابت زیادہ آگہی نہیں تھی۔ چنانچہ بعض اپنی فہم کے مطابق اس کے حق میں بولتے تھے۔ آپ نے تحریکی انداز میں کام کیا اور ایک ایک کو بلا کر سمجھایا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور علاقے کی فکری فضا ہی بدل گئی۔ پیپلز پارٹی سے منسلک سیاسی عناصر نے اس بات کا برا منایا اور آپ کو باز رکھنے کے سو جتن کیے، تاہم آپ جو اسلام کا جھنڈا کسی صورت نیچا نہیں دیکھ سکتے تھے، ڈٹے رہے۔

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

حضور نے شکر گڑھ کی سرزمین پر سوشلزم کے خلاف ایک تاریخی جلوس بھی نکالا نتیجتاً آپ کو گرفتار کرکے تھانے لے جایا گیا۔ یہاں SHO سختی سے پیش آیا۔ آپ نے نہایت متاثر کن انداز سے اسلام کی حقانیت اور اس کے مقابلے میں سوشلزم کے

ابطال پر خوب روشنی ڈالی جس سے SHO متاثر ہوا اور معافی مانگی نیز خواستگار ہوا کہ میری بھی کوئی ڈیوٹی لگائی جائے۔ آپ نے فرمایا، 'ملازمت جاری رکھو، دین کی خدمت کرو، یہاں بھی تمہاری ضرورت ہے'۔ یہ آپ کی پہلی گرفتاری تھی جس کا دورانیہ 4,5 گھنٹے تھا۔ بعد میں حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ کے پاس حاضر ہوئے (جو اس وقت جمعیت علماءِ پاکستان صوبہ پنجاب کے صدر بھی تھے) انہوں نے فرمایا، 'امی صاحب اِلسّے تے نیئں پئے؟' عرض کیا، ''حضور اکیلا ہوتا تو شاید پڑ جاتا، ساتھ آپ تھے'۔ آپ کی انہی دلیرانہ کاوشوں کے نتیجے میں پورا خطہ اس رَشین سوشلزم کو سمجھ گیا اور متعدد دینی و دنیوی طبقے سرگرمِ عمل ہو گئے۔

خیال رہے کہ مولانا مقصود احمد صاحب جو خان بیلہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے اور بعد ازاں مسجد داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ لاہور کے خطیب ہوئے، ۷۰۔۱۹۶۹ء میں آپ کی دعوت پر مسجدِ نور شکر گڑھ میں خطابت کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے انہیں بھی خوب فعال رکھا۔ بہر حال آپ کی کوششیں ثمر آور ہوئیں اور گمراہ کن نظریات کو یہاں کوئی پذیرائی نہ ملی۔

☆..... حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ ۱۹۶۸ء سے ہمیشہ موسمِ گرما کی تعطیلات اپنے آستانے علی پور سیداں شریف پر شیخِ کامل علیہ الرحمہ کی خدمت میں گزارتے رہے (باقی دنوں میں بھی کثرت کے ساتھ حاضری کا معمول تھا پھر یہ معمول روزانہ حاضری کی شکل اختیار کر گیا)۔ ان دنوں بظاہر حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے فرزندِ اصغر عارف حقانی، خورشید عرفانی حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ صاحب (علیہ الرحمہ) کی تعلیم و تدریس مقصود ہوتی مگر باطن اور کئی عنایات سے آپ نوازے جاتے۔ تعطیلات کے اختتام پر اور یونہی دوسرے

مواقع پر شیخِ کریم آپ کو قیمتی خلعتوں کے علاوہ نقد رقم بھی عطا فرماتے تھے۔ آپ بطور تبرک انہیں گھر میں بڑی حفاظت سے رکھ لیتے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شکر گڑھ کا علاقہ بہت متاثر ہوا۔ آپ کا گاؤں تو ابتدائی دنوں ہی میں بھارتی قبضے میں آ چکا تھا۔ آپ اہلِ خانہ سمیت شکر گڑھ میں مقیم تھے اور بغیر شیخ کی اجازت کے نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ایک دن درباری نعت خواں جناب صوفی محمد حسین صاحب (ٹرپئی والے) نے شہنشاہِ ولایت کا فرمان پہنچا دیا کہ ''گھر والوں کو کسی محفوظ جگہ بھیج دو''۔ اگلی صبح انہیں بس پر بٹھانے کا پروگرام بنایا تو کوئی رقم پاس نہیں تھی کہ کرایہ ادا کیا جاتا اور کسی سے قرض لینے کی صورت نہ تھی کہ سبھی جا چکے تھے۔ پھر کرائے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ مجبوراً حضور کا جمع کردہ عطیہ ہی استعمال کرنا پڑا۔ حیرت یہ ہوئی کہ موضع بندو کے ضلع شیخوپورہ تک پہنچنے کا جو کرایہ بنتا تھا۔ یہ رقم بالکل اسی کے برابر تھی۔ دوسری عجیب بات یہ تھی کہ شکر گڑھ سے بسوں کے چلنے کا یہ آخری دن تھا۔ چنانچہ آپ اور نواب چوہدری فقیر محمد مرحوم اگلے دن گھوڑی پر علی پور شریف کی طرف روانہ ہوئے اور کئی منزلوں میں یہ مقدس سفر طے ہوا۔

☆..... جب ۱۹۷۱ء کی جنگ چھڑی تو آپ شکر گڑھ میں تھے (جن کہ اوپر ذکر ہوا) اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ شہر اور علاقے سے نکل گئے اور جہاں انہیں پناہ ملی چلے گئے۔ چند فیصد لوگ ہی باقی رہ گئے کہ عیدِ میلادُ النّبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی قریب آ گئی (کائنات کے اس عظیم ترین دن کو منانا آپ کو کائنات کی ہر شے سے عزیز تر تھا اور اس کا ترک کسی حال میں رَوا نہ تھا)۔ شکر گڑھ کے اہلِ مزارات میں سے ایک حضرت ہیں قطب شاہ ولی قدس سرہ۔ چونکہ آپ کے پاس دنیاوی اسباب میں سے کچھ نہ تھا کیونکہ

آپ کا گاؤں (پھگواڑی) دشمن کے قبضے میں آچکا تھا اور دوست احباب بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور سب کے سب مفلوک الحال تو آپ حضرت قطب شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر گئے اور عرض کی، ’حضور یہ شہر میرا نہیں، آپ کا ہے۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دن بالکل قریب ہے، اس کا اہتمام آپ کے ذمے ہے۔ (آپ نے پریشانی میں یہاں تک کہہ دیا کہ میں یہاں کا ٹھیکیدار نہیں اور آپ شہر کے مالک ہیں)۔ سکول ہاسٹل میں آکر اپنے کمرے کو دیکھا تو گذشتہ سال کے بتیس اشتہار موجود تھے۔ انہیں سے کام چلایا۔ دن آیا تو حضرت قطب شاہ ولی علیہ الرحمہ کے تصرّفات کے جلوے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ کہاں شکر گڑھ بلکہ علاقے کی ویرانی اور کہاں شرکائے جلوس کی یہ کثرت۔ یعنی آپ کی دینی غیرت اور صاحبِ مزار کا روحانی تصرّف اپنا آپ دکھا رہے تھے۔ (آپ ان صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو تو اسے معلوم ہو کہ آج بھی یہ علاقے کے بادشاہ ہیں)

☆...... آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے محسن و مربّی، ولیٔ نعمت حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے ہمیشہ میری آبرو کی حفاظت کی۔ اس ضمن میں ایک واقعہ متعدد مرتبہ سننے کا شرف حاصل ہوا:

’’۱۹۶۷ء کی بات ہے حضور نقشِ لاثانی اپنے سگِ بارگاہ کو حج و زیارتؐ کے سفر پر ساتھ لے جا رہے تھے۔ حرمین شریفین کی طرف پرواز کرنے میں ایک دو دن ہی رہ گئے تھے۔ مجھے والدہ ماجدہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے میرے گاؤں پھگواڑی تحصیل شکر گڑھ روانہ فرمانے لگے۔ مگر ارشاد ہوا، ’چوہدری انور عزیز (جو متعدد بار ایم این اے اور وفاقی وزیر بنے نیز حضور نقشِ لاثانی کے مرید بھی تھے) کو پیغام دینا

تھا کون دے گا‘۔ میں نے عرض کیا، ’حضور غلام حاضر ہے۔ شکر گڑھ میں چوہدری صاحب سے مل کر عرض کر دوں گا‘۔ بعد میں جب حاضر بارگاہ ہوا اور تعمیلِ حکم کی رپورٹ پیش کی تو فرمایا، ’کیا تو چوہدری سے بولتا ہے؟‘ (کیونکہ کافی عرصہ پہلے سے میں ان سے ناراض تھا)۔ میں نے عرض کیا، ’حضور بولتا ہوں‘۔ فرمایا، ’پہلے کس نے بلایا تھا، تو نے یا چودھری نے؟‘۔ میں نے کہا، ’چودھری صاحب نے‘۔ پھر فرمایا، ’تو نے تو پہلے نہیں بلایا تھا‘۔ عرض کیا، ’نہیں حضور‘۔ فرمایا، ’کیا واقعی تو نے پہلے نہیں بلایا؟‘۔ عرض کیا، ’نہیں حضور‘۔ فرمایا، ’خدا کا شکر ہے، خدا کا شکر ہے، خدا کا شکر ہے‘۔

مولا کی لاکھوں رحمتیں لاثانی پیر پر
جس نے نگاہ رکھی ہے میرے ضمیر پر

فرمایئے! جسے تربیت کرنے والا اور ایمان و آبرو کی حفاظت کرنے والا ایسا پیر مل جائے اسے دنیا میں اور کیا چاہئے۔ اب پیغام سنئے۔ فرمایا، ’حاجی غلام رسول (آف لیسر) کو ساتھ لے جاؤ۔ چودھری سے کہنا، اس غریب آدمی نے بڑی تگ و دو سے حج کی رقم فراہم کی ہے (جبکہ حاجی ایک دو ہفتوں سے جانا شروع ہو گئے ہیں)۔ اس کے حج کا بندوبست کر سکتے ہو تو کرو ورنہ صاف جواب دے دو، میں خود کر لوں گا‘۔ میں دین پور آیا۔ چودھری صاحب چودھریوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے مسجد میں ٹھہر کر کسی کو بھیجا تو چودھری صاحب سراپا ادب بن کر تشریف لائے اور نہایت نیازمندی

۱۔ حاجی شوکت صاحب لاثانی بک ڈپو اینڈ کمپوزنگ سنٹر (شکر گڑھ) والوں اور دیگر کے بقول حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ آپ کو ’تو‘ کہہ کر مخاطب نہیں کرتے تھے، آپ محض بطور عاجزی اپنے لیے ’تو‘ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

سے ذمہ داری لے کر چلے گئے۔"

☆...... جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں فارسی کے ایک غیر مقلد لیکچرار ہوتے تھے جو وہیں سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ بات کرتے تو اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کمالات پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے (العیاذ باللہ)۔ ایک دن دورانِ بحث آپ نے بات کاٹتے ہوئے پوچھ ہی لیا:

"آپ کے پاس بڑی لمبی فہرست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں (معاذ اللہ) فلاں فلاں کمال نہیں تھا۔ کیا آپ کی نظر میں کوئی کمال تھا بھی؟"

کہنے لگے، 'ہاں کمال بھی تھے'۔ آپ نے فرمایا، 'کیا آپ نے کبھی بیان بھی کیے؟'۔ کہنے لگے، 'ہاں! کرتے ہیں'۔ آپ نے فرمایا، "اچھا! پھر اب کر کے دکھائیں۔" (یعنی کسی کمال کا ذکر) پھر دیکھنے سننے والے اس وقت ورطۂ حیرت میں کھو گئے جب پروفیسر صاحب جو بڑے بڑے علماء کو بزعمِ خود خاطر میں نہیں لاتے تھے، مہر بلب ہو گئے اور ایک جملہ بھی ان کی زبانِ باطل ترجمان سے ادا نہ ہوا۔

☆...... عالمِ بے بدل حضرت علامہ شبیر احمد صاحب جن کا تعلق سیالکوٹ سے ہے اور بھیرہ شریف سے فارغ التحصیل ہیں، کا بیان پڑھئے۔ یہ بیان حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندازِ تدریس اور مقصدِ تدریس پر بھی روشنی ڈالتا ہے:

"آج میں جس مقام پر ہوں یہ حضور مفکرِ اسلام (علیہ الرحمہ) کی نگاہِ کرم کا فیض ہے۔ مجھے پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف اپنے دوست کے توسّل سے اس وقت ہوا، جب میں فرسٹ ایئر کا طالبعلم تھا اور میرا دوست سیکنڈ ایئر کا۔ اس دن میں اپنے دوست کے اصرار پر اس کی معیت میں اس کی کلاس میں اردو کے پیریڈ میں گیا۔ کیونکہ

اس نے کہا تھا کہ اس کے استاد ایک با کمال شخصیت ہیں۔ چنانچہ کلاس روم میں پہنچا تو سامنے کھڑے پروفیسر صاحب کو دیکھ کر طبیعت میں ایک انوکھا سا چین محسوس ہوا۔ اس کے بعد آپ کی محبت وشفقت اور آپ کے اندازِ تعلّم نے مجھے فرسٹ ایئر کے پیریڈ میں نہ جانے دیا بلکہ پورا سال میں آپ کے زیرِ سایہ سیکنڈ ایئر کی کلاس میں ہی اردو کا پیریڈ پڑھتا رہا۔ آپ کی محبتوں، عنایتوں، شفقتوں میں اضافہ ہوتا گیا اور مجھ جیسے گنہگار کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ ایف اے کا امتحان دیا تو مجھے بھیرہ شریف پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ آج میرے چہرے پر سنّتِ رسول اور میرے دل میں اگر محبّتِ رسول ہے اور مجھے دین کی کچھ سمجھ بوجھ ہے تو سب آپ ہی کی تربیت کا اثر ہے"۔

☆...... جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کی مسجد میں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوتا تھا۔ کبھی مہینے میں کبھی دو چار مہینوں میں ایک بار۔ ۱۹۸۴ء میں کالج یونین کے انتخابات میں ایسے نوجوان کامیاب ہوئے جنہیں میلاد کی محفل پسند نہیں تھی۔ پرنسپل صاحب نے ایک طالبعلم کی زبانی درخواست پر منظوری دے دی مگر بعد میں یونین کے زیرِ اثر مکر گئے اور درخواست گزار سے صاف صاف کہہ دیا کہ پہلے یونین والوں کو منالو، پھر محفلِ میلاد ہوگی مگر وہ ماننے والے تھے ہی نہیں۔ پرنسپل صاحب نے پہلے جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق ہفتے کے دن یہ محفل ہوتی۔ وہ دن آیا تو صبح اسمبلی میں ایک بڑے عالمِ دیوبند کی اقتدا میں جناح پارک میں بارش کے لیے نمازِ استقا پڑھنے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ اساتذہ اور طلبہ میں وہ سب لوگ جو ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم روکنا چاہتے تھے، مسرور ومطمئن تھے جبکہ آپ سخت پریشان۔ حالانکہ اس وقت محفلِ میلاد کا مطالبہ نہ آپ نے کیا تھا اور نہ آپ سے پوچھ کر کیا گیا تھا۔ پریشانی صرف یہ تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ آپ کے

گردو پیش میں ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکنے کی سازش کامیاب ہو جائے، پھر تو جینا فضول ہے۔

یہ وہ دن تھے کہ جب آپ ہر روز دربار شریف حاضری دیتے تھے۔ اتفاق سے آپ کے پیر بھائی غلام سرور صاحب گھمن پرنسپل لاثانی آئیڈیل سکول شکرگڑھ بھی اپنے سکوٹر پر کالج آ گئے۔ آپ انہی کے ساتھ ازحد دل گرفتہ حالت میں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ رات تو کچھ عرض نہ کیا البتہ صبح تہجد کے وقت حسبِ معمول حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور نفل پڑھ کر اپنی مبارک چارپائی پر جلوہ فرما تھے۔ چند خدّام بھی حجرہ مقدسہ میں موجود تھے۔ آپ نے داخل ہوتے ہی حضور کا ایک جوتا مبارک اپنے سر پر رکھ لیا۔ انہوں نے فرمایا، 'ہیں، ہیں، یہ کیا؟'۔ آپ نے عرض کیا، 'یہ میرے لیے تاج ہے اور یہاں کے کتوں کا ادب کروں یہ میری سعادت ہے، مگر جس ماحول میں آپ نے مجھے رکھا ہے وہاں محفلِ میلاد شریف روک دی جائے یہ میرے لیے موت سے بدتر ہے۔ اس لیے آج یا تو محفلِ میلاد شریف کے انعقاد کے لیے دعا کریں یا میری موت کی'۔ حضور نے فرمایا، 'محفل میلاد کراؤ دیکھیں کون روکتا ہے؟'۔ پھر عرض کیا، میں نے دوسرے مخصوص اساتذہ کی طرح کبھی کالج کے معاملات میں بھی دخل نہیں لیا اور طلبہ سے بھی عموماً رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، کم از کم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پر تو پابندی نہ ہو'۔

اگلے دن آپ کالج تشریف لائے تو یوں محسوس ہوا جیسے خوف و ہراس یہاں سے ختم ہو گیا ہے اور در و دیوار مسکرا رہے ہیں۔ کلاس کے دوران آپ نے طلبہ سے پوچھا، 'کیا تمھیں میں نے کبھی کسی کو ووٹ دینے کے لیے کہا؟'۔ بولے، 'نہیں'۔ پوچھا،

''کیا اگر میں دخل لیتا تو کم از کم اسّی فیصد ووٹ میرے کہنے پر نہ ڈالے جاتے'؟۔ بولے، 'ضرور'۔ پھر فرمایا، 'اب پانی سر سے گذر گیا ہے، لوگوں نے محفلِ میلاد روکنے کی کوشش کی ہے، مجھے جہاں سے منظوری لینی تھی لے آیا ہوں، تمہارا کیا خیال ہے'؟۔ بولے، 'ہوگی اور ضرور ہوگی'۔ دوسری کلاس میں آپ تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہی سوال و جواب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کچھ اساتذہ تو ان نوجوانوں کے گائڈ تھے، اکثر اساتذہ محتاط و پریشان حتّٰی کہ پرنسپل صاحب بے اختیار ہو کے رہ گئے تھے۔ ان کے دفتر میں بعض بعض کو پیٹتے مگر پوچھنے والا بلکہ چھڑانے والا کوئی نہ تھا۔ اس صورتحال میں عام طلباء کا جو حال ہو سکتا ہے خود اندازہ کیجیے۔ آج طلبہ نے یوں للکار کر آپ کی تائید کی تو گویا نگاہِ مردِ مومن سے تقدیریں بدل گئی تھیں۔ طلبہ سے فارغ ہو کر آپ پروفیسر غلام عباس قریشی شہید سے ملے۔ یہ صاحب یوں لگتا تھا جیسے مٹی کے نہیں ایمان کے بنے ہوئے تھے۔ کہا کرتے تھے، 'دعا حضرت سے کروا آیا کریں پھر مجھے بتا دیا کریں، یہ نہ سوچا کریں کہ کیسے ہوگا''۔ آپ نے ان سے ساری روداد بیان کی، سنتے ہی گرم ہو گئے۔ ادھر پرنسپل صاحب کو کلاس کی کارروائی معلوم ہو چکی تھی، انھوں نے قریشی صاحب کو بلا کر گویا شکایت کی۔ قریشی صاحب اپنے عاشقانہ و مجاہدانہ انداز میں ان کے پیچھے پڑ گئے۔ آخر ایک گھنٹے کے سرد و گرم (ایک طرف سے سرد، دوسری طرف سے گرم) مذاکرے کے بعد پرنسپل صاحب نے دوبارہ محفلِ میلاد منعقد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ہاں وقت ٹالنے کے لیے یہ بہانہ کیا کہ محفلِ میلاد نہایت شان و شوکت سے منائی جائے گی، اس کے لیے دعوت نامے شائع کیے جائیں گے اور معززین بلائے جائیں گے ۔ایک دو بار تاریخ کا تعین کر کے پھر ملتوی کر دیتے۔ آخر ایک دن حضور فرمانے لگے،

اس جمعرات کو محفل کرالینا'۔ آپ نے کالج میں اعلان کر دیا۔ قریشی صاحب اور طلباء سے بھی فرمادیا کہ حضور نے یہ دن مقرر فرمایا ہے، اسے ملتوی نہیں کیا جائے گا (انشاء اللہ)۔ اگلے روز دربار شریف صاحبزادہ سعید الرشید عباسی سلام کرنے آئے تو انہیں بھی محفلِ میلاد سے خطاب کی دعوت دے دی۔

مقرّرہ تاریخ آئی تو آپ نے اپنے بھانجے (اور موجودہ سجادہ نشین) صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب اور ایک اور عزیز جناب محمد نسیم قمر صاحب کو صبح کالج گئے ہی مسجد میں بھیج دیا کہ صفیں درست کریں اور لاؤڈ سپیکر کو ٹیسٹ اور سیٹ کریں۔ موسم ابر آلود تھا اور دن بھی جمعرات کا، جب کالج میں حاضری اکثر کم ہوتی تھی۔ مگر آج طلباء کالج کے لیے نہیں ذکرِ حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دور ونزدیک سے آئے تھے۔

تلاوت ونعت کے ساتھ آغاز ہوا اور جید علماء نے جی کھول کر فضائل سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیان کیے۔ عباسی صاحب کی تقریر جانِ تقریب تھی۔ آپ نے اسی روز دربار شریف سے آتے ہوئے بس میں چند شعر موقع کی مناسبت سے موزوں کیے تھے جو محفل میں سنائے گئے۔ چند اشعار یہ ہیں:

جگمگ جگمگ ساری محفل ذکرِ نبی ﷺ کی برکت سے!!
آؤ اپنے دامن بھرلو، عشق نبی ﷺ کی دولت سے!
بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں تھے، بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں
سب کچھ پاس ہے، سب کچھ ہیں ہم، ایک نبی ﷺ کی نسبت سے
عشق نبی ﷺ والوں سے پوچھو، تخت سے تختہ بہتر ہے
کوئی بڑا اعزاز نہیں ہے، اس اعزازِ شہادت سے!!

عشقِ نبی ﷺ نے کیا کیا قوت بخشی ہم کمزوروں کو!
بزمِ جہاں میں لوگ ہمارا منہ تکتے ہیں حیرت سے
وقت کے فرعونوں سے کہہ دو، جو جی چاہے کرگزرو!
ہم نہ ڈرے ہیں، ہم نہ ڈریں گے طوفانوں کی شدّت سے
آسی! ہم نذرِ جاں لے کر سوئے مدینہ چلتے ہیں
شاہِ لاثانی کا صدقہ کریں قبول وہ رحمت سے

پیچھے ذکر ہوا، جس روز پہلے محفلِ میلاد کا انعقاد ہونا تھا، اسی روز جناح پارک میں نماز استسقاء پڑھی گئی اور یہ سلسلہ چھ دن جاری رہا۔ اس کا اثر ظاہراً یہ تھا کہ بادل صبح سویرے رونما ہوتے تھے، ان کی نماز کے بعد وہ بھی اُڑ جاتے تھے۔ نیز اس پس منظر میں کہ ڈیڑھ دو مہینے سے بارش کا انتظار تھا، محفلِ میلاد شریف کے ایک مقرّر نے جوش میں کہہ دیا:

"اگر ہمارا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے غلامانہ ربط ہے تو آج بارش ضرور ہوگی"

تقریب بخیر وعافیت صلوٰۃ وسلام اور تقسیمِ تبرّک پر ختم ہوئی۔ روکنے والے اس دوران بڑے پیچ وتاب کھاتے رہے تھے۔ کوئی آگے بڑھتا، کوئی اسے تھامتا، مگر مسجد ان سے 'پاک' ہی رہی۔ انہوں نے پرنسپل صاحب کو بھی دفتر میں دھمکایا مگر ان کا صاف صاف جواب تھا کہ 'میں کوئی کافر نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر روکنے کی کوشش کروں، آپ روک سکتے ہیں تو روک لیں'۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ یہاں سے فارغ ہو کر دربار شریف روانہ ہوئے تو راستے میں بارش شروع ہوگئی۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور نے سب درویش اکٹھے

کیے، انہیں خوب انعامات سے نوازا اور فرمایا، ''بارش کے لیے دعا کرو، آج بارش ہونی چاہئے''۔

چند روز بعد 'مانعین' نے سیرت کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنالیا۔ گویا یہ ان کی طرف سے جوابی کارروائی تھی۔ مگر تاریخِ مقررہ سے دو دن قبل سارے پاکستان میں کالج یونینز پر پابندی لگ گئی۔ مقررہ دن آیا تو کالج ہال پر تالا تھا اور وہ سیرت کانفرنس کرنے کی بجائے ضیاء الحق کو گالیاں دے رہے تھے۔

تھوڑے عرصے بعد کالج میں ایک دوسرا انقلاب بھی آ گیا۔ ذکرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم روکنے والوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اور ذکرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کرانے والوں کا غلبہ ہوگیا۔ سچ عرض کیا تھا اعلیٰحضرت مجدّدِ دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی نے:

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا !!!

یہ واقعہ جہاں مردانِ کامل سے ٹکر لینے والوں اور بالخصوص شاہِ کاملاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ذکرِ نور سے چڑنے والوں کے ہمیشہ خائب وخاسر ہونے کا اعلان کر رہا ہے، وہاں ہمارے حضور قبلہ عالم کی دینی غیرت وحمیت، عشقِ رسالت اور راہِ حق پہ استقامت جیسے بلند اوصاف کو بھی آشکارا کر رہا ہے۔

☆......ایک مرتبہ سیالکوٹ گھنٹہ گھر میں مشترکہ جلسہ منعقد کروایا گیا۔ جس میں مشہور سیاستدان ملک محمد سلیمان صاحب سمیت متعدد سیاسی شخصیات اور مختلف مکاتبِ فکر کی مذہبی شخصیات مدعو تھیں۔ ملک محمد سلیمان صاحب نے اپنی تقریر میں کہا، 'میں عوام سے ایک اپیل کرتا ہوں کہ اگر یہ علماء اکٹھے نہیں ہوتے تو نہ ہوں، ہم جو عام لوگ ہیں، ان کو تو

اکٹھا ہونا چاہیئے'۔ سب سے آخر میں ہمارے حضور کا خطاب تھا۔ آپ نے فرمایا:

'ملک صاحب نے یہ بڑی عجیب بات کی ہے۔ جہاں قرآنِ پاک نے بے شمار آئندہ آنے والی چیزوں کے بارے میں ہدایات دیں، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں یہ یہ ہوگا، اور ہر چیز کا حل بتا دیا۔ کیا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس فرقہ واریت کا حل نہیں بتایا؟۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرقہ واریت کا حل کیا بتایا؟

اَلسُّنَّةُ وَالْجَمَاعَةُ.... سُنّت اور جماعت

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اُمّت کے گروہ در گروہ ہونے کا علاج یہ بتایا ہے کہ میری سُنّت پر عمل کرو اور جماعت کو اپناؤ۔ ملک صاحب کو خیال رکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم جو بات فرما گئے وہی اتحاد کی بنیادِ فطری ہے۔۔۔ تو اہلِ سنّت وجماعت فرقہ یا گروہ نہیں بلکہ فرقہ واریت کا علاج ہے، اور علاج سکھایا ہے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے۔ اب جس کا اعتماد ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر، جو کلمہ پڑھتا ہے سچے دِل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا، اس کو چاہیئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا حکم مانے، اپنی عقل کے پیچھے نہ پھرے۔ جن کو تم مولوی سمجھتے ہو یہ مولوی نہیں ہیں۔ مولوی کیسے بنتا ہے؟ مولانا روم سے پوچھو:

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم

تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

یعنی مولائے روم مولوی نہیں بنا جب تک کسی شمس تبریزی کا غلام نہیں ہوا۔ کسی اللہ والے کے غلام بن جاؤ، پھر تم مولوی بنو گے، ایسے نہیں بنو گے''۔

آپ کے اس پُر جلال اور پُر مغز خطاب سے سب پر سکتہ طاری ہو گیا اور پھر کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔

☆......۸۵۔۱۹۸۴ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ قلعہ سیالکوٹ کے جناح ہال میں بی اے ایف کی طرف سے ایک محفلِ میلاد کا اہتمام تھا۔ اس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علما مدعو تھے۔ غیر مقلّد حضرات کی طرف سے ان کے مشہور لیڈر پروفیسر ساجد میر بھی مقرّرین میں شامل تھے۔ آپ کے ذمّے ان سب تقاریر پر تبصرہ کرنا تھا۔ پروفیسر صاحب نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں ایسی اچھی تقریر کی کہ تمام حاضرین دنگ رہ گئے۔ آپ نے سب سے آخر میں خطاب کیا اور اسے لمحۂ فکر قرار دیا کہ جن خیالات کا یہاں اظہار مختلف مکاتبِ فکر کے ترجمانوں نے کیا ہے، اگر اسی قسم کے خیالات کا اظہار یہ اپنی اپنی مساجد میں بھی کریں تو اتحادِ ملت کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ خرابی یہی ہے کہ یہاں جو کچھ فرمایا گیا ہے اپنے اپنے ماحول میں خود یہ اپنے خیالات کی تردید کرتے ہیں اور ملت کی کشتی گردابِ انتشار سے نکل کر اِتحاد کے ساحل تک نہیں پہنچ پاتی۔

یہاں بھی آپ کے اس مؤثر اور مبنی بر حقیقت خطاب کو خوب سراہا گیا۔

☆......آپ کو ہمیشہ اس بات کا گلہ بلکہ رنج رہا کہ اہلِ نجد و دیو بند مزاجاً دو رنگے ہیں۔ جو یہ زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ چنانچہ اس ضمن میں اوپر مذکورہ محفل میلاد ہی کا یہ واقعہ آپ سنایا کرتے تھے:

"اس محفلِ میلاد میں جناح اسلامیہ کالج کے ایک پروفیسر دیو بندی حضرات کے نقیب و ترجمان تھے، انہوں نے بھی یہاں بہت اچھی باتیں کیں، مگر اپنے ماحول میں

ان کا اندازِ بیان بھی مختلف ہوتا تھا اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں بی اے کا سٹوڈنٹ تھا اور کالج کی اسلامک سوسائٹی کا پریذیڈنٹ، انہوں نے یزید کے جنتی ہونے کو شک وشبہ سے بالاتر قرار دیا۔ چند سال بعد جب میں اسی کالج میں فرائضِ تدریس سرانجام دینے لگا تو ایک دن وہاں یومِ سیّدُ الشُّہداء منایا گیا۔ میں نے کھل کر یزید کو بُرا کہا اور اس کے خلاف دلائل کا انبار لگا دیا۔ میں منتظر تھا کہ پروفیسر موصوف ان کی تردید کی کوشش کریں گے، مگر پروفیسر صاحب نے اپنی تقریر میں اس 'یقینی جنتی' کو مجھ سے بڑھ کر گالیاں دیں۔ دیکھا آپ نے نجد و دیو بند کا مزاج؟ قرآنِ پاک فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ لا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ .....
(البقرہ:۱۴)

ترجمہ: اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی (مسلمانوں سے) ہنسی کرتے تھے۔

واللہ! ایسے لوگوں کا اللہ جل مجدہٗ، اس کے قرآن اور اس کے دینِ اسلام سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اسی پروفیسر صاحب نے ایک دفعہ برملا کہا تھا کہ، 'کون کہتا ہے اسلام میں مساوات ہے، اسلام میں کہیں مساوات نہیں'۔ طلبا نے اردو کے صدرِ شعبہ سے پوچھا تو انہوں نے بالکل ریش بریدہ دنیا دار ہونے کے باوجود فرمایا، 'ہم تو یہی دینِ اسلام کا امتیاز سمجھتے آئے ہیں کہ اس میں مساوات ہے، اب اگر اسلامیات کے استاد کو اس کا انکار ہے تو کیا کہا جاسکتا ہے'۔ یہ واقعہ سنا کر آپ فرماتے تھے کہ، "ہاں ہاں! جو

نابکار محبت وغیرتِ رسول سے خالی ہو جائے، وہ اللہ کی محبت و غیرت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔اب جن لوگوں نے اپنے اپنے رہنماؤں کو اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے مقابلے میں اپنا اپنا مرکزِ محبت بنالیا ہے، انہوں نے گویا ملتِ اسلام کی بجائے اپنی نئی نئی مِلّتیں بنالی ہیں۔ سچا مسلمان سب کو چھوڑ سکتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی محبت و غیرت کو ترک نہیں کر سکتا''۔

☆......حضور مفکّرِ اسلام علیہ الرحمہ پندرہ سال جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں رہے۔ یہاں متعدّد بے دین جماعتوں کو قریب سے دیکھنے اور ان کے افکار سے آگاہی کا موقع ملا۔ بالخصوص 'جماعتِ اسلامی' کی 'شرافتِ اسلامی' کے جو نمونے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے کالج میں دیکھے، کبھی کبھار اس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

''ان (جماعتِ اسلامی) کے 'صالحین' کے لیے بڑی بڑی پیٹیوں میں اسلحہ آتا تھا یہ مہارت سے اس کا استعمال کرتے تھے۔بعض دفعہ ادارے کے سربراہ کے پاؤں کے اردگرد فائر کرتے تاکہ اس پر خوف و ہراس طاری ہو اور بڑی آزادی سے پرنسپل کے دفتر میں مخالفین کو زدوکوب کرتے۔

ضیاء الحق کا دور آیا تو جماعتِ اسلامی نے اپنے ظلم و ستم میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور اساتذہ اور دوسرے ملازمین کی خفیہ رپورٹیں تیار ہونے لگیں۔ میرا ایک دوست جو گورنمنٹ ہائی سکول پسرور میں ٹیچر تھا اور نیا نیا اس جماعت میں شامل ہوا تھا، ایک دن بڑی رازداری سے کہنے لگا، سب پروفیسروں اور ٹیچروں کی باتیں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ میں نے کہا، میرے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟ فرمانے لگے، رپورٹ کے

مطابق آپ دورانِ تدریس طلبہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ، 'کتنے تعجب کی بات ہے، اگر کسی لیڈر، مولوی یا سیاسی رہنما کی تعریف کریں تو یہ فرقہ واریت نہیں ہے، اگر رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی مدح و ثنا کریں تو اسے فرقہ واریت کہا جائے'۔ یہ بات واقعی میں کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ازحد افسوس کی بات تھی اور ہے مگر جماعتِ اسلامی کو یہ بھی برداشت نہیں کہ اشارے کنائیے میں بھی ایسی بات کی جائے جس کی زد میں ان کے آنے کا ہلکا سا امکان ہو۔ خدا کا شکر ہے صدر ضیاءُ الحق کو شاید جلد ہی ان کے طرزِ فکر و عمل کا علم ہو گیا، چنانچہ حکومت نے تنگ آکر سٹوڈنٹ یونینز پر پابندی لگا دی۔ پھر نتیجہ یہ نکلا کہ ضیاء الحق کی حکومت کو 'آسمانی' حکومت سمجھنے والے اس کے خلاف نعرہ زن ہو گئے اور برملا چیخنے لگے:

بے شرم، بے حیا۔ جنرل ضیاء، جنرل ضیاء''

☆......جناب رانا محمد مقصود صاحب (حال سیالکوٹ) کا بیان ہے کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں آپ کے زمانۂ تدریس میں ایک بدعقیدہ پرنسپل صاحب ہوئے جو حیلے بہانے سے آپ کو ناحق تنگ کرتے تھے۔ وہ مکّہ و مدینہ شریف کی حاضری کے لیے گئے۔ جب واپس آئے تو آتے ہی کہنے لگے، 'حضرت آسی صاحب کو بلاؤ'۔ آپ ان کی حرکتوں سے نالاں تھے لہٰذا آنے سے انکار کر دیا۔ کسی اور نے پرنسپل سے دریافت کیا کہ جناب کہاں آپ کا ان سے اس قدر عناد اور کہاں ملاقات کے لیے یہ بیقراری، کیا سبب ہے؟ کہنے لگے، 'اس سفرِ زیارت میں ایک رات خواب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مجھے تنبیہہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''اوساڈے بندے نیں، انہاں نوں تنگ نہ کریا کر'' (راوی کی اور اپنی

یادداشت کے مطابق الفاظ درج کیے گئے ہیں، اللہ کریم غلطی معاف فرمائے)۔ میری
بے قراری کا یہی سبب ہے کہ ان کی وجہ سے مجھے زیارتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہو گئی
اور بارگاہِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان کے مقام کا بھی اندازہ ہو گیا۔

☆ ...... یہ ایک دردناک واقعہ ہے۔ سیالکوٹ میں ایک صاحب ہوا کرتے تھے، جن کی تعلیم تو واجبی سی تھی تاہم انہیں میرِ محفل بننے کی بڑی عادت تھی۔ اور وہ اپنی زندگی کے مشاہدات کچھ اس انداز میں نذرِ سامعین کیا کرتے تھے جیسے یہ نہایت قیمتی اور نادر معلومات ہوں۔ ایک دفعہ وہ اپنے ہی جیسے ایک 'محترم' کا واقعہ سنا رہے تھے کہ میں نے ان صاحب سے پوچھا، جناب! آپ جمعہ کہاں پڑھتے ہیں؟ بولے، میں آج کل جمعہ کہیں نہیں پڑھتا کیونکہ ان مولویوں سے بہت تنگ آ گیا ہوں۔ دیکھو یہ مُلاّ لوگ ابوجہل کو بُرا کہتے ہیں، آخر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا۔ میرِ محفل اس پُرسوز لہجے میں یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وعظ سننے والے ابوجہل کو رضی اللہ عنہ کہنا شروع کر دیں اور اس کے وسیلے سے کہیں دعا ہی نہ مانگنا شروع کر دیں۔ حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ نے فرمایا، "برادری میں سے چچا ہی ہو گا مگر اسے تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمّت کا فرعون فرمایا تھا۔ وہ تو عمر بھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ مخالفت کرتا رہا۔ ابولہب جو حقیقی چچا تھا، جب وہ گستاخی و دشمنی کی بنا پر مردود و ملعون ٹھہرایا گیا، اس کی اور اس کی بیوی کی مذمت میں سورۃ ابی لہب نازل ہو گئی اس کے مقابلے میں ابوجہل تو ویسے بھی ہاشمی کے بجائے مخزومی تھا"۔

☆ ...... یہاں یہ بات نہایت قابلِ ذکر ہے کہ زمانۂ طالبعلمی اور یونہی زمانۂ تدریس میں بھی جب کبھی دربار شریف حاضری کے لیے کالج وقت میں جانا پڑا، نہ کالج میں حاضری

گی اور نہ پڑھائی ہوئی مثلاً کبھی کوئی میچ شروع ہو جاتا یا جلسہ وغیرہ۔

☆ ......گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ میں بھی آپ کے علمی و فکری نیز روحانی و انقلابی فیضان کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ یہاں ایک غیر مسلم آپ سے خاصا مانوس ہو گیا۔ آپ اسے اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرتے رہے بعدازاں وہ اور اس کے جملہ اہلِ خانہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس نومسلم کا حالیہ نام غلام غوث ہے اور ایک سرحدی قصبے 'ڈیلرہ' سے اس کا تعلق ہے۔ شکرگڑھ میں متعدد غیر مسلم آپ کی برکت سے اسلام آشنا ہوئے اور متعدد ایسے تھے کہ جن کے دل اسلام کی طرف راغب ہونا شروع ہو گئے۔

☆ ......علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرسِ مبارک کے موقع پر ایک غیر مسلم خاتون بھی آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 4

بیعت وخلافت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

<u>**بیعت:**</u> بندہ طالب ہے اور اللہ مطلوب (ومقصود)، جبکہ پیر کامل طالب و مطلوب کے درمیان وسیلہ ہے۔قرآن فرماتا ہے:

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ......(المائدہ)

یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

اور مفسّرین نے صراحت فرمائی کہ وسیلہ سے مراد یہاں پیرِ کامل ہے۔ایک اور جگہ قرآن نے انسان کو اس کے مطلوب ومقصود یعنی ذاتِ حق عزّ وجل کی طرف یوں دعوت دی:

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا ......(النازعات)

یعنی تیرا آخری مقام اللہ تعالیٰ تک رسائی ہے۔

اللہ ربّ العزّت تک رسائی کے لیے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے تا کہ انسان کے دل اور روح کے اندر وجودِ باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہو جائے اور طالب، ذات وصفاتِ باری تعالیٰ میں فنا ہو کر معرفت اور رضا کے مقامِ رفیع تک پہنچ جائے۔ (ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رستہ کسی کامل رہبر یا مرشد کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کو بخوبی اس حقیقت کا ادراک تھا، چنانچہ ابھی ساتویں جماعت کے طالبعلم تھے کہ دل دنیا سے بیزار اور ربِّ اکبر و محبوبِ اکرم جل وعلا وصلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عشق و محبت سے سرشار تھا جبکہ سلوک و معرفت کی پُر پیچ وادی میں قدم رکھنے کے لیے راہ داں کا وسیلہ درکار تھا۔ وہ فقرِ غیور جس کے سامنے تاج وتخت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، علی پور سیّداں شریف کے درویشِ خدا مست قیّومِ زمانی، قطبِ ربانی پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیکرِ لطیف میں ڈھلا ہوا نظر آیا چنانچہ ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیعت ہو گئے۔ گویا

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم
(یعنی 'جس کی ہمیں تلاش تھی وہ یار مل گیا')

عمرِ عزیز اس وقت محض بارہ (۱۲) سال تھی، اس اعتبار سے یہ سال ۵۳/۱۹۵۲ء بنتا ہے جبکہ وقت تہجد کا تھا۔ اس وقت آپ کو بیعت کرنے کا مقصد تنہائی میں بیعت کرنا تھا جبکہ

عموماً بروقتِ بیعت کثیر تعداد میں لوگ موجود ہوتے تھے۔

بیعت سے آپ کی باقاعدہ روحانی تربیت کا آغاز ہوا۔ سینہ و دل پر معارفِ الٰہی کی بارشیں ہونے لگیں۔ وہ روحانی قوّتیں جو ذاتِ اَقدس کو ودیعت تھیں، بیدار ہونے لگیں اور جوہر ہائے باطنی جو تا حال پوشیدہ تھے، کھلنے لگے۔ دنیا سے پہلے ہی واسطہ نہیں تھا، اب رہی سہی محبت بھی ختم ہو گئی۔ گویا دل 'مہمانِ عزیز' کے لیے پوری طرح فارغ تھا:

سب کے سب باہر ہوئے ہوش و خرد عقل و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردہ کر دیا

حضور مفکرِ اسلام کے مرشدِ گرامی (علیہا الرحمہ):

آپ کے مرشدِ ذی وقار قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، اسوۃ الکاملین، اعلیحضرت عظیم البرکت سیدنا وسندنا پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز نے ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۷ء کو دنیائے فانی میں قدم رکھا اور یکم ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء وصال فرمایا۔ حضور قبلۂ عالم شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے تینوں فرزندانِ والا شان علیہم الرحمۃ (حضرت پیر سید فدا حسین شاہ صاحب، حضرت پیر سید خادم حسین شاہ صاحب، حضرت پیر سید غلام رسول شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم) آپ کی حیاتِ ظاہری ہی میں واصل بحق ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد خلافتِ کبریٰ (یا سجادہ نشینی) آپ کے محبوب ترین نبیرۂ اقدس فخرِ سادات، کریم الصّفات سیدنا حضور پیر سید علی حسین شاہ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ سے مزیّن

ا؎ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎ چاہیئے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

ومشرّف ہوئی۔آپ پیر سید خادم حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ا؎ حضور شاہِ لاثانی کی نظرِ نور نے اپنے نورِ نظر کو علوم ومعارف کا سرچشمہ بنادیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ (محمد بلال۔محلّہ خراسیاں، سیالکوٹ کے خواب میں) فرمایا:

"رب تعالیٰ نے مجھے پانچوں علم عطا فرمائے ہیں، میں سب کچھ
جانتا ہوں۔یہ دنیا میرے لیے ایک کتاب کی مانند ہے"۔

آپ کو دنیا کی حرص وطلب سے سخت نفرت تھی۔بے نفسی وبے لوثی اور خلوص ولِلّٰہیت آپ کی کتابِ زندگی کا اوّلین باب تھا۔جلبِ زر اور جمعِ زر کو آپ نے ہمیشہ ایک جرمِ قبیح کی طرح دیکھا۔اور جو شخص بھی آئینۂ دل کو غرور وتکبر اور حرص وہوا کی گرد سے پاک کر کے چند لمحے آپ کے حضور بیٹھ جاتا تھا، جان لیتا تھا کہ اس آفتابِ معرفت وحقیقت کی نورانی کرنیں کس طرح منوّر کرتی اور کرسکتی ہیں۔بعض دفعہ آپ بالکل ساکت ہوتے اور حاضرین کی کیفیت یوں ہوجاتی گویا کہ سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔اندر کی دنیا 'انقلاب' کی زد میں آجاتی۔آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگی ہوتی اور بغیر کسی ظاہری تلقین کے دنیا کی محبت، شہرت کی تمنّا، جاہ ومال کی آرزو دم توڑنے لگتی۔اللہ ہی سے لَو کا جذبہ مضبوط ہوتا جاتا اور توبہ وانابت کی منزل سامنے ہوتی۔ہدایات کسی ایک کو دے رہے ہوتے مگر توجہ سب کے دل ودماغ سے ظلمتیں دور فرما رہی ہوتی اور سب کی روحیں رحمت کے پانی سے دھل رہی ہوتیں۔بالخصوص تہجد کے وقت کی مجلس کا رنگ ہی منفرد ہوتا تھا (اور ہمارے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کثرت کے ساتھ اس وقت

حاضر بارگاہ ہوتے تھے)۔

آپ کا دولتکدہ اپنے دَور کا ایک عظیم نعمت کدہ تھا (اور بحمدہٖ تعالیٰ ہے)، جہاں قریب ودور سے آنے والے سائلوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ایک طرف ظلم وستم کے ستائے ہوئے کسمپرس کہ دعا کی تمنا میں آئے ہیں تو دوسری طرف مقدمات میں الجھے ہوئے بے سہارا افراد ہیں۔ادھر جسم کے بیمار ہیں جنہیں ڈاکٹر اور حکیم لاعلاج قرار دے چکے ہیں تو ادھر قلب وروح کے مریض ہیں جو نفس وشیطان سے پیچھا چھڑا کر 'یار' سے ملنا چاہتے ہیں۔غرض سائل ہیں کہ دین ودنیا کی حاجات لے کر خدمت میں حاضر ہیں۔مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا وارث ونائب کسی کو مایوس نہیں لوٹاتا۔اس کا دستِ عطا ہے کہ دامن بھرتا ہی جارہا ہے۔اس کی نگاہِ مست ہے کہ قلب ونظر کی تقدیر بدل رہی ہے۔

حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ نے عمر بھر ہر پہلو میں سنتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو پیشِ نظر رکھا، اسی کو قبلۂ مقصود ٹھہرایا اور اسی کی روشنی میں سفرِ حیات طے کیا۔

جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور ہندوؤں اور سکھوں کی تیغِ ظلم سے بچے کھچے لوگ کئی مسائل سے دوچار ہوئے تو حضرتِ اقدس نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے دن رات ایک کر کے کام کیا۔آپ نے فوجی تربیت دلا کر مجاہدینِ اسلام کے جتھے تیار کیے اور خود انہیں لے کر ریاستِ جموں وکشمیر کے اندر تشریف لے جاتے رہے۔ہندوؤں پر ان جتھوں کا ایسا ہراس طاری تھا کہ بعض مقامات کو خود بخود چھوڑ کر بھاگ جاتے۔اس طرح دس دس میل کا علاقہ اغیار سے بالکل خالی کرالیا گیا۔بعض مقامات پر گھمسان کا رن پڑا۔مثلاً ایک مقام ہسپتال کا مورچہ تھا۔جہاں مخالفین نے ہوائی طاقت بھی استعمال کی مگر اسلام کے جانباز کامیاب رہے۔

آپ طبعاً دورِ حاضر کی سیاست سے نفور تھے تاہم ہنگامی طور پر سیاست میں اتنا دخل ضرور دیتے تھے جتنا اسلام کے تحفظ کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ آپ کا اصلی میدان ذکر وفکر، تصفیہ وتزکیہ اور اشاعتِ شریعت وطریقت تھا اور اس سلسلے میں مصروفیات نہایت زیادہ تھیں۔ دیہات کے لوگوں میں تبلیغ وتذکیر کی خصوصی کاوشیں فرماتے تھے کہ شہروں میں علماءؔ موجود ہوتے ہیں جبکہ دیہاتوں میں اس کی ضرورت زیادہ ہے۔

حضور نے اپنے خلفا کی تربیت اور خلقِ خدا کے لیے فیض رساں بنانے کے لیے ازحد توجہ فرمائی تاہم آپ کی نظروتوجہ، بدرجۂ کمال ہمارے حضور مفکرِ اسلام کے شاملِ حال تھی اور انہیں فیض اور رُشد وہدایت کا منبع بنانے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آپ اکثر اس خواہش کا کسی نہ کسی شکل میں اظہار فرمایا کرتے تھے کہ ''میرا دل ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے انہیں (حضور مفکرِ اسلام کو) دے دوں''۔ حضور خود فرماتے تھے کہ ''میرے حضور کی یہ کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ علم اور سب کچھ آپ کو عطا کر دیا جائے''۔ (اسی لیے سالانہ عرسِ مقدس ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے موقع پر شیخِ کریم نے سب سے پہلے ہمارے حضور ہی کو دستارِ خلافت عطا فرمائی یوں آپ ان کے خلیفۂ اعظم کہلائے۔ چنانچہ اُس آفتابِ ولایت نے اِس ماہِ ولایت کو روشن کیا تو چہار دانگ عالم میں ان کی تابانیوں کے جلوے نظر آئے اور ایک زمانہ ان کی روحانیت کی کرنوں سے مستنیر ہوا۔

حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے اپنے وصال سے چند روز قبل اپنے اس لاڈلے روحانی فرزند سے یوں فرمایا'' آسی صاحب آؤ اوتھے چلیے جتھے تواڈے تے میرے

علاوہ کوئی وی نہ ہووے''۔ حضور نقشِ لاثانی بکثرت محبت بھرے جملے آپ سے فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان پیرومرید کا تعلق مثالی تھا۔ مریدِ صادق اپنے پیرِ کامل کی خدمت واطاعت میں ہمہ وقت مستعد تھا تو پیرِ کامل اپنے مریدِ صادق کا ہردم نگہبان اور اس کے احوال میں نگران ومددگار۔ چنانچہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، 'میں پریشان ہوں تو حضور شاہِ لاثانی اور حضور نقش لاثانی علیہما الرحمہ کو پریشانی ہوتی ہے جبکہ میری تکلیف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے''۔

حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز کی آپ سے محبت وشفقت اس بات سے بھی عیاں ہے جسے حضور نقشِ لاثانی ہی کے خلیفۂ مجاز نیز سلسلۂ چشتیہ میں بھی صاحبِ اجازت ایک عالی مقام شخصیّت (ان کے حکم پر ان کا نام درج نہیں کیا جارہا) نے راقم سے بیان فرمایا کہ'' ہر وہ شخص جو مفکرِ اسلام قدس سرہ سے بغض وعداوت کی آگ میں جلا، روحانی طور پر خالی کر دیا گیا''۔

حضور مُفکّرِ اسلام قدس سرہٗ بحیثیت مُریدِ صادق:

دورِ حاضر میں یہ افسوسناک رجحان عام ہے کہ اوّل تو بیعت ہی کا کوئی فائدہ نہیں، پھر اگر ہو بھی گئے تو سمجھا جاتا ہے کہ خدا طلبی اور راہِ طریقت کے جملہ تقاضے محض ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ادا ہو گئے، مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ شیخ کے فرمودات پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو انقلاب آشنا کرنا، بیعت کا اصل مقصود ہے۔

خود حضور مفکر اسلام قدس سرہٗ مقصدِ بیعت بیان کرتے ہوئے اکثر فرماتے کہ مرشد کو محض دنیا کے حصول کے لیے مت پکڑو بلکہ اس کا مقصد حصولِ رضائے الٰہی، عشقِ حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم، فہمِ دین حاصل کرنا، آخرت سنوارنا وغیرہ ہو۔

مرید کیسا ہونا چاہیے؟:

اس خادم نے ایک عرصہ حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں رہ کر اس ضمن میں جو ارشادات آپ سے سنے، انہیں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

☆......خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے شیخ کے ساتھ ہو۔

☆......جب خود کو کسی پیر کامل کے سپرد کر دیا تو اس کی پیروی اس طرح کرے جیسے 'مردہ بدست زندہ' کہ فرمایا گیا ہے: اَلطَّالِبُ عِنْدَ الْمُرْشِدِ کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدِیِ الْغَاسِلِ یعنی مرید اپنے پیر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں۔

☆......اپنی تمام خواہشیں اور ارادے پیر کی خواہش و مرضی کے تابع کر دے کہ صوفیا فرماتے ہیں: اَلْمُرِیْدُ لَا یرِیْدُ اِلَّا اللّٰہ. یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوا کسی شے کی خواہش نہ ہو اور رب تک رسائی کے لیے پیر کی مرضی خود پر مسلّط کرنا ضروری ہے۔

☆......اپنے شیخ کی محبت دیوانگی کی حد تک ہو کہ امامِ ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

'دریں راہ اند کے جنوں ہم در کار است'

اس راہ (طریقت) میں تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری ہے۔

☆......اپنے پیر ہی کو کامل وسیلہ سمجھے اور کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو۔ جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز اپنے مرشدِ برحق حضرت خواجہ امیر کلال قدس سرہٗ العزیز کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام ملے۔ انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کئی مرتبہ پکارا، 'بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو، ذرا ٹھہرو، میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں'۔ لیکن خواجہ شاہِ نقشبند قدس سرہٗ العزیز نہ ٹھہرے اور اپنے مرشدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ امیر کلال علیہ الرحمہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، 'بہاؤ الدین آج راستے میں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے ان کی طرف توجہ نہ کی'۔ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا:

'حضور! جسے آپ جیسا خضر (پیر کامل) مل چکا ہو اور جو آپ کے چہرۂ پر انوار کی زیارت سے فیضیاب ہو چکا ہو اس کو کسی دوسرے خضر سے کیا کام'۔

سبحان اللہ اس کا نام ہے ارادت (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاہُ)

☆......پیر اور مرید کا باہمی رشتہ خادم و مخدوم سا ہے اور حقیقت یہی ہے۔ کہ 'ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد' جو خادم بنتا ہے وہی مخدوم ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر پر یا اس کے سائے پر پڑے۔ اس کے مصلّے پر پاؤں نہ رکھے۔ اس کے وضو کی جگہ طہارت نہ کرے۔ اس کے برتنے کی اشیاء کو بغیر حکم استعمال نہ کرے۔ اس کے سامنے کھائے پیے نہ اور نہ کسی اور سے کلام کرے۔ پشت بھی اس کی طرف نہ کرے۔

☆......پیر کی عدم موجودگی میں جدھر وہ رہتا ہے ادھر نہ پاؤں دراز کرے نہ تھوکے۔

☆......جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے بہتر جانے اگر چہ بظاہر بہتر نہ ہو کیونکہ بغیر اذنِ الٰہی وہ کچھ نہیں کرتا۔

☆......پیر کے متعلق کسی قسم کا شبہ دل میں نہ لائے۔ شبہ آئے تو دریافت کرے۔ اگر پھر بھی نہ سمجھے تو اپنا قصور جانے۔

☆......جہاں سے فیض ملے اس کو اپنے شیخ ہی کا فیضان سمجھے اور یقین جانے کہ میرے پیر کا لطیفہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

☆......مرید آداب شیخ بجالانے میں کسر نہ چھوڑے تاہم باوجود کوشش کے کمی رہ جائے تو معاف ہے تاہم کوتاہی کا اعتراف ضرور ہو۔

☆......پیر کامل کا کرتہ یونہی دیگر تبرکات مرید پائے تو بطور تبرک اپنے پاس رکھے۔ متعدد ثمرات پائے گا۔

☆......اپنے مرشد کی اولاد اور رشتہ دار کی خدمت جہاں تک ممکن ہو کرے۔

☆......مرشد سے چار چشم نہ ہو یعنی آنکھیں نہ ملائے۔

☆......لباسِ فاخرہ پہن کر شیخ کے پاس جانا تکبر ہے۔

☆......شیخ کے پاس جا کر مزید اوراد و وظائف میں مشغول ہونے سے خدمت کرنا بہتر ہے۔

☆......مرشد کے پاس خالی ہاتھ جانا علامتِ محرومی ہے۔

☆......پیر کی غیرت دل میں ہونا سعادتمندی کی دلیل ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ پیر کی محبت و غیرت نیز ادب و خدمت

کا جذبہ تمام مجاہدوں اور ریاضتوں کی جان ہے اور رضائے شیخ کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ہمارے آقائے ممدوح حضور شہنشاہِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز کا یہ فرمان بھی سنایا کرتے تھے:

"سلسلہ نقشبندیہ میں چلہ کشی ضروری نہیں اور نہ ہی ہمارے شیخ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ القوی) نے اس پر مکتوبات شریفہ میں زور دیا ہے۔ البتہ شیخ کو راضی کرنا ضروری ہے۔ اگر شیخ راضی ہو گیا تو آنِ واحد میں وہ مقامات اور درجات حاصل ہو جاتے ہیں جو مدت العمر تنہا چلہ کشیوں سے حاصل نہیں ہو سکتے"۔

یہاں ایک اور بات بھی بیان کر دینا انتہائی ضروری ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کامل ترین اولیاءِ کرام سے ظاہراً بیعت ہونے کے باوجود ان میں حسنِ اعتقاد اور صحیح رابطۂ شیخ کا فقدان ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لب دریا پہنچ کر بھی دریا کو سراب سمجھنے کی وجہ سے اپنی تشنہ لبی دور نہیں کر پاتے۔ جو حسنِ اعتقاد اور رابطۂ شیخ میں جس قدر اعلیٰ درجے پر فائز ہوا، روحانیت کے اسی قدر اعلیٰ منصب کو پا گیا۔

امام ربانی حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ القوی کا 'مبدا و معاد' میں بیان کردہ واقعہ یہاں بیان کرنا برمحل ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں:

"ہم چار شخص اپنے خواجہ کی خدمت میں لوگوں کے نزدیک تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ اور معاملہ جدا تھا، یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے زمانے کے بعد ایسی

تربیت و ارشاد کبھی ظہور میں نہیں آیا اور اس نعمت کا شکر بجا لاتا تھا کہ اگرچہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوا مگر اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت خواجہ ان تینوں کا حال یوں بیان فرماتے تھے کہ فلاں مجھے صاحبِ تکمیل سمجھتا ہے لیکن صاحبِ ارشاد نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور تیسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ ہمارا انکار کرتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔“

معلوم ہوا، ایسے لوگ جن کا اعتقاد درست نہیں ہوتا اور تکبر ان کی سرشت سے جدا نہیں ہوتا، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ القوی جیسے مردِ کامل کے حضور پہنچ کر بھی فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

بچائے گا تو ان کو ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

غرضیکہ، مریدِ صادق وہ ہے جو اپنے مرشدِ کامل کو نائبِ رسول سمجھ کر ہر دنیاوی رشتہ سے محبوب اور ہر متاع سے عزیز سمجھے۔ خود کو سراپا خطا اور ان کو سراپا خیر و خوبی جانے۔

حضور مفکر اسلام قدس سرہ القوی نے ارادت کا حق کیسے ادا کیا اور بیعت کے لطیف و نازک تقاضوں کو کیسے سرانجام دیا، یہ ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ تاہم چند جھلکیاں حاضر ہیں:

خدمتِ شیخ: بیعت ہونے کے بعد آپ نے خدمتِ شیخ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس سلسلے میں اپنے دنیاوی منصب کا بھی خیال نہ کیا۔ آپ کالجز میں گزیٹڈ پوسٹ (۱۷

تا ۱۹ ویں گریڈ) پر متمکن رہے۔ تاہم جب پیر خانے ہوتے تو محض ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتے نظر آتے اور بظاہر معمولی سے معمولی کام کو بھی عبادت سمجھ کر سرانجام دیتے۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ سیالکوٹ کی نوے فیصد محافل کے اشتہارات پہ آپ کا اسم شریف ہوتا اور بچہ بچہ آپ کے نام سے واقف تھا۔ تاہم جب وہاں کے ایک ایم این اے صاحب دربار شریف حاضر ہوئے اور آپ کو پتھروں سے لبالب ٹوکری سر پر اٹھائے بھاگ بھاگ کر کام کرتے دیکھا تو از حد حیران ہوئے۔ یہی نہیں اپنے پیر کی بھینسوں کے گوبر کی ٹوکریاں اٹھانے میں بھی عار نہیں تھا۔ یعنی دنیا جسے شہنشاہِ خطابت، عالمِ نبیل اور شیخِ طریقت کی حیثیت سے جانتی تھی دربار شریف میں ان کو کبھی بھینسوں کو نہلاتے، کبھی بوجھ اٹھاتے اور کبھی گندم کی کٹائی کرتے۔ غرضیکہ ہمہ وقت خدمتِ شیخ میں مصروف عمل پاتی۔

جذبۂ تعمیلِ حکمِ شیخ: اپنے شیخِ کریم کے احکامات کی متابعت زندگی کا نصب العین تھا۔ جو حکم ملتا، سر آنکھوں پہ رکھتے اور عمل درآمد کے لیے جی جان سے کوشش کرتے۔ آپ کے اس جذبے کے اظہار کے لیے یہاں صرف دو واقعات پیش خدمت ہیں:

ایک مرتبہ حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ’سیالکوٹ جاؤ‘۔ آپ چل دیئے تو انہوں نے آواز دے کر بلا لیا اور فرمایا، ’اچھا شکرگڑھ جاؤ‘ آپ چل دیئے۔ پھر انہوں نے آپ کو آواز دی اور فرمایا، ’نہیں سیالکوٹ جاؤ‘۔ اس طرح سات مرتبہ انہوں نے فرمایا۔ آپ ہر مرتبہ چل دیتے اور ایک مرتبہ بھی آپ نے نہیں پوچھا کہ کس مقصد کے لیے جانا ہے۔ یعنی تعمیلِ حکم کا جذبہ اس قدر تھا کہ جو حکم ملا، بجا آوری کے لیے

اٹھ کھڑے ہوئے اگر مقصد انہوں نے فرمایا تو ٹھیک ورنہ پوچھا تک نہیں۔

یونہی ایک مرتبہ حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو آستانے پر ٹھہرا کر کہیں تشریف لے گئے۔ شاید چند روز کا پروگرام تھا۔ تاہم انہیں وہاں ایک ماہ لگ گیا۔ جب واپس آئے تو حضور مفکرِ اسلام وہیں موجود تھے۔

شیخ سے طبعی ہم آہنگی: محبت اپنے کمال پر تب پہنچتی ہے، جب مرید اپنی پسند ناپسند شیخ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔ اور اس کی طبیعت شیخ کے رنگ میں جذب ہو جائے۔ بقول ظفر:

محبت کا یہ مطلب ہے کہ میں نے
وہی چاہا جو کچھ تم نے چاہا

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے اس اصولِ محبت کو سمجھا اور خوب سمجھا۔ چنانچہ صورتحال یہ تھی کہ جن سے شیخ کو محبت تھی ان سے آپ کو محبت تھی، جن سے انہیں نفرت تھی ان سے آپ کو نفرت تھی۔ کھانے پینے میں جو انہیں مرغوب تھا وہی آپ کو بھی، تبلیغ کا جو انداز شیخ کا وہی آپ کا، دنیاوی حرص و ہوس سے جتنے بیگانہ وہ اتنے آپ بھی اور سادگی و فقر کی جو ادائیں ان کی وہی آپ کی تھی۔ آپ خود فرماتے تھے:

''میں کوئی کام شیخ کی مرضی کے خلاف کرتا ہی نہیں''

ادبِ شیخ: اس موضوع پر بیان کیا جائے تو مکمل کتاب بن جائے۔ تاہم یہاں محض اتنا کہنا کافی ہے کہ 'مرید کیسا ہونا چاہیئے' کے ضمن میں جتنے آدابِ شیخ آپ نے تلقین فرمائے آپ خود ان پر کمال درجہ عمل پیرا تھے۔ یہ بھی دیکھیں کہ آپ اپنے مرشد کے جانوروں کی

جانب احتراماً پشت نہیں کرتے تھے۔ یہ تو ان کے جانوروں کا ادب ہے، خود ان کے ادب کی صورتحال کیا ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ادبِ شیخ کے حوالے سے جو اطوار آپ کے تھے اور جو تقاضے آپ نے پورے کیے، ہماری عقلیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔

پیر خانے کی حاضری: پیر خانے کی حاضری کثرت کے ساتھ اور بالخصوص حضور نقشِ لاثانی کے آخری دورِ حیات میں بلا ناغہ حاضری آپ کا معمول تھا۔ سیالکوٹ سے علی پور سیداں شریف کا طویل سفر جبکہ سانس کی تکلیف بھی ہو، یقیناً دشوار تھا۔ تاہم کسی طرح کا طبعی یا موسمیاتی عذر کبھی آڑے نہ آنے دیتے۔ بلکہ فرماتے کہ پیر خانے آکر میری طبیعت بحال ہو جاتی ہے۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ کے آخری چند سال میں علالت شدت اختیار کر چکی تھی، کہیں آنا جانا تقریباً ختم تھا۔ پھر بھی دربار شریف کی حاضری میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر پیر خانے حاضر ہو کر فارغ بیٹھنا قطعاً گوارا نہیں تھا بلکہ کسی نہ کسی کام میں جت جاتے اور جن احباب کو ساتھ لے کر جاتے انہیں بھی تاکید تھی کہ فارغ نہیں رہنا کہ یہ بے ادبی ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کوئی دربار شریف حاضری دے کر آیا ہے تو اس کے ہاتھ چومتے اور معانقہ کرتے۔ فرماتے اس کے جسم نے وہاں کی خاک کو چوما ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے بلند مقامات کا سبب پیر خانے کی مسلسل حاضری اور ذوقِ خدمت و ادب تھا۔

ذکرِ شیخ: اوپر مجدد پاک کا ارشاد تحریر ہوا کہ:

'اس راہ میں تھوڑا سا جنون یا دیوانگی بھی ضروری ہے'

آپ سے اس جنون کا بدرجہ کمال اظہار تب ہوتا جب آپ اپنے شیخ کا والہانہ

اندازمیں کثرت سے ذکر کرتے۔ یہاں تک کہ جولوگ آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے والے تھے، حضور نقش لاثانی قدس سرہ القوی سے ایک غائبانہ محبت و الفت محسوس کرتے۔ بات کسی کی یا کسی موضوع پر بھی ہورہی ہوتی کسی نہ کسی حوالے سے شیخ کا ذکر لے آتے اور فرماتے میرا ایمان سلامت ہے تو ان کی برکت سے، میں چلتا پھرتا ہوں تو ان کے دم قدم سے، میرے کام بنتے ہیں، بگڑی سنورتی ہے تو ان کے طفیل۔ ہر قسم کے مسائل کے لیے اکثر جو وظیفہ تلقین فرماتے، اس میں بھی اپنے پیر ہی سے امداد طلب کی گئی ہے یعنی ''یا قبلۂ عالم حضور نقشِ لاثانی شیئاً لِلّٰہ'' اور فرماتے کہ میرا وظیفہ بھی یہی ہے۔ پھر نعتیں لکھتے تو بھی آخر میں خوبصورت انداز سے ان کا ذکر ضرور ہوتا۔ مثلاً:

لکھتا ہے اگر نعت شہنشاہِ رسالت
آسی یہ ترے مرشد کامل کی دعا ہے

....

نقش لاثانی نے بھیجا ہے ترے دربار میں
کچھ سوا تیرے نہ آسی کی تمنا اور ہے

....

کاش دربارِ رسالت میں یوں آتا آسی
نقشِ لاثانی کا ظاہر میں بھی سایہ ہوتا

....

یہ آسی زیرِ سایہ ہے شہنشاہِ علی پور کے
کوئی اس بے سر و سامان کو جانے تو کیا جانے

....

ہجومِ غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا
کہ اس کو شیخِ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

....

شیخ کی اولاد کا ادب: آپ کے شیخ کے دو عظیم البرکات صاحبزادے تھے۔ دونوں طریقت و شریعت کے امام تھے۔ بڑے صاحبزادے تاجدارِ ولایت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب تھے اور چھوٹے صاحبزادے یادگارِ اسلاف پیر سید اسمٰعیل شاہ صاحب (علیہما الرحمۃ) تھے۔ پھر اوّل الذکر کے تین صاحبزادے اور مؤخر الذکر کے چار صاحبزادے تھے۔ ان تمام صاحبزادگان کا آپ خوب ادب کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں چومنا سعادت سمجھتے تھے۔ محافل میں اکثر بلاتے۔ ہر ممکن خدمت کرتے۔ رخصت کرتے وقت دور تک ہمراہ جاتے۔ انہیں اونچی جگہ پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ ایامِ علالت میں بھی ادب آداب کے ان قرینوں میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یونہی پیر کے رشتہ دار خواہ قریب کے ہوں یا د کے، یہی سلوک کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام آداب کی رعایت پر شیخ نے بھی آپ کو خوب نوازا۔ اور دنیا جان گئی کہ کسی مردِ کامل کے در کی گدائی بندے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

'خلافت' و 'مظہریت':

دنیائے طریقت میں خلافت سے مراد وہ سندِ تکمیل ہے جو پیرِ کامل اپنے مرید
صادق کو ایک مناسب مدّت تک روحانی تربیّت دینے کے بعد عطا فرماتا ہے۔ یہ سن
اس بات کی غماز ہوتی ہے کہ طالب وہ تمام روحانی منازل طے کر چکا ہے جن کا طے کر
ایک سالک کے لیے ضروری ہے۔ اور اب یہ اَوروں کو منزل آشنا کرنے کی صلاحیت ا
ہمّت رکھتا ہے۔

یہ سندِ تکمیل کیا ہے؟ 'روحانیت' کا کورس مکمّل کرنے کا سرٹیفیکیٹ، جو مدارس
مکاتب کی اسناد سے بدرجہا برتر بھی ہے، دُشوار تر بھی۔ کیوں؟ اس لیے کہ دیگر سندات
'قال' کی ہیں تو یہ 'حال' کی۔۔۔ ان کا تعلّق 'گفتار' کے ساتھ ہے تو اس کا 'کردار' کے
ساتھ۔۔۔ باقی 'خبر' کی ہیں تو یہ 'نظر' کی۔۔۔ باقی 'ظاہر' سے متعلّق ہیں تو یہ 'باطن'
سے۔۔۔ تو اب یوں سمجھ لیں کہ جو فرق قال و حال، گفتار و کردار، خبر و نظر اور ظاہر و باطن
میں ہے، وہی 'ظاہری' اور 'باطنی' سند میں ہے۔ میرے شیخِ کریم علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں:
"بندۂ کامل جب کسی کو خلافت کا اہل قرار دیتا ہے تو اس کے اندر جھانکتا ہے،
اس کے دل و دماغ کے بعید ترین گوشوں کا جائزہ لیتا ہے، اس کی باطنی صلاحیتوں کے
امکانات کو جانچتا ہے اور قلب و نظر کی وسعتوں کو پرکھتا ہے۔ پھر جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ
ربط و ضبط کی ہم آہنگی، ذوق و شوق کی بلندی اور ذکر و فکر کی چاشنی سے طالب کا باطن
نفسانی آلائشوں سے پاک ہو گیا ہے، اس کی نگاہِ دور رس سے غفلت کے حجابات اُٹھ
گئے ہیں، اس کا دل دوسرے انسانوں کی قلبی ظلمات بھی دور کر سکتا ہے، اس کے سینے ک

سوز بہت سے سینوں کی کدورتیں بھی جلا سکتا ہے تو اُسے اصلاحِ ملّت کا عظیم فریضہ
سونپ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ منصبِ خلافت جس پر مردانِ کامل اپنے مکتب سے 'فارغ
التحصیل' ہونے والوں کو فائز کرتے ہیں۔ مگر یہ
'سندِ فراغت'، 'آزادی' کی بجائے مزید 'پابندیاں' عائد کر دیتی ہے۔ خلیفہ
اپنے 'شیخ' کا نائب ہوتا ہے اور اُسے سارا کام اپنے شیخ ہی کے زیرِ سایہ انجام دینا پڑتا ہے:

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اللہ اللہ! اِس درجۂ تکمیل تک پہنچنے کے لیے کتنی دُشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا
ضروری ہے۔۔۔ دل کی 'آبادی' کے لیے اسے کتنی 'ویرانیوں' کا سامنا کرنا پڑتا
ہے۔۔۔ اور 'حیاتِ جاوداں' حاصل کرنے کے لیے کتنی ہی بار 'موت' میں سے گذرنا ہوتا
ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ کمال کا معیار سب کے ہاں یکساں نہیں ہوتا۔ جس شیخ کا مقام
جتنا بلند ہو گا، اتنا ہی اس کا معیار سخت ہو گا۔ پھر ایک طالب کے لیے بھی ایک معیار کام
نہیں دیتا۔ مثلاً شیخ خود جس سے زیادہ کام لینا چاہے، اس کی تربیّت پر زیادہ زور دے
گا اور جس کے سپرد زیادہ کام نہ ہو گا، اس کی تربیّت اس کے حسبِ حال ہو گی"۔

اس قدر تمہید کے بعد اندازہ لگائیے، ان خوش بخت افراد کی بلند نصیبی کا جنہیں
غوث الاغیاث، قطب الاقطاب، قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، اُسوۃ الکاملین،
اعلیٰحضرت عظیم البرکت پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز جیسی
شخصیت نے اپنی خلافت سے نوازا۔ اہلِ طریقت کے ہاں یہ بات شُہرت کا درجہ رکھتی
ہے کہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی جس پر محض نظر ہی پڑ گئی، اسے بدل کر رکھ دیا۔

آنانکه چشمِ مست بصد حیله دا کنند

سگ را ولی کنند ، مگس را ہما کنند

(وہ جو مست آنکھ سے سو حیلے کرتے ہیں، کتے (گنہگار) کو ولی اور مکھی کو ہما کر دیتے ہیں)

ہمارے شیخِ گرامی کے بشرے سے نورِ ولایت بچپن سے نمایاں تھا۔اہلِ نظر آثارِ ولایت پیدائش ہی سے مشاہدہ کر رہے تھے۔جس کی ابتدا یہ ہو، اس کی انتہا کا کیا عالم ہوگا۔چنانچہ محض بارہ سال کی عمر میں آتشِ عشق لے کر شیخ کی بارگاہ میں آئے اور شیخ کریم نے روحانی فرزندی میں لیا تو قلیل سی مدّت میں نور، علیٰ نور کر دیا۔اور حقیقت یہ ہے کہ آپ 'مرید' ہی نہیں 'مراد' بھی تھے۔چنانچہ اَوروں نے جو مقامات سالہا سال کی ریاضت سے حاصل کیے، آپ دنوں اور لمحوں میں حاصل کرتے گئے۔پھر دو اکتوبر ۱۹۸۶ء کو سالانہ عرسِ مبارک کی تقریب میں شیخ کریم نے سب سے پہلے آپ کو دستارِ خلافت عطا فرمائی۔اور تمام سلاسل میں بیعت لینے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔یوں آپ اپنے شیخ کے خلیفۂ اعظم کہلائے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں خود کو اس اعزاز کے لائق نہ سمجھتے ہوئے دل سے یہ چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں لیکن ادب اور تعمیلِ حکمِ شیخ مانع تھے۔اور سچ پوچھیے تو اہلِ ولایت کے نزدیک حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا معاملہ اس اجازت و خلافت سے بھی بلند تر تھا۔شیخِ کامل اپنے اس 'طالبِ صادق' کو اپنی ذات وصفات کا مکمّل 'آئینہ' اور اپنی خصوصی توجّہ کا 'عظیم شاہکار' بنانا چاہتے تھے۔یہ 'مظہریت' کا وہ مقام ہے جس میں مرید کی ادا ادا سے شیخ کی تجلّیات نظر آتی ہیں۔یہاں 'دُوئی' ختم ہو جاتی ہے اور ''من تُو شدم تُو من شُدی'' کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔یہ وہ منزل ہے

جس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں اور سمجھنے سے عقل عاجز:

سِرِّ مستاں منطق الطیر است ، جامی لب ببند

جز به مستاں کس نشاید فهمد ایں اسرار را

قیومِ زمانی حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے صاحبِ رابطہ درویش جناب ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب نے ایک مرتبہ یہ بات بتائی:

''میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی بارگاہ میں حاضر تھا۔آپ آرام فرما رہے تھے۔میں جاگتی آنکھوں سے کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا جسم مبارک حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے سراپا میں ڈھل گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد پھر آپ کا جسم مبارک وہاں موجود تھا''۔

فرماتے ہیں کہ گویا مجھے دکھایا گیا کہ آپ فنا فی الشیخ ہیں۔جناب حاجی عبدالرزاق صاحب (خلیفۂ مجاز پیر سیّد عابد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ، منظورِ نظر حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ اور حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے عزیزِ خاص) بیان کرتے ہیں کہ جب حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کا وصال شریف ہوا تو چہلم شریف کے بعد تک میں گومگو کی کیفیت میں تھا کہ کدھر جاؤں۔تب ایک رات مجھے دکھایا گیا کہ وہ کمرہ جہاں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ آرام فرمایا کرتے تھے، اس میں انہی کی چارپائی پر سفید چادر تانے کوئی شخصیت آرام فرما ہے۔میں نے یہ گمان کر کے کہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ ہیں، قدمبوسی کی۔انہوں نے چہرۂ مبارک سے چادر سرکائی تو وہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ تھے۔قبلہ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے سمجھ آ گئی کہ میری تربیت اب کس کے ذمّہ ہے۔

جناب محمد طارق صاحب (ہرناہ۔سیالکوٹ) جو آپ کے مخلص مرید تھے

اور اپنے علاقے کے ایم پی اے بھی، فرماتے ہیں کہ ان کی خواب میں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور فرمایا کہ آؤ تمہیں بیعت کروں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں تو جناب آسی صاحب کی بیعت کر چکا ہوں۔ فرمایا، ''اسی لیے تو تمہیں بیعت کرنا ہے کہ آسی صاحب کی بیعت کر چکے ہو۔ جس نے ان سے بیعت کی اس نے میری ہی بیعت کی''۔ فرمایئے! جن کی بیعت کو شیخ اپنی بیعت قرار دے، کیوں نہ وہ مریدِ صادق ہی نہیں مراد و محبوب بھی ہوگا۔ اور شیخ بھی وہ جو اپنے دور میں 'لاثانی' کا 'نقشِ ثانی' ہو۔

جناب ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب (کالا چیچی۔ شکر گڑھ) اوائلِ عمری ہی میں حضور کے دامانِ کرم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ پھر حضور نے بہت شفقت فرمائی اور 'دل کی کھڑکی' کھولی۔ ان دنوں حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے مزار پر مراقب ہوتے تو خاصا کرم ہوتا۔ اسی کے پیشِ نظر ان سے یہ خادم عرض کرتا کہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، عرض کرو۔ وہ عرض کر دیتے۔ جب دوسری یا تیسری مرتبہ یہی کہا اور ڈاکٹر صاحب نے مزار شریف پر دورانِ مراقبہ عرض کیا تو حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے ذرا جلالی انداز میں فرمایا، ''اونہوں دس دے ناں کہ رات دن میری زیارت نہیں کردے؟ ہور کدی کر دے او۔'' (یعنی ان کی زیارت میری ہی زیارت ہے۔ سبحان اللہ) (یہ ۱۶ مارچ ۲۰۰۱ء کی بات ہے)

حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے ایک مریدِ صادق اور ان کے فیض کی منہ بولتی تصویر صوفی باصفا جناب پیر شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) ایک عظیم الشان اور محیّر العقول واقعہ سناتے ہیں جو ان سے انہی کے ایک معتمد پیر بھائی نے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ کامل کے مزارِ پُر

انوار پہ جا کے قدموں کی طرف بوسہ دیا تو آپ کا سرِ اقدس نظر نہ آیا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ سرِ اقدس تو قبر کے اندر چلا گیا تھا۔ یعنی آپ نے حقیقتاً سر مبارک اندر لے جا کر اپنے شیخ کے قدموں کو چوما۔ (سبحان اللہ)

یہ اور اس قسم کے متعدّد واقعات حضور کے فنا فی الشیخ ہونے کی دلیل ہیں۔ یونہی آپ فنا فی الرّسول بھی تھے(۱) کہ دیگر شواہد کے علاوہ ایک مصدّقہ روایت کے مطابق آپ کے شیخِ ذی وقار نے خود ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''ہم انہیں نبی کریم رؤف رّحیم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر چکے ہیں''۔

صوفی محمد اقبال صاحب (چیئرمین بزمِ نعت کونسل سیالکوٹ) نہایت متّقی اور درویش صفت انسان ہیں۔ یہ مدینہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے تو دیگر معروضات کے علاوہ یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آسی صاحب کا سلام بھی قبول فرمایئے۔ تب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آواز آئی، جسے میں نے واضح طور پہ سنا کہ ''وہ تو یہیں پر ہیں''۔

معلوم ہوا آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے حضوری ہیں۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا حضوری وہی ہو سکتا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں خود کو فنا کر دیا ہو۔

---

(۱)۔ ایک اہم بات: حضور قبلۂ عالم کا اپنا فرمان ہے: 'جو فنا فی الشیخ ہو، وہ فنا فی الرّسول بھی ہوتا ہے، فنا فی اللہ و باقی باللہ بھی'۔ کیونکہ جب شیخ فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور باقی باللہ کی منزلوں پر فائز تو جسے اس نے 'من تُو شدم تُو من شدی' کے مصداق کر دیا ہو، اسے بھی یہ منازل طے کرا دیتا ہے۔ راقم کے نزدیک 'فنا فی الشیخ' کے بھی درجے ہیں۔ ہمارے حضور اِس مقام کے اُس انتہائی درجے پر متمکّن تھے جس سے پھر باقی کے مقامات جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ اور فنا فی الشیخ ہونے کے بعد ان درجات و منازل سے محرومی محال تھی۔

شیخ کریم کی محبت آپ کے لوں لوں میں رچ بس چکی تھی لیکن نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق جنون و دیوانگی کی حد تک تھا۔ اس 'محبت و عشق' میں خوبصورت توازن کی ایک جھلک دیکھئے:

موضع خانو وال/ پنڈوری میں ایک محفل میں جبکہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے فرزندِ اکبر صاحبزادہ پیر سیّد عابد حسین شاہ علیہ الرحمہ موجود تھے، ہمارے حضور نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پیر کی محبت ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے، تاہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و عشق اس سے بھی بڑھ کر لازم ہے۔ (پھر بڑے جوش کے ساتھ فرمانے لگے) میں اپنے پیر (زادے) کے سامنے برملا یہ بات کہتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ انہی کی تربیّت کا فیض ہے اور وہ یقیناً خوش ہوں گے کہ مجھے اپنے اس پیر (صاحبزادہ صاحب) سے از حد محبت ہے، لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان سے بھی زیادہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی پیر کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر غالب ہو) تو خدا کرے مجھے مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔'' (بتلخیص)

تبلیغِ دین اور اشاعت طریقہ:

'خلافت' کا اصل مقصود تبلیغِ دین ہے۔ بظاہر تبلیغ کے لیے تحصیلِ علم اور 'زورِ خطابت' یا 'زورِ قلم' کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں اور یوں 'خلافت و اجازت' کا یہ سلسلہ چنداں اہم محسوس نہیں ہوتا، مگر اہلِ طریقت کے ہاں یہی سب سے اہم چیز ہے۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے اندازِ تبلیغ میں خاص فرق ہے۔ اوّل الذکر 'اہلِ ظاہر' کا گروہ

ہے اور ان کی تبلیغ بھی 'ظاہر' سے شروع ہوتی ہے۔ دوسرا گروہ 'اہلِ باطن' کا ہے اور ان کی تبلیغ 'باطن' سے ظاہر کی طرف آتی ہے۔ 'باطن' والے انسان کے اندر انقلاب لا کر اس کے جذبات و خیالات کی مکمل 'تطہیر' کا بندوبست پہلے کرتے ہیں پھر اسے 'تبلیغ' پر روانہ کرتے ہیں۔ قرآن بھی کردار کی تبلیغ کو مبلغ کیلئے شرطِ اوّلیں کا درجہ دیتا ہے، فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف۔ پ۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ کیسی ناپسند ہے اللہ کو یہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

دورِ حاضر میں عموماً تبلیغ کے بے اثر ہونے کا رونا رویا جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب یہ کام اکثر 'اللہ' سے نہیں 'تنخواہ' سے متعلق سمجھا جانے لگا ہے اور جسم و جاں پر 'خوفِ حق' کے بجائے 'خوفِ غیر حق' مسلّط ہو گیا ہے۔ جبکہ اس منصب کے زیادہ اہل وہ ہیں 'جو اللہ اکبر' سے لو لگا کر تمام عارضی قوتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور شہنشاہِ حقیقی کے فقیر بن کر دارا و جم کے جاہ و مال کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

المختصر! تبلیغ کے لیے حق گوئی کی ضرورت ہے اور اس کی بنیاد ہے تعمیر و تطہیرِ کردار۔ اولیائے کرام، خلافت یا اجازتِ تبلیغ اسی کو دیتے ہیں جس کے کردار کی اصلاح و تکمیل ہو جائے۔ مگر تبلیغ کے لیے حق گوئی کے علاوہ 'حکمت' بھی ضروری ہے، قرآن فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (النحل۔ پ۱۴)

یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

حکمت اور موعظۃ الحسنۃ سے کیا مراد ہے؟ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اس کی تشریح میں فرماتے تھے کہ 'میرے نزدیک حکمت یہ ہے کہ ماحول کا خوب جائزہ لے کر حسنِ تدبیر کے ساتھ تبلیغ کی راہ متعین کی جائے اور اچھی نصیحت (موعظۃ الحسنۃ) سے مراد ایک مناسب طرزِ گفتگو ہے۔ بقولِ اقبال:

نگہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

بعض حضرات عمل و تقویٰ کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ طبعاً درشت ہوتے ہیں ،حق گوئی کا جوش انہیں لوگوں کی پردہ دری پر اُکساتا ہے۔ چنانچہ ایسے مبلغ کا طرزِ بیاں بہت سے فتنوں کا موجب اور تعمیر کے بجائے تخریب کا پیش خیمہ بن جاتا ہے:

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

اصل بات یہ ہے کہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلاموں کو 'زحمت' کی بجائے 'رحمت' کا پیغام ہونا چاہیے۔ انہیں گالیاں سن کر دعائیں دینے[1] اور پتھر کھا کر پھول برسانے[2] کی سنت پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہونا چاہیے۔

اولیاءِ کرام نے کس طرح تبلیغ کی؟ ہر حالت میں کلمۂ حق کہہ کر..... بھوکوں کو کھانا کھلا کر ..... بیماروں کو شفایاب کر کے..... اہلِ حاجات کی حاجات پوری کر کے..... غربا و مساکین کی معاونت کر کے۔

ہمارے حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ کا اندازِ تبلیغ بھی یہی تھا۔ میخوار آتے رہے

..... جامِ معرفت کے نشے چڑھتے رہے..... زنگ اترتے رہے..... بگڑے سنورتے رہے..... مسجدیں بن رہی ہیں..... مدرسے تعمیر ہو رہے ہیں..... علم پھیل رہا ہے..... فیض لُٹ رہا ہے..... بیماروں کا علاج کیا جارہا ہے..... حاجتمندوں کی حاجتیں پوری ہو رہی ہیں..... بیواؤں کی مدد کی جارہی ہے..... غریبوں میں رشتہ داریاں قائم ہو رہی ہیں..... یتیم پالے جارہے ہیں..... لنگر جاری ہے..... تعویذ دیئے جارہے ہیں..... نامراد بامراد ہو کے جارہے ہیں..... پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں دور کی جاہی ہیں..... یہ ہے تبلیغ کا وہ اسلوب جو طریقت کا نچوڑ ہے۔

بقولِ شیخ سعدی:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
به تسبیح و سجّاده و دلق نیست

حضور خلقِ خدا کو راہِ حق کی طرف بلانے کے جذبے سے سرشار تھے اور دنیا کی کوئی مصلحت یا حالات کی کوئی تبدیلی آپ کے جوشِ تبلیغ میں حائل نہ ہو سکی۔ اور جوانی سے پیری تک تمام تر توانائیاں توحید کے انوار پھیلانے اور آوارگانِ کوئے ضلالت کو نورِ ہدایت سے منوّر کرنے میں صَرف کردیں۔ غلبۂ دینِ حق کی بحالی، احیائے دین، تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوّت اور نوجوانانِ ملک وملت کی اصلاحِ کردار کے لیے آپ نے ایک عظیم

[1] سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں

[2] ہیں دعائیں سنگِ دشمن کے عوض — کس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب

تنظیم 'شیرانِ اسلام' قائم کی جبکہ علمی وفکری جہاد کے لیے ماہنامہ 'الحقیقہ' کا اجراء فرمایا، جنہوں نے قلیل سے وقت میں عظیم الشان تبلیغی کارنامے سرانجام دیئے (تفصیل ایک علیٰحدہ عنوان کے تحت آگے آئے گی)۔

آپ کلمۂ حق کہنے میں نہایت بیباک تھے۔ اس کا ثبوت وہ اداریئے ہیں جو آپ نے ''مجلۃ الحقیقہ'' میں لکھے۔ سیاسی حکمرانوں اور چند نام نہاد مذہبی لیڈروں کے غلط کاموں پر ان کی سخت سرزنش کی۔ لوگوں نے کہا آپ زیرِ عتاب آسکتے ہیں، ڈرایا دھمکایا گیا، حملوں کی منصوبہ بندی بھی ہوئی لیکن اس مردِ قلندر کا ایمان افروز جواب یہ تھا:

''میری زندگی کے جو چند دن رہ گئے ہیں، (یہ بھی) رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کی عزّت وناموس کے لیے وقف کر چکا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کو ذبح کیا جارہا ہو اور میں بے غیرت بنا دیکھتا رہوں، ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے''۔

ایک مرتبہ آپ کے پیرزادے پیر سیّد عابد حسین شاہ صاحب (لالہ جی علیہ الرحمہ) سے لوگوں نے شکایت کی کہ جناب یہ وزیرِ اعظم کے خلاف (اس کی غلط حرکات پر) بہت سخت بولتے ہیں۔ لالہ جی علیہ الرحمہ نے فرمایا ''وہ مست (اللہ ورسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت میں گم) ہیں، کسی سے نہیں ڈرتے''۔ اور ڈرتے بھی کیوں؟ ان کا تعلق اس ولیٔ کامل کے ساتھ تھا جنہوں نے غیر خدا کا ڈر دل سے بالکل ختم فرما دیا تھا۔ اور لفظ 'مست' سے بھی لالہ جی علیہ الرحمہ کی مُراد یہی تھی، یعنی باطل سے بے خوف ہو کر اپنی دھن میں مگن (جو کہ خوفِ خدا اور حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کا لازمی نتیجہ ہے)۔

فخر العلماء حضرت ابوداؤد محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیرانہ سالی

میں آپ کے جہاد بالقلم کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

''مولانا موصوف (حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ) کی علمی وروحانی طاقت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ بظاہر اتنی کمزوری وضعیفی اور بیماری کے باوجود وہ رسالہ لکھتے وقت بالکل جوان نظر آتے ہیں۔ ماشاء اللہ نظم ونثر میں اتنے طویل مضامین لکھتے ہیں اور علمی وتاریخی دلائل وحوالہ جات کا ذخیرہ پیش کرتے ہوئے انہیں کوئی تھکن، رکاوٹ اور بیماری وکمزوری سدّ راہ نہیں ہوتی۔ بلاشبہ یہ ان کی روحانیت و کرامت ہے''۔

حضور کا یہ اعلائے کلمۃ الحق کا جذبہ آپ کی حیاتِ مقدسہ کے دورِ آخر ہی کا عنوانِ جلی نہیں بلکہ عنفوانِ شباب ہی سے حق کی سربلندی کا جنون غالب تھا جبکہ دشمنانِ دین وملت کے لیے یہ سب بارِ گراں تھا۔ چنانچہ بارہا ان کے انتقام کی زد میں آئے۔ مثلاً ۱۹۷۵ء میں شکر گڑھ میں ایک رافضی مجسٹریٹ متعین تھا۔ اسے آپ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ بظاہر وجہ یہ تھی کہ آپ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر اپنے مذہب کے مطابق کرتے تھے اور اسے یہ برداشت نہیں تھا۔ سوشلسٹ حضرات بھی اس کے اتحادی تھے۔ ان سب نے آپ کو تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ آپ نے رمضان المبارک کے ایک خطبۂ جمعہ میں تقویٰ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو عدل وانصاف کی عظمت بھی هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (یعنی عدل وانصاف سے زیادہ قریب ہے۔ سورہ مائدہ) کے الفاظ سے بیان فرمائی ہے اور حکم یہ ہے کہ کسی قوم کی

دشمنی تمہیں ہرگز بے انصافی کا مجرم نہ بنادے۔ آج ہم عدل و انصاف کی بجائے برادری، پیشہ یا کوئی اور ایسا تعلق ملحوظ رکھتے ہیں۔ کوئی راجپوت برا کرے تو راجپوت اس کا ساتھ دیں گے، گوجر گناہ کرے تو باقی گوجر اس کی حمایت کریں گے، استاد غلطی پر ہو تو اساتذہ اسے ٹوکنے کی بجائے اس کے ہمنوا بن جائیں گے اور وکیل غلط کرے تو وکلا اس کی وکالت کریں گے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے''۔

مقدمہ بنانے والوں نے یہ گھڑ لیا کہ سب جج حرام کھاتے ہیں اور سب وکیل جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی منصوبہ بنایا کہ عین خطابِ جمعہ کے وقت پیشی کے لیے دستخط کرائے جائیں۔ تاکہ غصے میں آکر آپ سخت الفاظ کہیں جو قانون کی زد میں آتے ہوں اور پھر نیا مقدمہ بنایا جائے۔ لیکن ہوا یوں کہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے کسی کام کے لیے آپ کو لاہور بھیج دیا جبکہ خطبۂ جمعہ کے لیے انہوں نے اپنے ایک اور مرید ڈاکٹر محمد ادریس اللہ بھٹی کی ڈیوٹی لگادی۔ اس طرح پہلی سازش تو یوں ناکام ہوئی۔ دو تین دن کے بعد آپ کی واپسی ہوئی تو صورتحال سے آگاہی ہوئی۔ شیخِ کریم علیہ الرحمہ سے دعا کرائی۔ ارشاد ہوا، 'انشاء اللہ ٹھیک ہوگا'۔ اپنے دعویٰ میں مخالفین نے آپ کے خطابِ جمعہ کی جو تاریخ لکھی تھی، غلط تھی۔ مجسٹریٹ نے اپنے انصاف کا ڈھونگ رچاتے ہوئے اس مقدمے کو خارج کر دیا۔ اب آپس کے صلاح مشورے سے انہوں نے دوہرا اور دوسرا مقدمہ تیار کیا۔ یعنی ایک اسی مجسٹریٹ کے پاس اور ایک جج صاحب کے ہاں۔ انہوں نے تو پہلی تاریخ پر ہی خارج کر دیا، مجسٹریٹ چونکہ بدلہ لینا چاہتا تھا اس لیے اس

نے مقدمہ جاری رکھا۔ مقدمہ دائر کرنے والا بھی وکیل تھا اور اس کا حمایتی ایک اور وکیل تھا۔ دوسرے وکیل کے کاغذات جعلی ثابت ہوئے اور اس کی وکالت خلافِ قانون قرار دی گئی۔ (پھر دوبارہ دو تین سال کے بعد وہ کہیں امتحان پاس کر کے کہیں چھوٹا موٹا اٹارنی بنا) کچھ عرصہ بعد مجسٹریٹ کے بھی بعض اختیارات سلب کر لیے گئے۔

قابلِ ذکر بات یہی ہے کہ ایک شخص جو چند سال سے بے خوف و خطر وکیل بنا ہوا ہے اور اس کے وہم و گمان میں بھی پکڑے جانے کا خدشہ نہیں تھا، آخر اچانک ایسا کیوں ہوا، خواجہ حافظ شیراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ درافتاد، برافتاد

ترجمہ: انہی دنوں آپ سکول سے کالج پہنچ گئے۔ ایک ہی وقت یہ ترقی اور وہ تنزل سامانِ حیرت ہے۔ چوہدری سکندر حیات پروفیسر ٹریننگ کالج لاہور کہا کرتے تھے کہ یہ Promotion (ترقی) اور Demotion (تنزل) یقیناً عجیب ہے۔

عمرِ عزیز کے آخری چند سال بوجہ علالت کہیں آنا جانا اگرچہ محدود تھا، تاہم پھر بھی آستانہ عالیہ سے نکل کر ایسی جگہ ضرور تشریف لے جاتے جہاں آپ محسوس کرتے کہ میرے جانے سے لوگوں کے ایمان بچیں گے۔ ان کے عقیدوں میں پختگی آئے گی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس سفر کے باعث کئی روز آپ کی طبیعتِ مبارکہ ناساز رہتی۔ ڈاکٹرز چیخ اٹھتے کہ حضور آرام فرمائیں ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کا جواب ہوتا:

رسول اللہ ﷺ توں صدقے جان میری

ایہہ فانی زندگی قربان میری

حضور کے ان تبلیغی دوروں کے اثرات آج تک نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جن دیہات میں حضور کا پھیرا تھا، آج بھی وہاں وہ لوگ نظر آتے ہیں جن پر شریعتِ حقہ کا گہرا رنگ چھایا ہوا ہے۔ گویا

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
ابھی اِس راہ سے کوئی گیا ہے

آپ کا کلام دلنشین اور خطاب دلنواز ہوتا تھا۔ علمی وفکری مشکلات میں اُلجھے ہوئے ذہن آپ کو دیکھ کر پُکار اُٹھتے تھے:

اے لقائے تُو جواب ہر سوال
مُشکل از تو حل شَوَد بے قیل و قال

اور اگر کوئی بات آپ سے سن پاتے تو گویا عین الیقین کی سی کیفیت ہوتی۔

حضور قبلہ عالم قدس سرہ کی صحبتِ بابرکت کا شرف پانے والے سیدھے سادے لوگ بھی بعض دفعہ ایسی ایسی دقیق باتیں کرتے ہیں کہ علماء وفضلاء تک انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ مثلاً محمد سرور صاحب (موضع کسراج) شعبہ ٹرانسپوٹ سے منسلک سخت دنیادار اور سفید اَن پڑھ آدمی تھے۔ حضور کی غلامی میں آنے کے بعد چہرہ سُنّتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے بھی روشن ہو گیا اور نمازِ پنجگانہ ہی نہیں تہجد کے بھی پابند ہو گئے۔ نیز زُہد و تقویٰ یہاں تک بڑھا کہ سخت گرمیوں میں بھی روزے رکھتے۔ اپنے شیخ کی غلامی و صحبت کی بدولت ایسا خدا کا کرم تھا کہ اپنے سیدھے سادے انداز میں اختلافی مسائل پر گفتگو کرتے تو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور مولوی حضرات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے:

نہیں فقر وسلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپاہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

المختصر! حضور کی خدمتِ اقدس میں کثرت سے حاضری دینے والے اور مستقل رہنے والے درویشوں کی یہ صورتحال تھی کہ آپ کے طرزِ عمل اور تعلیم سے شریعتِ مطہرہ سے خاصی واقفیت حاصل کر لیتے اور عام مولویوں سے زیادہ فہمِ دین رکھتے اور مسائلِ شریعہ سے آگاہ ہوتے تھے۔

اس مستیٔ نگاہ سے مخمور ہونے والے ایک دو نہیں، ہزاروں کی تعداد میں ہیں کوئی کس کس کا نام گنوائے اور متعدد ایسے بھی ہیں جن کا اس خادمِ بارگاہ کو علم نہیں، بہر حال ان سب نے اپنے اپنے حلقے کے اندر قابلِ تحسین دینی کاوشیں کیں اور لاتعداد کو ایمان ویقین سے وابستہ کیا۔

سیدی ومرشدی حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ تبلیغ کے معاملے میں شہر ہوں یا دیہات، ملک کے طول وعرض کو یکساں فیضیاب کرتے رہے بلکہ بیرونِ ملک بھی آپ کے فیض کی کرنیں پہنچیں۔ مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی مختصر حاضری کے دوران عظیم الشان تبلیغی فتوحات میسر آئیں۔ اسی طرح امریکہ، سپین، ڈنمارک، جرمنی، انڈیا، برطانیہ، لیبیا، تاجکستان، ترکی اور متعدد دیگر ممالک میں آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ اور مُریدین نے بہتیرے دینی کارنامے سرانجام دیئے۔

حضور علیہ الرحمہ کی تبلیغ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ حاضرِ بارگاہ ہونے والے کو اس کی ضرورت کے مطابق خود کوئی کتاب عطا فرما دیتے۔ بعض دفعہ لینے والے خود بھی اس کی ضرورت وحکمت سے پوری طرح آگاہ نہ ہوتے۔

مثلاً ایک مرتبہ اس عاجز کو جبکہ یہ طالبعلم تھا اور چند روز ہوئے حاضری کا آغاز ہوا تھا حضور نے دو سو روپیہ عطا فرمایا اور حکم دیا کہ لاثانی بک سنٹر شکر گڑھ پہ جا کر 'جاء الحق' لے کر مطالعہ کرو۔ کتاب تو کوئی بھی لی جا سکتی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اسی کا حکم قدرے تعجب کا موجب تھا۔ بعد میں یہ صورت بنی کہ کثرت کے ساتھ غیر مقلدین اور دیوبند حضرات سے نوک جھونک شروع ہوگئی۔ تب یہی کتاب اور اس طرز کی دیگر عطا کردہ کتب ہی نے ہر موقعہ پر ان کو شرمسار کرنے میں مدد دی۔ اور ایک مخصوص کتاب کے مطالعے کی حکمت واضح ہوگئی۔ یونہی وقتاً فوقتاً مریدین ومتوسلین میں ان کے حسب حال کتب کی تقسیم کا سلسلہ جاری رہتا۔

یہ بات پہلے بھی بیان کر دی گئی ہے کہ حضور قبلۂ عالم قدس سرہ کو اپنے مرشدِ ذی وقار حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی طرف سے تمام سلاسل میں بیعت لینے کی اجازت تھی مگر آپ نے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اور اپنے دوسرے مشائخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے زیادہ رواج سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو دیا۔ تاہم وہ لوگ جن کو دیگر سلاسل سے طبعی مناسبت ہوتی وہ بھی درِ اقدس سے محروم نہ لوٹتے۔ وہ حضرات جو کسی بھی الجھن سے دوچار ہوتے قبلۂ عالم قدس سرہ کی ایک نگاہِ کرم سے فیض پا جاتے۔ آپ کی بدولت ہزاروں کی تعداد میں خلقِ خدا طریقہ نقشبندیہ میں داخل ہوئی۔ اس طریق میں مخلوق میں رہ کر خالق کی طرف متوجہ ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔ 'افشا' کی 'بجائے'، 'اخفا' کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے حقوق العباد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ رب العباد کی رضا حاصل کرنے کی تلقین کی جاتی ہے یعنی 'ہتھ کار وَل، دل یار وَل' چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا تربیت یافتہ غلام اپنی عبادت کی کثرت اور زہد کی فراوانی کے باوجود

اس کا اعلان نہیں کرتا یا اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ نظروں سے اسے چھپاتا ہے اور دنیا میں ایک عام شخص کی مانند رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔

آپ کا فیضان محض مریدین تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دیگر آستانوں کے وابستگان نیز اور مشائخ کے متعلقین بھی آپ کے فیضانِ روحانی وفکری سے محروم نہ رہتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے (قبلہ پیر سید عابد حسین شاہ علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے):

''ہم میں تعصب نہیں ہے۔ ہم چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی سب کو مانتے ہیں۔ کوئی شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کے بارے میں بکواس کرے اور ایک سہروردی چپ رہے، ہم جواب دیں تو اصل سہروردی وہ نہیں ہم ہیں۔ کوئی بد بخت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کے بارے میں کچھ کہے اور چشتی کو غصہ نہ آئے اور ہمیں آئے تو اصل چشتی وہ نہیں ہم ہیں''۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ بحیثیت پیرِ کامل

پیرِ کامل وہ ہے جو اپنے مریدوں کے ظاہری و باطنی احوال سے باخبر رہے تاکہ ان کی روحانی تربیت کر سکے۔ خود ہمارے آقائے ممدوح علیہ الرحمہ کا اس ضمن میں مؤقف یہ تھا کہ مرید کتنی ہی مسافت پہ کیوں نہ ہو، اگر پیر اس کے احوال سے آگاہ نہیں ہو سکتا تو اسے مرید کا ہاتھ پکڑنا یعنی بیعت کرنا حرام ہے۔ آپ حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ فرمان بھی سنایا کرتے تھے:

''پیر مشرق میں اور مرید مغرب میں بھی کیوں نہ ہو، اگر پیر کو مرید

کے احوال سے آگاہی نہیں تو ایسے پیر کو مرید کا ہاتھ پکڑنا حرام ہے
بلکہ وہ پیر میدانِ محشر میں شرمندہ اٹھے گا"۔

جب حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ خلافت سے سرفراز ہوئے، جلد ہی آپ کے فیضانِ عام کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا، اور علم وعرفان کے پیاسے جوق در جوق حاضرِ خدمت ہونے لگے۔ اتنے کثیر مریدین کو توجہ دینا آسان نہیں۔ پھر وہ لوگ جو سینکڑوں میل دور سکونت پذیر ہیں، اُن کا خیال رکھنا بھی مُشکل ہے بلکہ عقل کی رُو سے تو واقعی اِک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا' لیکن اُن کے نزدیک یہ ہرگز معمہ نہیں جنھیں معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندۂ مقرب اُسی کے نُور سے دیکھتا، اُسی کے نُور سے سنتا اور اُسی کے نُور سے پکڑتا ہے۔ بندۂ مومن کی جسمانیت محدود سہی مگر روحانیت محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کو گھیر لیتی ہے۔ بقول مولائے روم رحمۃ القیوم:

ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ　　　با طنش آمد محیطِ ہفت چرخ

یعنی انسان کی ظاہری صورت کو تو ایک مچھر بھی چکرا دیتا ہے مگر اس کی باطنی حقیقت آسمانوں کو محیط ہے۔

اور مومن وکافر میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ کافر بشریّت کے ظاہر تک رہ جاتا ہے اور اسے حقیقتِ آدمیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، جبکہ بندۂ مومن انسانِ کامل ہونے کے سبب اپنی باطنی عظمت سے بھی مشرّف ہوتا ہے۔ بقول اقبال:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہیں آفاق

اور مولانا روم کا یہ شعر بھی حقیقتِ حال پہ دال ہے:-

پس بصورت عالمِ اصغر توئی
پس بمعنیٰ عالمِ اکبر توئی

یعنی اے انسان! صورت میں تو تُو عالمِ اصغر ہے مگر حقیقت میں عالمِ اکبر (بڑی دُنیا) ہے۔

خود آپ کی صورتحال یہ تھی کہ جس نے اور جہاں سے بھی پکارا، آپ امداد کے لیے پہنچے اور چارہ سازی فرمائی، چنانچہ ملاحظہ ہو:

محمد امین صاحب (نقشِ لاثانی نگر) روایت کرتے ہیں کہ "میرے ماموں نے رمضان میں تقریباً دس ہزار روپے اور دیگر قیمتی سامان بھیجا کہ بھٹلی (ڈیلرہ سے آگے چتر اور چتر سے آگے بھٹلی) جا کر نانا جان کو دے آؤں۔ اجازت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے سمجھایا کہ دیر ہوگئی ہے صبح چلے جانا۔ میں نے اصرار کیا کہ حضور شام سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ آخر آپ نے فرمایا "اپنی مرضی کرلو" میں اس بات کو اجازت سمجھ کر چل دیا۔ چتر اور بھٹلی کے درمیان ایک نالہ ہے اس نالے کے پاس جب پہنچا تو شام ہوگئی تھی۔ اس نالے کے پاس چند افراد تھے، ایک نے رکنے کا کہا لیکن میں نہ رکا اس نے پستول نکال کر سختی سے رکنے کا کہا۔ میں واپس مڑ کر دوڑ لگانے کو تھا۔ اسی اثنا میں حضور مفکرِ اسلام کو یاد کیا اور آپ کا تلقین کردہ وظیفہ 'یا قبلۂ عالم حضور نقشِ لاثانی شیئاً للہ' پڑھا۔ چنانچہ شیخ کی امداد آ پہنچی اور ابھی ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ ڈیڑھ کلومیٹر دور پہنچ گیا اور میرا یقین پختہ ہوگیا کہ اولیاء اللہ فریاد رسی کرتے ہیں۔

ایک طالبہ جو کہ رشید پورہ تحصیل شکرگڑھ کی رہائشی تھی اور جس کا ایک ماں کے سوا کوئی نہ تھا اور ماں بیٹی کا گزارا ایک عدد گائے کا دودھ بیچ کر ہوتا تھا۔ ایک دن روتی

ہوئی آئی اور اس عاجز کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کی والدہ عرصہ دراز سے بیمار تھی اور اب ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ چنانچہ راقم الحروف حضور کی بارگاہ میں رنجیدہ صورت حاضر ہوا۔ آپ بظاہر محوِ خواب تھے، لیکن میرے آنے پر یکدم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کیا ہوا، کیوں پریشان ہو؟ حالانکہ چشمِ ظاہر سے ابھی تک آپ نے میری طرف نہیں دیکھا تھا، میں نے صورت حال عرض کی کہ "حضور ایک بچی جس کا ماں کے سوا کوئی نہیں اب اس کی یہ ماں آخری سانس لے رہی ہے" آپ نے فرمایا "ابھی ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ۔ آیاتِ شفا پانی میں گھول کر پلادو" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پورا محلہ جو کہ اس مائی کا آخری دم سمجھ کر وہاں اکٹھا تھا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مائی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تمام بیماریاں بھی ختم ہوگئیں۔ اب بھی وہ مائی، جبکہ اس واقعے کو کئی سال ہو چکے ہیں جوانوں سے تیز رفتاری سے چلتی ہے۔

سجاول صاحب (پگالہ موڑ) بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھیں یکدم خراب ہو گئیں۔ ڈراپس ڈالے لیکن کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا کہ نظر کم ہوگئی ہے۔ کچھ پڑھنے لگا تو الفاظ صحیح دکھائی نہ دیئے۔ کہنے لگے کہ میں پریشان ہوا، لیکن تسلی بھی تھی کہ مرشدِ گرامی کے ہوتے فکر کیسی۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا مغرب کی نماز سے ذرا قبل جب کہ آپ صف پر تشریف فرما تھے۔ میں آپ کے عقب میں جا بیٹھا۔ آپ نے صف پر سے تنکے چننا شروع کر دیئے۔ سجاول صاحب کے بقول میں نے آپ سے وہ تنکے لے کر ایک طرف ڈال دیئے پھر میں بھی آپ کی تقلید میں تنکے اکٹھے کرنے لگا، یکا یک محسوس ہوا کہ میری نظر ٹھیک ہو رہی ہے اور پھر وہیں شیخِ کامل کی بارگاہ میں بیٹھے بیٹھے نظر ٹھیک ہونا شروع ہوگئی اور چند لمحوں بعد میں نے محسوس کیا کہ میں مکمّل ٹھیک ہو چکا ہوں۔ یوں میرا

اعتقاد رنگ لایا اور پیرِ کامل نے اللہ کے فضل سے دستگیری کی۔

راقم الحروف کی والدہ اس کی ملازمت اور دیگر وجوہات کی بنا پر نہایت پریشان تھیں (یہ واقعہ آپ کی وفات کے بعد کا ہے)۔ حضور مفکرِ اسلام خواب میں تشریف لائے، تسلی دی اور فرمایا، "کوئی کم ساڈے لئی وی رہن دیا کرو" والدہ کی پریشانی دور ہوگئی۔ بعد ازاں ملازمت بھی مل گئی۔

وہ اصحاب جو ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دے کر چلے جاتے حضور عرصۂ دراز کے بعد ملنے پر بھی انہیں پہچان لیتے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شبیر صاحب (امرال) جو کہ آپ کے مرید ہیں، آپ سے بیعت تو ہوگئے لیکن شامتِ اعمال کہ کئی سال حاضرِ بارگاہ نہ ہو سکے۔ پھر کسی رشتہ دار کے کہنے پر ایک جعلی پیر کے دامِ فریب میں پھنسے رہے۔ تاہم جلد ہی اس کی حقیقت کا علم ہو گیا۔ کافی عرصے کے بعد حضرت صاحب کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی آپ فرمانے لگے "آ گئے ہو جگہ جگہ پھر کر"۔ گویا:

لجپال پریت نوں توڑ دے نئیں
جدی بانہہ پھڑ لین اونہوں چھوڑ دے نئیں

وہ متوسّلین جو بیرونِ ملک ملازمت یا کاروبار کی غرض سے ہوتے، آپ کی اعانت ان کے بھی شاملِ حال ہوتی۔ محمد توقیر صاحب (نقشِ لاثانی نگر حال لاہور) کوریا میں رہتے ہوئے بھی کثرت کے ساتھ آپ کی زیارت، مشکلات میں تسلّی و تشفّی اور مصائب میں امداد سے مستفید ہوتے رہے۔ حاجی عبدالرّزاق صاحب (ڈسکہ) کو لیبیا، عرفان صفدر (نارووال) کو دبئی اور سینکڑوں متعلقین کو غیر ممالک میں

آپ کے لُطف وکرم کے مشاہدے ہوئے۔

ان واقعات کے علاوہ سینکڑوں مزید پیش کیے جاسکتے ہیں جن سے آپ کے کامل واکمل پیر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے مریدین ومتوسّلین کی طرف توجّہ اس قدر تھی کہ فاصلے کی کمی بیشی آپ کے لُطفِ عمیم میں کبھی حائل نہ ہو سکی، بمصداق

گھر دِل میں ہے یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر
مشرق میں بسایا ہو کہ مغرب میں بنایا

چند باکمال شخصیات کا اعترافِ کمال

علامہ ڈاکٹر رضاء الدین صدیقی صاحب کا بیان: علامہ ڈاکٹر رضاء الدین صدیقی صاحب (ڈائریکٹر ادارہ 'زاویہ'۔ لاہور) دنیائے علم وتحقیق میں عالمِ اسلام کی ایک نامور اورقد آور شخصیت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے دفتر میں ایک بڑے ہی صاحبِ کمال بزرگ کبھی کبھار تشریف لایا کرتے تھے۔ سب انہیں میاں جی کہتے تھے اور بڑی ہی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک دن قبلہ آسی صاحب ہمارے دفتر میں تشریف فرما تھے تو وہ بھی نمودار ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آسی صاحب تیزی سے اٹھے اور آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی دست بوسی کی، حالانکہ پہلے ان کا آپس میں کوئی تعارف نہیں تھا۔ دونوں شخصیات کچھ دیر بیٹھ کر ایک دوسرے سے گفتگو کرتی رہیں۔ پھر میاں جی جانے لگے تو آسی صاحب بہت تعظیم کے ساتھ ان کو رخصت کرنے لگے۔ میاں جی نے جاتے جاتے ہمیں کہا: ''یہ درویش

لوگ بڑی عاجزی دکھاتے ہیں اور دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ آسی صاحب کا اپنا مقام کیا ہے۔ انہوں نے میری بڑی تکریم کی ہے تو کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، یہ جس مقام پر ہیں میں بیان کرنے سے عاجز ہوں''۔ ولی را ولی مے شناسد

ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب کا مکاشفہ: ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب (لاہور) (جن کا ذکر زیرِ نظر تصنیف میں متعدّد مقامات پر آیا ہے) فرماتے ہیں کہ میں حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ آپ نے اپنی قمیص مبارک تھوڑی دیر کے لیے اُتاری۔ میں نے آپ کی پشت مبارک پر 'مہرِ ولایت' دیکھ لی اور تا دیر یہ نظارہ کرتا رہا۔ آپ نے میرے انہماک ومحویّت کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، کیا دیکھ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا، 'حضور دیکھ رہا ہوں کہ چاروں سلاسل میں 'اجازت' ہے آپ کو'۔

ایک اور صاحبِ کشف کا اظہارِ حقیقت: شکر گڑھ میں ایک صاحبِ کشف بزرگ ''پھلاں والی سرکار'' کے نام سے مشہور تھے۔ شہر سے نکلتے ہی واقع نہر کے کنارے اکثر ان کو دیکھا جاتا تھا۔ ان کے احوال نہایت عجیب تھے۔ کیا پڑھے لکھے اور کیا اَن پڑھ، سبھی اُن کی پُر اسرار باتوں اور کرامات ومکاشفات سے حیران ومتاثر تھے۔ چودھری گلزار احمد صاحب (ایس ڈی او واپڈا۔ شکر گڑھ) کے ہاں پیر سیّد عابد حسین شاہ صاحب نقشہ' نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز گاہے بگاہے قدم رنجہ فرماتے تھے۔ اور حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہ العزیز نے تو ان کی درخواست پر چند سال، دن کا ایک حصّہ بسلسلہ تصنیف وتحقیق

ان کے ہاں گذارا ہے۔ چودھری صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی یہ دونوں مقدس ہستیاں میرے گھر رونق افروز ہوتیں تو ایک مخصوص کمرے میں مخصوص جگہ پر تشریف فرما ہوتیں۔ 'پھُلاں والی سرکار' ایک مرتبہ تشریف لائے تو میں نے چاہا کہ انہیں بھی اسی مخصوص جگہ پر بٹھاؤں۔ تاہم وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک طرف بیٹھ گئے۔ میں نے وہاں بیٹھنے پہ اصرار کیا تو کہنے لگے:

''مروانا ہے مجھے کیا؟ یہاں تو بڑے بڑے لوگ آرام فرما ہوتے ہیں''۔

محض قمیض مبارک دیکھ کر۔۔۔: خان عبدالرؤف خان صاحب (شکرگڑھ) کا بیان ہے کہ حضور کی طبیعت مبارکہ ناساز تھی۔ آپ لاہور تشریف لے گئے، یہاں محمود صاحب کے ہاں قیام تھا۔ آپ نے طبیعت بوجھل ہونے کی شکایت کی۔ میں ذاتی طور پہ کالی کوٹھی سٹاپ سمن آباد کے ایک بزرگ شخص کو جانتا تھا جو روحانیت میں خاصا کمال اور شہرت رکھتے تھے۔ میں نے اپنے ذوق کے تحت آپ کی قمیض مبارک لی اور اس شخص کے پاس پہنچ کر ان صاحب کے سامنے رکھ دی۔ وہ بغور مشاہدہ کرنے کے بعد گویا ہوئے: 'یہ کسی بہت بزرگ آدمی کی قمیض (مبارک) معلوم ہوتی ہے، اور بہت دنیا ان کی طرف ملتفت ہے۔'

مقامِ قطبیت وغوثیت

اولیاء اللہ کے درجے بے انتہا ہیں۔ ولایت کی تین صورتیں ہیں۔ فطری، وہبی، کسبی۔ جو لوگ مادر زاد ولی ہوں وہ ولایتِ فطری پر ہیں۔ جیسے حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز اور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی۔ ولایتِ وہبی وہ جو کسی اللہ

والے کی نظر کرم سے حاصل ہو، جیسے حضور غوثِ پاک نے چور کو قطب بنا دیا تھا۔ اور ولایتِ کسبی وہ جو اپنی محنت اور عبادات وغیرہ سے حاصل ہو۔ تاہم ولایت کسبی سے ولایتِ وہبی وفطری افضل ہیں۔

مشکوٰۃ شریف باب ذکر الیمن والشام میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ شام میں ہمیشہ چالیس ابدال رہیں گے جن کی برکت سے زمین والوں پر بارشیں ہوں گی۔ اس کی شرح 'مرقاۃ' میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ تین سو اولیاء حضرت آدم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر رہیں گے اور چالیس موسیٰ علیہ السلام کے اور سات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم پر ہوں گے اور پانچ وہ رہیں گے جن کے قلب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہوں گے اور تین حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر اور ایک حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر رہے گا۔ جب اس ایک کا انتقال ہوگا تو ان تین میں سے کوئی اس کی جگہ قائم ہوگا۔ اور ان تین کی کمی ان پانچ میں سے اور پانچ کی کمی سات میں سے اور سات کی کمی چالیس میں سے اور چالیس کی کمی تین سو سے پوری کی جائے گی اور تین سو کی کمی عام مسلمانوں سے پوری کی جائے گی۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ ابدال چالیس ہیں' اوتاد سات' خلفاء تین' قطب عالم (غوث) ایک۔ قطبِ عالم کو سوائے ان تین خلفاء کے کوئی نہیں پہچانتا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ قطب سے مرکزِ عالم قائم ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں، داہنا اور بایاں۔ داہنا وزیر عالمِ ارواح کی اور بایاں عالمِ اجسام کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کے ماتحت چار اوتاد ہیں جو مشرق ومغرب، جنوب وشمال کے

محافظ ہیں اور سات ابدال اقالیم سبع (سات ولایتوں کے محافظ)۔ تفسیر روح البیان میں سورہ مائدہ کی آیت وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا کے تحت لکھا ہے کہ قطب کی وفات کے بعد اس کا بایاں وزیر اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور داہنا بایاں بن جاتا ہے اور نیچے سے کسی کو ترقی دے کر داہنا وزیر بنا دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں داہنا بائیں سے افضل ہے۔ اسی صوفیانہ نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَاَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَمَا اَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ ۔ صوفیا دونوں ''ما'' کو ما نافیہ گردانتے ہیں۔ بایاں وزیر جلالی اور اہلِ فنا میں سے ہے۔ داہنا وزیر جمالی اور اہلِ بقا میں سے ہے۔ (روح البیان)

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا 'زماں' اور 'مکاں' اور (اقبال)

مذکورہ بالا اولیاء اللہ اہلِ خدمت ہیں جنہیں تکوینی ولی کہتے ہیں اور ان کے ذمہ دنیاوی انتظام ہیں۔ دیگر اولیاء اللہ احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ بعض ولی خود اپنی ولایت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

یہ بات ابتداءِ کتاب میں بیان ہو چکی ہے کہ قبلہ و کعبہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ مادرزاد ولی تھے یعنی ولایتِ فطری سے سرفراز کیے گئے تھے۔ آپ کے بچپن اور لڑکپن کے احوال اس پہ شاہد ہیں۔ یونہی آپ کو مقامِ قطبیت و غوثیت بھی عطا کیا گیا تھا۔ اس حقیقت کی مؤید و موافق یہ روایات ہیں:

☆ ۔۔۔ علامہ ڈاکٹر رضاء الدین صدیقی صاحب فرماتے ہیں:

''میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے پاس کچھ علوم ہیں۔ مجھے

انہوں نے بتایا کہ جو اقطاب ہوا کرتے ہیں، ان کی فلاں انگلی پر اس طرح کا نشان ہوتا ہے۔ (پوچھنے پر علامہ صاحب نے اس نشان کے بارے میں نہیں بتایا اور اخفا سے کام لیا)۔ اور میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ آسی صاحب کے ہاتھوں پر وہ نشان موجود تھے۔ مطلب یہ کہ وہ اقطابِ وقت (قطب الاقطاب) بھی تھے۔ اس بات کا میں نے کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا''۔

☆ ۔۔۔ ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب جو حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ کے فیضِ نگاہ کی منہ بولتی تصویر نیز سلسلہ چشتیہ صابریہ میں پیر صوفی حشمت علی چشتی صابری سے صاحبِ اجازت باصفا درویش ہیں، فرماتے ہیں کہ لاہور میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ جناب محمود صاحب کے ہاں رونق افروز تھے۔ میں زیارت کے لیے حاضرِ بارگاہ ہو گیا، پھر واپس گھر آیا تو حضور کی اپنے گھر میں زیارت کی اور آپ مجھے لباسِ غوثیت میں ملبوس نظر آئے۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے غوث اور قطبِ مدار ہونے میں مجھے ذرّہ بھر بھی شبہ نہیں۔

☆ ۔۔۔ مولانا غلام مرشد صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ تاحدِّ نظر سبزہ زار ہے اور درمیان میں ایک خوبصورت سرسبز پہاڑی پر بہت بڑی تعداد میں لوگ موجود ہیں۔ سارا منظر نہایت وجد آفریں اور بارعب ہے۔ یہاں حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ خطاب فرماتے ہیں اور تاحدِّ نظر دنیا بالکل ساکت، توجہ سے خطاب سنتی ہے۔ آپ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے مقام کے بارے میں کچھ جملے ارشاد فرماتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعلان فرماتے ہیں کہ ''ہم انہیں زمانے کا قطب (غوث) بناتے ہیں''۔ بس پھر کیا تھا، ساری دنیا حضور کی طرف دوڑتی ہے اور دست بوسی اور قدم بوسی میں سبقت لے

جانے کے لیے زبردست دھکم پیل ہوتی ہے۔ مولانا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ آپ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔ اس وقت آپ نے زیادہ بات نہیں کی۔ تاہم اگلے روز کئی افراد کی موجودگی میں فرمایا کہ "آج بھی حضور نقشِ لاثانی کی حکومت ہے اور جو قطب بنتا ہے آپ ہی کی توجہ و تصرّف سے بنتا ہے"۔ (جون ۱۹۹۹ء)

☆۔۔۔ جناب ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب آغازِ شباب میں ہی حضور کے دامنِ رحمت کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ حضور نے بھی ان کے دل کو صاف پا کر خوب نوازا۔ ۲۰ جولائی ۲۰۰۰ء کو حزب الاحناف لاہور میں عرسِ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ کی تقریب (محفل) جاری تھی۔ نمازِ عصر کے وقت یاسر صاحب چند دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ نماز ادا کرنے کے بعد مراقبہ کیا تو حضور مفکرِ اسلام تشریف لے آئے۔ پھر آنِ واحد میں (حالتِ مراقبہ میں ہی) مجھے ہمراہ لے کر دربارِ حضور نقشِ لاثانی پہنچ گئے۔ یہاں فرمایا کہ مانگ لو جو کچھ مانگنا ہے۔ میں نے جلدی جلدی معروضات پیش کرنا شروع کر دیں۔ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے قبر پاک سے آواز دی، "تمہیں زمانے کا غوث دے دیا ہے، اب اور کیا مانگتے ہو"۔ اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔

ایسے متعدد واقعات آپ کے دورِ ظاہری میں رونما ہوئے اور تا حال اہلِ دل مزید دیکھ رہے ہیں۔ بعض کو بعض وجوہات کی بنا پر نظر قارئین نہیں کیا گیا۔

لقب "حضور مفکرِ اسلام":

حضور قبلۂ عالم دورِ حاضر میں اسلام اور اہلِ اسلام کی صورتحال دیکھ کر تڑپتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر ہی کے ذریعے نہیں بلکہ ملک کے طول و عرض میں

تبلیغی دورے کر کے اسلام کی سربلندی اور اہلِ اسلام کی فکری و اخلاقی پختگی کے لیے بہترین صلاحیتیں وقف کر دیں۔ ان نوجوانوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کو دینِ اسلام سے نہ صرف صحیح طور پر آگاہ کیا بلکہ خدمتِ اسلام کے سلسلہ میں دن رات ایک کرنے پر تیار کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی حالتِ زار پر آپ کے اضطراب اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے ضمن میں آپ کی مساعئ جمیلہ پر شیخ الحدیث والتفسیر استاذ الاساتذہ علامہ احسان الحق صاحب فیصل آبادی علیہ الرحمہ (جو کہ مولانا عبدالرشید صاحب علیہ الرحمہ سمندری والوں اور بے شمار نامِ گرامی و عالی مرتبت شخصیات کے استاد تھے) نے ایک خط تحریر کر کے سب سے پہلے آپ کے لئے "مفکرِ اسلام" کا لقب استعمال کیا۔ بعد ازاں شیخ الحدیث علامہ ابو الفیض عبدالکریم ابدالوی چشتی رضوی علیہ الرحمہ (خانقاہ ڈوگراں) نے آپ کو "حضور مفکر اسلام" کہا اور پھر یہ لقب زبانِ زدِ عام ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 5

شرفِ حج وزیارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہ العزیز کو لڑکپن سے مکہ شریف اور مدینہ پاک کی حاضری کی تمنا تھی اور بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری کی تڑپ مدتوں سے قلب وروح کو گرما رہی تھیں۔

آخر وہ سعادت افروز دن بھی آ گیا جب مکہ معظّمہ سے ہو کر دربارِ شہنشاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں حاضری کا شرف میسر آیا اور وہ بھی شیخِ کریم کے جلو میں۔ مدینہ شریف کی نورانی فضاؤں میں پہنچ کر دل ایک انوکھے سکون وسرور سے آشنا ہوا۔ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی اشعار کا 'ورود' ہوتا رہتا۔ خصوصاً مواجہہ شریف میں حاضر ہوتے ہی بمشکل سلام کا ایک جملہ عرض کر پاتے کہ شعر ڈھلے ڈھلائے، ترشے تراشے از خود بارش کی صورت میں 'نازل' ہونے لگتے۔ آپ وہاں لکھنا خلافِ ادب سمجھتے

چنانچہ سلام کر کے چند گز کے فاصلے پر برآمدے میں بیٹھ کر جتنا یاد رہتا، لکھ لیتے۔ مثلاً ایک مرتبہ کے چند اشعار:

؎ یہ ہے مزار اس شہِ عالی تبار کا
ہر ذرّہ جانِ عرش ہے جس کے مزار کا
دن رات آ رہے ہیں یہاں بن کے مجرئی
کیا کام ورنہ گردشِ لیل ونہار کا
اب ہم ہیں اور صبحِ مدینہ کی تابشیں
یہ حسنِ اختتام ہے اک انتظار کا

یونہی ایک دن مولٰینا منظور احمد صاحب (اگوکی) اور جموں وکشمیر سے تعلق رکھنے والے مولوی احمد دین نامی بواب سے مسجد نبوی کے ایک دروازے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ نعت شروع ہوگئی:

؎ دربانِ نبی میں تری عظمت کے تصدّق
جبریل بھی دربان ہے محبوبِ خدا کا

اور پھر اگلے پچھلے اشعار کے ساتھ مل کر نعت بن گئی۔ ان دنوں سے متعلق ایک نہایت ایمان افروز بات آپ سنایا کرتے تھے:

"غور وفکر کے بغیر نعت کا یہ سیلاب کیوں ہے، سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایک روز حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ نے اچانک فرمایا، 'آسی (صاحب) یہاں زیادہ سے زیادہ نعت لکھنے کی کوشش کرو'۔ اب کھلا کہ طبیعت کا یہ میلان از خود نہیں، عنایت فرمودہ ہے

اس روز ظہر تا عشاء ۱۴ عدد نعتیں لکھیں۔ آخری نعت آخری نماز کے بعد ہوئی۔ اس وقت آفتاب پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا، اور یوں لگ رہا تھا جیسے اپنا نور سبز گنبد پر نثار کر رہا ہے۔ چنانچہ عندلیبِ زار نے چہکنا شروع کر دیا:

؎ فردوس بڑی چیز ہے، یہ بات بجا ہے
دل گنبدِ محبوب کے سبزے پہ فدا ہے

ڈائری ہاتھ میں تھی، شعر نمودار ہوتا، لکھ لیتا، پھر روضہ مقدسہ کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑتا۔ چند قدموں کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے ندامت مسلط ہے اور کہہ رہی ہے، کیا تو اس قابل ہے کہ امام الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں قدم دھر سکے۔ ٹھٹک کے رہ گیا کہ پھر اچانک جیسے کوئی کہہ رہا ہے، ارے کس خیال سے رک گئے۔ گنہگاروں کو رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دربار میں بھی پناہ نہیں ملے گی، تو کہاں ملے گی۔ اب یہ واقعہ شعر کا لبادہ یوں اوڑھتا ہے:

؎ رحمت یہی کہتی ہے کہ آ، آمرے در پر
گو بارِ ندامت سے سراپا بھی جھکا ہے ؎"

اہل محبّت کا یہ قافلہ مدینہ منورہ سے واپس مکہ معظمہ پہنچا۔ یہاں بھی ایک دو حمد و مناجات اور دو تین نعتیں قلمبند ہوئیں۔ مگر افسوس ۱۹۷۶ء کے اس سفرِ حج وزیارت سے

۱؎ مکمل نعت شریف "تبرکاتِ حرمین" صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تعلق رکھنے والا یہ سارا کلام جس ڈائری پہ تھا، وہ کہیں کھو گئی۔ البتہ چند نعتیں اور نظمیں محفوظ رہیں۔ ("تبرکاتِ حرمین" میں ملاحظہ کیجئے)

ایک مرتبہ فرمایا کہ حج کے دوران اپنے شیخِ کریم کے ہمراہ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پہنچے تو اس مقام کی بزرگی کے پیشِ نظر دعا کی فرمائش کی۔ شیخ نے فرمایا، "خدا کے گھر پہنچ گئے ہو اور کیا چاہئے"۔ یہ واقعہ بھی آپ ہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ بابِ جبرئیل سے آنے کے بعد واپسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو میں دوبارہ بابِ جبرئیل کی طرف چل دیا۔ جب دو گز کے فاصلے پر تھا تو یہ آواز محسوس ہوئی کہ "ایک دفعہ میری آل کے ساتھ آئے تھے تو کیا وہ حاضری نہ ہوئی تھی جواب میری آل کے بغیر آ گئے ہو" فرمایا میں فوراً وہاں سے پلٹ آیا۔

اس پہلے سفرِ مقدس سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ نہایت جھوم جھوم کر اس حاضری کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ایک بات آپ سے متعدد مرتبہ سنی گئی۔ فرمایا مجھے بہت غصہ آتا تھا جب میں مدینہ شریف میں لوگوں کو ننگے پاؤں پھرتے دیکھتا جو کہتے تھے کہ ہم مدینہ پاک کی گلیوں کا ادب و احترام کر رہے ہیں لیکن پھر اسی طرح غبار آلود پاؤں لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو جاتے تھے۔ مدینے کی گلیاں دنیا بھر کی زمین سے افضل ہیں مگر مسجدِ نبوی ان گلیوں سے بھی افضل ہے۔

آپ نے دوسرا اور آخری سفرِ حج و زیارت 24 برس بعد ذی قعد ۱۴۲۰ھ بمطابق فروری ۲۰۰۰ء میں کیا۔ ظاہراً تو جناب سید محمد یونس صاحب نے جو شہر سیالکوٹ کے ایک معزز خانوادۂ سادات کے متمول فرد ہیں، اخراجات برداشت کرنے کا شرف

حاصل کیا، مگر باطناً اس میں بھی شیخِ کریم کا تصرف شامل تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ "سفر و حضر میں ہر کہیں حضرت کی عنایات محسوس ہوتی رہی ہیں، یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بلکہ مواجہہ شریف میں حاضری کے وقت بھی محسوس ہوتا تھا کہ آپ ہی بارگاہِ اقدس میں پیش کر رہے ہیں"۔

۱۴ ذی قعد ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲۱ فروری ۲۰۰۰ء کو جدہ پرواز تھی۔ شکر گڑھ سے جلوس کی شکل میں مریدین و معتقدین نے رخصت کیا۔ اس موقع پر وہ مخلص مریدین جو کثرت کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے، آپ کی اس وقتی جدائی پر آبدیدہ تھے۔ جس دن علی الصبح حضور تشریف لے گئے، اس کی رات محمد سہیل انجم پرنسپل نقشِ لاثانی ماڈل سکول نے آپ کی زیارت کی تو تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے، "میں جہاں کہیں بھی جاؤں میری توجہ ادھر (بھی) رہتی ہے"۔

۱۵ ذی قعد ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲۲ فروری کی صبح مکہ معظمہ، مسجد الحرام میں حاضری دی۔ ۱۶ ذی قعد (۲۳ فروری) کو رات کے وقت مسجد الحرام میں نظم "یا اللہ" کے عنوان سے تحریر کی۔ ابتدائی شعر یہ تھے:

ہو گیا ہوں حاضرِ دربار یا اللہ میں
سر پہ لایا ہوں بڑے انبار یا اللہ میں
کون ہے تیرے سوا بخشے جو مجھ کمبخت کو
اس لیے کہتا ہوں یا غفار یا اللہ میں
چارہ ساز اب تری چارہ گری کا وقت ہے
ظاہر و باطن کا ہوں بیمار یا اللہ میں

یہیں بیٹھے بیٹھے آپ نے 'یا اللہ' کے عنوان سے دو نظموں کے علاوہ ایک غزل لکھی اور اسی وقت بیت اللہ کے سامنے "مناجاتِ آسی" لکھی جسے چشمِ تر کے بغیر نہیں پڑھا جاسکتا۔ ۲۵/۲۶ فروری کو مدینہ شریف پہنچے۔بس سے اترتے ہی جو اشعار زبانِ اقدس سے نکلے، یہ تھے:

ہر کہیں فیضانِ دربارِ نبی
ہر کوئی مہمانِ دربارِ نبی
نعمتیں ملتی ہیں سب کونین کو
واہ دستر خوانِ دربارِ نبی
دو جہاں کے فیض کا مرکز ہے یہ
دو جہاں قربانِ دربارِ نبی
چارہ سازی، دلکشائی، رہبری
واہ وا سامانِ دربارِ نبی
شیخ کا صدقہ ہے یہ شرف قبول
میں کہاں شایانِ دربارِ نبی
نقشِ لاثانی پہ آسی ہے فدا
واہ اے دربانِ دربارِ نبی

پھر حضور شہنشاہ کونین سرورِ دارین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہِ قدس پناہ میں حاضر ہوئے۔۔۔خدا کے سب سے بڑے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور کائنات کے سب سے بڑے بادشاہ کا آستانہ۔۔۔عشق اپنی منزل پہ آگیا ہے۔۔۔شوق در و دیوار کے بوسے

لے رہا ہے۔۔۔ہاتھ جالیوں کو چھو کر مشامِ جاں کو معطّر کر رہے ہیں۔۔۔زبان و دل صلوٰۃ و سلام میں مصروف ہیں۔۔۔پہلے مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور اپنے پیارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عشق و محبت میں سرشار ہو کر درود و سلام کے نذرانے پیش کیا کرتے تھے، آج عین بارگاہِ مصطفیٰ میں جو بارگاہِ کبریا بھی ہے، ہاتھ باندھے گردن جھکائے عشق و مستی میں سوز و گداز کے ساتھ درود و سلام پیش کرنے کی سعادت مل رہی تھی تو دل کی دنیا کا عجب عالم تھا۔لبوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ دل بھی حرکت میں ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں۔تادیر بارگاہِ محبوبِ کبریا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں راز و نیاز ہوتے رہے، دو جہاں کی بھلائیاں طلب کی جاتی رہیں۔مانگنے والا عاشقانِ مصطفیٰ کا سالار۔۔۔تصوف کی دنیا کا شہسوار۔۔۔علماء کا سردار اور عشق و مستی کا تاجدار تھا۔۔۔ادھر دَربار بھی بڑا دُربار تھا۔۔۔جہاں کسی عام سائل کو بھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جاتا۔۔۔یہ تو پھر محبتِ رسول میں سب کچھ فنا کر کے آنے والا عاشقِ صادق تھا۔۔۔کیا کیا عنایات آپ پر نہ ہوئی ہوں گی اور کیوں نہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے اس دیوانے کو عطاؤں کی بارش کر کے راضی کیا ہوگا۔۔۔تبھی تو (بروقتِ روانگی مدینہ منورہ) بڑے وجد کے ساتھ آپ نے کہا تھا:

نبی کے فیضِ عام کو سلام عرض کرتا ہوں
تجلی تمام کو سلام عرض کرتا ہوں
نہ لوٹے کوئی ایک بھی مراد کے بغیر ہی
اس اہتمامِ تام کو سلام عرض کرتا ہوں
نہ دل ہے اضطراب میں نہ روح پیچ و تاب میں

کرم کے انتظام کو سلام عرض کرتا ہوں

آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جتنا عرصہ مدینہ شریف میں قیام رہا، بارگاہِ رسول میں حاضری دے کر مسجدِ نبوی کے کسی برآمدے میں بیٹھ کر نعتیں لکھتے رہتے۔ اور یہاں طبیعت کی روانی کی یہ صورتحال ہوتی کہ نونو، دس دس نعتیں بھی ایک دن میں تیار ہو جاتی تھیں اور ایک دن تو چودہ نعتیں مکمل ہوئیں۔ ان نعتوں میں فصاحت و بلاغت اور حسنِ تغزل و رعنائی کے سلسلے میں آپ ازخود تکلف نہ کرتے بلکہ کسی قسم کے تکلف سے الگ تھلگ ہو کر سیدھے سادے انداز میں کائنات کے سب سے بڑے رسول، سب سے بڑے طبیب، سب سے بڑے بادشاہ اور سب سے بڑے کریم (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) کی بارگاہ میں التجائیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حسنِ کلام کی تمام خصوصیات (فصاحت و بلاغت، حسنِ تغزل و رعنائی، اشعار کی موزونیت وغیرہ) آپ کے اس کلام میں بدرجہ کمال نظر آتی ہیں۔ تاہم یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ آپ کے جملہ کلام کا نوے فیصد حصہ ضائع ہو چکا ہے، محفوظ نہیں کیا جا سکا، جیسا کہ آپ خود فرماتے تھے۔

عموماً لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ صبح سویرے پہنچیں تا کہ مواجہہ شریف کی طرف بیٹھ سکیں۔ تاہم آپ کا اپنا ذوق تھا۔ آپ فجر کی نماز پڑھ کر حاضرِ بارگاہ ہوتے تب تک رش بھی کم ہو چکا ہوتا تھا۔ روضہ مبارک کے قریب آنے سے پہلے آپ کا وظیفہ ہوتا 'یا قبلۂ عالم حضور نقشِ لاثانی شیئاً للّٰہ' اور جب نظر روضہ مبارک پر پڑتی تو صلوٰۃ وسلام وردِ زباں ہو جاتا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز میں بہت رویا، تب دل میں آواز آئی ''آپ کیوں روتے ہیں، ہم آپ کو اب رونے نہیں دیں گے، رونے کے بغیر ہی آپ کے سارے کام سیدھے ہیں'۔ فرمایا مجھے نہایت اطمینان وسکون ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑا کرم فرمایا اور نوازشات کیں، جن کو سمجھنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں۔ ہمیں صرف اسی قدر علم ہے جو تھوڑا بہت آپ نے خدّام کی بار بار کی جانے والی درخواستوں اور معروضات پر سنایا۔ آپ نے روضہ پاک پر عرض کیا، 'کیا آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے لطف وکرم کی یہ باتیں دوسروں کو سنا سکتا ہوں؟' تو آواز آئی، 'کوئی حرج نہیں'۔ رحمت کی جگہ جو تھی۔

یکم ذوالحج (۸ مارچ) بروز چہارشنبہ مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ اب مسجدِ حرام میں حاضری شروع ہوگئی۔ فرماتے تھے کہ کعبہ شریف حاضر ہو کر تیسرا کلمہ اور جو اذکار کتابوں میں لکھے ہیں، پڑھنے لگا تو اس قدر تسلّی نہ ہوتی تھی، جتنی درود شریف پڑھنے سے ہوتی تھی، چنانچہ اسی کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ پھر آنسو بہاتے ہوئے نہایت رقّتِ قلب کے ساتھ اللہ کریم کی بارگاہ میں فریادیں کر رہا تھا کہ غیبی آواز آئی، ''کیا جو وعدہ ہمارے محبوب (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) سے کر کے آئے ہو، اس پر یقین نہیں؟''۔ تب مزید تسلی ہوئی کہ بگڑے کام سنوریں گے اور سب (متعلقین) کی بخشش ہوگی۔ انہی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن وضو کے لیے باہر میدان میں گئے تو آواز آئی، ''تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے محبت ہے''۔ (۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۱ المحرّم ۱۴۲۲ھ جمعۃ المبارک، بعد نمازِ مغرب جبکہ یہ خادم دبا رہا تھا، یہ بات آپ نے ارشاد فرمائی اور کسی اور کو بتانے سے منع فرمایا)۔

سفرِ حج کا ایک نہایت اہم واقعہ ۹/۱۰ ذی الحجہ کو پیش آیا۔ یہ بھی آپ ہی کی زبانی سنیں:

مزدلفہ میں رات تقریباً دو بجے کا وقت تھا۔ سب لوگ سو رہے تھے، میں جاگ اور رو رہا تھا۔ وہاں یہ تصور رکھنا ہوتا ہے کہ میں بخش دیا گیا ہوں۔ لیکن میں سوچ رہا تھا

کہ یہ تصور کیونکر قائم ہو؟ (میں تو خود کو نہایت گنہ گار سمجھتا تھا)۔ اچانک میرے دل میں پردۂ غیب سے آواز آئی، ''آپ کیوں روتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے جب اپنی امت کے لیے رب سے بخشش کا وعدہ لیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی آل کے لیے بھی رحمت کا 'کوٹہ' رکھا تھا۔ اس کوٹے میں نقشِ لاثانی (علیہ الرحمہ) کا حصّہ بھی تھا۔ جو ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتے ہیں، انہیں بھی اس سے حصہ ملے گا۔ (بخش دیئے جائیں گے)''۔

پھر فرمایا' ''اس سے مراد حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے خلفاء اور پھر ان کے غلام ہیں نیز فرمایا کہ تم سب بھی ان میں آتے ہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ ۲۱ فروری تا ۲۶ مارچ کے ان چونتیس ایام میں کثرتِ عبادات ومناجات آپ کا معمول مبارک تھا۔ اس سے قبل طبیعت مبارک انتہائی ناساز رہتی تھی تاہم ان ایام میں ناسازئ طبع کو آپ کے جوشِ عشق نے خود پر حاوی نہیں ہونے دیا واپسی سے چند روز پہلے آپ حرمِ کعبہ میں خانۂ کعبہ کے پاس بیٹھے اپنے معمولات میں مشغول تھے۔ پھر خیال آیا کہ اٹھ کر طواف کرلوں۔ آواز آئی، 'ہم نے تمہیں جتنا پھرانا تھا پھرا لیا، اب آرام کرو'۔ چنانچہ آپ بیٹھ گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر طوافِ کعبہ کا خیال آیا۔ اٹھنے لگے تو اسی آواز میں وہی کچھ پھر فرمایا گیا۔ قدرے توقف کے بعد تیسری مرتبہ جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی، ''اگر تو تم 'مولوی' ہو تو پھر اپنی مرضی کرلو اور اگر نہیں، 'کچھ اور' ہو تو پھر بیٹھے رہو''۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں آرام سے بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر یٰسین صاحب سے میں نے کہا کہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ (مزار) میں عرض کریں کہ جو کچھ ہوا، درست تھا، کوئی

وہم تو نہیں تھا؟ صاحبِ مزار کی طرف سے جواب آیا، 'یہ جو انہوں نے سمجھا، اپنی سمجھ کے مطابق تھا ورنہ کرم اس سے بھی بہت زیادہ تھا'۔ اس قسم کے جملہ واقعات حضور نے ۲۵ جون ۲۰۰۰ء کو بعد نمازِ مغرب اپنے کمرۂ خاص میں جناب افتخار احمد ممنون صاحب، جناب تنویر احمد صاحب ، جناب صوفی محمد آصف صاحب ، جناب اجمل حسین صاحب، جناب نعیم الرحمٰن صاحب اور اس خادمِ بارگاہ کو سنائے۔ اس سے قبل علامہ نور المصطفیٰ رضوی صاحب جن سے آپ بہت محبت وشفقت فرماتے کو سنائے، جو سن کر تادیر زار وقطار روتے رہے۔ ان کے علاوہ جناب شجاعت علی مجاہد صاحب کو۔ (ان کے علاوہ شاید ہی کسی کو سنائے ہوں۔ محض ربِ اکبر اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ان عظیم احسانات پر تحدیثِ نعمت کے لیے بیان فرمائے اور اس عاجز نے ان کو پوری صحت کے ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضور نے ان میں ردوبدل اور مبالغہ سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا نیز اپنی زندگی میں سنانے سے بھی)

۱۱ ذی الحج، ۱۷ مارچ کو طوافِ زیارت کے دوران ہینڈ بیگ جس میں نعتیہ کلام والی ڈائری تھی کہیں مطاف میں گر گیا۔ یہ نہایت قیمتی ڈائری تھی۔ آپ نے کعبہ مقدسہ سے عرض کی، ''تو بیت اللہ ہے اور بیگ میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے تبرکات تھے، اگر تیرے ہی پاس لٹ جاؤں تو بڑا اندھیر ہے''۔ چنانچہ اگلی ہی صبح خداوندِ کریم اور رسولِ کریم جل مجدہ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے فضل وکرم اور حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ کی برکت سے گمشدہ سامان کے دفتر سے بیگ تبرکات سمیت مل گیا۔

۲۶ مارچ ۲۰۰۰ء بعد نمازِ ظہر مکہ مکرمہ سے وطن واپسی ہوئی۔ آتے ہوئے کعبہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

تو خانۂ خدائے عزیز و قدیم ہے
آئینۂ رضائے رسولِ کریم ہے
خلقِ خدا کا قبلۂ ذی احتشام ہے
بے شک و شبہ تو بڑا عالی مقام ہے
کیسا تھا وقت، پاس ترے شاہِ کائنات
کرتے تھے جب تلاوت آیات بینات

اس سفر میں جن لوگوں نے دن رات خدمت کی سعادت حاصل کی، آپ ان کو ستائشی کلمات سے یاد کیا کرتے تھے۔ بالخصوص علامہ ابو ابراہیم محمد نصر اللہ مدنی صاحب کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ آتے ہوئے اسلامی کتابوں کا خاصا ذخیرہ ساتھ لائے اور آنے والوں کو بڑی محبت کے ساتھ ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔

حضور مسلمانوں کی حالتِ زار نیز جسدِ اسلام پر اغیار کی ستم ظریفی پر پہلے بھی مغموم رہتے تھے، اب خدا اور رسول کی بارگاہ میں حاضری کے بعد اصلاحِ احوال کے لیے آپ کے جذبات کی طغیانی اور بھی قابل دید تھی۔ فرماتے تھے، 'وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ دینِ اسلام کی سربلندی اور ہر باطل کی بیخ کنی کے لیے دن رات ایک کرنا ہے''۔ اور یہ عزم خاص بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے عطا ہوا تھا۔ چنانچہ سفرِ حج و زیارت سے واپس آتے ہی ایک مختصر مگر پر وقار تقریب میں غلبۂ اسلام اور تجدید واحیائے دین نیز دفاعِ مدارس و مساجدِ اہلسنت کے لیے ایک عظیم تحریک ''شیرانِ اسلام'' اور اصل عقائدِ اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لیے ماہنامہ ''الحقیقہ'' کے اجراء کا مبارک اعلان فرمایا۔ آپ کی سرپرستی ورہنمائی میں مختصر سے وقت کے اندر ان دونوں نے عظیم الشان دینی کامیابیاں حاصل کیں اور الحمدِللہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

باب 6

شیرانِ اسلام اور مجلّۃ الحقیقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹۸۶ء میں قیوم زمانی، قطبِ ربانی حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ نے قوم کو دو تحفے دیئے:

(۱)۔ بزمِ لاثانی، غیر سیاسی خالصتاً مذہبی تنظیم۔

(۲)۔ انوارِ لاثانی، اسلامی جرائد میں ایک خوبصورت اور مؤثر جریدہ۔

حضور مفکرِ اسلام کو ماہنامہ انوارِ لاثانی کا مدیر مقرر کیا گیا جبکہ بزمِ لاثانی میں اہم عہدوں پر وقتاً فوقتاً فائز ہوتے رہے۔ بزمِ لاثانی کے قیام کے ساتھ ہی حضور نقشِ لاثانی نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ نوجوانوں کی سطح پر بھی ایسی کوئی جماعت ہونی چاہیئے نیز عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے بھی اہلِ سنت کا ایک مضبوط پلیٹ فارم ہونا چاہیئے۔ حضور مفکرِ اسلام نے ان باتوں کو یاد رکھا اور ان خواہشات کی تکمیل کے لیے مناسب وقت اور وسائل کی دستیابی کا انتظار رہا۔ بالآخر یہ خواہشات اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچیں جب ۱۹۹۹ء میں ''شبانِ بزمِ لاثانی'' بنا کر نوجوانوں کو دینِ اسلام کی خدمت

کے لیے ابھارا۔ اسی شبانِ بزمِ لاثانی کو ۲۰۰۰ء میں (سفرِ حج وزیارت سے واپسی کے بعد) حضور نے ''شیرانِ اسلام'' کا نام دے کر ولولۂ تازہ اور کمالِ جذبہ کے ساتھ دینی مساعی کا آغاز فرمایا۔ جبکہ ۷ صفر ۱۴۲۵ھ (۱۸ اپریل ۲۰۰۴ء) کو بغرضِ علاج میو ہسپتال لاہور میں قیام کے دوران ویسٹ میڈیکل وارڈ میں شعبۂ تحفظِ ختمِ نبوت (شیرانِ اسلام) کی بنیاد رکھ کر اپنے شیخ کی دوسری خواہش کو بھی پورا کر دیا۔ (فللہ الحمد)

شیرانِ اسلام اور مجلۃ الحقیقہ کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ بے شمار اسلامی تنظیمیں اور جرائد موجود تھے۔ بہتر ہوگا کہ اس تنظیم ومجلّہ کی غرض وغایت اور پس منظر کو حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے الفاظ میں سمجھا جائے۔ ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو سالانہ عرس علی پور سیداں شریف کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اس تحریک کو شروع کرنے اور رسالے کو جاری کرنے کا مقصد آپ نے یوں ارشاد فرمایا:

''شیرانِ اسلام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ شرقپور شریف کی ایک مسجد میں عرس ہو رہا تھا۔ کچھ غنڈوں نے جو اولیاءِ کرام کے مخالف تھے، حملہ کر دیا۔ مناظرے کی صورتحال پیدا کی۔ دھینگا مشتی ہوئی۔ ایک دوسرے پر اینٹیں برسائی گئیں۔ ادھر سے بھی زخمی ہوئے، ادھر سے بھی زخمی ہوئے۔ تب میں نے یہ محسوس کیا کہ جہاں بھی ہم محفلِ میلاد منعقد کریں گے، ان کے حملے ہوا کریں گے۔ جہاں بھی عرس منائیں گے ان کے حملے ہوا کریں گے (چنانچہ تحریکِ شیرانِ اسلام کا آغاز کیا گیا)۔ شیرانِ اسلام کا تعلق پورے دفاعِ اہلسنت یا دفاعِ اسلام کے ساتھ ہے۔ شرقپور شریف، گولڑہ شریف، سیال شریف، جہاں کہیں بھی کوئی عرس ہو یا مذہبی تقریب ہو تو شیرانِ اسلام کے وہ جیالے نوجوان جن کے دلوں میں محض یہ بات ہے کہ ان کی زندگیاں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے لیے ہیں، وہاں پہنچیں گے۔

ہمارے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ ہے کہ ہمیں کافر ومشرک کہتے کہتے وہ داتا صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں بھی یہی ناپاک کلمات ادا کریں۔ وہ ہمارے بزرگوں کے بارے میں باقاعدہ بکواس کریں۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ، حضرت مولائے روم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بے ادبیاں کریں (یہ ہماری برداشت سے باہر ہے)۔ چنانچہ ہم نے تحریری جہاد کے لیے 'الحقیقہ' رسالہ جاری کیا ہے اور ان کے ناپاک عزائم کے جواب میں 'شیرانِ اسلام' کو قائم کیا ہے۔ انشاء اللہ بزرگوں کے صدقے یہ تحریک عالمگیر ہوگی۔

جتنے بزرگ ہیں اللہ کے فضل وکرم سے شیرانِ اسلام سے خوش ہیں۔ یہ کام جو ہم نے کیا ہے، جمعیت علماءِ پاکستان کو کرنا چاہئے تھا، جماعتِ اہلسنت کو کرنا چاہئے تھا' ان کی اپنی مصروفیات ہیں ہم ان پر اعتراض نہیں کرتے، یہ کام اتنا بڑا ہے کہ چند آدمی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے صدقے یہ شیرانِ اسلام کریں گے۔ یہ اسلام اور مسلکِ حق اہلسنت کے دفاع کے لیے ہے۔ جو لوگ اسلام پر حملے کرتے ہیں، ان کا جواب بھی شیرانِ اسلام دیں گے۔ شیرانِ اسلام نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جانثاروں کی جماعت ہے''۔

یہاں بہتر ہوگا کہ اس دور کی ان تنظیموں کے احوال پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں جن کے مذموم کارناموں کے ردِّ عمل میں شیرانِ اسلام کی ضرورت پیش آئی۔

جماعتِ اسلامی: یہ بات سب کے علم میں ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اہل

سنت وجماعت (یا سنی) ہیں، ان کے باہمی اختلافات محض فروعی ہیں۔ اسی طرح غیر مقلد، دیوبندی، تبلیغی جماعت، جماعتِ اسلامی سب وہابیوں کی مختلف شاخیں ہیں اور سب کا مرکزی نقطہ نظر یہی ہے کہ اللہ کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، مدح وثنا بلکہ عشق ومحبت بھی توحید کے منافی ہے۔ جماعتِ اسلامی دورِ آخر میں وہابیت کا سائنسی ایڈیشن ہے۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں مولانا مودودی صاحب نے اس کی بنیاد رکھی۔ مولانا کو قدرت نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا مگر افسوس انہوں نے انہیں خود پسندی بلکہ خود پرستی کی نذر کردیا۔ تنقید کے زہریلے وار کرنے میں اتنے منہ زور ہیں کہ خلفائے راشدین تو ایک طرف، انہوں نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ (دیکھئے 'تجدید واحیائے دین' اور 'خلافت وملوکیت')۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ خدا کے بعد خود کو ہی بے عیب سمجھتے ہیں۔ ایک مفسر ومفکر کے مقام پر اکتفا کرنے کی بجائے مجدد بلکہ امام مہدی بننا چاہتے تھے مگر بھانڈا پھوٹ گیا اور مجبوراً انہیں امام مہدی نہ ہونے کا اعلان کرنا پڑا (دیکھئے 'مکالمہ کاظمی ومودودی' اور 'آئینۂ مودودیت') غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ 'آئینۂ مودودیت' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''مودودی صاحب نے قوم سے اپنے نظریات تسلیم کرانے کا عجیب طریقہ ایجاد کیا ہے۔ وہ کسی جگہ اپنے مجتہد یا مجدد ہونے کا اقرار نہیں کرتے، مگر انہوں نے اپنے اندازِ بیان سے اپنی جماعت کے ایک ایک فرد کے ذہن میں یہ بات واضح کردی ہے کہ اس وقت تک مجھ جیسا مجتہد اور مجدد پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح مہدویت کے بارے میں ان کا رویہ یہ ہے کہ ابھی تک انہوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر ایک طرف تو انہوں نے امام مہدی کے کچھ ایسے من گھڑت خواص لکھ دیئے ہیں جو بظاہر ان

کے حسبِ حال ہیں، دوسری طرف اپنی ذاتِ گرامی کو ان ہی خصوصیات واوصاف کا حامل بنا کر قوم کے سامنے پیش کررہے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے عقیدت مندوں سے کہے کہ سبز لباس پہننے والا آدمی ولی اللہ ہوتا ہے جو اپنے منہ سے اپنے ولی ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ پھر خود ہی سبز لباس پہن کر ان کے سامنے آجاتا ہے اور اپنی ولایت کا دعوی نہیں کرتا۔ اب بتایئے کہ ایسے آدمی کو (باوجودیکہ وہ اپنی زبان سے ولی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا) مدعیٔ ولایت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ مودودی صاحب نے بالکل یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ گویا انہوں نے زبانِ قال کے بجائے زبانِ حال سے ادعائے مہدویت فرمایا اور اس طرح قوم کے ذہن میں اپنی مہدویت کا تصور جمانے کی کوشش کی۔

مجدّدین ومجتہدین حتّٰی کہ صحابہ کرام اور خلفاءِ راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر انہوں نے جو کڑی نکتہ چینی کی ہے اس نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کردیا کہ وہ اپنا مقام امتِ محمدیہ میں سب سے بلند سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک شخص دوسرے کی اصولی غلطی اسی وقت نکال سکتا ہے جب کہ اس کی قوّتِ علمیہ اس بارے میں دوسرے سے قوی اور بالاتر ہو"۔

جماعتِ اسلامی کی ذیلی و پروردہ 'اسلامی جمعیت طلبہ' نے جو کلچر تعلیمی اداروں کو دیا اور جس طرح مختلف اداروں کا امن وامان برباد کیا ہے، یہ کوئی معمولی سانحہ نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی میں جماعتِ اسلامی کے عفریت نے ایک دوسال نہیں، سالہا سال اودھم مچایا ہے اور ظلم وستم کا جو بازار گرم کیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ یہ حق ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا مگر یہ بھی حق ہے کہ جماعتِ اسلامی تلوار سے پھیلتی رہی۔ حضور

مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ جہاں پندرہ سال گذارے، پہلے پہل جماعتِ اسلامی کا زور نہ ہونے کے برابر تھا۔ ترقی کی رفتار تھی مگر بہت کم۔ پھر اسلحہ کی پیٹیاں آنا شروع ہوگئیں۔ پرنسپل کے پاؤں میں فائر کھولے جاتے رہے، اساتذہ کو ہراساں کیا جانے لگا اور طلبہ کے فریقِ مخالف کو رئیسِ ادارہ کے دفتر میں مار مار کر لہولہان کیا جاتا رہا، پرنسپل کو روکنے کی ہمت تھی نہ سزا دینے کی۔ ان شواہد کا تعلق افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے نہیں، وطنِ عزیز کے علمی گلستانوں اور تعلیمی لالہ زاروں سے ہے۔ ایسا کیوں ہوا، اس لیے کہ جماعتِ اسلامی نے اپنے پیارے بندوں کی تربیت ہی اس طرح کی ہے۔ اس جماعت کو عدل وانصاف سے کوئی تعلق نہیں، کوئی کتنا ہی مکار، جھوٹا، ظالم اور لٹیرا کیوں نہ ہو، جماعتِ اسلامی (جسے 'جماعتِ غیر اسلامی' کہنا بجا ہوگا) کے پرچم تلے آجائے تو اسے پناہ مل جاتی ہے۔

الغرض وہابیت کی کوئی سی صورت بھی ہو، جب اس کی بنیاد وفطرت میں ملتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کا جذبہ موجود ہے تو اسلام کے سچے مجاہد اسے کیونکر برداشت کرسکتے ہیں۔

تبلیغی جماعت: دیوبندی تعلیمات کو ذہن نشین کرانے کے لیے مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے تبلیغی جماعت کا ڈھونگ رچایا۔ نماز کلمے کے نام پر حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے شیطانی فریضے کو تبلیغیوں نے نہایت مؤثر طریقے سے سرانجام دیا۔ ان کے نزدیک پاکستان کا قیام غلط تھا۔ گویا ان کے ہاں آزادی وغلامی یکساں ہیں۔ ایمانی غیرت سے اس حدتک خالی ہیں

کہ بھرے اجتماعات میں مسلمانانِ کشمیر اور مسلمانانِ ہند کی نجات کے لیے خدا سے
بھی نہیں کر سکتے ،یعنی ان کی دعاؤں پر بھی انڈیا اور امریکہ وغیرہ کا قبضہ ہے۔ وہی ما
ہیں جن کی انہیں اجازت ہے۔ ابتدا میں انگریزوں کی طرف سے باقاعدہ اسے امداد
تھی (مکالمۃ الصدرین)۔ جس کی ابتدا اتنی غلیظ اور شیطانی ہو، انتہا کتنی ہولناک اور ایمان
شکن ہوگی۔ حجازِ مقدس میں بھی اب ان کا کچا چٹھا کھل رہا ہے اور ان پر پابندی لگادی گ
ہے۔ وہاں چند سال پہلے تک تبلیغی جماعت کے خلاف لکھی جانے والی کتب کی تعدا
بائیس تک پہنچ گئی تھی۔ اور جو الزامات ان پر عائد ہوئے، ان میں ایک یہ بھی ہے ک
مرزائیوں کی طرح تبلیغی جماعت کا ایک مرکز تل ابیب (اسرائیل) میں بھی ہے۔ مولا
اجمل قادری یعنی شیرانوالہ باغ لاہور کا دیوبندی سپوت، کی اسرائیل خفیہ آمدورفت اب
خفیہ نہیں رہی۔ یہ بات بھی واقفانِ حال جانتے ہیں کہ سعودی عرب میں جو روسی لٹر
پہنچا ہے، انہی کے بستروں میں چھپ کر پہنچا ہے۔ کہتے ہیں کہ پابندی سے پہلے مدینہ
منورہ میں ان کی مرکزی مسجد نور ہی تھی جہاں منافقوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی۔

تبلیغی لوگ حج پر رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع کو ترجیح دیتے ہیں اور مکہ معظمہ
میں ہو کر بھی اس کی عظمت کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں جبکہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی
سے لوگوں کو اپنی مسجد نور میں لے جانے کی سعیِ منافقانہ کرتے ہیں۔

انہیں اللہ تعالیٰ سے، اللہ تعالیٰ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے، اللہ تعالیٰ
کے قرآن اور اللہ تعالیٰ کے دین سے کوئی غرض نہیں بلکہ ان کا مقصدِ حیات مسلمانوں میں
انتشار پھیلانا ہے اور جانِ ایمان یعنی سلطانِ دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دور کرنا ہے۔
چنانچہ ان کا رویہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نہایت معاندانہ ومنافقانہ ہے۔ چنانچہ

ان کے بڑوں نے نبی کریم رءوف رّحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شانِ اقدس پر نہایت رکیک
حملے کیے ہیں۔ (دیکھیے: تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، براہینِ قاطعہ، تحذیر النّاس، تذکرۃ
الرشید، فتاویٰ رشیدیہ، اشرف السوانح، صراطِ مستقیم وغیرھم)

جمیع قرآن وحدیث کی بجائے 'تبلیغی نصاب' پر ان کا ایمان زیادہ ہے۔ ان
کے نزدیک سارے مسلمان مشرک ہیں، جب تک ان کے ہاتھ پر کلمۂ اسلام دوبارہ نہ
پڑھ لیں۔ اسی لیے تبلیغی گشت کے دوران لوگوں کو کلمہ پڑھواتے پھرتے ہیں۔ دورِ حاضر
میں ان کی متشدد شکل 'طالبان' نے اپنی 'شریعت' کے نام پر آگ وخون کا جو کھیل کھیلا ہے
اور افواجِ پاکستان پر حملوں اور خودکش دھماکوں کے ذریعے مسلمانوں کا جو ناحق قتلِ عام
کیا ہے، اس نے ان کی قرآن دانی اور اسلام فہمی کی حقیقت کھول کے رکھ دی ہے۔

سپاہِ صحابہ: مسلکاً یہ دیوبندی ہیں لیکن خود کو 'اہل السنّت والجماعت' گردانتے ہیں۔
دورِ حاضر میں ان کی متشددانہ سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ طالبان کے ساتھ مل کر نقصِ امن و
امان پیدا کرنے کا الزام حکومتی سطح پر بھی ان پر لگ چکا ہے۔ متعدد وفاقی وصوبائی وزراء
کے ساتھ ان کے تعلقات ہیں، جن سے یہ سیاسی وذاتی مفادات حاصل کرتے رہتے
ہیں۔ حرمت وناموسِ صحابہ کے تحفظ کے لیے بننے والی یہ جماعت اہلِ بیتِ مصطفےٰ (صلی
اللہ علیہ والہ وسلم) سے ناحق بغض رکھتی ہے۔ بلکہ صحابہ کرام سے بھی مخلص نہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر
محمد یٰسین صاحب ریٹائرڈ ڈاکٹر (حیوانات) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا اور کانوں سے سنا:

''سپاہِ صحابہ کا جلسہ ہو رہا تھا اور ایک مولوی صاحب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے فضائل کی وجہ یہ بتائی کہ صدیق اکبر ایک بشر کی یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تھے، ان فضائل سے آراستہ کیوں نہ ہوتے''۔

دیکھا آپ نے؟ یہاں بشر سے مراد کون ہے۔ جن کے فضائل بیان کر رہے ہیں، وہ صدیق اکبر ہیں اور بہت کچھ ہیں مگر برا ہو اس ستم ظریفی کا یا ستم شعاری کا کہ جن کی نظر کرم نے، جن کے فیضِ محبت نے اور جن کی محبتِ کاملہ نے ابوبکر کو صدیق اکبر بنایا، وہ محض ایک بشر ہیں۔ ہاں ہاں یہی ہے وہ تصورِ نبوت جو نجد و دیوبند کے وحشت خانوں میں پروان چڑھا ہے۔ تقریر کرنیوالے ناہنجار کو یہ نکتہ یاد ہی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پیارے رسول، نبی اور حبیب ہیں، انہیں وہ ایک بشر ہی مانتا ہے۔ کیا ابوجہل اور اس مولوی کے ماننے میں کوئی فرق رہا؟ اگر ایسا شخص فرد ہے تو کس کا؟ ملتِ اسلامیہ کا یا ابوجہل کمپنی کا۔

جیشِ محمد: یہ تنظیم بھی نجد و دیوبند کے افکار کی امین ہے۔ ذہنی طور پر نہایت تشدد پسند ہے۔ اپنی تخریبی سرگرمیوں کے سبب کالعدم قرار دی جا چکی ہے۔ اس کا شمار ان تنظیموں میں ہوتا ہے جو جہاد کا نام استعمال کر کے عوام الناس سے چندہ بٹورتی اور پھر اسے اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جوشیلے خطیب حضرات تیار کیے جاتے ہیں، جن کی جوشیلی تقریریں سادہ لوح مسلمانوں کی جیبیں خالی کرانے کی 'صفت' سے متصف ہوتی ہیں۔ کشمیر یا ہندوستان میں مجاہدینِ کشمیر کے کارناموں کی 'ذمہ داری' قبول کر کے میڈیا میں اِن رہتے ہیں۔ یوں عوام کو 'جہادی' ہونے کا تاثر دینے میں کامیاب ہیں۔ ہمارے عوام جو جہادی فکر

سے مالا مال ہیں، لیکن کسی نہ کسی سبب خود شریک نہیں ہو سکتے تو ان جھوٹے 'جہادیوں' کو مال دے کر اپنا آپ راضی کر لیتے ہیں اور خود کو 'جہاد بالمال' کے ذریعے جہاد میں شمولیت کا فریب دے لیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا تمام تر 'جہاد' حصولِ مال کے لیے ہے اور اسلام کے تصورِ جہاد کی گرد بھی ان پر نہیں پڑی۔

لشکرِ طیبہ: ان تنظیموں میں جسے سب سے زیادہ شہرت ملی، وہ ہے کالعدم نام نہاد 'لشکرِ طیبہ'۔ اس کے سربراہ حافظ محمد سعید صاحب ہیں، جن کے بارے میں عام گواہی ہے کہ ''جہاد'' سے پہلے ان کے پاس ایک بائیسکل تھی، پھر ماشاء اللہ 'جہاد' کی 'برکت' سے 'پجیرو' ان کے بھاری بھرکم وجود کے نیچے رہنے لگی۔ جہاد سے وابستہ ہو کر کتنی دولت ملی، اس کا اندازہ ہی نہیں۔ گرفتاری سے قبل لاہور میں ان کا ایک خطاب ہوا، صرف اس خطاب میں قوم نے انہیں ایک کروڑ روپیہ نذر کیا۔ انیس بیس سال میں موصوف نے کتنے خطاب کیے اور کتنے ارب کمائے، کیا خبر؟ لیکن جب مرید کے میں اسلحے کے انبار لگے تو قوم بے خبر نہ رہ سکی۔ اگر بات واقعی مجاہدین کی تیاری اور اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی تک ہوتی تو خیر اور خوب تھی۔ حافظ سعید صاحب نے مرید کے مرکز میں ایک بہت بڑا اور ہمہ جہت تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا۔ جس میں زیادہ تر احناف کے خلاف مناظر تیار کیے جاتے رہے، اور وہ بھی فروعی مسائل پر۔ نیز ساری قوم کو مشرک ثابت کرنے کے لیے مخصوص لٹریچر از بر کرایا جاتا ہے۔ ان مناظرین کو رفع یدین، آمین بالجہر جیسے عنوانات پر اس قدر تیار کیا گیا کہ راویوں کی نقد جرح بھی رٹائی جاتی۔ اس طرح ایک طرف تو 'جہاد اور 'توحید کی اشاعت' کے نام پر دولت کے انبار لگائے جا رہے ہیں اور دوسری طرف

سنجیدگی سے قوم کے امن وامان کو تباہ کرنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔اس جماعت کی تاریخ سے واقف ہوشمند لوگ آگاہ ہیں کہ کشمیر میں بھیجنے سے پہلے نوجوانوں کے عقیدے ''درست'' کرنے کا اہتمام کیا جاتا اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اتر سکتا تو خود اسے بڑی رازداری سے صفحۂ ہستی سے غائب کر دیا جاتا۔خوش قسمتی سے جو کسی طرح بچ کے آگئے، ان سے پوچھئے لشکرِ طیبہ کے ماحول میں اولیاءِ مقربین کو کس کس طریقے سے کھلم کھلا گالیاں دی جاتی ہیں۔بعض دفعہ معمولی اختلافات پر بھی موت وحیات کا فیصلہ کر دیا جاتا اور مخالف کو 'دنیا بدر' کیا جاتا، پھر یہ شور مچایا جاتا کہ شہید ہو گیا اور بالآخر غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام بھی کیا جاتا۔ دوہری چاندی کہ 'دشمن' بھی مرا اور چندے کے ڈھیر بھی لگ گئے۔

پروفیسر صاحب نے 'مجلۃ الدّعوۃ' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا ہوا ہے۔اس میں جہادی رپورٹس بھی ہوتی ہیں، مگر جس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ اختلافی عقائد واعمال ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ صوفیاء نے کفارِ مکہ اور بت پرستانِ ہند کے عقائد پھیلائے (نعوذ باللہ)۔ داتا گنج بخش علی ہجویری، مولائے روم، حضرت بایزید بسطامی علیہم الرحمہ ان کی نظر میں اسلام کی صحیح راہ پر ہی نہیں تھے۔ بلکہ کروڑوں مسلمان جو اولیاء وصوفیاء کے معتقد ہیں، ان کے خیال کے مطابق مشرک ہیں۔ جب جہاد کے نام پر چندہ لینا ہو تو چندہ دینے والے مسلمان ہوتے ہیں اور جب خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ سب کافر ومرتد ہوتے ہیں۔ہاں ہاں! جن مسلمانوں کے چندے سے ان کے تعلیمی مراکز چل رہے ہیں، مفتی (مفت ای) پل رہے ہیں، کتابیں اور رسالے تقسیم کئے جا رہے ہیں، یہ سب ان کے نزدیک کافر ومشرک ہیں۔بالخصوص اہلِ سنت ان کی

نظر میں مقہور ہیں اور ان کی مساجد ومدارس پر قبضے کرنا، ان کے علماء کو ہراساں کرنا، قاتلانہ حملے کرنا، خانقاہوں کو بدنام کرنا ان کے من پسند مشاغل ہیں۔لشکرِ طیبہ کی انہی خلافِ اسلام سرگرمیوں کے سبب حکومتِ وقت کو انہیں تخریبی جماعت قرار دے کر پابندی لگانا پڑی۔تاہم یہ ''جماعۃ الدّعوۃ'' کے نام سے نئے اور پہلے سے زیادہ مہلک طریقہ ہائے واردات سے 'لیس' ہو کر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔اب یہ اپنے لٹریچر میں علی الاعلان اولیاء اللہ کو گالیاں نہیں دیتے، دفاعِ پاکستان کے عنوان سے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں، اتحادِ ملّت کا نعرہ لگاتے ہیں، رفاہِ عامہ کے کام کرتے ہیں، تاہم ان کے مدرسوں اور پرائیویٹ میٹنگز سے 'فیضیاب' ہونے والے شانِ انبیاً و اولیاً پر حملہ آور ہونا 'اپنی توحید' کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں۔ان کے وار سے بچنا عام آدمی کے لیے خاصا مُشکل ہے۔

یہ تمام تنظیمیں (بالخصوص لشکرِ طیبہ یا جماعۃ الدّعوۃ) جو عرصۂ دراز سے اسلام کا نام استعمال کر کے تخریبی وفسادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور یوں اپنی حرکات وسکنات سے اسلام اور اہلِ اسلام کی رسوائی کا سبب ہیں، ''شیرانِ اسلام'' کا قیام اس کا ردِّعمل ہے۔جس کا کام ان کے اصل عزائم کو آشکارا کرنا اور قرآن وحدیث کے نفاذ کو یقینی وموثر بنانا ہے۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں شیرانِ اسلام کے قیام اور مجلۃ الحقیقہ کے اجراء کے مقاصد کا خلاصہ یہ بنتا ہے:

۱۔ اسلام کے اصل عقائد کی حفاظت

۲۔ لشکرِ طیبہ (موجودہ جماعۃ الدّعوہ)، جیشِ محمد، سپاہِ صحابہ، تبلیغی جماعت، جماعتِ

اسلامی اوران جیسی متعدد فسادی تنظیمیں جومختلف حیلے بہانوں سے سادہ لوح عوام سے اربوں کھربوں روپے سمیٹ کر اسے 'الدعوۃ' اوراس طرز کے دیگر جرائد کی اشاعت (جن میں علی الاعلان صوفیائے کرام کو گالیاں دی جاتیں) اورعقائدِ باطلہ کی ترویج و اشاعت کے ادارے چلانے میں صرف کرتی تھیں نیز اہلِ سنت کی مساجد و مدارس پر بزوراسلحہ قبضے کررہی تھیں، ان کی حقیقت کوطشت ازبام کرنا۔

۳۔ خصوصیت کے ساتھ عقیدۂ ختمِ نبوّت کاتحفظ

۴۔ جابجا محافل، کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد تا کہ قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات عام کی جاسکیں۔

۵۔ نبیِ کریم رءف رّحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دوٹوک محبت کا اعلان کرنے والے نیز حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عزت وناموس کے لیے سردھڑ کی بازی لگادینے والے مجاہدین کی ذہن سازی وتیاری۔

۶۔ مساجد، مدارس، سکولز، کالجز، یونیورسٹیز اور لائبریریوں کا قیام

۷۔ وسیع پیمانے پر اسلامی لٹریچر کی اشاعت

۸۔ ہرممکن طریقے سے اسلام کی سربلندی کے لیے جو کچھ ہو سکے، کرنا۔

شیرانِ اسلام اورمجلۃ الحقیقہ کے کارنامے:

☆......شیرانِ اسلام کے قیام کے ساتھ ہی حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے متعدد وفود تشکیل دے کرمختلف علاقوں کی طرف بھیجنے کا سلسلہ شروع کردیا جوعوام الناس کو ان تمام فتنہ پرور جماعتوں کی حقیقت سے روشناس کراتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ

شکرگڑھ، نارووال، ڈسکہ، سیالکوٹ، لاہور، شیخوپورہ، راولپنڈی اور اسلام آباد ان سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ ان تبلیغی وفود کی کاوشوں سے جب حقائق سامنے آئے تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان جماعتوں سے لاتعلقی کا اظہار کرنے لگے۔ پھر شعور وآگہی کا یہ فیضان عام ہونے لگا۔ یہاں تک کہ باطل کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور کئی محاذوں پر پسپائی ان کا مقدر بن گئی۔ کئی علاقے ایسے تھے جہاں ان تنظیموں کے افراد گاڑیاں لے کر'حسبِ سابق' چندے، اجناس اوراشیائے ضرورت کی امید پر پہنچے۔ تاہم وہ لوگ جوشیرانِ اسلام کی بدولت ان کی حقیقت پا چکے تھے، ان سے ملنے تک سے انکاری ہوگئے۔ اور کہا کہ ہم جہادِ کشمیر کرنے والی اصل تنظیموں ہی کو امداد دیں گے یا پھر ان مجبور و بے کس لوگوں کو جو حقیقتاً مستحق ہیں۔ ادھر الحقیقہ کے اداریئے اپنا آپ دکھا رہے تھے۔ جن کی گھن گرج نے باطل کے قلعے میں گہرے شگاف ڈال کے رکھ دیئے تھے۔

☆......حضور صوفیاءِ کرام کے اعراس کے موقع پر میلوں ٹھیلوں سے سخت نالاں تھے اور اسے ان بزرگانِ دین سے بے وفائی قرار دیتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے توحید کے انوار پھیلائے، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حرارت سے عوام الناس کو گرمایا اورامن و سکون کی خیرات بانٹی۔ جبکہ جہلاء کا ان اعراس کے موقع پر میلے منعقد کرنا، ڈھول تماشے کرنا، مردوزن کا اختلاط وغیرہ خرافات صاحبانِ مزار کے لیے تکلیف کا سامان ہیں۔ چنانچہ متعدد ایسے مقامات پر حضور نے اپنے شیروں کے ساتھ پہنچ کر لوگوں کو سمجھایا اور کہیں بزورِ طاقت ان موذی حرکات کا قلع قمع فرمایا۔

مثلاً موضع کالاچیچی میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ یہاں ہر سال ان کے عرس

کے موقع پر میلا لگتا تھا جس میں غیر شرعی حرکات نہایت تکلیف دہ تھیں۔ حضور نے یہاں محفلِ پاک کا اعلان کر دیا مخالفین جو ڈرامے وغیرہ کروانا چاہتے تھے، دھمکیاں دینے لگے۔ آپ نے مطلقاً پروانہ کی اور وقتِ مقرر پر محفلِ پاک شروع ہوگئی۔ وہ لوگ پیچ وتاب کھاتے رہے۔ پھر اسلحہ سے مسلح ہو کر آ گئے۔ مگر آپ کے سامنے سب کا پتہ پانی ہو گیا۔

یونہی موضع ترپئی میں ہوا، یہاں بھی ایک بزرگ کا مزار ہے۔ جہاں ان کے عرس پر سالہا سال سے ڈھول تماشے اور ڈرامے ہوتے آئے ہیں۔ حضور نے عین اس رات جب ڈرامہ ہونا تھا، اس جگہ محفلِ میلاد کا اعلان کروادیا۔ پھر حضور بعد از عشاء اپنے غلاموں کے ساتھ وہاں پہنچے اور ذکرِ رسول شروع ہو گیا۔ ڈرامہ کرانے والے طاقتور لوگ تھے۔ گنیں لے کر آ گئے اور لگے ڈرانے دھمکانے، ادھر سے بھی ایسا انتظام کرنا پڑا (لیکن اس وقت جب ان کے سمجھنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے)۔ یہاں آپ نے بہت سخت تقریر کی، لوگوں کو غیرت دلائی کہ جن بزرگوں نے تمہیں اسلام پر کاربند رکھا تم ان کی تعلیمات کو فراموش کر کے خرافات کے پیچھے لگ گئے ہو۔ پوری رات پروگرام ہوتا رہا۔ مخالفین کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے ہٹتے۔ حضور کے خطاب پر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور یوں یہ پروگرام نہایت کامیاب رہا اور فحش ڈرامہ (جس میں مرد وعورت دونوں شریک تھے) نہ ہو سکا۔

موضع مورلی میں شیرانِ اسلام کے ایک کارکن محمد شبیر صاحب ہیں۔ انہوں نے جب گاؤں کے ایک مزار پہ خلافِ شرع حرکات دیکھیں تو تڑپ اٹھے۔ محدود وسائل کے باوجود سالہا سال سے خلافِ شرع حرکات کے مرتکب افراد کی سخت ناراضی مول لے کر محفلِ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرواتے ہیں اور لوگوں میں اصلاحِ احوال کے

لیے سخت تگ ودو کر رہے ہیں۔ اس طرح کی بیسیوں کامیاب کاوشیں شیرانِ اسلام نے اپنے شیخ کریم، اپنے سرپرستِ اعلیٰ یعنی حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی زیرِ قیادت کیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

☆.....کسے معلوم نہیں کہ اسلام کے لیے بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ قادیانیت ہے۔ حضور نے اس کے سدِّ باب کے لیے پورے ملک میں جابجا ختمِ نبوت کانفرنسز اور ختمِ نبوت سیمینارز منعقد کروائے۔ لٹریچر چھپوا کر مفت تقسیم کیا۔ سال بھر مختلف جگہوں پر چھوٹے بڑے پروگرام اس کے علاوہ تھے جن میں شیرانِ اسلام کے نوجوان علماء، مرزائیت کی حقیقت آشکارا کرتے۔ یہ سلسلہ بھی نہایت کامیاب رہا اور عظیم الشان تبلیغی فتوحات حاصل ہوئیں۔ لاتعداد مرزائی مرزائیت پہ لعنت بھیج کر اسلام کے اجالوں میں داخل ہوئے۔ فللّٰہِ الحمد

☆.....شیرانِ اسلام کے زیرِ اہتمام دروسِ قرآن، دروسِ حدیث، محافلِ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے بڑے پیمانے پر ملک بھر میں شروع ہوئے۔ بالخصوص میلاد شریف کے مہینے میں پورا ماہ محافلِ میلاد کی برسات رہتی۔ ڈسکہ میں بارہ روزہ، یونہی لاہور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، فیصل آباد، راولپنڈی، اسلام آباد کے علاوہ متعدد چھوٹے بڑے شہروں میں سینکڑوں محافلِ میلاد وہ تھیں جو محض شیرانِ اسلام کے زیرِ اہتمام ہوتیں۔ ان علاقوں کے علاوہ بارہ ربیع الاول شریف کے جلوس اپنی مثال آپ تھے۔ ان تمام مواقع پر سیکیورٹی کے فرائض بھی شیرانِ اسلام کے نوجوان سرانجام دیتے۔ ۱۲ ربیع الاول شریف اور ۱۰ المحرم کے دن حضور نے شیرانِ اسلام کے بھی مرکزی دن مقرر فرمائے جن میں تنظیم کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس ہوتے۔

متعدد مساجد اور مدارس جن میں بدعقیدہ افراد نے بزورِ بازو قبضہ کیا، شیرانِ اسلام کے نوجوانوں نے واگزار کرائے اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی۔ پھر ان مساجد و مدارس کے انتظام و انصرام کے لیے ہر طرح کی امداد کی گئی۔

☆......حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے متعدد تعلیمی ادارے قائم کیے، جن میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا بھی اہتمام ہے۔ ان اداروں نے شیرانِ اسلام کے نوجوانوں کی قیادت میں زبردست دینی کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ چند اداروں کے نام یہ ہیں:

(۱)۔نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی شکرگڑھ: یہ حضور کا سب سے بڑا منصوبہ ہے، جس میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ ایف اے تا ایم اے دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تعمیر اگرچہ جاری ہے، تاہم کلاسز کا آغاز بھی حضور ہی کے دور سے ہو چکا ہے اور زیرِ تعلیم ہونہار طلباء نے ضلع بھر میں بہترین پوزیشنز حاصل کی ہیں۔

(۲)۔جامعہ انوارِ لاثانی (برائے طلباء) شکرگڑھ

(۳)۔جامعہ انوارِ لاثانی (برائے طالبات) شکرگڑھ (حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ اس کی منتظم ہیں۔ یہاں حفظِ قرآن، درسِ نظامی کے علاوہ اور کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔ انتظامی امور نیز معیارِ تعلیم کے اعتبار سے ایک مثالی ادارہ ہے)

(۴)۔نقشِ لاثانی ہائی سکول، نقشِ لاثانی نگر شکرگڑھ (۵)۔نقشِ لاثانی پبلک سکول ظفروال روڈ شکرگڑھ۔ (۶)۔نقشِ لاثانی ہائی سکول مقام شکرگڑھ

(۷)۔نقشِ لاثانی ہائی سکول پورن شکرگڑھ (۸)۔نقشِ لاثانی کالج پنڈی بوہڑی

شکرگڑھ (۹)۔جامعہ انوارِ لاثانی پنڈی سینیاں شکرگڑھ (۱۰)۔جامعہ انوارِ لاثانی کوہلیاں شکرگڑھ (اپنے علاقہ کی معروف ترین اور ہر اعتبار سے بہترین تعلیمی درسگاہ)

(۱۱)۔جامعہ انوارِ لاثانی خانووال شکرگڑھ

(۱۲)۔جامعہ انوارِ لاثانی لگوال منہاساں۔

(۱۳)۔جامعہ انوارِ لاثانی ڈسکہ

(۱۴)۔نقشِ لاثانی ہائی سکول ایمن آباد سیالکوٹ

(۱۵)۔نقشِ لاثانی پبلک ہائی سکول نزد جناح اسٹیڈیم نزد جناح اسٹیڈیم سیالکوٹ (یہ دونوں ادارے ضلع بھر میں متعدد پوزیشن لینے والے ادارے ہیں، جن میں داخلے کے لیے بڑی بڑی سفارشیں موصول ہوتی ہیں)

(۱۶)۔نقشِ لاثانی پبلک سکول بہاولپور

☆......جب بھی حکومتی سطح پر یا عالمی سطح پر کوئی ایسی حرکت ہوئی جس میں اسلام یا بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عزت و عظمت پر حرف آتا ہو، شیرانِ اسلام کے نوجوانوں نے بھرپور احتجاج کیا اور جلسے جلوس، کانفرنسز، سیمینارز کے ذریعے سے اپنی آواز اوپر تک پہنچائی۔ مثلاً جب مشرف حکومت کی طرف سے سکولوں کالجوں میں اسلام کش تجاویز شاملِ نصاب کی گئیں تو حضور نے خود بھی تحریری و زبانی جہاد کیا اور شیرانِ اسلام کے ذریعے بھی ریلیاں نکلوائیں۔ یونہی جب ڈنمارک، ناروے وغیرہ یورپین ممالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حوالے سے گستاخانہ خاکے شائع کیے تو پوری تنظیم شیرانِ اسلام سراپا احتجاج بن گئی۔ ملک بھر میں ریلیاں نکالی گئیں۔ حضور نے خود بھی

شکر گڑھ میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کی۔ جتنے ایم پی اے، ایم این اے یادیگر وزراء حضور کے در پہ آتے، حضور انہیں اپنی حکومت کو عالمی سطح پر اقدامات کرنے کے لیے تحریک دلانے کا فرماتے۔ شیرانِ اسلام کے قائدین نے اہم حکومتی شخصیات سے ملاقاتیں بھی کیں اور اس مسئلے میں اہم کردار ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ یونہی سانحہ کراچی (جس میں متعدد علماءِ اہلسنت شہید ہوئے)، سانحہ لاہور (جس میں ممتاز سکالر ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب شہید ہوئے) اور سانحۂ داتا دربار ہوا تو شیرانِ اسلام نے پریس کانفرنسز اور ریلیوں کے ذریعے خوب آواز اٹھائی۔

☆...... اسی طرح وہ بد بخت افراد جو پاکستان، قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کے حوالے سے منفی سوچ رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کے خلاف زہر اگلتے رہتے تھے، کبھی تحریروں کے ذریعے اور کبھی بیانات کی صورت، حضور نے ان کا محاسبہ کیا۔ بالخصوص الحقیقہ میں آپ کی تحریروں نے خوب کام دکھایا۔ خود بھی ان کے خلاف صف آراء رہے اور اپنے نوجوانوں کو بھی علمی وفکری دلائل سے آراستہ کر کے ہر محاذ پر ان کو بے عزت کیا۔

☆...... حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے دروسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ متعدد مرتبہ پورا قرآن مکمل کیا گیا۔ ان دروس میں شیرانِ اسلام کے اراکین کے علاوہ عوام الناس کی شرکت بھی ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ اسباق پڑھے، آج بھی قرآن فہمی میں وہ عام لوگوں پہ فائق ہیں۔

☆...... 'الحقیقہ' کی اشاعت آپ کی خصوصی توجہ سے مستفید تھی۔ چنانچہ اس میں آپ کے مدلل، موثر، مفید، پرمغز، علمی تحقیقی اور عقائد حقہ پر مشتمل مضامین نے تہلکہ مچا دیا۔ بالخصوص ''توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات'' (۶۵ قسطوں پر مشتمل)، ''اتحادِ ملت کی

ضرورت وصورت'' (۱۴۲ اقساط) ''اسلام اور شیطان کے سپوت'' (۱۲۲ اقساط) اور آپ کے اداریے 'الحقیقہ' کی جان تھے، جنہوں نے بے شمار بدعقیدہ افراد کو بدعقیدگی کے چنگل سے رہائی دلائی۔ ان اداریوں میں جہاں بے دین جماعتوں اور ان کے سرکردہ افراد کی نقاب کشائی ہوتی تھی، وہاں بے حس سیاسی شخصیات کو بھی جھنجھوڑا جاتا تھا۔ اکثر یہ تحاریر سخت ہوتی تھیں جو تازیانے کا کام کرتیں۔ اس پر بعض اپنے فکر مند بھی ہوئے کہ رد عمل میں آپ کو خدانخواستہ نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ جون ۲۰۰۱ء کا واقعہ ہے، حضور اپنے پیر خانے کی ہفتہ وار حاضری کے لیے علی پور شریف گئے۔ متعدد افراد ہمراہ تھے۔ راستے میں حاجی اخلاق احمد صاحب بار بار اپنی اسی پریشانی کا اظہار ڈاکٹر یٰسین صاحب سے کر رہے تھے کہ الحقیقہ میں اتنی سخت زبان استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کا یہ کہنا نیک نیتی سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ میں جب مزارِ حضور شاہِ لاثانی میں داخل ہوا تو حضور شاہِ لاثانی قدس سرہٗ کے مزار سے آواز آئی، ''نام لے لے کر 'ٹل' لگا لگا کر لکھیں گے''۔ اب ڈاکٹر صاحب گویا ہوئے کہ حاجی صاحب! میری اور آپ کی بات نہیں، یہاں تو معاملہ ہی کچھ اَور ہے۔ یعنی حضور خود نہیں لکھتے، ان سے لکھوایا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور شاہِ لاثانی آپ کے فعل کو اپنا فعل ارشاد فرما رہے ہیں، جیسا کہ 'لکھیں گے' سے ظاہر ہے۔ المختصر! 'الحقیقہ' جہاں بھی گیا، اذہان و قلوب کو جلا بخشتا گیا۔

شکر گڑھ میں ڈاکٹر محمد طاہر غوری، کچھ عرصہ حضور کے معالج رہے ہیں۔ اپنے کلینک پر بیٹھے تھے ایک شخص (جو غیر مقلد تھا) اپنی باری کے انتظار میں تھا اور ذرا دیر تھی، چنانچہ میز پر موجود 'الحقیقہ' اٹھا کر پڑھنے لگا۔ جب باری آئی تو کہنے لگا، جناب چند منٹ

کی اس ورق گردانی نے میرے ذہن کے تمام شکوک و اوہام کو ختم کر دیا ہے اور میں بدعقیدگی سے تائب ہو گیا ہوں۔

یہاں تو محض ایک جھلک دکھانی مقصود تھی، وگرنہ ایسے سینکڑوں واقعات 'الحقیقہ' کی فتوحات پہ دال ہیں۔ بالخصوص سینکڑوں خطوط جو موصول ہوتے رہے، اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ 'الحقیقہ' اپنوں کے عقائد میں پختگی لانے والا اور غیروں کو 'حقیقت' کا راستہ دکھانے والا صوفیاء کی نگاہ و توجہ کا عظیم شاہکار ہے۔

☆...... حقیقت یہ ہے کہ 'الحقیقہ' کے اجراء اور یونہی شیرانِ اسلام کے قیام کے پس منظر میں چونکہ ناموسِ اولیاء کے تحفظ کا جذبہ کارفرما تھا، لہٰذا ان صوفیاء کی روحانی توجہ پوری طرح اس کے شاملِ حال تھی، اور بعض لوگوں کے ذریعے ان اکابرین نے اس کا اظہار بھی کسی نہ کسی طرح سے کیا تاکہ عوام الناس بھی مطلع ہوں۔

☆...... یہ واقعہ خود حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے (۲۷ اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۲ صفر ۱۴۲۲ھ بروز جمعۃ المبارک بعد ختم شریف) سنایا کہ سیالکوٹ کے ایک شخص کی خواب میں آفتابِ چشت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور فرمایا ''الحقیقہ مجھے بہت پسند ہے''

☆...... اس واقعہ کے راوی جناب ممنون احمد آسوی صاحب ہیں:

کالج سے دو لڑکے آئے اور شیرانِ اسلام کی رکنیت کی درخواست کی پوچھا شیرانِ اسلام کا کیسے معلوم ہوا؟ بتایا کہ گاؤں کے ایک نوجوان میں جن بولتا ہے، اس نے کہا ہے کہ نقشِ لاثانی نگر جا کر 'شیرانِ اسلام' میں شمولیت اختیار کرو۔ پوچھا، کس نے بنائی ہے؟ اس نے بتایا کہ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا سایہ اس پر ہے۔ (جنوری ۲۰۰۱ء)

باب 7

اوصافِ حسنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت کی معراج یہ ہے کہ انسان ،مرہمِ ناسورِ جگر، آرام دلہائے مضطر ،عظمتِ نوعِ بشر اور مقصودِ فکر ونظر یعنی حضور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اوصافِ جمیلہ کو اپنی اعلیٰ ترین استعداد کے مطابق اپنی شخصیّت میں جذب کرے۔ یوں وہ ذاتِ رسالت کے قریب ہوتا جائے گا۔ اور جوں جوں وہ قریب ہوگا، اسے ذاتِ باری تعالیٰ کا قُرب ملتا جائے گا کیونکہ قُربِ رسول ہی قُربِ خدا کی دلیل ہے۔ اس طرح معرفت کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور انشراحِ صدر کی دولت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قُرب ومعرفت کے ان مدارج کو طے کرتے ہوئے وہ اپنے ماحول سے منفرد اور بلند ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندۂ مومن 'قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن' کے مصداق ہو جاتا ہے اور اس کا سراپا کچھ ایسا ہوتا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ،کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دوجہاں سے غنی،اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل،اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب،اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو ، گرم دمِ جستجو!
رزم ہو یا بزم ہو،پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق ، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام ، وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ،عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں ، گرمیٔ محفل ہے وہ

(اقبال)

جس مردِ حقانی کے اوصاف اس وقت زبانِ قلم کا موضوع ہیں، وہ ایمان وعمل، فکر ونظر اور عظمتِ کردار کے لحاظ سے اپنے دَور میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ اوصافِ جمیلہ کی چند جھلکیاں قارئین خصوصی توجہ سے مطالعہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ جن عنوانات کے تحت یہاں آپ کے اوصاف کا بیان ہوگا، ان میں سے ہر عنوان پر ایک پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے، پھر تمام اوصاف کا بیان بھی ناممکن ہے۔ یہاں تو سمندر میں سے محض چند بوندیں پیش کی جارہی ہیں۔

حُبِّ خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی محبّت اساسِ ایمان ہے۔قرآن فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط....... (البقرہ۔پ۲۔آیت ۱۶۵)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔

اور حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے متعلق ارشادِ قرآنی ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ....... (الاحزاب۔پ۲۱۔آیت ۶)

ترجمہ: یہ نبی (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

مشہور حدیث ہے، جس کے راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ....... (بخاری ومسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

بلکہ ایک اور موقع پر فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَّفْسِهٖ.......

(زرقانی علی المواہب ۶/۳۱۳۔شرح شفا للقاری ۲/۳۵،۲/۶)

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔

بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی محبت بھی خدا کی محبت ہی ہے۔ایک طویل حدیث کے ابتدائی جملے اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے کافی ہیں:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَتٰى اَكُوْنُ مُؤْمِنًا (وَفِيْ رِوَايَةٍ مُؤْمِنًا كَامِلًا) قَالَ اِذَا اَحْبَبْتَ اللّٰهَ قِيْلَ مَتٰى اُحِبُّ اللّٰهَ قَالَ اِذَا اَحْبَبْتَ رَسُوْلَهٗ . (مقدمہ دلائل الخیرات شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے عرض کیا گیا حضور میں مومن (اور ایک روایت کے مطابق میں مومنِ کامل) کب ہوں گا۔فرمایا جب تو اللہ کا محب ہو جائے گا۔عرض کیا گیا، حضور! میں اللہ کا محبّ کب ہوں گا۔فرمایا جب تو اس کے رسول کا محبّ ہو جائے گا۔

معلوم ہوا محبتِ خدا اور رسول کسی بھی انسان کے ایمان کی صحت و کاملیت کے لیے بنیادی شرط ہے۔یہ وہ قطب (بنیاد) ہے جس پر دین کے ہر اہم معاملے کا مدار ہے۔اس محبت کا کمال ہر کمال کے حصول کے لیے شرط ہے اور یہ سوائے عظیم المرتبت اشخاص اور کاملینِ امت کے اوروں کو عطا نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ کمالِ ایمان کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں اور یہ مراتب و مدارج ان کی خدا اور رسول سے کامل محبت کے معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔

ہم پورے ایمان اور ایقان کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں اور ہم ہی کیا دورِ حاضر کے جید علماءِ کرام اور مشائخِ عظام تسلیم کرتے ہیں کہ اس دور میں حُبّ و غیرتِ خدا و نبی اگر بصورتِ کمال نظر آتی ہے تو ذاتِ حضور مفکرِ اسلام کے اندر۔جن کی ادا ادا سے

دونوں کی محبت ومؤدت کے چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے۔جن کے ہر سانس میں ان کی
الفت وغیرت رچ بس چکی تھی۔الغرض آپ کی ساری حیاتِ مقدسہ 'محبت' کا ایک
حسین چمن زار ہے۔جس میں اطاعت، غیرت، مؤدت، عقیدت اور عرفان کے خوش
رنگ پودے لہکتے اور مہکتے نظر آتے ہیں۔آپ اللہ کریم اور رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی
بارگاہ کے 'حضوری' تھے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ پر لمحہ بھر کے لیے بھی
کبھی غفلت طاری نہیں ہوئی اور جو شخص صدقِ دل اور حسنِ ارادت سے آپ کی زیارت
کرپاتا، اس پر اس کے حسبِ حال رقّت طاری ہوجاتی تھی۔آپ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہ
کا مصداق تھے۔

ایک مرتبہ نہایت وارفتگی کے عالم میں فرمایا، ''اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت
دے کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا کروڑواں حصہ بھی نکالنا چاہے تو میں اس ساری دولت پر تھوکوں
بھی نہیں''۔

عشقِ رسول کی یہ صورتحال تھی کہ جب بھی کوئی ملنے آتا، حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی
اللہ علیہ والہ وسلم کے حسن وجمال اور فضل وکمال کی باتیں جھوم جھوم کر سناتے۔بارہا ہم نے
دیکھا کہ صبح سے لے کر شام تک لوگ آ اور جارہے ہیں اور آپ ایک ہی انداز میں بیٹھے
عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوشبو بکھیر رہے ہیں۔

پھر آپ کی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ کوئی آپ کے
سامنے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ پاک کرتا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے
تھے۔یہی صورتحال امامِ مالک علیہ الرحمہ کی تھی، یہی صورتحال حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
تھی، یہی جمیع صحابہ علیہم الرضوان کی تھی۔انہیں کے اس وصفِ جمیل کی جھلک اس دور میں

ہمیں حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت میں نظر آئی کہ کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
فقط اسمِ مبارک لے دیا، بس فرطِ محبت سے آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا
بالخصوص کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھتے آپ کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔یوں محسوس
ہوتا تھا کہ آپ کے جسمِ مبارک کا ذرّہ ذرّہ بارگاہِ نبی کی طرف متوجہ ہے۔

چنانچہ آپ کی غلامی کا سب سے بڑا فائدہ بھی یہی تھا کہ قلوب واذہان حضور
سرورِ دارین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت وغیرت سے منوّر ہوجاتے تھے اور جوں جوں آپ
سے رابطہ بڑھتا، خواجۂ دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت وغیرت بھی بڑھتی جاتی۔

جنوری ۲۰۰۰ء میں جب کہ نقشِ لاثانی نگر میں ذاتی مکان کی تعمیر جاری تھی،
اپنے ایک خادم توقیر احمد شاکر صاحب کی خدمات پر خوش ہوکر آپ نے ارشاد فرمایا،
''منگ جو منگنا ای''۔توقیر صاحب فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکے، یہاں تک کہ آپ نے
تین مرتبہ یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ بالآخر انہوں نے عرض کیا، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی محبت عطا فرمادیں۔آپ نہایت مسرور ہوئے، فرمایا، "تم نے تو مجھے آج خوش
کردیا"۔پھر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

یہ بات اوپر بیان ہوچکی کہ حُبِّ خدا اور رسول جل مجدہ فصلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سلسلہ
میں آپ نے جو ادائیں اختیار کیں، اس دور میں ان کی مثال نہیں ملتی۔سب کا تذکرہ کرنا
ہمارے بس کی بات نہیں، پھر کئی باریکیاں ایسی ہیں جنہیں سمجھنا عام انسانی عقل کے لیے
محال ہے، تاہم ذوقِ ایمان کو جلا دینے کے لیے چند کا بیان یہاں کیا جاتا ہے۔

☆...آپ نے خدا کا اسمِ ذاتی 'اللہ' اور حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسمائے ذاتی
'محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم' اور 'احمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم' کبھی بے وضو نہیں لیے۔

☆---تہجد اور نمازِ پنجگانہ عرصۂ شباب میں ہمیشہ غسل کر کے پڑھیں۔حیاتِ مقدسہ کے دَورِ آخریں میں بھی یہ اہتمام کثرت سے رہا۔

☆---کبھی قبلہ رُخ پاؤں نہیں کیے۔

☆---ہر وقت خدائے بزرگ و برتر کی لامحدود رحمتوں ہی کے تذکرے وردِ زبان رہتے۔

☆---سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ پاک کرتے گھنٹوں بیت جاتے لیکن تھکاوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا۔

☆---اگرچہ فتویٰ کی رُو سے درود شریف بغیر وضو کے پڑھنا جائز ہے، لیکن آپ اسے تقویٰ کے منافی گردانتے، چنانچہ ہمیشہ باوضو ہو کر مدینہ پاک کی طرف رُخ کر کے دوزانو بیٹھ کر پڑھتے۔مریدین کو بھی یہی تاکید کی جاتی تھی۔

☆---کتابیں اپنی نشست سے ذرا اوپر رکھتے کہ ان میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسمائے پاک ہوتے ہیں۔

☆---حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ خیر سنتے ہی چشمانِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ پاک کرتے تو محسوس ہوتا جیسے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں خود کو حاضر جان کر اور آپ کا خوب تصوّر کر کے ذکر کر رہے ہیں۔

☆---نعت خوانوں کا ادب مبالغے کے ساتھ کرتے، انہیں اونچی جگہ بٹھا کر یا کھڑا کر کے نعت شریف سنی جاتی۔

☆---زمین پر گرے کسی کاغذ پر اللہ تعالیٰ، نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم یا کسی بھی مقدس شخصیت کا اسم شریف لکھا دیکھتے تو تکلیف محسوس کرتے، فوراً اٹھا کر آنکھوں اور

لبوں سے لگا لیتے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہندسوں کا بھی ادب ہوتا ہے، اس لیے کہ ان سے (حروفِ ابجد کے قاعدے سے) مقدّس نام بنتے ہیں۔

☆---فرش پر سبز ٹائلیں یا رنگ لگانے سے منع فرماتے کہ گنبدِ خضرا کا رنگ ہے۔آپ ایسے فرش پر قدم مبارک نہیں رکھتے تھے جس کا رنگ سبز ہو۔

حقیقت یہی ہے کہ آپ حُبّ والفتِ خدا اور عشق وغیرتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے معطر وہ پھول تھے جس نے جہاں بھر میں انہی خوشبوؤں کو عام کیا۔ایک مرتبہ فرمایا، "جسے یہاں آ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت نہ ملے، وہ بے شک نہ آیا کرے"۔

عظیم خوشخبری: ستمبر ۲۰۰۵ء کی بات ہے، آپ نے 'الحقیقہ' کے اکتوبر کے شمارے کے لیے اداریہ لکھا تو اس میں ایک فقرہ یوں تھا، "حشر کا دن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت وغیرت والوں کے لیے عید کا دن ہوگا"۔یہ فقرہ لکھتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔غالباً اگلے ہی دن آپ نے خدّام کی مجلس میں ایسے ہی فقرے دوبارہ کہے اور اسی طرح مبارک آنکھیں آنسوؤں سے پھر بھر گئیں۔حافظ محمد یٰسین صاحب (سیالکوٹ) جو پاس بیٹھے تھے، ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا، "انشاء اللہ بروزِ قیامت ہم (نبی کے غلام) نعرے لگاتے جنّت میں جائیں گے، کیوں درویشا؟" غلام مرشد صاحب بھی حاضرِ بارگاہ تھے، عرض گذار ہوئے، "حضور! مجھے بھی ساتھ لے جائیے گا (میرے لیے بھی دعا فرمائیے گا)"۔فرمایا (اردو میں)، "جب ہم اس طرح کی کوئی بات کرتے ہیں تو سب عزیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے ہیں"۔یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ یقیناً یہ ارشادِ عالیشان حضور مفکرِ اسلام کے غلاموں کے لیے عظیم خوشخبری ہے۔

ذکرِ خیر الانام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز

اہلِ محبت کتاب وسنت کے مطالعے سے اس حقیقت کو پا چکے ہیں کہ حُبِّ حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی جانِ ایمان ہے۔ بقولِ اقبال:

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں
ہست حُبِّ رحمۃٌ للعلمیں

اور یہ اہلِ محبت اس بات سے بھی بے خبر نہیں کہ عشق ومحبت کا ایک تقاضا ذکرِ محبوب ہے۔ خود معلمِ اعظم، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے:

مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ

یعنی جسے کسی سے محبت ہوتی ہے، اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

اور کسے معلوم نہیں کہ خدا کے بعد جو سب سے بڑھ کر مذکور وممدوح ہے وہ مہرِ سپہرِ پیمبری، ماہِ سمائے دلبری، جمالِ چہرۂ خوبی، کمالِ شانِ محبوبی، حضور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ذاتِ اقدس ہے۔

ذکرِ رسول کی ہمہ گیری: شمس العارفین، بدر الکاملین، حضور مفکر اسلام اعلیحضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ رسول کی ہمہ گیری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کائنات اس کی وسعتوں میں گم ہے اور یہ شرق وغرب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہے۔ نقار خانۂ عالم کو ہمہ تن گوش ہو کر سنیں تو حمدِ خداوندی کے بعد ایک ہی آوازہ گونج رہا ہے اور وہ ہے کونین کے دولہا، دارین کے آقا، ثقلین کے مولا علیہ التحیۃ والثناء کی نعت کا۔ ذوق وشوق کا ہنگامہ ہو یا علم وحکمت کی انجمن، عاشقوں کی بزم ہاؤ ہو ہو یا عارفوں کی محفلِ

سرود، گریۂ نیم شبی ہو کہ آہِ سحر گاہی، ہر کہیں ذکرِ رسول کا چرچا ہے۔ اسی سے سوز ہے۔ اسی سے ساز ہے۔ عنادل کا نغمہ ہو کہ مرغانِ سحر کا زمزمہ، پھولوں کی مہک ہو یا غنچوں کی چٹک گوئی' بالجہر تو کوئی بالسّر اسی میں محو ہے۔ یہ کائنات کی منزلِ مقصود ہے اور مظاہرِ فطرت اپنے اپنے انداز میں اسی کی طرف رواں دواں ہیں' بقولِ اقبال:

ہر کجا بینی جہان رنگ وبو!
آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است!

گلشنِ ہستی محبوب کی جلوہ گاہ ہے اور یہی جلوہ اس کا سامانِ رنگ وبو ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
ہو نہ یہ ساقی تو پھر مے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو!
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو!
خیمۂ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

زمین ہی کیا، آسمانوں بلکہ عرش پر بھی گرمئ محفل ہے۔ خدائی ہی نہیں، خود خدا بھی اپنی شانِ یکتائی کے ساتھ محبوب کا مدّاح ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

پھر جس طرح یہ ذکر ’مکان‘ کے طول وعرض کو گھیرے ہے۔ ’زمان‘ کی عظیم پہنا
ئیاں بھی اس کے آگے ہیچ ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کا یہ خدائی وظیفہ صبحِ ازل سے پہلے جاری ہو
اور شامِ ابد کے بعد تک جاری رہے گا۔ کیوں نہ ہو مکان محدود ہے اور یہ (ذکر) غیر محدو
،زماں مسدود ہے اور یہ غیر مسدود۔"

ایک عظیم ذاکرِ رسول: مردِ مومن ذکرِ رسول کی اس ہمہ گیر نوعیت کا بخوبی ادراک
رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کا ہر لمحہ یادِ حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں بسر ہوتا ہے تو ہر آن ذکر
شہِ لولاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس کی زبان تر رہتی ہے۔ امام بوصیری، شیخ سعدی، مولانا
جامی، علامہ اقبال، اعلیحضرت علیہم الرحمۃ سب نے یہ فرضِ محبت اپنے اپنے دور میں اپنے
اپنے مخصوص انداز میں سرانجام دیا ہے۔ دورِ حاضر میں عشاقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ایک
قد آور اور ممتاز ترین شخصیت میرے خطا پوش، میرے عطا پاش، میرے ولی نعمت
اعلیحضرت حضور قبلۂ عالم پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہٗ العزیز کی ہے جن کی زیست کا
عنوانِ جلی یادِ حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے اور ان کی نظم ونثر
اس پر شاہد عادل۔ سچ پوچھئے تو ان کے کمال کی بنیاد اگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے تو
کلام کی تاثیر ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے
آپ کے کلامِ منظوم سے چند شہ پارے پیش کئے جائیں تاکہ جو والہانہ محبت وعقیدت
آپ کو آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی، اس کا کچھ اظہار ہو جائے۔ یاد رہے کہ
حضور مفکرِ اسلام نے اردو، پنجابی، فارسی زبانوں میں نعتیہ کلام لکھے ہیں۔ انگریزی زبان
میں بھی اشعار لکھے۔ (انگریزی زبان پر آپ کو ایسا عبور تھا کہ جب آپ ابھی فرسٹ ایئر

کے طالبعلم تھے تو دو دو گھنٹے اپنے انگریزی کے پروفیسرز سے انگریزی میں گفتگو کر لیتے
تھے)۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمۃ نے ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم
بصورتِ نظم مختلف انداز میں کیا ہے۔ آپ نے روایتی انداز میں ’نعت‘ کے عنوان سے بھی
کلام لکھ کر محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور
کہیں ’نعت‘ کی بجائے کوئی نعتیہ عنوان دے دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارا نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔
میرا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہ قربان۔ سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صدقہ۔ آؤ میلاد
منائیں۔ جانِ عرش۔ عشقِ شہِ والا۔ معراجِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم وغیرہم۔

تمنائے شعاعِ روئے زیبا: ’ارمان‘ کے عنوان سے ایک نعت شریف کے چند
اشعار ملاحظہ ہوں۔

غبارِ کوچۂ سرکار ﷺ ہو جاؤں تو کیا کہنا
جومٹ کر لائقِ دیدار ہو جاؤں تو کیا کہنا
بہالے جائے سیلِ شوق مجھ کو کوئے جاناں میں
غریقِ قلزمِ انوار ہو جاؤں تو کیا کہنا
ادھر وہ زندہ کرنے کو مجھے تشریف لے آئیں
ادھر مرنے کو میں تیار ہو جاؤں تو کیا کہنا
تمنائے شعاعِ روئے زیبا میں فنا ہو کر !!
دو عالم سے اگر بیزار ہو جاؤں تو کیا کہنا
نہ اترے اک جھلک کا نشہ دل سے روزِ محشر تک

کچھ اس انداز سے سرشار ہو جاؤں تو کیا کہنا

حمد و نعت کا حسین امتزاج: حمد و نعت کو یکجا کر کے نہایت حسین اور دلکش انداز سے پیش کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا ملاحظہ کیجئے:

ان کا رب پھر ان کا رب ہے، خود ان جیسا کوئی نہیں
یکتا کے ہیں مظہرِ یکتا ، ایسا یکتا کوئی نہیں ہے
ایک وہی مہمان خدا کے، منزلِ اَواَدنی میں ٹھہرے
چرخ پہ تو کچھ اور بھی پہنچے، عرش پہ پہنچا کوئی نہیں ہے
اپنے رب کو دیکھا انہی نے، ان کو دیکھا تو رب ہی نے
ان دو کا ان دو کے علاوہ دیکھنے والا کوئی نہیں ہے
وہ ارحم یہ اس کی ہیں رحمت، وہ معبود یہ جانِ عبادت
بے ان کے جو اس تک پہنچا، حاشا و کلا کوئی نہیں ہے
وحدت کا وہ جام پلایا ، بندوں کو مولا سے ملایا!!
ہے کوئی ایسا اور بھی ہادی؟ ہاں ہاں، ایسا کوئی نہیں ہے

فریاد و استغاثہ بہ بارگاہِ رسول: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ بے کس پناہ میں فریاد و استغاثہ ہمیشہ سے پاکانِ امت کا معمول رہا ہے۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پیغمبرِ اِنس و جاں ، راحتِ خستہ دلاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا ہے:

رخِ روشن مجھے سرکار دکھایا ہوتا

مجھ سیاہ کار کا بھی بخت جگایا ہوتا
مجھ کو ہر شے میں نظر آتی تجلی تیری
میری آنکھوں سے بھی پردہ جو اٹھایا ہوتا
کیا ملا عقل کی شوریدہ سری سے مجھ کو
میں بھی تو خاک رہِ عشق، خدایا ہوتا
کاش ناموسِ رسالت پہ میں جاں دے دیتا
خود کو یوں موت کے پنجے سے چھڑایا ہوتا
ایک ہلکا سا تبسم بھی مجھے کافی تھا
یہ شرف میرے بھی حصے میں تو آیا ہوتا
پھر مجھے موت کا کھٹکا نہ ذرا بھی رہتا
باد دامن سے اگر مجھ کو جلایا ہوتا
تیری نظروں سے جو لیتے تھے بلال اور خبیب
کچھ نہ کچھ مجھ کو بھی وہ راز سکھایا ہوتا
کاش دربارِ رسالت میں یوں آتا آتی
نقشِ لاثانی کا ظاہر میں بھی سایہ ہوتا

ایک پنجابی نعت کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

توں ایں رب دا نور مدینے والڑیا
ظلمت کر دے دور مدینے والڑیا
بڑیاں آساں لے کے آیاں دراتے

کرلے ہن منظور مدینے والڑیا

لادے اپنے عشق دا چانن سینے وچ
کڈھ کے فخر غرور مدینے والڑیا

تیری یاد چ ڈبیا رہواں میں محشر تک
دے اوہ کیف سرور مدینے والڑیا

واسطہ حسن حسین تے سیدہ زہرا دا
عرضاں کر منظور مدینے والڑیا

کنہوں جا کے حال سناواں سینے دا
زخماں کیتا چور مدینے والڑیا

کوئی نہ مڑیا خالی تیرے در اتوں
ایہ گل ہے مشہور مدینے والڑیا

نقشِ لاثانی دا صدقہ آسی نوں
کردے نورو نور مدینے والڑیا

میلاد شریف کا بیان: میلاد شریف بیان کرنا حضور مفکرِ اسلام کا پسندیدہ ترین موضوع تھا اور میلاد شریف کو بیان کرتے وقت آپ دیگر شعراء کی طرح محض فضائل و مناقب تک ہی محدود نہ رہتے بلکہ اس عظیم روحانی، علمی، فکری اور نظری انقلاب کی طرف اشارہ ضرور کر دیتے جو دراصل عظمتِ رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

چمک اٹھی ہے بزمِ کن فکاں سرکار کا صدقہ
منور ہو گئے کون و مکاں سرکار کا صدقہ

وہ آئے تو اجالے آگئے ایوانِ ہستی میں
مٹا ظلمات کا نام و نشاں سرکار کا صدقہ

مزاجِ آدمیت میں انوکھا انقلاب آیا
بدل کے رہ گئے پیرو جواں سرکار کا صدقہ

بشر ہاں وہ بشر، جو مہر و ماہ کو سجدے کرتا تھا
ہوا ارض وسما کا حکمراں سرکار کا صدقہ

حیاوشرم ، مہروآشتی سرکار نے بخشی
رواں ہے زندگی کا کارواں سرکار کا صدقہ

سراپا حرص کو اخلاص کا پیکر بنا ڈالا
مہکتا ہے وفا کا بوستاں سرکار کا صدقہ

بفیضِ نقشِ لاثانی ہے آسی نعت خواں ان کا
تو جبریلِ امیں ہیں ہمزباں سرکار کا صدقہ

ماہِ ربیع الاوّل شریف میں آپ کثرت کے ساتھ محافلِ میلاد کا انعقاد کرواتے اور صرف شکر گڑھ میں اکثر ان محافل کی تعداد 100 سے تجاوز کر جاتی۔ سیالکوٹ میں بارہ روزہ محافلِ میلاد کا آغاز آپ نے کیا۔ ڈسکہ، لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، شیخوپورہ اور دیگر شہروں میں جتنی محافل اس ماہِ طیبہ میں ہوتیں، ان کا شمار مشکل ہے۔ سال کے دیگر مہینوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

انشاءاللہ ایہہ آسی نوں رضوان آکھے گا جنت دا
تسی آقا دے میلادی سو تشریف لیاؤ گج وج کے

پھر ماہِ ربیع الاوّل شریف میں آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کسی کو پریشان یا اداس دیکھتے تو فرماتے اس مہینے میں اللہ کریم نے اتنی بڑی خوشی (حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری) ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کے سامنے یہ معمولی پریشانیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ لہذا پورا مہینہ خوش خوش نظر آنا چاہئے کہ یہ بھی ایک انداز ہے اللہ کے احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کرنے کا۔

حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ آپ کے زورِ قلم کا خوبصورت انداز ملاحظہ کیجئے:

"حضرت آدم علیہ السلام کے بعد مختلف ادوار میں انبیاءِ کرام اور رسولانِ عظام (علیہم السلام) مختلف ملکوں اور قوموں میں بھولی بھٹکی مخلوق کو راہِ حق دکھانے کے لیے تشریف لاتے رہے اور اس طرح دنیا تبلیغِ نوح، شفقتِ ابراہیم، تسلیمِ اسماعیل، حسنِ یوسف، جلالِ موسیٰ، خلافتِ داؤد، ملکِ سلیمان، مناجاتِ یحییٰ اور دمِ عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کا نظارہ کرتی رہی تا آنکہ سب سے آخر میں' خدا کا سب سے بڑا محبوب سب سے بڑا نبی و رسول، انسانیت کا سب سے بڑا ہادی و محسن، کائنات کا سب سے بڑا معلم و مقنن سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا رحمۃ للعلمین بن کر، ختمِ نبوت کا تاج پہن کر، جلوہ طرازِ گیتی ہوا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

حضورِ اکرم، نورِ مجسّم، رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی تشریف آوری سے کائنات کی جان میں جان آگئی۔۔۔ زندگی دم توڑ رہی تھی اسے جینے کا حوصلہ مل گیا۔۔۔ 'انسانیت' قریب الموت تھی، اسے سکون وقرار آگیا۔۔۔ اخلاق اور کردار کی عظمت کے چراغ روشن ہوئے۔۔۔ شجر و حجر کے سامنے جبیں سائی کرنے والے اشرف المخلوقات کو اس کے اصل مقام پر فائز کیا گیا۔

ہاں ہاں، یہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر کے قدومِ میمنت لزوم کی برکت تھی کہ کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔۔۔ توحید وایمان کے انوار سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھے۔۔۔ خدائی جس 'انسان' کی منتظر تھی اسے وہ مل گیا۔۔۔ انسان جس 'خدا' کی تلاش میں تھا، اس تک وہ پہنچ گیا۔ (وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ آل عمران پ۴)

سطوتِ کبریٰ کے نقشِ پا کی شوخی دیکھنا
عالمِ ہستی کے خارستاں بہارستاں ہوئے

لاکھوں، نہیں کروڑوں، بلکہ اربوں، نہیں، بلکہ بے حد و بے عدد درود و سلام ہوں اُس جانِ رحمت پر جو 'نور' بن کے آیا اور کتابِ مبین لایا:

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لیے ہوئے
تزئینِ کائنات کا ساماں لیے ہوئے"

آپ کو آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکرِ ولادت سے جو گہرا شغف تھا وہ

بیان سے باہر ہے چنانچہ تحریر کی طرح تقریر میں بھی آپ کا انداز ذکرِ میلاد کرتے ہوئے نہایت والہانہ ہوتا۔ جھوم جھوم کر اور مسکرا مسکرا کر میلاد شریف کے واقعات بیان کرتے تو سننے والے اس حسنِ بیان پہ خوب دل کھول کر داد دیتے اور مست ہو ہو جاتے۔ کوئی حضور علیہ السلام کے میلاد منانے کا منکر ہوتا تو یہ سن کر سخت تکلیف محسوس کرتے اور اس سے بات کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے تھے۔ ابوالکلام آزاد (جو اپنے افکار و نظریات میں قرآن و سنت کی حدود و قیود سے بالکل آزاد تھا) نے جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے میلاد کے حوالے سے ایک زہریلی تحریر لکھی اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اسے ہندووانہ رسم قرار دیا تو آپ نے اس کی اس زہریلی تحریر کا خوب تعاقب کیا اور ''میلاد شریف اور بعض روایات' کے نام سے ایک لاجواب اور اس دور میں میلاد شریف کے موضوع پر لکھی جانے والی بہترین کتاب تصنیف کی جس نے خوب شہرت حاصل کی۔

آپ بارہ ربیع الاول شریف کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مناتے۔ اس دن اسی مقصد کے لیے بنایا گیا دیدہ زیب جبہ زیب تن فرماتے جو قدرت کی طرف سے عطا کیے گئے حسن و جمال میں زیادتی کا سبب بنتا۔ خوشبو کا استعمال بھی کرتے۔ اور نقش لاثانی نگر سے ایک بڑے جلوس کو لے کر مرکزی جلوس جو جامع مسجد نور سے نکلتا تھا، سے جا ملتے اور پھر اس کی قیادت کرتے ہوئے ایک متعین راستے سے گزارتے۔ پورا راستہ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کیے جاتے۔ نعت خوانی ہوتی اور نہایت ایمان افروز سماں باندھا جاتا۔

۱۲ ربیع الاوّل شریف کو آستانہ عالیہ کو خوب سجایا جاتا' لائٹنگ کا بندوبست ہوتا اور جامع مسجد خاتونِ جنت میں جشنِ میلاد نہایت عقیدت و محبت سے منایا جاتا۔ نماز ظہر

تک یہ سلسلہ چلتا۔ پھر نہایت پرتکلف لنگر شریف تقسیم کیا جاتا، جس کا اپنا ہی ایک مزہ تھا، خنقوانوں اور مقررین کو سال بھر سے زیادہ اس دن نوازا جاتا۔ المختصر! حضور علیہ السلام کے یوم ولادت کو منانا آپ پر ختم تھا۔ آپ کے حلقہ ارادت سے تعلق رکھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ عمرِ عزیز کے آخری چند سال نہایت علیل رہے اور صورتحال یہ تھی کہ سوائے ہفتہ وار دربار شریف حاضری کے کہیں آنا جانا تقریباً متروک ہو چکا تھا۔ تاہم بارہ ربیع الاول شریف کے معمولات میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ اور ہر سال آپ بنفسِ نفیس جلوس کی قیادت بھی فرماتے رہے اور جشنِ میلاد کے سلسلے میں ہر ممکن اہتمام کا التزام بھی رہا۔

ماہنامہ الحقیقہ جو آپ کے علمی فیضان کا قاسم ہے ربیع الاوّل شریف میں اس کا خصوصی نمبر ہر سال شائع ہوتا رہا اور بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی یہ سنت آج تک قائم ہے۔

ذکرِ شیخ، ذکرِ رسول کے تابع: اوپر ایک اقتباس آپ کی تصنیفِ لطیف 'انوارِ لاثانی' سے لیا گیا جو آپ نے اپنے دادا مرشد قیوم زمانی، قطبِ ربانی حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمۃ کی سیرت پر لکھی ہے۔ لیکن آپ کا انداز تھا کہ ذکر اپنے شیخ کا کرتے یا شیخ الشیخ کا یا بزرگانِ دین میں سے کسی کا، تو اسے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے تابع کر کے کرتے۔ اور کسی نہ کسی موقع پر، کسی نہ کسی حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر لے آتے اور جب آجاتا تو اگر لکھ رہے ہوتے تو صفحوں پر صفحے لکھتے چلے جاتے اور اگر بول رہے ہوتے تو گھنٹوں گذر جاتے اور ذکرِ شاہِ مرسلیں صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہوتا رہتا۔ 'انوارِ لاثانی' کی تصنیف میں بھی ہمیں یہی بات نظر آتی ہے۔ مثلاً ہر تصنیف (بشمول انوارِ

لاثانی) کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے جو کہ نظم کی صورت میں بھی ہوتی اور بصورتِ نثر بھی۔ جہاں مقامِ ولایت کو سمجھانا مقصود ہے وہاں پہلے تصوّرِ نبوت کو اجاگر کیا ہے۔ جہاں اپنے شیخ کے خاندان کا ذکر کرنا ہے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آلِ پاک (علیہم الرضوان) کے فضائل کا تذکرہ کیا ہے (آپ کے شیخ حسنی حسینی سید تھے)۔

اپنے مرشد کے کسبِ علم کا تذکرہ کرنا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں تحصیلِ علم کی فضیلت کا بیان ہے۔ شبابِ مقدّس اور نکاح کا ذکر مقصود ہے تو پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شبابِ مقدّس اور نکاح کا بیان لایا گیا ہے۔ جہاں اپنے شیخ کی کرامات ذکر کرنی ہیں پہلے حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

جہاں ان کے اختیارات کا بیان کیا، پہلے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لامحدود اور بے پناہ اختیارات (مخلوق کے مقابلے میں) کا ذکرِ جمیل لاتے ہیں۔ جہاں اپنے پیر کے اَخلاق کی بات کرتے ہیں، ترجیحاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حسنہ اور اَخلاقِ حمیدہ کی بات چھیڑ دیتے ہیں۔ اپنے شیخ کی منقبت لکھ رہے ہوں تو بھی ذکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور کرتے ہیں، مثلاً ’بحضور نقشِ لاثانی‘ کے نام سے ایک منقبت کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں:

حاصل مجھے بھی ذکرِ نبی کا سرور ہو
میرے بھی دل میں عشق و محبت کا نور ہو
یوں تیرے جدِّ پاک کی مدح و ثنا کروں
تحسین قدسیانِ فلک سے سنا کرو

لوں جب بھی نامِ مصطفٰے لب چوم چوم کے
دیں داد میری روح الامیں جھوم جھوم کے
تکبیر کا جو نعرہ لگاؤں بصد سرور
آجائیں حال و وجد میں کرّوبیان و حور
جس وقت مرے لب پہ ہو فریاد یارسول
آئے ندا کہ آسی تیری ہر صدا قبول!

ذکرِ مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کا والہانہ انداز:

اسی طرح جہاں مشائخ نقشبند کا تذکرہ کرنا تھا وہاں اسی کتاب میں پہلے ’سید الکونین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء‘ کے نام سے باقاعدہ عنوان قائم کر کے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت یوں بیان کرتے ہیں:

”مشائخ نقشبند کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے مدح طرازِ قلم، اس تاجدارِ ہدایت، رازدارِ بدایت، سرِّ اسرارِ نہایت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے زمینِ ادب چومتا ہے

جو خَلق میں اوّل، بعثت میں آخر، شان میں ظاہر اور حقیقت میں باطن[1] ہے۔

جو پیغمبرِ انس وجاں، سرورِ دو جہاں، حاصلِ کُن فکاں، مالکِ این و آں، باعثِ چنین وچناں، راحتِ خستہ دلاں، چارۂ بیچارگاں، دلیلِ سبیلِ عرفاں بلکہ خلیلِ جلیلِ رحماں ہے۔

جو مہرِ سپہرِ پیمبری، ماہِ سمائے دلبری، جمالِ چہرۂ خوبی اور کمالِ شانِ محبوبی ہے۔

جو مرہم ناسورِ جگر، آرام دلہائے مضطر، عظمتِ نوعِ بشر اور مقصودِ فکر ونظر ہے۔

جو دافعِ بختِ واژوں، طبیبِ جراحتِ دروں اور حبیبِ حضرت بیچوں ہے۔

جو رنگِ گلشنِ نبوّت، بوئے چمنِ فتوت، وجودِ مسعودِ مغفرت، نمود وشہودِ موہبت، مفتاحِ خزائنِ رحمت، مصباحِ محافلِ عظمت، شمس فلکِ شہامت، قمر چرخِ کرامت، شفیقِ فقیرِ امّت اور رفیق اسیرِ غربت ہے۔

جو مجمعِ حسنات، منبعِ فیوضات، جامع البرکات، مرجع ششجہات اور مطلعِ تجلیات ہے۔

جو مہبطِ وحی آسمانی، موردِ آیاتِ قرآنی، امین اسرارِ رحمانی، قاسم نعمائے ربانی، عالم علومِ عرفانی، دانائے اسرارِ نہانی ہے۔

جو عین عیونِ نور، معطی البہاء والسرور، دافع البلاء والشرور اور شافعِ یوم النشور ہے۔

جو مشعلِ بزمِ وفا، چراغِ خانۂ صفا، جانِ جہانِ اجتباء، شاہِ اقلیمِ اصطفیٰ، سرخیلِ جملہ انبیاء، مظہرِ شانِ کبریا ہے یعنی احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وآبائہٖ وامہاتہٖ وذریاتہٖ واتباعہٖ وبارک وسلم)

ا: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ٥
حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ کے خطبے میں فرماتے ہیں یہ آیت حمدِ خداوندی بھی ہے، نعتِ مصطفوی بھی۔

نگاہِ عشق ومستی میں وہی اوّل وہی آخر   وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یسیں، وہی طٰہٰ

نعت شریف

کانِ عرفاں، جانِ احساں، دُرِّ دُرجِ اصطفا
تختِ رفعت، بختِ دولت، مہرِ برجِ اجتبا

شاہِ عالم، ماہِ اعظم، نورِ انوارِ قِدم
سرِ ابہیٰ، برِ اسنیٰ، شمعِ جمعِ انبیاء

بدرِ ایماں، صدرِ احساں، صاحبِ فضل وکرم
رُوحِ رحمت، رَوحِ راحت، نوحِ فلکِ اہتدا

آیتِ حق، فیضِ مطلق، ہادیٔ انسان وجاں
خلق پرور، خُلق گستر، شافعِ روزِ جزا

شاہِ اسریٰ، ماہِ اقصیٰ، آفتابِ چرخِ قرب
عرش منزل، عیش حاصل، محفل آرائے دَنیٰ

نورِ رحمٰں، فضلِ یزداں، راحت وفرحِ جہاں
شانِ شوکت، آنِ رفعت، منبعِ جود وعطا

شمسِ رافت، مہرِ رحمت، نیرِ برجِ شرف
نجمِ عرفاں، رجمِ شیطاں، دافعِ شرک وبلا

کون ہے جو اس محبوبِ عالی وقار کی عظمت بیان کر سکے:

جو کمال ہی کمال، جمال ہی جمال، خوبی ہی خوبی اور خیر ہی خیر ہے
جس کی ابتدا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ [1] سے ظاہر

جس کی شانِ ظہور یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا [2] سے روشن

جس کی عالمگیر بعثت لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا [3] سے مبرہن

جس کی سیر سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ [4] سے معزز

جس کا قرب فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی [5] کا مصداق

جس کی اطاعت مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [6] سے ثابت

جس کے متبعین کو یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ [7] کا وعدہ

جس کا حکم فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ [8] سے نمایاں

جس کی دولت اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ [9] کی تفسیر

جس کا علم وفضل وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا [10] سے عیاں

1: اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ 2: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب (الاحزاب) 3: جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو (الفرقان) 4: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا (بنی اسرائیل) 5: تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم (النجم) 6: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا (النساء) 7: اللہ تمہیں دوست رکھے گا (آل عمران) 8: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تمہیں حاکم نہ بنائیں (النساء) 9: اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں خیرِ کثیر عطا فرمائی (الکوثر) 10: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النسآء)

جس کا خصوصِ رافت بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ [11] میں مذکور

جس کا عمومِ رحمت وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ [12] کا مقصود

جس کی کتاب تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ [13] سے موصوف

جس کا دستور اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ [14] سے مستند

جس کا دین دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ [15] سے غالب

جس کا سینہ فیض گنجینہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [16] کی شرح

اور جس کا ذکر وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ [17] کا آئینہ دار ہے

جو آدم (علیہ السلام) کا وسیلہ ، نوح (علیہ السلام) کا ناخدا

ابراہیم (علیہ السلام) کا مقصود دعا ، اسمٰعیل (علیہ السلام) کا نورِ نظر

موسیٰ (علیہ السلام) کا عنوانِ کلام ، یحییٰ (علیہ السلام) کا حاصلِ مناجات

یحییٰ (علیہ السلام) کا مبشر ، اور سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کی تعبیر ہے۔

جو ربِّ اکبر کا نائبِ اعظم ، انسان کا محسنِ اعظم

رسل وملٰئکہ کا سہارا ، اور جگ کا داتا ہے۔

11: مسلمانوں پر کمال مہربان (التوبہ) 12: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے (الانبیاء) 13: ہر چیز کا روشن بیان (النحل)۔ 14: بیشک ہم اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر) 15: اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے (الفتح) 16: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا (الانشراح) 17: اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا (الانشراح)۔

اس کی شان کا بیان تو ایک طرف رہا، عرفان بھی ناممکن ہے۔ خود فرماتے ہیں:

یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَةً غَیْرُ رَبِّیْ....... (مطالع المسرات)

ترجمہ: اے ابوبکر! مجھے حقیقت میں میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔“

یہ ہے وہ لاثانی اسلوبِ تحریر و نظم جس نے آپ کو مصنفین اور شعراء کی صف میں لاثانی بنا دیا تھا۔ چنانچہ عارفِ حقانی، عالمِ ربانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ، نقش لاثانی علیہ الرحمۃ 'سیرتِ حضور نقشِ لاثانی' کے 'حرفِ اوّل' میں فرماتے ہیں:

”مصنف شیخِ کریم کا نمک خوار ہے اور اس تحریر سے اس نے گویا حقِ نمک ادا کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔ سطر سطر بلکہ لفظ لفظ سے صدقِ عقیدت عیاں ہے اور نقطے نقطے سے نکتے نکالے گئے ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے احباب جن کی نظر سے ایسے تذکرے گذرتے رہتے ہیں انشاء اللہ گواہی دیں گے کہ نقشِ لاثانی کے فیض سے دربارِ لاثانی کے اس مستانے (حضور مفکرِ اسلام) کا انداز بیان بھی لاثانی ہے۔ بظاہر وہ مرشدِ کامل علیہ الرحمۃ کی کرامات بیان کر رہا ہے مگر بباطن توحید و رسالت، اسلام و ایمان اور مسلک سلف صالحین کے خلاف ابھرنے والے ذہنی وسوسوں کا جواب بھی دیتا جا رہا ہے کہ یہی اس کا مقصدِ حیات ہے۔“

بارہا درسِ قرآن کا سلسلہ آپ نے چلایا اور متعدد دفعہ اس کا دورہ کیا۔ درسِ حدیث جو کہ مشکوٰۃ شریف سے آپ دیتے تھے، رمضان شریف میں آپ کا معمول تھا۔ اور ان دروس میں آیات کی تفسیر بیان کی جا رہی ہو یا حدیث، نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کے حسن و جمال اور فضل و کمال کی ہی باتیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ آپ کے تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ کالج میں آپ اردو شاعری پڑھاتے تو بھی بات سرکار علیہ السلام کی ہی کرتے۔ اللہ رسول کے اسمائے حسنیٰ تختہ سیاہ پر لکھتے تو مٹاتے ہوئے چاک کے ذرّے نیچے نہ گرنے دیتے۔

ذاکرینِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے محبت والفت: جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر کرتے چاہے تقریر کی صورت میں چاہے نعت کی صورت میں، آپ ان کو بہت عزت دیتے۔ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے، انہیں اونچی جگہ پر بٹھاتے، انعام واکرام سے نوازتے۔ نیز ان کی تعریف و ستائش اور داد و تحسین میں کوئی کمی نہ چھوڑتے۔ اگرچہ سنانے والا حسنِ ادائیگی کے ظاہری تقاضوں کو نباہ نہ سکتا۔

جناب محمد اقبال صاحب (چیئرمین بزمِ نعت سیالکوٹ) راوی ہیں کہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں کینٹ ایریا میں ایک ڈاکٹر صاحب کے گھر محفلِ میلاد تھی۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ ایک نعت خوان صاحب نہایت خوبصورت انداز سے عقیدت و محبّت کے ساتھ نعت شریف سنا رہے تھے۔ آپ یہ سن کر اتنے بے خود ہوئے کہ جتنی رقم پاس تھی، سب بطورِ انعام اسے دے دی۔ اس کے بعد کمبل، پھر اپنا واحد سویٹر بھی اسے دے دیا۔ آخر میں صرف ایک رومال بچا، وہ بھی اس شخص کو عطا فرما دیا۔ (سبحان اللہ)

آپ نے خود بلا مبالغہ سینکڑوں کو مقرر، نعت خوان اور قاری بنایا۔ طلباء کو تقاریر کی تیاری کے لیے عموماً آپ اس عاجز کو حکم ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی فرما دیتے کہ ان کو تیار کرنے کا مقصد یہی پیشِ نظر ہو کہ یہ دن رات اور ہر جگہ بس محبوبِ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے حسن وجمال، جاہ وجلال، فضل وکمال اور جود ونوال کے تذکرے حرزِ جاں بنائے رکھیں اور یہ کہ ہر قسم کے مسائل کے حل کے لیے یہ اسوۂ رسول کی طرف رجوع کرنے کی عادت بنالیں۔

اگر حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی بارگاہ میں آنے والا در رسول کی حاضری دے کر آیا ہے تو آپ اس کے ہاتھ چومتے اور بسا اوقات اس کے پاؤں کو چھوتے اور بہ اصرار ایسا کرتے اور فرماتے کہ جن پاؤں نے رب کے سب سے بڑے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درِ اقدس کی خاک کو چھوا ہے' مجھے انہیں چھو لینے دو۔ علامہ ابوا ہیم محمد نصر اللہ صاحب جو مدینہ شریف کے بہت بڑے عالمِ دین اور عاشقِ رسول ہیں اور بعد ازاں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، آپ کے ایامِ علالت میں تیمارداری کے لیے لاہور ایک ہسپتال آئے تو آپ اس بات پر بضد ہوئے کہ اپنے پاؤں آگے بڑھاؤ، میں انہیں چومنا چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گلی کی خاک کو چوما ہے۔

کوئی آپ کے سامنے آپ کی تعریف کرتا یا کوئی عالم یا خطیب آپ کا ذکر کرنا چاہتا تو سختی سے روک دیتے اور فرماتے بس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ پاک سناؤ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضور نے بندہ پروری کا مظاہرہ کرتے ہوئے راقم الحروف کے غریب خانہ میں محفلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں رونق بخشی۔ پھر مجھے تقریر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو میں نے والہانہ انداز سے آپ کا ذکر کرنا چاہا ہی تھا کہ آپ نے ڈانٹ دیا کہ تمہیں اپنا نہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر کرنے کے لیے کھڑا کیا ہے، میری کیا حیثیت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی آپ کسی صورت اپنا ذکر کرنا

پسند نہ فرماتے۔ اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کے سامنے تقریر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک تو خدا نے آپ کو ظاہری اور علمی ہیبت و وجاہت ہی ایسی عطا فرمائی تھی کہ ہماری تو کیا حیثیت ہے، ہم نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا ہے کہ آپ کے سامنے بیان کرتے وقت احتیاط کو مدنظر رکھتے تھے اور دوسرے آپ بعض حساس پہلوؤں پر بلاوجہ بولنے اور کماحقہٗ نہ بول سکنے کی شدید مذمت فرماتے تھے مثلاً واقعہ افک، جنگِ جمل، جنگِ صفین وغیرہم جن کو اگر اصل روح کے مطابق بیان نہ کیا جائے تو مخالفین کو عظمتِ رسول کے حوالے سے چہ مگوئیاں اور ہرزہ سرائی کرنے کا موقع ملتا ہے۔

یونہی سرکارِ دو عالم' نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسم پاک لیتے وقت القابات اور درود شریف کا التزام لازم تھا اور جو ان امور کا خیال نہ رکھتا، اسے مناسب طریقے سے سمجھا دیا جاتا۔

حضور ﷺ کی سنتیں عام کرنا: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو عام کرنے میں آپ کی مثال نہ تھی۔ آپ خود اتباعِ سنت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ آپ کا سونا جاگنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا غرضیکہ ہر فعل اتباعِ سنت کی غمازی کرتا تھا اور متعلقین کے لیے بھی اس کی پابندی لازم تھی۔ آستانہ عالیہ پر اکثر وقت حاضر رہنے والوں کے لیے تو اس کی تاکید نہایت سخت تھی۔ آپ نے جامعہ انوارِ لاثانی کی بنیاد رکھی تو قرا وحفاظ کے علاوہ نعت خوانوں اور مقررین کی تعلیم وتربیت کا بھی باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ یہ سب اور دیگر عقیدت مند جو کہ سینکڑوں کی تعداد میں روزانہ تین وقت لنگر شریف سے مستفید ہوتے تھے، انہیں سنت کے مطابق کھانے پینے نیز دیگر سنتوں سے باخبر کیا جاتا تھا۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز اور اتباعِ شریعت

اتباعِ شریعت: اتباعِ شریعت سے مراد ہے حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عطا فرمودہ نظام کی پیروی۔ رب اپنے بندوں سے جن احکامات کی بجا آوری چاہتا تھا، اور جن امور سے روکنا چاہتا تھا، وہ سب اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتا دیئے اور پھر قرآن میں اعلان کردیا:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.......

(پارہ ۲۸۔ سورہ حشر۔ رکوع ۱)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

یعنی جو کچھ سرکارِ دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کرنے کا حکم دے دیں وہ کرنا اور جن کاموں سے روکیں ان سے رک جانا اتباعِ شریعت ہوا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا فرمودہ اس نظام کی پیروی کے لیے دل میں جو خلوص اور خشوع ہونا چاہئے اس کا اہتمام 'طریقت' ہے۔ گویا 'شریعت و طریقت' دو متضاد راستے نہیں ہیں۔ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو کہ اس کی ظاہر و باطن کی حیثیتوں کے مطابق ہیں۔ علمائے کرام شریعت کے مسائل بتاتے ہیں تو اولیائے کرام طریقت کے ذریعے قلب ونظر کے حجابات دور کر کے اسے شریعت کا مقصود حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص شریعت وسنت کے خلاف ہے وہ ولی نہیں کچھ اور ہے۔ کوئی ولی بلند سے بلند مقام پر ہی کیوں نہ پہنچ جائے، احکامِ شرعیہ کی پابندی سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ بعض جاہل جو یہ بک دیتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے، راستہ کی حاجت ان کو ہے جو مقصود تک نہ پہنچے ہوں،

ہم تو پہنچ گئے۔ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں فرمایا:

صَدَقُوْا لَقَدْ وَصَلُوْا وَلٰكِنْ اِلٰى اَيْنَ اِلَى النَّارِ

یعنی وہ سچ کہتے ہیں بیشک پہنچے مگر کہاں، جہنم کی آگ میں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا ہی یہ ارشادِ عالیشان اہلِ طریقت کے ہاں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا يَطِيْرُ فِى الْهَوَآءِ اَوْيَمْشِىْ عَلَى الْمَآءِ اَوْ يَاْكُلُ النَّارَ وَ تَرَكَ سُنَّةً مِّنْ سُنَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاضْرِبْهُ بِالنَّعْلَيْنِ فَاِنَّهٗ شَيْطٰنٌ" وَ مَا صَدَرَ مِنْهُ فَهُوَ مَكْرٌ "وَّ اسْتِدْرَاجٌ"....... (بحوالہ انوارِ لاثانی)

ترجمہ: جب تو کسی شخص کو ہوا میں اڑتا، پانی پر چلتا یا آگ کھاتا دیکھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کسی سنت کا تارک بھی ہو تو اسے جوتوں سے مار کیونکہ وہ شیطان ہے اور جو کچھ اس سے صادر ہو مکر و استدراج ہے۔ اسی لیے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس حال کو جس میں سرِ مو بھی شریعت اور اہلسنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت احوال کے تابع نہیں، کیونکہ شریعت قطعی وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف و الہام سے

ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ بھی اسی شریعت کی پیروی کرتے"...... (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۰)

سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

"ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں"...... (حضرات القدس صفحہ ۱۷۰)

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! در تفاوت مراتب فقرأ اگر امروز خواہی کہ دریا بی بجانب شریعت اور نگاہ کن کہ شریعت معیار ست۔ معیار فقر بر شریعت روشن میگر دو..

(بحوالہ مقالات)

ترجمہ: اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو ان کے اتباعِ شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے۔ اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

شیخ ابو بکر طمستانی فرماتے ہیں:

اَلطَّرِیْقُ وَاضِحٌ وَالْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ قَائِمٌ بَیْنَ اَظْھُرِنَا.....

(بحوالہ مقالات)

ترجمہ: راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں:

"ولی وہ ہے جس کے افعال لگاتار سنت وشریعت کی موافقت میں ہوں"۔

معلوم ہوا، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے خود بھی شریعت کی پاسداری کی اور اپنے حلقۂ عقیدت میں داخلہ ہونے والوں کو بھی اتباعِ شریعت کا درس دیا۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ فوائد الفواد، عوارف المعارف، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، قوت القلوب وغیرہم کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، ہر صفحے پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اتباعِ شریعت کا بلند ترین درجہ یہ ہے کہ شرعی احکام انسان کی فطرت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور اس سے بے تکلف وہی افعال صادر ہوں جو ربِ اکبر جل جلالہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے مطابق ہوں۔ شمس العارفین، بدر الکاملین، رفیع الدرجات، عظیم البرکات، سیدی ومرشدی حضور مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مقامِ بلند پر فائز تھے، جہاں آپ کا ہر فعل شریعتِ مطہرہ کا مظہر ومعیار بن چکا تھا۔ رخصت نہیں عزیمت، اور فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہا۔ آپ کی عزیمت، آپ کا تقویٰ اور آپ کی استقامت ہی تھی جس نے آپ کو شریعت وطریقت کا امام بنا دیا تھا۔ یعنی آپ کشورِ علم وفضل کے بھی تاجدار تھے اور اقلیمِ درویشی کے بھی شہنشاہ تھے۔

ربِّ کائنات نے جن اعلیٰ اوصاف سے آپ کو نوازا تھا، ان میں سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ کو غصہ نہیں آتا تھا اور آتا تو تب، جب آپ دیکھتے یا سنتے کہ کسی نے اللہ کی قائم کردہ حدوں کو توڑا ہے۔ آپ فرماتے کہ جس طرح پانی دریا کی حدوں میں رہے تو نفع بخش ہے اور باہر نکل آئے تو طوفان بن جاتا ہے، یونہی بندہ اپنے رب کی قائم کردہ حدود وقیود کے اندر رہے تو یہ اللہ کریم کی برہان بن جاتا ہے اور اگر اپنے رب کی حدوں کو توڑ دے تو شیطان بن جاتا ہے۔

آدابِ نماز: اللہ کریم نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے ہمیں جو نظام عطا فرمایا ہے اس میں سب سے اہم عبادات کا نظام ہے۔ جس میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن پاک نے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ اور وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ (بقرہ۔۴۵) اور حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰات (بقرہ۔۲۳۸) وغیرہم الفاظ کے ساتھ بیاسی (۸۲) مرتبہ نماز (مع زکوٰۃ) کی تاکید کی ہے۔ اسی طرح سرکارِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صَلُّوْا خَمْسَکُمْ (ترمذی) وَلَا تَتْرُکْ صَلٰوۃً مَّکْتُوْبَۃً (ابن ماجہ) نیز جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ (منبہات) وغیرہم فرما کر جہاں نماز کی شریعتِ اسلامیہ میں اہمیت کو اجاگر کیا وہاں اس سے پہلوتہی کرنے والے کے لیے فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ (جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) جیسے سخت الفاظ سے تنبیہ کی نیز وَکَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ ھَامَانَ وَ اُبَیِّ ابْنِ خَلَف (بے نمازی قارون، فرعون ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ احمد، دارمی، بیہقی) کے الفاظ کے ساتھ بے نمازی کو اس کے خوفناک انجام سے باخبر کیا ہے۔

یوں تو نمازیں اکثر لوگ پڑھتے ہیں لیکن نماز میں انہماک اور توجہ الی اللہ کی جو صورتحال اولیاءِ کرام میں پائی جاتی ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نماز پنجگانہ نہایت حسنِ اہتمام سے ادا کرتے تھے۔ ادھر اذان ہوئی ادھر یوں نظر آنے لگے گویا سب سے لاتعلق ہیں کہ یہ بھی سرکار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے[1]۔

وضو نہایت احتیاط سے کیا جاتا اور اس دوران یوں محسوس ہوتا کہ آپ کی مکمل توجہ اپنے رب کی طرف ہے۔ نہ خود بولتے نہ پاس کسی کو بولنے کی اجازت ہوتی۔ پھر بغیر کسی

بات کئے مسجد کی طرف جاتے۔ اپنا استقبال اور ادب آداب عام طور پر آپ کو پسند نہیں تھا مگر اقامت ہوتے ہی صفیں بناتے ہوئے اپنے لئے جگہ چھوڑنے یا ہاتھ وغیرہ چومنے کو اور بھی سخت ناپسند فرماتے اور بعض اوقات جلالی انداز سے سمجھاتے۔ الغرض جس حسنِ اہتمام، احتیاط و تقویٰ، آدابِ شریعت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور یادِ خدا میں غرق ہو کر نماز ادا کرتے، الفاظ اس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہیں۔ امامِ ربانی حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اکثر دہراتے

"لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاہدہ آدابِ نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔ نیز فرمایا کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آدابِ نماز میں سستی برتتے ہیں" (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۸۸)

ایک موقعہ پر بڑے بڑے اولیائے کرام کی نمازوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور مفکرِ اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

"ہم حرص و ہوس کے بندے ہزار ہا فکری و قلبی آلائشوں میں جکڑے ہوئے گنہگار ایسی عظیم نماز سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو اس شاندار نماز کا کروڑواں حصہ بھی مل جائے تو کافی ہے۔ ہاں حتی المقدور کم از کم ہماری نماز کا ظاہر تو درست ہونا چاہئے۔ یعنی قیام، رکوع، سجدہ، قومہ وغیرہ کے باطنی اور صوفیانہ آداب سے ہم آشنا نہ سہی، کم از کم

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہم سے باتیں کرتے اور ہم آپ سے باتیں کرتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ ایسے ہو جاتے، گویا ہمیں پہچانتے بھی نہ ہوں۔

ظاہری آداب تو مکمل ہونے چاہئیں ۔۔۔امید کی جاسکتی ہے کہ نماز کا ظاہر اگر درست ہو جائے تو کبھی نہ کبھی باطن کی راہ بھی کھل جائے گی ''۔(تقدیم۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز)

وہ حضرات جو آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے، ان میں سے کوئی بے نمازی ہوتا تو کبھی نرمی اور کبھی سختی سے تلقین فرماتے۔آپ حق بات کہنے میں نہایت بے باک تھے۔متعدد دفعہ ایسا ہوتا کہ کوئی صاحبِ حیثیت ظاہری طور پر نہایت اعلیٰ وضع قطع کا مالک کسی حاجت سے حاضر ہوتا تو پہلا سوال نماز کا کرتے۔اگر مستقل نمازی نہ ہوتا تو حسبِ ضرورت سختی سے کام لیتے۔کسی قسم کے تعویذ کا خواہشمند ہوتا تو فرماتے سب سے بڑا تعویذ نماز ہے۔یہ نماز آنے والی کتنی ہی بلاؤں، پریشانیوں اور بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔جب وہ پکا نمازی بننے کا وعدہ کرتا تو پھر تعویذ عنایت فرماتے۔ ننگے پاؤں پھرنے سے منع فرماتے تھے کہ دماغی بے چینی پیدا ہوتی ہے اور سجدے میں سرور نہیں ملتا۔نماز میں بے سکونی رہتی ہے۔

آدابِ روزہ ورمضان: شریعتِ اسلامیہ میں روزہ کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔قرآن پاک نے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ۔۱۸۳) اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ۔۱۸۵) فرما کر رمضان میں اس کی فرضیت کا اعلان کیا ہے۔صوفیائے کرام علیہم الرحمۃ نے روزے کے تین درجے بیان کئے ہیں:

۱۔ ایک عام لوگوں کا روزہ کہ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنا۔

۲۔ دوسرا خواص کا روزہ کہ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کے علاوہ کان، زبان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضا کو گناہ سے باز رکھنا۔

۳۔ تیسرا خاص الخاص کا روزہ کہ (پہلی دو شرائط کے علاوہ) مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمۃ کا روزہ اعلیٰ ترین درجے کا روزہ تھا۔جو نیک صفت لوگ سالہا سال آپ کی خدمتِ اقدس میں رہے، سب بیک زبان کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی حضور قبلہ عالم کے ہاتھ، پاؤں، کان، زبان، آنکھ وغیرہ اعضاء کو خلافِ شرع کاموں کا ارتکاب کرتے نہیں دیکھا (کہ اولیائے کرام، انبیائے کرام کی طرح گناہوں سے معصوم تو نہیں ہوتے البتہ محفوظ ضرور ہوتے ہیں) اور جہاں تک حالتِ روزہ میں شرعی حدود و قیود کا تعلق ہے تو مجھے یہ کہتے قطعی طور پر کوئی تذبذب نہیں کہ آپ سے بڑھ کر ان حدود و قیود کا لحاظ رکھنے والا اور کمالِ احتیاط کو پیشِ نظر رکھنے والا میری نظر نے کوئی دیکھا ہی نہیں۔آپ کا روزہ دیکھ کر اسلاف کے روزوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔یہ بات بھی آپ سے سنی گئی کہ روزے (اور یونہی نمازیں وغیرہ) ہم نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سمجھ کر رکھتے ہیں۔آپ کی راتیں نماز و ذکر اذکار میں بسر ہوتیں تو دن تصنیف و تالیف میں صرف ہوتے۔پھر رمضان المبارک میں ان مصروفیات میں اور بھی شدت آجاتی۔عرصہ دراز سے آپ کا معمول مبارک تھا کہ رمضان شریف میں عصر تا مغرب درسِ حدیث ہوتا جو کہ مشکوٰۃ شریف سے ہوتا۔نیز بعد از نماز تراویح مختصراً اپنے رب اور محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت میں ڈوبا ہوا بیان ارشاد فرماتے۔ان دو مصروفیات کے علاوہ دن رات یا تو تصنیف و تالیف کا معمول رہتا اور یا پھر خدا و مصطفیٰ جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں غرق ہو کر تسبیح و تہلیل اور درود شریف کا ورد رہتا۔

رمضان المبارک میں ہوٹلز وغیرہ نیز کھانے پینے والی اشیاء کی دکانوں کا دن

میں کھلا ہونا سخت گراں بہ طبیعت تھا۔ چنانچہ علاقہ شکرگڑھ کے بازاروں میں چند ہوٹلز کے کھلا ہونے کی خبر آپ کو ملی تو علاقے کے ممتاز سیاسی لیڈر اور حکومتی عہدیدار جو آپ سے عقیدت مند بھی تھے، کو آپ نے ان ہوٹلز کے بند کرانے کا ارشاد فرمایا۔ اور پھر آپ ان سے اس وقت ناراض ہو گئے جب انہوں نے ایسا کرنے سے ٹال مٹول سے کام لیا۔ جب وہ آپ سے ملنے آئے تو آپ نے ان کی خاصی سرزنش کی اور قطع تعلق کر لیا۔ اس کے مقابلے میں تحصیل ناظم جناب طارق انیس صاحب (جو بعد ازاں ایم این اے اور وفاقی وزیر مملکت بھی بنے) نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو ان سے خاصے راضی ہوئے اور کئی مواقع پر ان کی تحسین فرمائی۔

بھٹو دورِ حکومت میں ایک شخص جو کہ چائے وغیرہ کی دکان کرتا تھا، رمضان شریف کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے روزانہ دکان کھولتا رہا۔ آپ نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ پھر وہ ٹھیک عید کے دن پاگل ہو گیا اور آج تک پاگل ہی ہے۔ گویا رمضان کا تقدس پامال کرنا ایک جرم اور اللہ کے ولی کی دلآزاری دوسرا، چنانچہ خدا کا غضب اسے لے ڈوبا۔ حقیقت یہ ہے کہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی آپ کو کسی صورت گوارا نہ تھی۔ آپ اس کا تدارک کرتے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی مصلحت آڑے نہ آنے دیتے۔

آپ کے حج وزکوٰۃ: نماز روزہ کی طرح آپ کی زکوٰۃ اور حج کے احوال بھی نہایت ایمان افروز ہیں۔ جو کچھ پاس تھا سب تبلیغِ دین کے لیے وقف تھا۔ کسی قسم کے مال و نقدی کے جمع کرنے کا تو سوال ہی کیا، اکثر اوقات قرض لے کر اشاعت و تبلیغِ دین کے لیے خرچ کرنا پڑتا تھا۔ اور اگر زندگی میں کبھی زکوٰۃ دینے کی صورت بنی تو بخوشی دی اور

زیادہ سے زیادہ ادا کی۔ یونہی مدرسے کے طلباء کے لیے جو زکوٰۃ فنڈ قائم تھا اس کی رقم بھی نہایت احتیاط اور غور و فکر سے خرچ کی جاتی۔ اس فنڈ کے انچارج کو سختی سے تاکید تھی کہ جہاں شرعی طور پر یہ صرف کی جانی چاہئے وہیں خرچ کی جائے اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اور جہاں تک حج کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی حیاتِ مقدسہ میں دو حج کئے۔ ایک اپنے پیر و مرشد قیومِ زمانی، قطبِ ربانی، اعلیحضرت، عظیم البرکت حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمۃ کی معیت میں ۱۹۷۶ء میں اور دوسرا ۲۰۰۰ء میں۔ آپ ایک عارفِ حقانی ہونے کے ساتھ ساتھ عالمِ ربانی بھی تھے اور شریعت کے باریک ترین تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ دورانِ حج جس طرح شرعی قاعدوں ضابطوں کی پاسداری آپ کرتے وہ آپ پر ختم تھا۔ جب بھی کسی صاحبِ حیثیت کو دیکھتے کہ ابھی تک حج کی سعادت سے محروم ہے، اسے قرآن وحدیث سے اس کی اہمیت بتاتے اور اکثر یہ حدیث پاک ضرور بیان فرماتے:

مَنْ مَلَکَ زَادًا وَ رَاحِلَةً تُبْلِغُهُ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْهِ اَنْ یَّمُوْتَ یَهُوْدِ یًا اَوْ نَصْرَ انِیًا....... (مشکوٰۃ۔ص۲۲۲)

ترجمہ: جو زادِ راہ اور سواری کا مالک ہو، جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکے اور وہ حج نہ کرے تو اس پر اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

جو لوگ خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کے احترام میں (بزعم خود) پہلے سے ہی جوتے اتار لیتے آپ ان کی اس حرکت کو ناپسند فرماتے کہ پھر انہیں گندے پاؤں کے ساتھ مقدس مقامات میں داخل ہوتے تھے۔

ہاتھ پاؤں چومتے احتیاط: حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ میں عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ پاؤں چومے جانے کی آرزو کبھی نہیں کی۔ اکثر فرماتے کہ اس کی اجازت صرف اس لئے دے دیتا ہوں کہ پچھلوں کی سنت ہے۔ آپ فرماتے کہ بزرگانِ دین کے پاؤں چومنا جائز ہیں لیکن محبت و مستی کے عالم میں ہوتو پھرو گرنہ محض ریا سے ہوتو سراسر ناجائز۔ اگر قدم بوسی کرتے کوئی گھٹنے زمین پر رکھ دیتا تو منع فرماتے تا کہ لباس صاف رہے اور لباس صاف ہونا نماز کی ایک اہم شرط ہے۔ اسی طرح ماتھا، پاؤں یا ہاتھ کو لگانے سے نیز قبر کو لگانے سے بھی سختی سے منع فرماتے کیونکہ مسلم شریف کی ایک حدیث پاک کے مطابق جسے سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے "پیشانی کا زمین پر جمنا سجدے کی حقیقت ہے"۔ یعنی ماتھا لگنے سے سجدے کی سی صورت بنتی ہے لہذا تنبیہہ کر دیتے کہ جو ادب شریعت کے خلاف ہو، وہ مکر ہے۔

شرم وحیا اور پردہ: شرم وحیا مرد کا زیور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی بہت تحسین فرمائی ہے۔ ایک موقع پر ارشاد ہوا:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِ یْمَان وَالْاِ یْمَانُ فِی الْجَنَّةِ .... (ترمذی شریف)

ترجمہ: حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں سے ہے۔

کہیں فرمایا:

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلّه...... شرم وحیا نری بھلائی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

اللہ نے آپ کو شرم وحیا کا جو ہر بھی وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا چنانچہ خواتین خواہ وہ عمر رسیدہ ہی کیوں نہ ہوں، ان سے ملنا اور بات کرنا تو در کنار ان کی طرف نگاہ

نہیں کرتے تھے۔ متعدد مرتبہ یوں ہوا کہ کسی ضعیف العمر عورت نے سر آگے کیا کہ حضور دست مبارک پھیر دیجئے تا کہ اس کی برکت سے نجات پا جاؤں۔ تاہم آپ یوں رخ پھیر لیتے۔ گویا جانتے بھی نہ ہوں اور زبانی دعائیہ کلمات فرما دیتے۔ عورتوں کو بیعت فرماتے تو درمیان میں چارپائی کھڑی کرادی جاتی اور چادر وغیرہ کا ایک کونا انہیں پکڑا دیتے جبکہ دوسرا خود پکڑ کر پھر بیعت کرتے۔ آستانہ عالیہ میں مردوں کے آنے جانے کا راستہ اور تھا اور عورتوں کے لیے گزرگاہ علیحدہ تھی۔ اور اگر کوئی خاتون ناواقفیت کی بنا پر مردانہ راستے سے گزرنے کی کوشش کرتی تو کسی بچے کو بھیج کر اس کے ذریعے راستہ سمجھا دیا جاتا۔ کبھی جلالی انداز بھی اختیار فرماتے۔ کم عمر لڑکیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

خواجہ خان عالم رحمۃ اللہ علیہ باوَلی شریف والوں کے یہ کلمات کئی مرتبہ ہم نے آپ کی زبانِ اقدس سے سنے کہ:

"زہر کی کئی قسمیں ہیں، بعض کے کھانے سے آدمی مرتا ہے تو بعض کے صرف بدن پر لگنے سے ہی بندہ جان دے دیتا ہے اور نامحرم عورتیں ایسا زہر ہیں جس کے چھونے بلکہ دیکھنے سے اس پر موت طاری ہو جاتی ہے (یعنی دل کی کیفیت تباہ ہو جاتی ہے)۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ چھوٹی نابالغ لڑکیوں کے متعلق کیا حکم ہے، تو فرمایا سانپ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب سے ڈرو"۔ (یاد رہے کہ عورت کا احترام سب کے نزدیک مسلم ہے، یہاں نامحرم عورتوں یا نوعمر لڑکیوں کو دیکھنے یا چھونے کو سانپ سے تعبیر کیا گیا کہ جیسے سانپ جسمانی موت کا سبب بن جاتا ہے یونہی نا

محرم کو دیکھنے یا چھونے میں ایک سالک کی قلبی و روحانی دنیا کی موت ہے)

حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ نامحرم عورتوں کے پاس بیٹھنے ، بات کرنے غرضیکہ ہر طرح سے بچنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ اور اسے (روحانی) موت قرار دیتے۔ اکثر خواجہ خواجگان حضرت باباجی فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے:

مانھ ضعیف جناں، مانھ ڈرساں تس نہ ڈرسو

مریدین ومتوسلین کی گزارشات پہ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو پہلے پوچھ لیتے کہ پردہ کا التزام کرلیا ہے؟ تسلی ہو جانے کے بعد قدم رنجہ فرماتے نوجوانوں کو بالخصوص نظر نیچی رکھنے کا حکم دیتے کہ حدیث پاک میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اور ہر قسم کی آوارگی کی بنیاد بدنگاہی کو قرار دیا گیا ہے۔

خلاف شرع سامانِ آرائش وغیرہ سے نفرت: جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو خلافِ شرع سامانِ آرائش مثلاً انسانوں اور جانوروں کی تصاویر یا مختلف جانداروں کی شکلوں والے کھلونوں کو وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔

بعض لوگ اپنے مشائخ کی تصاویر گھروں میں دیواروں کے ساتھ لٹکاتے ہیں۔ اس خادم بارگاہ نے آپ سے سوال کیا کہ حضور اپنے پیر کی تصویر دیوار کے ساتھ لٹکانا کیسا ہے؟ فرمایا، 'اس کو تو دل میں ہونا چاہئے'۔ اپنی تصویر کھنچوانا قطعاً پسند نہ تھا۔ ایک موقع پر ایک عقیدتمند کسی محفل میں آپ کی تصاویر کیمرے کے ساتھ کھینچتا چلا جارہا تھا۔ ایک دو مرتبہ آپ نے منع فرمایا تاہم وہ اپنے ذوق کے مطابق لگا رہا۔ تب آپ نے جلال کے ساتھ فرمایا:

'کیمرا لے کر توڑ دوں گا تو پھر باز آؤ گے؟'

بہاولپور کے اسکول میں زمانہ تدریس میں آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر میں نہ جاتے تھے۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، اپنے کمرے میں آپ نے جو تصویریں لٹکا رکھی ہیں، اتاریں گے تو آؤں گا۔

خلاف شرع وضع سے نفرت: آپ کو خلافِ شرع وضع قطع سے سخت نفرت تھی۔ اس ضمن میں آپ نے تاحیات بہت تبلیغی کام کیا۔ مثلاً:

ا۔ چہرے سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے آراستہ کرنے کا حکم دیتے اور جب کوئی داڑھی مبارک چہرے پہ سجالیتا تو نہ صرف اس کی تعریف کرتے بلکہ بسا اوقات انعامات سے بھی نوازتے۔ آپ کے نصیحت کرنے پر سینکڑوں لوگوں نے اس سنتِ رسول سے چہروں کو مزین کیا۔ نصیحت کا انداز بھی نہایت پیارا ہوتا تھا۔ آپ کے قریبی عزیز اور نہایت ہی متقی و درویش صفت جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکوی) بیان فرماتے ہیں:

> میں ۱۹۶۸ء میں آپ کی بارگاہ میں آیا۔ آپ کی تحریک پر میں نے داڑھی تو رکھ لی تاہم سر کے بال بڑے بڑے انگریزی طرز کے تھے۔ ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا، "ایک مسئلہ تو بتاؤ، کیا مسجد کے اوپر مندر بنانا جائز ہے؟"۔ میں نے عرض کیا، جناب کوئی مسلمان تو ایسا نہیں کرسکتا۔ فرمایا، "تو کیا نیچے داڑھی اور اوپر 'بودے' رکھنا جائز ہیں؟"۔ اس دلنشین انداز پر میں مبہوت رہ گیا اور پھر حکم کی تعمیل ہونے لگی۔

۲۔ کسی کا ننگے سر پھرنا سخت ناگوار تھا کہ سر کو ٹوپی یا عمامہ شریف یا دونوں سے ڈھانپنا نہ

کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ ہے (کنز العمال جلد ۴ ص ۲۴ ۔ جامع صغیر جلد ۲ ص ۳۳۷)۔
چنانچہ بازار یا سرِ راہ کوئی بغیر ٹوپی وغیرہ کے نظر آتا تو کبھی نرم اور کبھی سخت لفظوں میں تلقین فرمادیتے۔

۳۔ خلافِ شرع بڑی بڑی مونچھیں دیکھتے تو کتروانے اور پست کرنے کا حکم دیتے۔

۴۔ نہایت تنگ لباس کہ جسم کی ہیئت واضح ہو اور نہایت کھلا لباس کہ کپڑے کا غیر ضروری استعمال ہو ناپسند فرماتے اور اعتدال کی نصیحت کرتے۔ آپ نے تمام عمر سنت کے مطابق سفید لباس پہنا اور دوسروں کو بھی اس لباس میں دیکھتے تو خوش ہوتے۔

۵۔ پینٹ شرٹ اور ٹراؤزر بنیان وغیرہ کو سخت ناپسند فرماتے، انہیں انگریزوں کا لباس قرار دیتے۔ ایک خادم کو ایک اچھی ملازمت کی پیشکش ہوئی لیکن پینٹ شرٹ کی پابندی کو لازم ٹھہرایا گیا۔ آپ نے فرمایا، 'ایسی ملازمت کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں جس میں انگریزوں والا لباس پہننا پڑے۔ ہم تو وہ پہنیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہنا ہے'۔ اسی طرح نوجوانوں اور کھلاڑیوں کو نیکر وغیرہ میں دیکھتے تو سمجھاتے کہ مرد کے لیے کم از کم ناف سے لے کر گھٹنوں تک جسم چھپانا لازم ہے۔

۶۔ انگریزی لباس کے خلاف یوں تو ساری عمر آپ نے تحریک جاری رکھی۔ تاہم 2006ء میں یہ پورے عروج پر پہنچی جب سینکڑوں لوگوں نے پینٹ شرٹس اور ٹراؤزرز وغیرہ سے توبہ کرتے ہوئے نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی میں ان کو نذرِ آتش کیا۔

۷۔ بہاولپور کے ہائی اسکول کے پی ٹی آئی صاحب لڑکوں کو پی ٹی کراتے تو نیکروں میں۔ آپ نے منع فرمایا کہ خلافِ شرع ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جناب، پوری شلوار میں پی ٹی کرانے سے شلوار خراب ہوتی ہے۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا، لیکن بجائے سمجھنے

کے انہوں نے برا منایا۔ بعد میں آپ نے اپنی مشہور نظم۔ کیسے ممکن ہے کہ خوفِ حق ہے ۔۔۔۔ لکھی۔ بعد ازاں اسمبلی میں اسی پی ٹی آئی کے سامنے اسے پڑھا گیا تو اس نے آپ سے معافی مانگی۔

فحاشی کے خلاف اعلانِ جنگ: کون نہیں جانتا کہ دورِ حاضر میں مغربی میڈیا نوجوانوں کے ذہنوں کو تباہ کر رہا ہے اور مخربِ اخلاق سی ڈیز، کیسٹس، رسائل وغیرہ نے روحانی موت سے انہیں ہمکنار کر دیا ہے۔ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمۃ نے ان کے خلاف بھی نہایت موثر آواز اٹھائی۔ کبھی مضامین کے ذریعے اور کہیں وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں سمجھایا اور ایک موقع وہ بھی آیا کہ جب ان چیزوں کے دلدادہ لاتعداد لوگوں نے نقش لاثانی نگر میں آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز وغیرہ کو اکٹھا کر کے توڑ پھوڑ دیا اور آئندہ کے لیے ان کو ترک کرنے کا عزمِ مصمم کیا۔

وہ اخبارات جو فحش تصاویر شائع کرتے ہیں ان کے ایڈیٹرز کو آپ نے خود بھی خط لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے جن میں ان قبیح حرکات پر ان کی سرزنش کی گئی نیز اگر کسی ایڈیٹر سے ملاقات ہوئی تو اسے بھی سمجھایا کہ پیسے کمانے کا یہ طریقہ قابلِ مذمت ہے۔

شریعت کا باغی لائق عذاب ہے: آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جہاں رب کی شریعت کو پسِ پشت ڈال کر خلافِ شرع کاموں کا ارتکاب کیا جائے، گویا شریعت کا مذاق اڑایا جائے وہاں رب کے عذاب کے نازل ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک سکول میں ایک دیوبندی استاد تھا۔ داڑھی رکھی ہوئی تھی لیکن لڑکوں سے لڈی اور سپیرا ڈانس وغیرہ کراتا تھا۔ بار بار اسے سمجھایا لیکن

بازنہ آیا۔ بلکہ کہتا کہ سکولوں میں یہی کچھ ہوتا ہے، آپ نہیں دیکھ سکتے تو استعفیٰ دے دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اچھا میں استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ لیکن ایک ساتھی نے نہ دینے دیا کہ ہم کیوں استعفیٰ دیں، استعفیٰ تو یہ دے جو غلط کام کرتا ہے۔ بہرحال ایک روز پڑھاتے پڑھاتے اس استاد پر کپکپی طاری ہوئی، کئی روز ایسا رہا۔ پھر وہ پاگل ہو گیا۔ اس حالت میں بیوی اور دیگر رشتہ داروں نے اسے چھوڑ دیا۔ بالآخر بیس، بائیس سال اسی بے بسی کے عالم میں رہنے کے بعد مرگیا۔ یعنی خلافِ شرع بیہودہ حرکات کا مرتکب ہونے پر (نیز اللہ کے ایک ولی کو ناراض کرنے پر) قدرت نے اس کی پکڑ کی اور اسی دنیا میں اس پر عذاب نازل ہوا۔

حلال وحرام کی تمیز: حلال وحرام کے معاملے میں بھی احتیاط وتقویٰ کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ قرآن وحدیث کی تصریحات اس بارے میں ہمیشہ سامنے رکھیں۔ چنانچہ کالج سے ریٹائرمنٹ پر پراویڈنٹ فنڈ کی مد سے پانچ لاکھ سے زائد کی خطیر رقم یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ یہ سود ہے۔

شریعت کی اشاعت بذریعہ علماء: حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے شریعت کی اشاعت اس طرح بھی کی کہ وہ لڑکے یا نوجوان جو آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے انہیں قرآن وحدیث کی تعلیمات نیز عربی گرائمر اور مسائلِ فقہ سے روشناس کر کے پھر انہیں مختلف مقامات پہ بھیجا کہ جاؤ اور شریعتِ مصطفی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تدریس کرواور لوگوں کے احوال کو شریعت کے تابع کرو۔ اور آفرین ہے ان نوجوانوں پر جنہوں نے اپنے شیخِ کریم کے مشن کو اس طرح آگے بڑھایا کہ لاتعداد لوگوں کی اصلاح کی اور

انہیں غلامانِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی صف میں لا کھڑا کیا۔ پھر آپ کی نظرِ کیمیا اثر نے متعدد علمائے کرام بھی تیار کیے جو محض گفتار کے ہی نہیں کردار کے بھی غازی ثابت ہوئے۔ مثلاً

۱۔ پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت صوفی محمد صدیق ضیاء صاحب انجینئر تربیلا ڈیم جنہوں نے ''بدعت کی حقیقت'' اور ''شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے افکار ونظریات'' جیسی مایہ ناز کتابیں تصنیف کیں۔

۲۔ عالمِ بے بدل، شیخِ طریقت جناب نورالمصطفیٰ رضوی صاحب (خانقاہ ڈوگراں) جن کے مضامین اور کتب بالخصوص 'حضور ﷺ کی نماز' نے خاصی شہرت حاصل کی۔

۳۔ جناب ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری صاحب ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن (امریکہ) جو علم وفضل سے خوب آراستہ ہیں۔ نیز اشعار بھی بہت عمدہ کہتے ہیں۔

۴۔ عظیم عاشقِ رسول محققِ اسلام حضرت علامہ ابو ابراہیم نصر اللہ صاحب (مدینہ شریف)۔ یہ حضور مفکرِ اسلام کی ظاہری حیاتِ مقدسہ کے آخری دور میں آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ دورِ طالبِ علمی میں ہر سال مدینہ یونیورسٹی میں اوّل آتے رہے۔ اور جب عالمِ شباب میں تصنیف وتالیف کے میدان میں آئے تو بڑے بڑے علماءِ کرام سے اپنا آپ منوایا۔ حضور مفکرِ اسلام جب دوسری مرتبہ حج کرنے گئے تو انہوں نے آپ کی بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ جس کا آپ نے متعدد مرتبہ ذکر کیا۔

۵۔ مناظرِ اسلام علامہ شفقات احمد قادری صاحب (علی پور چٹھہ)۔ آپ نے کئی مناظرے کیے اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آج تک کبھی کسی سے مناظرے میں نہیں ہارے۔ متعدد کتب بالخصوص ''رسول اللہ ﷺ کی نماز'' آپ کی علمی طاقت کی آئینہ دار ہیں۔

٦۔شیرِ بیشہ اہلسنت علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صاحب (شکر گڑھ)۔جن کے شب وروز تحقیق وتحریر میں بسر ہو رہے ہیں۔بے شمار کتب تصنیف فرما چکے ہیں جنہیں ملک بھر میں جید علماء نے تعریف وتحسین کے کلمات سے نوازا ہے۔

٧۔صدر مدرس جامعہ انوارِ لا ثانی علامہ محمد سعید قادری نقشبندی صاحب (فاضل خانقاہ ڈوگراں)۔

٨۔سراپا اخلاص، درویش صفت نوجوان سکالر مفتی محمد شاہد آسوی صاحب (فاضل سانگلہ ہل)۔

یہاں حضور قبلہ عالم کی نگاہِ کرم کے شہکار محض چند علمائے کرام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے تقریباً سبھی اوائلِ عمری ہی میں آپ کے دامانِ کرم سے منسلک ہو گئے تھے۔ مؤخر الذکر دو کے علاوہ تمام کئی کتب کے مصنف ہیں۔(فی الحال ان دو کی مصروفیات درس وتدریس کے سلسلے میں از حد ہیں) تحریر وتقریر میں ایک دنیا ان کی عظمت کا لوہا مانتی ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شریعتِ اسلامیہ کی بالا دستی کے لیے دن رات ایک کر رکھا ہے۔ان کی تحریریں، ان کی تقریریں ان کے درس وتدریس سب اسلامی تعلیمات کی سربلندی کے لیے ہیں۔اور ایک زمانہ ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

علماء تو علماء آپ عام لوگوں بالخصوص نوجوانوں کو دینی کتابوں کے مطالعے کی بہت رغبت دلاتے۔آپ کے نزدیک ان کو فارغ رہنا ہی نہیں چاہئے بلکہ کچھ نہ کچھ مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔ایک مرتبہ یہ عاجز آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھا۔آپ ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔اچانک آپ نے فرمایا، یہ کتاب پڑھی ہے؟ عرض کی، "نہیں"۔فرمایا، "تو پڑھو پھر، دنیا میں آئے کس لئے ہو"۔

حُبِّ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم

ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل وفہم کی دولت عطا فرمائی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حُبِّ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ایمان کی روح ہے:

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت رکھی جائے۔اس کے یاروں سے محبت، اس کے پیاروں سے محبت، اس کے وطن سے محبت، اس کی گلی کے ذرّوں اور سنگ ریزوں سے محبت کی جائے۔محب کو تو اپنے محبوب کی نسبت سے غرض ہوتی ہے، جہاں اسے اس کی معمولی سی جھلک دکھائی دے، محبت بے چین ہو جاتی ہے۔قیس عامری (مجنوں) نے کہا تھا:

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
أُقَبِّلُ ذَالْجِدَارَ وَ ذَاالْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

(عمدۃ القاری، عینی، جلد ۹، ص ۲۴۱)

"میں لیلیٰ کی بستی کے پاس سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔مجھے ان گھروں کے در و دیوار اور پتھروں کی محبت نے نہیں، بلکہ اس محبوب کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ و دیوانہ کر دیا ہے، جو کبھی یہاں

سکونت پذیر رہ چکا ہے“۔

جب عام محبت کا یہ دستور ہے تو جو جانِ محبت، جانِ ایماں، محبوبِ ربِّ رحماں اور سید الانس والجاں ہیں، ان کے ساتھ محبت و عشق کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔ پھر جب عام محبت کے قانون کے مطابق محبوب سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے تو سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محبین کو کیوں نہ اس بظاہر ادنیٰ شے سے بھی محبت ہوگی جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے۔ اور جب نسبت رکھنے والی ادنیٰ شے کی محبت لازم ہے تو بتایئے، اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ محبت و عقیدت کا کیا عالم ہونا چاہیے، جو بعد از انبیاء اس روئے ارض پر خدا کی مقدس ترین جماعت بھی ہے اور جسے خونی نسبت بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بحکمِ الٰہی یہ اعلان فرما رہے ہیں:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى.....(الشوریٰ، ۴۲:۲۳)

ترجمہ:۔ آپ (ﷺ) فرمایئے! میں تم سے (اس دعوتِ حق پر) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، بجز قرابت کی محبت کے۔

مفسرِ قرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قرابت دار کون ہیں، جن کی محبت ہم واجب ہے۔ فرمایا: عَلِیٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ ابْنَا هُمَا۔ (زرقانی جلد ۷ صفحہ ۲۰)

حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے: (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں)

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِّنْ نِعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِىْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِىْ لِحُبِّىْ.....(ترمذی)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو، اللہ کی محبت کی بنا پر اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی بنا پر۔

نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت، خدا اور رسول کی محبت کا تقاضا ہے۔ چند اور ارشادات سن لیجیے:

۱۔ عَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ فِىْ قَلْبِ امْرَءٍ اِيْمَان" اِلَّا بِحُبِّ قَرَابَتِىْ.....(ترمذی)

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا مگر میرے اہلِ بیت کی محبت کے ساتھ۔

۲۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُبْغِضُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَحَد" اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ.......(متدرک، زرقانی، صواعق)

ترجمہ:۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس کسی نے بھی ہم اہلِ بیت سے بغض رکھا، اللہ نے اسے جہنم میں ڈالا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، امامین حسنین علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا:

اَنَا حَرُب" لِّمَنُ حَارَبَهُمُ وَ سَلُم" لِّمَنُ سَالَمَهُمُ.....(ترمذی)

ترجمہ:۔ جو ان سے لڑے، میری اس سے لڑائی اور جس کی ان سے صلح، میری اس سے صلح ہے۔

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حج میں عرفہ کے دن اپنی ناقہ قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ فرمارہے تھے:

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیُ تَرَكُتُ فِیُكُمُ مَا اِنُ اَخَذُتُم بِهٖ لَنُ تَضِلُّوُا كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتُرَتِیُ اَهُلَ بَیُتِیُ.....(ترمذی)

ترجمہ:۔ اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہلِ بیت۔

۴۔ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اُرُقُبُوُا مُحَمَّدًا فِیُ اَهُلِ بَیُتِهٖ.....(بخاری)

ترجمہ:۔ لحاظ کرو جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے اہلِ بیت میں۔

یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ کی بھی سن لیجیے:

یَا اَهُلَ بَیُتِ رَسُوُلِ اللّٰهِ حُبُّكُمُ   فَرُض" مِّنَ اللّٰهِ فِی الْقُرُآنِ اَنُزَلَهٗ
كَفَا كُمُ مِّنُ عَظِیُمِ الْقَدُرِ اَنَّكُمُ   مَنُ لَّمُ یُصَلِّ عَلَیُكُمُ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

(مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ الصواعق المحرقۃ)

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ قرآنِ کریم میں آپ کی محبت کو فرض قرار دیا ہے۔ آپ کی قدر ومنزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ پر درود نہ پڑھے، اس کی نماز ہی کامل نہیں ہوتی"۔

(یعنی نماز جو رب تعالیٰ کی عبادت ہے، مگر اس میں بھی ہر نمازی کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک پر درود بھیجنا لازم ٹھہرایا گیا ہے) غوث الاولیاء، قطب الاصفیاء، نائبِ مصطفیٰ، وارثِ مرتضیٰ، حضور شاہِ جیلان و خواجۂ بغداد رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک شعر ہے:

زغیر آلِ نبی حاجتے اگر طلبم   روا مدار یکے از ہزار حاجاتم

ترجمہ:۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کی گدائی گویا رحمتِ باری کو جوش میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کو اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان کے ساتھ گہری عقیدت ومودّت تھی۔ بالخصوص سیدۂ نساءِ العالمین خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا از حد ادب واحترام کرتے۔

ایک دفعہ عربی کے زبردست فاضل حضرت مولانا غلام غوث صاحب سکھو چکی مرحوم دربار علی پور شریف میں حاضر تھے۔ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ نے ان سے فرمایا، 'مولوی صاحب! مجھے مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد عقیدت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْفَاطِمَةُ بِضُعَةٌ مِّنِّیُ (یعنی فاطمہ میرا جگر پارہ ہے)، آپ فرمائیں اصل عقیدہ کیا ہونا

چاہیئے'۔مولوی صاحب نے تائید کی اور عرض کیا کہ حضور! نواب صدیق الحسن بھوپالی جیسا شخص بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے:

جگر جگر است   رشتہ دگر است

آپ ماہِ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو جنابِ سیدہ رضی اللہ عنہا کا عرس شریف منعقد کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ایک بار فرمایا،'لوگ عام انسانوں کا ختم دلواتے ہیں اور باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، مگر جنابِ سیدہ کا جو کل صلحاء اور اولیاء سے بدرجہا افضل ہیں، عرس کیوں نہیں کرواتے'۔ایک دفعہ فرمایا" حضور مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا ختم شریف دلایا کرو، اس سے کوئی کمی نہیں آتی، میں ذمہ دار ہوں'۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کو اوصافِ اہل بیت سننے کا اس قدر شوق تھا کہ جہاں کہیں سے کوئی شعر یا منقبت وغیرہ سن لیتے لکھوا لیتے۔آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نوشتہ بر درِ جنّت بخط سبز و جلی
شفیع روزِ قیامت محمد است و علی
(ﷺ و رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔ جنت کے دروازے پر سبز اور واضح لکھا ہے کہ روزِ قیامت حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی شفاعت کرنے والے ہیں۔

یہی صورتحال قیوم زمانی حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اور یہی وصفِ جمیل حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت میں بھی بدرجہ کمال نظر آتا ہے۔امام شافعی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار بھی جھوم جھوم کر پڑھتے بارہا آپ کو سنا گیا:

آلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ   وَهُمْ اِلَيْهِ وَسِيْلَتِیْ

اَرْجُوْا بِهِمْ اُعْطٰی غَدًا   بِيَدِ الْيَمِيْنِ صَحِيْفَتِیْ

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا دور نت نئے فتنوں کی بھر مار کا دور تھا۔اسی دور میں بغضِ آلِ رسول اور محبتِ یزید کے نہایت مکروہ درس دیے جا رہے تھے۔شہزادۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سورج سے زیادہ چمکتی شہادت کا انکار کر کے یزید لعین کو جنتی ثابت کرنے کے لیے علماءِ دیو بند و نجد ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔چنانچہ محمود احمد عباسی کی "تبصرہ محمودی بر ہفواتِ مودودی"، ابو یزید محمد دین بٹ کی "خلافتِ رشید ابنِ رشید"، ابوعتیق محمد امین کی "خادم کی معارفِ یزید"، ان کے علاوہ "خلافتِ معاویہ و یزید" اور "مذہب اور سیاست" جیسی کتابیں اسی غلیظ عقیدے کے پرچار کے لیے منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔حضور مفکرِ اسلام تڑپ اٹھے، آپ نے قلم اٹھایا اور "امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی حقانیت" لکھ کر ان دشمنانِ ایمان و دین کی خوب خبر لی۔آیات و احادیث کی روشنی میں شانِ اہلِ بیت اطہار بھی بیان کی اور دلائل و براہین کے ساتھ امام پاک کی قربانیوں اور دینِ حنیف پر احسانِ عظیم کو بھی نہایت احسن انداز سے بیان کیا۔نیز جس 'حدیث' کو مخالفین یزید کے جنتی ثابت کرنے کے لیے دلیل بناتے ہیں، اصولِ حدیث کی روشنی میں اس کی فنی حیثیت پر بھی سیر حاصل بحث کی۔یوں حق نکھر کر سامنے آ گیا اور باطل کا چہرہ مزید سیاہ ہوا۔

حضرت سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علی ابیھا وعلیھا، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایامِ شہادت نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منائے جاتے۔باقاعدہ محافل ہوتیں اور عمدہ لنگر شریف کا اہتمام ہوتا۔ان دنوں میں کثرت کے ساتھ گڑگڑا کر ان مقدس ہستیوں

کے وسیلے سے ربّ کائنات کی بارگاہ میں ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے دعائیں کی جاتیں۔ بلکہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ایامِ وصال پر بھی یہی اہتمام ہوتا۔ بالخصوص حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۰ رمضان المبارک) اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۷ رمضان المبارک) بھی یہی معمولات ہوتے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو اہلِ بیت رسول میں گردانتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جمیع شہزادے، شہزادیاں، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق (جو سسر بھی تھے)، حضرت عثمان غنی (جو داماد تھے) رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز قریبی رشتہ داروں کو بھی خاندانِ اہلِ بیت کے جزو قرار دے کر ان کے ایام مناکر ان کی سیرت کے حسین نقوش دکھانے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاندانِ مقدس کے کسی فرد کے وسیلے سے بھی مانگی جانے والی دعا شرفِ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

یونہی ساداتِ کرام کے احترام میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ سید ہے تو اس کے ہاتھ چومتے، کبھی اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے۔

یہ خادم ایک مرتبہ حاضرِ بارگاہ ہونے کے لیے روانہ ہوا تو ساتھ دس گیارہ برس کا ایک سید بچہ ہولیا۔ دیہات میں رہنے والا یہ بچہ ایک ٹانگ سے معذور تھا، رنگ نہایت سیاہ تھا، یعنی مجموعی طور پر وضع قطع ایسی تھی کی اس کے ساتھی لڑکے بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن جب ہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور کو معلوم ہوا کہ بچہ گلشنِ سادات کا ایک پھول ہے تو اس کے ہاتھ چومے، اونچی جگہ پر بٹھایا، غرض

خوب تعظیم کی اور جب وہ بچہ رخصت ہونے لگا تو کچھ رقم بطور نذرانہ بھی دی۔ آپ کی یہی عادتِ مبارکہ تاحیات رہی۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس خاندان یعنی سادات کرام کا کوئی فرد اگرچہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتا، تاہم پھر بھی اس کے ادب و احترام کا التزام ہوتا اور دیگر کو بھی سختی سے تاکید ہوتی کہ ان کی تعظیم سے سرِ مو انحراف نہ برتا جائے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب جو کچھ عرصہ جامعہ انوار لاثانی کے مدرس رہے، یہ اور ان کے علاوہ متعدد سید حضرات جو آپ کے مرید تھے، آپ کے اس طرزِ عمل سے مستفید ہوتے رہے۔ محافل کے اندر بھی سید حضرات کو خصوصی نشست پر بٹھایا جاتا تھا۔

آپ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے کہ اس نے پیر بھی وہ عطا کیے جو سادات میں سے تھے۔ بلکہ حسنی حسینی تھے اور یہ بات آپ بڑے ہی سرور کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ یونہی پیرانِ پیر حضور سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت ومحبت تھی اس کا بیان ایک علیحدہ عنوان کا متقاضی ہے۔

محمد سجاول صاحب (کسراج) بیان کرتے ہیں کہ حضور کی غلامی میں آنے سے پہلے میں اہلِ تشیع تھا۔ تقریباً سات آٹھ سال سے زیادہ اہلِ تشیع رہا۔ پھر آپ کی بارگاہ میں گاہے بگاہے حاضری کی بدولت میں تائب ہوتا گیا اور بیعت بھی ہو گیا۔ تاہم رافضیت کے جراثیم کسی حد تک میرے اندر رہے۔ ان دنوں حضور جامع گلزارِ مدینہ میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ ایک دن میں حاضر ہوا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ اہلِ بیت علیہم الرضوان کی شان بیان کریں۔ اسی وقت آپ نے اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان پر گفتگو شروع فرما دی اور کچھ اس ادا اور تفصیل کے ساتھ کہ میرا دل خوب مطمئن ہو گیا اور رفض کے جراثیم مکمل طور پر میرے اندر سے نکل گئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ارشادِ ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ... (آلِ عمران۔۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

'امر بالمعروف' کا ثواب اور ''نہی عن المنکر' کا ایمان سے مخصوص تعلق ہے جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱)۔ اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ

ترجمہ: نیکی بتانے والا (ثواب میں) نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔

(۲)۔ مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ..... (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص بھی کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ اسے ہاتھ سے روکے، یوں نہ کر سکے تو اپنی زبان سے، یوں بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

بعض علماء کا فرمان ہے کہ قوت کے ساتھ برائی ختم کرنا حکمرانوں کی ذمہ داری

ہے اور زبان سے علماء کی اور دل سے عوام کی۔ جبکہ بعض کا فرمان ہے کہ جو بھی اس پر قادر ہو، اس پر لازم ہے کہ اسے بدلے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ''اے رب تعالیٰ! جو اپنے بھائی کو دعوت دے، اسے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، اس کی جزا کیا ہے؟''۔ فرمایا، ''میں اس کی بات پر ایک سال کی عبادت لکھتا ہوں اور اسے جہنم کی آگ سے سزا دینے میں حیا آتی ہے''۔ (مکاشفۃ القلوب)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی فرمائی، ''میں تمہاری قوم میں چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار برے آدمیوں کو ہلاک کرنے لگا ہوں''۔ عرض کیا، ''اے رب تعالیٰ! یہ برے تو ٹھیک (قابل ہلاکت) ہیں، مگر نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کرتے ہیں؟''۔ فرمایا، ''وہ میرے نزدیک غضب کی وجہ سے غضبناک نہیں ہوئے، برے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا رکھتے تھے''۔ (بروں کو نیکی کی تلقین نہیں کرتے تھے اور برے کاموں سے نہیں روکتے تھے).....(مکاشفۃ القلوب)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جس غنائے نفس، بلندیٔ طبع، غیرتِ ملی اور جذبۂ اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ میں بدرجہ اُتم موجود تھا۔ چنانچہ ''تبلیغ دین اور اشاعتِ طریقہ'' اور 'اتباعِ شریعت'' میں تفصیلاً اور متعدد عنوانات کے تحت ضمناً بھی اس کا ذکر ہوا۔ آپ کے ملفوضاتِ طیبات بھی اسی پر مشتمل ہوں گے۔ یہاں صرف چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

شاہ عبد العزیز صاحب جب ابتدا میں حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں آئے تو داڑھی شرع کے مطابق نہیں تھی۔ ایک روز جناب ممنون احمد صاحب سے کہہ کر

آئے کہ حضرت صاحب سے دعا کراؤ کہ میں داڑھی رکھ لوں۔ ابھی ممنون صاحب نے کہا نہیں تھا کہ نماز (عصر) کے بعد حضور نے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے، ''یا اللہ! شاہ صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما''۔ بعد ازاں کچھ وعظ ونصیحت بھی فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق داڑھی رکھنے کا پختہ عزم کرلیا۔

جہاں حضور نہایت حلیم اور بردبار تھے، وہاں ایمانی غیرت اور اخلاقی جرأت سے بھی مالا مال تھے۔ داڑھی منڈوانا اور مونچھوں کا بطریقِ سنت نہ کٹوانا آپ کے نزدیک بہت فضول حرکت تھی۔ ایسے لوگوں کو کبھی سختی سے اور کبھی نرم الفاظ میں تنبیہہ فرمایا کرتے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک جگہ پر سکھ بھی ہو، ہندو بھی ہو، انگریز بھی ہو اور وہیں ایک مسلمان بھی ہو، جو لباس ان کا وہی اس کا ہو، جو حلیہ ان کا وہی اس مسلمان کا بھی ہو تو بتاؤ اس مسلمان کی پہچان یا شناخت کیسے ہوگی؟ مسلمان تو اپنے نبی کی سنت کی اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔

جناب نیامت علی صاحب (پگالہ موڑ) بیان کرتے ہیں کہ بیعت ہونے کی غرض سے گھر سے نکلنے لگا تو گھر والی کہنے لگی کہ ہر بات مان لینا مگر داڑھی والی بات نہ ماننا (نعوذ باللہ)۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بیعت ہو گیا تو آپ نے پاس موجود محمد سرور صاحب سے فرمایا:

''بھائی سرور! ('بھائی' کے لفظ کا آپ اکثر استعمال فرماتے) نیامت صاحب کو داڑھی بہت اچھی لگے گی''۔ نہ جانے ان الفاظ میں کیا تھا کہ اس کے بعد میں داڑھی نہ منڈوا سکا۔

سب سے زیادہ زور نماز پر تھا اور کوئی بھی شخص تعویذ وغیرہ کے لیے آتا تو نماز کی پابندی کی سختی سے تلقین کرتے۔ یوں تو عمر بھر میں ہزاروں لوگوں کو آپ نے نمازی بنایا تاہم جب آپ نقشِ لاثانی نگر میں رونق افروز ہوئے تو باقاعدہ اس نے تحریک کی شکل اختیار کرلی اور ایسے ایسے لوگ جنہوں نے کبھی فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہوگی، نماز پنجگانہ بلکہ باجماعت نماز پنجگانہ کے عادی ہو گئے۔ ایک مرتبہ سیالکوٹ کے ایک صاحب امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بیش قیمت گاڑی میں حاضرِ بارگاہ ہوئے اور اپنے کسی مسئلے کے حل کے لیے دعا کی درخواست کی۔ اتفاق سے اذان ہو چکی تھی اور جماعت کا وقت تھا۔ آپ نے فرمایا 'نماز پڑھ لو'۔ کہنے لگا، جناب دور سے آیا ہوں، جلدی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ یکدم جلال میں آگئے، خاصی تنبیہہ فرمائی اور فرمایا' جب نمازی بننے کا پکا ارادہ کرلو تو پھر آنا'۔ اس شخص نے اسی دم یہ عہد کرلیا۔ اس قسم کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں ہیں۔

احکامِ شریعت کا یہاں تک احترام تھا کہ بظاہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے کی نگہداشت فرماتے۔ متعدد بار یہ ایسا ہوا کہ کسی کو بائیں ہاتھ سے پانی پیتے یا کھانا کھاتے دیکھا تو ناراض ہوئے۔ اپنے تربیّت یافتہ علماء کو خصوصی طور پر حکم ہوتا کہ لوگوں کو اسلامی آداب سے روشناس کرائیں۔

حضور خواتین کو پردے پہ بہت زور دیتے تھے اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ یعنی مائی صاحبہ کو حکم دے رکھا تھا کہ جو خواتین آئیں نیز جو بچیاں جامعہ انوارِ لاثانی (للبنات) میں زیرِ تعلیم ہیں انہیں نماز روزہ کے علاوہ پردے کی بابت قرآنی احکامات خوب اچھی طرح واضح کریں۔

علی پور سیداں شریف میں سالانہ عرسِ مقدس (یکم، دو اکتوبر) کے موقع پر بھی اگر مرد و زن کا اختلاط نہیں ہوتا تھا تو یہ آپ کی مرہونِ منت تھا کیونکہ آپ کو آپ کے شیخ کریم نے نقابت کے فرائض سونپ رکھے تھے، چنانچہ بار بار اعلان کر کے خواتین کو مختص علیٰحدہ جگہ پر رہنے کی تاکید کی جاتی تھی۔

مروجہ رنگ برنگے برقعوں کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ بڑی چادریں یا پھر پرانی وضع کے برقعے پہننے کی تلقین فرماتے تھے۔

ادب کی تلقین

حضورِ اکرم، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَ یَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ....... (ترمذی شریف)

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو ہم میں سے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی تعظیم نہ کرے۔ اور نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے۔

اس حدیثِ پاک میں لفظ 'کبیر' (بڑا) میں مشائخ، اساتذہ، والدین بلکہ اپنے سے زیادہ عمر کے تمام مسلمان شامل ہیں۔

مخدوم الاولیاء، سیدی وسندی حضرت سید محمد بہاؤالدین شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ کا فرمان ہے:

اَلطَّرِیْقُ کُلُّهٗ اَدَبٌ... یعنی طریق (دین بالخصوص طریقت) سارے کا

سارا ادب ہے۔

اور امام ربانی حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

''اَلطَّرِیْقُ کُلُّهٗ اَدَب، مثل مشہور است، ہیچ بے ادب باخدا نہ سد۔

(حالات مشائخ نقشبندیہ ص190)

یعنی طریقت نرا ادب ہے، مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا

اور حضور شاہ لا ثانی علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں:

''اَلطَّرِیْقَةُ کُلُّهَا اَدَب'' یعنی طریقت نرا ادب ہے۔

حضرت مولانا روم رحمہ القیوم کے نزدیک حسن وعصمت کی ساری رونقیں ادب سے قائم ہیں اور بے ادبی کا نتیجہ سوا تباہی کے کچھ نہیں:

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق رد

از ادب پر نور گشت است ایں فلک
از ادب معصوم و پاک آمد ملک

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ مجسّم ادب وحیا تھے۔ ادبِ خدا اور رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ صورتحال تھی کہ کبھی بے وضو خدا کا اسمِ ذاتی 'اللہ' اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ذاتی اسماء 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور 'احمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم زبان مبارک پر نہیں لائے۔ بلکہ دیگر اسماءِ مقدسہ کے سلسلے میں بھی احتیاط

فرماتے۔ اس خادم کو اللہ کریم جل جلالہ نے بطفیلِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور بدعائے شیخِ کریم علیہ الرحمہ پہلا بیٹا عطا فرمایا تو نام رکھنے کے لیے عرض کیا۔ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہم شخصیات کے دنوں کی مناسبت سے نام تجویز فرماتے۔ چونکہ بیٹا یکم ذوالحج کو پیدا ہوا تھا جو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا خلیل کے آگے رب کا اسم پاک لگا لو یا خلیل سے پہلے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کا اسمِ مبارک۔ ساتھ ہی صراحت فرمادی کہ اس وقت میرا وضو نہیں، اس لیے ان کے اسماءِ پاک زبان پہ نہیں لیے۔ یوں 'محمد خلیل' نام رکھا گیا۔

پھر قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے والے یا نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور یونہی خطاب کرنے والے علماء کو بلند مقام پر متمکن کر کے انہیں سنا جاتا نیز مدرسے کے طلباء سے کوئی ذاتی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

ادبِ خدا اور رسول کے سلسلہ میں یہ اہتمام بھی تھا کہ زمین پر ایسے کاغذ جن پر مقدس اسماء تحریر ہوتے ہیں، نظر آتے تو فوراً اٹھا لیتے اور مناسب جگہ رکھ دیتے۔ باقی لوگوں کو بھی اس طرزِ عمل کو ملحوظِ خاطر رکھنے کی تلقین تھی۔ ایک مرتبہ (۱۹۹۹ء میں) گلیوں بازاروں میں مقدس اوراق کو بے حرمتی سے بچانے کے لیے شہر بھر میں کھمبوں، درختوں کے ساتھ خوبصورت ڈبے بھی لگوائے۔ آپ قرآنِ پاک، کتبِ احادیث، دیگر دینی و درسی کتب، یہاں تک کہ سائنس و ریاضی کی کتب کے بھی احترام کا درس دیتے تھے، فرماتے 'اعداد اور ہندسوں کا بھی ادب ہوتا ہے'۔ طارق محمود سالک صاحب شکر گڑھ کالج میں آپ کے شاگرد رہے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی کتابیں پیٹھ پیچھے کیے کھڑا ہے۔ حضور نے اس کی کتابیں پکڑ کر اس کے سینے سے لگا

کر فرمایا، ''ان کا وہ مقام نہیں، یہ ہے''۔ اس دن کے بعد ہمارے سینے سے ہماری کتابیں جدا نہیں ہوئیں۔ لاتعداد مرتبہ آپ نے اس طرح سمجھا کر بے شمار لوگوں کو کتابوں کا ادب سکھایا۔ آپ کا یہ عمل بھی نہایت پاکیزہ ہے کہ سکولوں کالجوں میں تدریس کے دوران باوضو رہنا آپ کا شعار تھا۔

حضور ایک مرتبہ محترم شمس الدین نقشبندی صاحب کے ہاں لاہور تشریف لے گئے۔ صبح کا وقت تھا۔ نقشبندی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ وضو فرمانے لگے تو میں قریبی دکان سے نیا صابن پکڑ لایا جو سبز رنگ کا تھا۔ جب پیش کیا تو آپ خاصے برہم ہوئے کہ سبز رنگ کا صابن کیوں لائے ہیں۔ آپ کا مؤقف یہ تھا کہ گنبدِ خضراء کا رنگ سبز ہے، اس اعتبار سے یہ رنگ مقدس ہوا، جبکہ سبز رنگ کا صابن استعمال کرنے کی صورت میں اس کا رنگ نالیوں میں جاتا اور بے ادبی ہوتی۔ چنانچہ میں جلدی سے گیا اور تبدیل کروا لایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی کا درجہ جس قدر بلند ہو، اسی قدر وہ ادب کے معاملے میں باریکیوں سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ یہ بات اس سے قبل بیان ہو چکی کہ سبز قالین اور فرش میں سبز رنگ کا استعمال بھی آپ معیوب سمجھتے تھے کہ پاؤں تلے آنا اس مقدس رنگ کی تقدیس کے منافی ہے۔

آپ کے ادبِ شیخ کے حوالے سے کسی حد تک پہلے مذکور ہو چکا، یہاں یہ جان لیں کہ حضور بہت کم اپنے شیخ کا اسم شریف لیتے تھے۔ عموماً حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ القوی کہتے تھے۔ القابات کا خصوصی التزام ہوتا تھا۔ کبھی ان کی طرف اور بعد از وصال مزار شریف کی طرف پشت یا پاؤں نہیں کیے۔ کبھی ان کے حکم کے ہوتے ہوئے اپنی رائے ظاہر نہیں کی۔ علی پور شریف کی حاضری دینے کے بعد کوئی شخص خدمتِ اقدس میں آتا

توہاتھ چومتے کہ اس کے ہاتھوں نے مزار شریف کو چھوا ہے، اس میں تبرکات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب کے مختلف انداز صوفیاء کا خاصا ہیں۔ مثلاً حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ واقعہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ سے سنا گیا جو مقامِ ادب کو واشگاف کرتا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ، خواجگان حضرت باواجی فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ (حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے شیخ کریم) نے قرآن پاک پڑھ کر اپنے ایک خادم کو رکھنے کے لیے دیا۔ اس نے وہ قرآن شریف دوسرے قرآن شریف کے نیچے رکھ دیا۔ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ نے اسے کہا، اسے اوپر رکھو۔ کہنے لگا قرآنِ کریم سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ آپ نے جذبے میں آ کر کہا، اس قرآنِ پاک پر غوث کی نظر پڑی ہے اور دوسرے پر ہم جیسے بندوں کی، لہٰذا اسے اوپر ہی رکھو۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ فرمان ہم نے آپ سے اکثر سنا:

''تین چیزوں کی حد نہیں، اوّل درجاتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی، دوم سیرِ سلوک کی، سوم ادب کی''۔

اس کی تشریح میں حضور نے فرمایا کہ پہلی بات تو بالکل ظاہر ہے۔ دوسری کی تشریح میں خود آپ (شاہِ لاثانی) نے فرمایا،'' سالک کی طبیعت نے جہاں تک پرواز کی، وہیں اپنی منزل مقرر کر لی، یہ اپنی اپنی استعداد پر منحصر ہے، لیکن سیرِ سلوک کی حد کوئی نہیں''۔ یہ بھی فرمایا،'' منزلِ فقر میں بہت بلند مقامات ہیں، سالک کو ابتدائی مقام طے کر کے ہی منتہا نہ سمجھ لینا چاہیئے، اپنی پرواز بلند رکھنی چاہیئے۔ پھر یہ مقولہ سنایا ''دنیادار نہ رجدا مالوں تے
فقیر نہ رجدا حالوں''۔ نیز فرمایا، ''رانجن یرے سو یرے''[1]۔ پھر فرمایا، ''ان منازل کو

مراقبے سے طے کیا جا سکتا ہے''۔

تیسری بات یعنی ادب کی حد نہیں، اس کی تشریح حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ نے مثالیں دے کر فرمائی۔

پیر بڈھن شاہ کلانوری رحمۃ اللہ علیہ اور پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں پیر بھائی تھے۔ ان کے پیر جناب حسین علی شاہ صاحب (بھورے والے) تھے، جن کا مزار مبارک 'مکان شریف' میں ہے۔ ایک دفعہ پیر بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی صاحبزادی کے لیے کچھ زیور بنوایا۔ جب زیور تیار ہو گیا تو زرگر نے اطلاع دی اور عرض کیا کہ حکم ہو تو لا کر وزن کر دوں۔ پیر صاحب نے فرمایا، نہیں، نہ اسے میرے سامنے لاؤ اور نہ ہی میرے سامنے اس کا وزن کرو، حضور کی صاحبزادی کا سنگار ہے، میں دیکھوں گا تو بے ادب ہو جاؤں گا۔ نیز فرمایا، ایک دفعہ مکان شریف کا خاکروب حضرت بڈھن شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ خاکروب آپ کی غیر حاضری میں چمڑے کے ایک بنڈل پر ہی بیٹھ گیا۔ جب آپ باہر سے تشریف لائے تو خاکروب کو پلنگ پر عمدہ بستر بچھوا کے بٹھایا اور حاضرین کو فرمایا کہ اس چمڑے کی جوتیاں نہ بنوانا، ڈول بنوا کر کنوئیں پر ڈلوا دینا کیونکہ پیر خانے کا مہمان اس پر بیٹھ چکا ہے۔

پھر فرمایا، حضرت خواجہ خان عالم رحمۃ اللہ علیہ باؤلی شریف والوں کی بیعت فخر المشائخ حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ (حضور شاہِ لاثانی کے دادا پیر یعنی خواجہ

[1] شہنشاہِ عارفین شیخ مجدد فرماتے ہیں کہ ذاتِ باری وراء الوریٰ ثم وراء الوریٰ ہے۔

فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ کے والدِ ماجد اور پیرومرشد) سے تھی۔ خواجہ نور محمد صاحب پٹھان تھے۔ ایک روز خانِ عالم صاحب گھوڑی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راہ میں ہینگ بیچنے والے کچھ پٹھان ملے۔ آپ انہیں دیکھ کر گھوڑی سے اتر پڑے۔ ہمراہیوں نے عرض کیا کہ آپ نے سواری کیوں چھوڑ دی ؟ فرمایا یہ آدمی میرے پیر کے ہموطن ہیں۔ لہٰذا میرا گھوڑی پر سوار رہنا بے ادبی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور ادبِ شیخ کی ان تمام رموز سے آشنا بھی تھے اور بدرجۂ کمال عمل پیرا بھی۔ چنانچہ آپ نے ادبِ شیخ کے حوالے سے جو ادائیں یا اطوار اختیار کیے، ان پر عقل دنگ ہے۔ حضور نے اپنے شیخ پر جو مضامین قلمبند کیے ہیں، ان کا مطالعہ کریں تو ادب آداب کے نت نئے قرینے معلوم ہوتے ہیں، جو آپ سے قبل کے ادوار میں نظر نہیں آتے۔

آپ کی پیاری صفات میں سے یہ بھی ہے کہ بوڑھے حضرات کی عزت و احترام کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نوجوان نسل کو سختی سے حکم تھا کہ بالخصوص والدین کو راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ بصورتِ دیگر ہمارے پاس اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خود حضور کا یہ طرزِ عمل تھا کہ اپنے پیر مرشد کی بارگاہ میں جانے کے لیے گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے مبارک قدم چومتے اور عرض کرتے کہ میرے لیے دعا فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پیرومرشد کی آپ پر گہری نگاہِ التفات کا ایک سبب والدین کی خدمت گزاری، اطاعت شعاری اور ادب و احترام کا یہ معاملہ تھا۔ اپنے والدِ محترم کی بھی دست بوسی کیا کرتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی کی بوڑھی ماں یا باپ اپنے بیٹے کی شکایت لے کر آتے جو عموماً بے ادبی یا حکم عدولی سے متعلق ہوتی، آپ اس

کی سرزنش کرتے، قرآن و حدیث سے والدین کا مقام سمجھاتے اور پھر والدین کے ہاتھ چومنے اور کبھی قدم چومنے کا حکم دیتے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ والدین شکایت کرتے کہ بیٹا بہو کی طرف زیادہ ملتفت ہے اور ہماری پروانہیں کرتا۔ آپ بیٹے کو والدین کو مقدم رکھنے اور راضی کرنے کا حکم دیتے۔

(حدیث پاک: یَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ مَنْ فَضَّلَ زَوْجَتَهٗ عَلٰی اُمِّهٖ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ.... (زواجر ص ۵۸، تنبیہ الغافلین)

ترجمہ: اے گروہ مہاجرین وانصار! جو شخص اپنی عورت کو اپنی ماں پر فضیلت دے گا، اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆

باب ⑧

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز
اور جذبۂ حُبّ الوطنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ مومن کی ایک صفت اپنے وطن کے لیے اس کی والہانہ محبت اور جذبۂ سرفروشی ہے۔ خود سرکارِ دوجہاں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ

وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

اس ارشادِ نبوی کے مطابق جب وطن کی محبت ایمان ہے تو ماننا پڑے گا کہ جس قدر یہ محبت زیادہ ہوگی، مومن کا ایمان کامل ہوگا اور اگر وطن کی محبت مطلقاً نہیں تو دین وایمان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں (اب ان لوگوں کے ایمان کی حقیقت کا اندازہ لگائیے جو کہتے ہیں کہ ’شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شامل نہیں ہوئے‘۔ حالانکہ رہتے بھی اس ملک میں ہیں اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں)۔ پھر کسی فرد یا

جماعت کا ہر وہ قول یا فعل جس سے اس بندۂ مومن کے وطن کی توہین وتذلیل کا کوئی پہلو نکلتا ہو، اس کے نزدیک نا قابلِ معافی جرم ہے اور ایسے مجرم کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنا وہ اپنا مقدس فریضہ سمجھتا ہے۔

سیدی وسندی، وارثِ حبیبِ کریم (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)، آئینۂ کرامات وکمالات، پیکرِ وسعت تصرفات، مفکرِ اسلام، اعلیٰحضرت پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ ایمان وایقان کی بلندترین منزلوں پر فائز تھے چنانچہ اسی تناسب سے جذبۂ حب الوطنی سے بھی ازحد سرشار تھے۔ ہر اس شخص سے محبت تھی جو وطنِ عزیز کا دوست ہے اور ہر اس شخص کو قابلِ نفرت سمجھتے تھے جو اس کا دشمن ہے۔ چنانچہ جب 4 اگست 2004ء کو روزنامہ خبریں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی پاکستان کے حوالے سے ہرزہ سرائیاں شائع کیں کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہوگا تو آپ نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے تنبیہ کی کہ

"ہمیں پاکستان سے اس لیے محبت ہے کہ ہمارے نزدیک یہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تبرک ہے۔ آج تک جس نے بھی اسے نقصان پہنچایا، کیفرِ کردار تک پہنچا۔ آئندہ جو اسے میلی نظر سے دیکھے گا، مٹ جائے گا اس کا نام غداروں میں لکھا جائے گا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ پاکستان پھلے پھولے اور پنڈت جی (ڈاکٹر اسرار) مریں تو ان کی قبر پر کتبہ لکھا جائے لعنۃ اللہ علی الکذبین"۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کو اس وطن کی مٹی سے جو پیار تھا، اس کی جھلکیاں چند عنوانات کے تحت یہاں دکھائی جا رہی ہیں۔

بانیٔ پاکستان سے محبت: بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح سے آپ کو گہری محبت والفت تھی کیونکہ یہ انہی کی بے مثال قیادت اور لازوال استقامت سے ممکن ہوا کہ آج ہم آزادی جیسی گراں قدر نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"قائداعظم جیسا شخص اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر مسلمانوں کو دیا تھا"۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو مسلمانوں کی قیادت کے لیے نامزد کیا اور انہوں نے شب وروز ایک کر کے اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعمیلِ فرمان کا حق ادا کردیا"۔

قائدِاعظم کے بے مثال تدبر وفراست کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"قائداعظم نے سیاست کے بڑے بڑے جغادری پہلوانوں کو چاروں شانے چت گرادیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے انہیں ناقابلِ تسخیر قوت بنادیا"۔

آپ قائدِ اعظم اور علامہ اقبال دونوں شخصیات کو عام علماء سے سیرت وکردار نیز فہم دین کے اعتبار سے بہتر خیال کرتے تھے اور یہ کہ قوم کا جتنا درد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کی خیر خواہی کا جتنا جذبہ ان کے اندر تھا اس دور کے باقی عوام وخواص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ قائداعظم کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

"حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ مخلص اور راستباز تھے۔ انہیں نعرہ بازی

اور نمود و نمائش سے دور کا واسطہ نہیں تھا۔ وہ جو کہتے تھے، کر دکھاتے۔ اپنے تو کجا انہوں نے کسی غیر کو بھی دھوکا نہیں دیا تھا۔ دشمن تک ان کی استقامت اور عظمتِ کردار کے قائل اور گھائل ہیں۔ یقیناً انہیں وقت ملتا تو پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ افسوس انہیں وقت نہ ملا اور پاکستان کو قائم کیے ہوئے پورے تیرہ ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ آخرت کو سدھار گئے۔"

مصوّرِ پاکستان سے الفت: مصوّرِ پاکستان، کروڑوں پاکستانیوں کی خواہشات کے ترجمان حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا ذکر بھی حضور مفکرِ اسلام بڑے پیار اور محبت سے کرتے اور قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ عظیم محاسن و اوصاف کی تعریف و ستائش کرتے۔ بالخصوص ان کی شاعری نے جس طرح خوابِ غفلت میں مدہوش مسلمانانِ ہندوستان کو جھنجھوڑا، لائقِ صد تحسین و آفرین گردانتے اور فرماتے:

"حق یہ ہے کہ حضرتِ اقبال نے جو کچھ کہا، اپنے انداز میں قرآن وسنت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا"۔

نیز فرمایا:

"اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ اقبال کا سینہ رب نے کس قدر کھول دیا تھا۔ جن باتوں کو بیان کرنے لیے کئی مصنف پوری پوری کتاب لکھ دیتے تھے، اقبال اس سارے مضمون کو دو تین اشعار میں سمو دیتے تھے"۔

حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ جنابِ اقبال کی سیرت کا نمایاں ترین وصف 'عشقِ رسالت' قرار دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"حضرت اقبال علیہ الرحمہ کو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مثالی عشق تھا۔ آخری دور میں تو عشق اس ترقی پر تھا کہ جونہی کسی نے حضور پرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نام پاک لیا، عاشقِ صادق کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ اسی عشق کو ملت کے مسائل و مصائب کا علاج اور حل سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسی دولت کو سینے سے لگائے رکھا اور اسی محبت کی تجلیات سے سینوں کو منور کرنے کی سعیٔ محمود کرتے رہے۔ جوابِ شکوہ کے یہ اشعار کسے یاد نہیں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ واقعہ اس عاجز نے متعدد بار اپنے بابا حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ القوی سے سنا، آپ فرماتے تھا:

"ایک دفعہ علی پور شریف میں کٹائی کے دنوں میں لوگ کٹائی کر رہے تھے۔ حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ سامنے جلوہ گر تھے۔ میں اپنی ڈیوٹی کے مطابق لوگوں کو پانی پلا رہا تھا کہ اچانک مجھے حضرتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اشعار یاد آ گئے اور میں نے انہیں گنگنانا شروع کر دیا کہ

دوپہر کی آگ میں وقت درو دہقان پر
ہے پسینے سے نمایاں میرے تاباں کا اثر
کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر
یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے
ہائے کیا تسکین اسے ملتی ہے تیرے نام سے

آپ نے پوچھا، بھئی کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا، حضور! اقبال کے شعر پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، سناؤ۔ میں نے سنائے تو آپ بے حد خوش ہوئے اور فرمانے لگے، واہ اقبال کمال ہی کر دیا ہے''۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ نے آپ کی زندگی کے حالات کو خوب اچھی طرح پڑھا اور نچوڑ یہ نکالا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات پر قرآن کی حکمرانی تھی۔ اپنے ایک مضمون میں آپ نے لکھا:

'' مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا، اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا، قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھے اور اس شے واحد میں وہ اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علماءِ دین

میں مجھے کوئی شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی قرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لاء سے لگا کھاتا ہو'۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں جبکہ ہر شخص اقبال و قائد کے افکار و نظریات کی من چاہی بے سروپا تاویلات کر رہا تھا، آپ نے کچھ اس حسنِ اہتمام سے اصل تصویر دنیا کے سامنے رکھی کہ ان قائدین کی فکر اور تعلیمات نکھر کر سامنے آگئیں اور حق واضح ہو گیا۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے ان اقوالِ مبارکہ کے علاوہ، ان دونوں سے محبت پر شاہد عادل آپ کا یہ طرزِ عمل بھی ہے کہ عام گفتگو نیز تقاریر و تحاریر میں کثرت سے ان کا ذکر کرتے، ان کے فرمودات کے حوالے دیتے۔ اقبال کے اشعار موقع محل کے مطابق سناتے اور لکھتے نیز ان کے ایام وصال میں ان کے کارہائے نمایاں سننے اور سنانے کا اہتمام کیا جاتا۔

پاکستان سے محبت: حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ کو سب سے بڑھ کر محبتِ خدا و مصطفیٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور اسی محبت کا ایک نتیجہ ملک سے محبت ہے۔ کیونکہ یہ اس کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کو آج دنیا 'مفکرِ اسلام' کے نام سے یاد کرتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ عالمِ اسلام اور بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے از حد حساس تھے۔ ان کی سربلندی کا کوئی پہلو سامنے آتا تو نہایت مسرور ہوتے، ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کی کوئی داستان سنتے تو پریشان ہو جاتے۔ آپ نے ملک بھر کا دورہ کیا اور جہاں بھی گئے خدا و رسول کی محبت کے ساتھ ساتھ وطن کی محبت کے گن گائے اور لوگوں کو اس کی بہتری کے لیے پرخلوص کوششیں کرنے پر ابھارا۔ جب محسوس کیا کہ میرے وطن

کے باسیوں کو معیاری تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے تو جا بجا سکول کھلوا دیئے، جب دیکھا کہ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی عقاید و نظریات کا تحفظ وقت کی آواز ہے تو متعدد مدرسے قائم کر دیئے۔ جب سرمایۂ ملک و ملت یعنی نوجوانوں کو کلبوں اور کھیل کے میدانوں کی زینت بنے دیکھا تو شیرانِ اسلام جیسی عظیم تنظیم کی بنیاد رکھ کر ہر لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے نوجوان کو ایک مشغلہ دیا کہ اپنا وقت ملک و ملت کی بھلائی کے کاموں میں صرف کریں۔ جب اپنی قوم کی بچیوں کا قیمتی وقت 'گپ شپ' اور 'ٹی وی وکیبل' کی نذر ہوتے دیکھا تو 'جامعہ انوارِ لاثانی للبنات' کے نام سے اخلاقی و مذہبی تربیت گاہیں قائم کرنا شروع کر دیں اور تاحیات یہ سلسلے آپ نے بڑی تگ و دو سے چلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے وطن اور اس کے مکینوں کی حالتِ زار آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ چنانچہ ان کی فکری و نظریاتی، اخلاقی و مذہبی اور روحانی و مادی ترقی کے لیے آپ نے کام کیا اور خوب کیا۔ آپ ملکِ پاکستان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک سمجھتے تھے اور دن رات اس کی سربلندی کے لیے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''یہ ملک اسلام کے نام پر ملا تھا، اس لیے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس کی حفاظت فرمائے گا''۔

جب بھی وزارت و نظامت کا کوئی امیدوار الیکشنز کے دوران آپ کی حمایت کا طالب ہوتا تو اس سے دو وعدے لیتے:

1: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی جہاں تک ممکن ہوا خدمت کروں گا۔

2: ملکِ پاکستان اور اہلِ پاکستان کی بہتری کے لیے مقدور بھر کوشش کروں گا۔

یہ وعدے لینے کے بعد پھر آپ ان کی حمایت و اعانت کا اعلان فرماتے۔ اسی طرح

اسمبلیوں کے اراکین اور دیگر عمائدینِ ملک کی اصلاح کے لیے نہایت پُرمغز اور اصلاحی بیانات ارشاد فرماتے نیز قلم کے استعمال سے ان کی اصلاحِ احوال کرتے۔ غریب عوام کی بہبود و ترقی کی تلقین اور جہاں ضرورت محسوس کرتے سرزنش بھی کرتے۔ ماہنامہ مجلۃ الحقیقہ کے اداریئے اس بات کے گواہ ہیں۔

پاکستان دشمنوں سے نفرت: جن لوگوں یا طبقہ ہائے فکر نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی، آپ ان کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ طبقۂ اہلحدیث اور دیوبند سے نفرت کی بڑی وجہ اگرچہ ان کی عداوت و بغضِ رسول تھی تاہم ایک وجہ بانیانِ پاکستان اور خود پاکستان سے ان کی دشمنی بھی تھی۔ جس کے گواہ ان کے مندرجہ ذیل سخت اور غیر معیاری بیانات ہیں جو وہ قبل از قیامِ پاکستان سے تا حال دیتے آ رہے ہیں:

''ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں''۔

(خطباتِ احرار، ص ۹۹، رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۵)

''جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کا گوشت کھانے والے''۔ (چمنستان ص ۱۳۰)

''دس ہزار جینا (جناح) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جا سکتے ہیں''۔

(حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بیان۔ چمنستان ص ۱۳۵)

''کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی 'پ' بھی بنا سکے''۔

(عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیان تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علما، ص ۸۸۳)

''لوگو جناح قائداعظم نہیں کید (بمعنی مکر) اعظم ہیں''۔

(مولوی غلام غوث ہزاروی دیوبندی کا بیان)

اسی پیارے قائداعظم کو حسین احمد دیو بندی اور مظہر علی احراری دیو بندی نے 'کافر اعظم' کہا۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۳)

''اس بات کا ہم کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیمِ ملک کی جنگ سے غیر متعلق رہے''۔ (مولانا مودودی کا بیان۔ ترجمان القرآن نومبر ۶۳ء)

جب پاکستان دولخت ہوا تو اس سانحۂ عظیم پر یہی احراری، دیو بندی، وہابی اور مرزائی بہت شاداں و فرحاں تھے۔ ان کے ہاں دیگیں پک رہی تھیں اور جشن منائے جا رہے تھے۔ حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض دوستوں کے ساتھ اپنے مطب میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر کسی کی آنکھ سقوطِ ڈھاکہ پر اشک بار تھی۔ عین اس وقت احراری کارکن جانباز مرزا جھومتا ہوا مطب میں داخل ہوا۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرے پر ایک عجیب قسم کی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سلام نہ دعا، آتے ہی بولا: 'دیکھ لیا حکیم صاحب ہمارے بزرگوں کا کارنامہ، آپ کس پاکستان کی بات کرتے رہتے ہیں، ذرا سوچئے کہ ہمارے امیر شریعت (عطاء اللہ شاہ بخاری) کی روح آج کس قدر مسرور ہو گی؟ کہاں ہے آپ کا پاکستان اور بلاؤ اپنے قائداعظم کو' (ماہنامہ نئی زندگی الہ آباد پاکستان نمبر ص ۱۸)

حضور مفکرِ اسلام نے تاحیات اس وہابی و دیو بندی طرزِ فکر کی مذمت کی۔ بالخصوص جب مفتی محمود نے اسمبلی کے اندر ہرزہ سرائی کی کہ ''شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہوئے'' اور مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ''پاکستان کا قیام اس صدی کا سب سے بڑا فراڈ ہے'' تو آپ بہت پریشان و مضطرب ہوئے اور تقاریر و تحاریر میں ان کی خوب خبر لی۔ آپ نے قوم کو بھی یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان میں حصہ لیا اور وہ جو ان کی فکر کے وارث ہیں

دراصل یہی سچے اور کھرے مسلمان تھے اور جو اس کے مخالفین تھے یا ہیں وہی غدار اور انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہیں۔ لہٰذا اب کسی عزت کے مستحق نہیں۔ یوں سمجھ لیں قدرت نے تحریکِ پاکستان کی صورت میں اپنا پرایا پرکھنے کا خوب موقعہ مہیا کیا تھا۔ آپ نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''آیئے اپنے سینے میں قائداعظم کی غیرتِ عشق بیدار کریں اور جو لوگ پاکستان کے مخالف رہے یا اب ہیں انہیں غدار سمجھیں۔ افسوس قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے، اپنے رہنماؤں کو بھول جاتی ہے اور غداروں کو بھی فراموش کر دیتی ہے۔ آج ہمارے نصاب کی کتابوں میں جنگِ آزادی کے مجاہدین کی بجائے عموماً غداروں کو 'ہیرو' قرار دیا جا رہا ہے اور پاکستان کے مخالفوں اور قائداعظم کو 'کافرِ اعظم' کہنے والوں کو پھر عظیم رہنما کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے''۔

اس تمام صورتحال کے برعکس جن مجاہدوں اور غازیوں نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور قربانیاں دیں ان کا اکثر بڑی محبت سے ذکر کرتے اور ختم وغیرہ دلاتے تو ان کو ایصالِ ثواب کرنا نہ بھولتے۔ یہاں تک کہ شہدا و مجاہدین کے توسل سے دعا کرتے اور کرواتے۔

اہلِ پاکستان کی موجودہ صورتحال اور حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کا اضطراب و تاسف

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اس ملک

کو اسلام کی تجربہ گاہ بنا تھا لیکن وجود میں آنے کے بعد یہاں کیا صورتحال رہی اور ہے حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے اور اندازہ بھی کیجئے کہ آپ امتِ مسلمہ کی اس حالتِ زار پر کتنا کڑھتے تھے:

"پاکستان کی داستان بڑی دردناک ہے اس کے قیام کے قریباً ایک سال بعد ہی اس کے بانی حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ داغِ جدائی دے گئے۔ بعد میں جو لوگ آئے انہیں اپنے اقتدار کی فکر تو عموماً زیادہ رہی مگر قوم وملت کے استحکام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی ۔جمہوریت اور مارشل لاء کی آنکھ مچولی رہی مگر جو بھی آیا ایک دو کے سوا، اس کے لوٹنے کو ہی مقصود ٹھہرایا اور اکثر و بیشتر مصائب و مسائل میں ہی اضافہ کیا، ان کے حل کی طرف توجہ نہ دی۔ بدتدبیریوں کی بنا پر قوم پر قرضوں کا بوجھ بڑھتا رہا، بے روزگاری مسلط ہوتی گئی، دہشت گردی کا گراف بہت اونچا ہوگیا۔ بے حیائی اور فحاشی روز بروز عام ہوتی گئی۔ مملکت اسلامیہ کی فوج ہی غازیوں اور مجاہدوں کی فوج ہوتی ہے مگر اصل فوج کے ہاں جہاد کا تصور دھندلاتا گیا اور بعض پرائیویٹ کمپنیوں نے جہاد کے نام پر جعلی کارنامے سنا سنا کر قوم کے اچھے خاصے طبقے کو اپنا گرویدہ بنا لیا ۔کاش حکمران طبقہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چل کر ایمان وعشق کے تقاضے پورے کرتا اور اپنے نبیؐ

محترم، رسول مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو پیشِ نظر رکھتا۔ جب منکرین زکوۃ کو نظر انداز کرنے کی اپیل کی گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، دین مکمل ہوگیا، کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے فرمایا میری جان جائے تو جائے مگر دین پر آنچ نہیں آنے دوں گا اور کسی صورت اس میں کمی بیشی قبول نہیں کی جائے گی۔ جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حکم نافذ ہے اور یہی نافذ رہے گا۔ افسوس آج اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ ہمارے حکمران کس بے تکلفی سے اسلامی اخوت کے مقابلے میں سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگاتے ہیں اور خدا کے باغیوں کو خوش کرنے کے لیے سچا پکا مسلمان کہلانے کی بجائے 'لبرل مسلمان' کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ حکمرانوں کا یہ رویہ ایک مدت سے یہی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کے بعد شاید ہی کسی صدر یا وزیر اعظم کو اسلام یا پاکستان کا مفاد اپنے ذاتی اقتدار سے ملحوظ تر ہو۔ وطن عزیز میں زیادہ تر ان لوگوں کی خوشنودی کو اہمیت دی جاتی ہے جو پہلے دن سے ہی ہر اس کام کے خلاف ہوتے ہیں جس کا فائدہ پاکستان کو پہنچ سکے۔ کالا باغ ڈیم کیوں نہیں بن رہا ؟ صرف اس لیے کہ غدار پسند نہیں کرتے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن (وغیرہ) سے فحاشی کیوں پھیلائی جا رہی ہے؟ لبرل مسلمانی کا

تقاضا ہے۔بجلی اور مختلف اشیاء کی مہنگائی کس لیے؟اس لیے کہ قرضے دینے والوں کی شرائط ہی اسی قسم کی ہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو صرف نومہینوں میں ہر قسم کی مشکلات پر قابو پالیا تھا اور یہاں نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود مشکلات میں کمی تو کیا،اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔

اب تو یہی دعا ہے:

زمانے کی ہوائیں ہیں نہایت حوصلہ فرسا
الٰہی بھیج کوئی رہنما صدیق اکبر سا"

یہ بیان کچھ طویل لیکن صورتحال کا جامع عکاس تھا،لہٰذا من وعن پیش کردیا

حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ امت کے تمام مسائل کا حل خوف خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گردانتے جو کہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔اور اس کا اظہار بڑے دلکش پیرائے میں کیا کرتے۔چنانچہ آپ کی ایک خوبصورت تحریر سے ایک خوبصورت اقتباس ملاحظہ کیجئے(مثل سابق طویل مگر جامع وموثر بیان)

"وہ قوم جو توحید پر یقین بھی رکھتی ہو پھر بھی مشرکوں کی خیرات سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہو اور خدا کے بندے ہو کر خدا کے منکروں پر انحصار رکھیں،اس سے زیادہ تکلیف دہ صورتحال کیا ہو سکتی ہے؟

وہ قوم جو خدا کے سب سے سچے اور سب سے سچے،سب سے بڑے اور سب سے آخری رسول،امام الانبیاء(علیہم

الصلوۃ والسلام) کی امت ہو کر اقوام عالم کی امامت کرنے کے بجائے ان کے قدم بقدم بھی نہ ہو بلکہ سب سے زیادہ عروج پر ہونے کے برعکس سب سے زیادہ پستی میں ہو،کتنے دکھ کی بات ہے۔وہ قوم جس کے پاس عیب وریب سے پاک قرآنِ کریم جیسا آسمانی دستور ہو،جو تمام علوم کا سرچشمہ،ہدایات کا لاجواب منبع،دوجہاں کی خیر وفلاح کا داعی،افراد واقوام کو قعر مذلت سے نکال کر مہ وپروین پر کمندیں ڈالنے کا گر سکھانے والا ہے،پھر بھی ظن وتخمین میں کھوئی ہوئی ہو،کتنا پریشان کن ہے۔

وہ قوم جس کے آباؤ اجداد نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عشق سے سرشار ہو کر چار دانگ عالم میں حق کا پھریرا لہرایا تھا،بحر وبر پر حکومت کی تھی،دشت وکوہ جن کی اذان سے گونجتے تھے،اتنا شاندار اور تابناک ماضی رکھنے کے باوجود اپنے عقائد،اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کے بارے میں احساسِ کہتری کا شکار رہے،اس سے زیادہ خود ناشناسی کیا ہو سکتی ہے۔

ذرا اپنی داستان پر غور تو کریں،کس میدان میں اللہ نے ہماری عزت نہیں رکھی،کس مشکل میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہماری دستگیری نہیں فرمائی،کس موقعے پر اللہ والے ہمارے کام نہیں آئے،قرآن پاک نے سچ فرمایا تھا:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ.......(المائدہ۔۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ (کنزالایمان)

جب بھی اللہ کے حضور صدقِ دل سے گڑگڑائے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فریاد کی، اللہ والوں کی دہائی دی، شکست فتح میں بدل گئی، کفر وشرک کے لشکر بھاگ گئے، کملی والے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے غلام جیت گئے۔

جیت گئے اسلام کے غازی، ہار گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم!

۱۹۶۵ء میں یہی ہوا تھا۔ اللہ والے کہاں نہیں پہنچے اور کس کس محاذ کو انہوں نے نہیں سنبھالا۔ اسے فی الحال رہنے دیجئے، قیامِ پاکستان پر ہی غور کیجئے۔ انگریز اور ہندو دونوں متحد اور دونوں بظاہر طاقتور، ان کے مقابلے میں اہلِ ایمان کتنے تھے، نہایت قلیل، عقلاً پاکستان کا بننا ناممکنات سے تھا۔ اسی وجہ سے 'مسلمانوں' میں جو محض عقل کے بندے تھے (اور عشق و ایمان سے اکثر محروم) وہ قائد اعظم کا ساتھ دینے کو اپنے تاریک مستقبل کی ضمانت و علامت سمجھتے تھے، مگر کیا ہوا؟ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے غلاموں کی ہمت بندھائی اور پاکستان کی بشارت دی، اور یہ بشارت اس تواتر سے ہوئی کہ کوئی آدمی کسی وہم کا شکار ہی نہیں ہوسکتا تھا...... بہر حال ہمارا اصل سرمایۂ حیات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی غلامی ہے ۔ پاکستان بنا کر ہمیں اس رشتے کو مضبوط کرنا چاہئے تھا، مگر ہم سے یہ

نہ ہوسکا۔ جس اسلام کا بار بار نام لیا گیا تھا، یہاں اس کی حکومت ہونی چاہئے تھی، مگر افسوس ہمارے جھوٹے حکمرانوں نے اس طرف بھی توجہ نہیں دی۔ ہمیں قائد اعظم کے ارشادات کی روشنی میں اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہئے تھا، تاکہ دنیا اللہ کے دین کی برکات سے روشناس ہو اور زمانہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے کہ اسلام انسان کے لیے اور خصوصاً انسانیت کے لیے کتنا ضروری ہے۔ افسوس ہم کچھ بھی نہ کرسکے"۔

المختصر! مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے سینۂ بے کینہ میں پاکستان اور اہلِ پاکستان کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اس ملک میں 'خوشحالی' دیکھنا چاہتے تھے، صرف مادی نہیں بلکہ ایمانی و روحانی بھی۔ عقائد ونظریات کی خوشحالی، اخلاق و کردار کی خوشحالی۔ اکثر فرماتے، انشاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نظرِ رحمت سے اچھا دور آنے والا ہے۔ اس مضمون کو آپ ہی کی ایک 'حسرت' ایک 'تمنا'، ایک 'دعا' پر ختم کیا جاتا ہے:

"کاش ملت آزاد ہوتی اور اپنا نفع ونقصان سوچ سکتی، کاش ملک کی حکومت جس نظریئے کی بنا پر ملک بنا تھا اسے نافذ کرسکتی۔ کاش اس ملک میں ایک ایسی مؤثر قوت ہوتی جو حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کو بے راہ روی سے روک سکتی۔ کاش ایک اور اقبال کہیں سے آجائے، جو ملت کی رہنمائی کرے اور ایک اور قائد اعظم بھی نمودار ہوجائے جو ملت کو یک جان ویکدل کردے۔

باب 9

اَخلاقِ حضور مُفکّرِ اسلام

قدس سرہٗ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام دینِ کامل ہے۔اس نے جو ضابطۂ حیات دیا،وہ بھی ہر اعتبار سے جامع و مانع ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی عالمگیر اشاعت کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ایک اس کی اپنی حقانیت اور دوسری مبلغینِ اسلام کا حُسنِ اَخلاق۔

اسلام میں حسنِ اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔نبیٔ مکرّم،رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اسے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔فرمایا:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا.......(ابوداؤد شریف)

ترجمہ: مومنوں میں زیادہ کامل ایمان والا،اُن میں زیادہ اچھے خُلق والا ہے۔

بلکہ ہادیٔ عالم،شفیعِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی بعثت کو اسی حوالے سے پیش کیا ہے۔ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ.......(مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ:۔ میں تو اسی لیے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم صاحبِ خُلقِ عظیم ہیں۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.......(پارہ ۲۹۔ سورۃ القلم۔ رکوع ۱)

ترجمہ: اور بے شک آپ کی خو بو بڑی شان والی ہے۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت میں بھی بہترین وہی ہیں جو ان میں بہترین اخلاق والے ہیں۔

اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا......(بخاری و مسلم)

ترجمہ:۔ تم میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق تم میں بہتر ہوں۔

اولیاءِ کرام اسی خُلقِ عظیم کے مظہر ہیں، اسی لیے یہ اشاعتِ اسلام میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ، حُسنِ اَخلاق کے جس ذُروۂ علیا پر فائز تھے، ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ تاہم مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ کے مصداق کچھ نمایاں تر پہلو پیش کیے جاتے ہیں۔

زُہد و اتقا

زہد سے مراد ہے دنیا سے بے رغبت ہو جانا اور اتقا ہے خدا کی رضا کے لیے تقویٰ اختیار کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے زُہد کے بارے میں یوں اشارہ فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝.......(البقرہ۔ آیت ۲۰۷)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

یعنی اللہ کریم کے خاص بندوں کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا تن من دھن سب قربان کر دیتے ہیں اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے جب وہ کسی چیز کو راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیتے اور اپنی دنیا کو اس کی راہ میں بالکل لٹا دیتے ہیں تو اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

بندہ مومن کے سامنے سلطانِ کائنات، مختارِ ششجہات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا اسوۂ حسنہ رہتا ہے۔ آیئے! زُہدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی جھلک حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ کی روشنی میں دیکھیے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کھجور کے بوریہ پر آرام فرما رہے تھے۔ اس کے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے درمیان کوئی بستر نہ تھا۔ بوریئے نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے جسمِ اقدس پر نشان ڈال دیئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم چمڑے کے ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (کتبِ سیرت کے مطابق جسم مبارک پر صرف ایک تہہ بند تھا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے، ایک کونے میں کسی جانور کی کھال پڑی تھی اور کچھ مشکیزہ کی کھالیں سرِ اقدس کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے)۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول سی

اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ (آپ ﷺ اور) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امت پر فراخی فرمادے۔ فارس اور روم پر فراخی کی گئی ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے۔ فرمایا، اے ابنِ خطاب! تو ابھی تک ان خیالوں میں غلطاں ہے۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی لذّتیں ان کو دنیا میں جلدی دے دی گئی ہیں۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْاٰخِرَۃُ۔ (بخاری ومسلم)

اور ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، کیا تو راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْداً حَمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یَظَلُّ اَحَدُکُمْ یَحْمِیْ سَقِیْمَہُ الْمَآءَ...... (ترمذی شریف)

ترجمہ: رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کسی شخص سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح ایک تمہارا اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے دنیا سے بے رغبت رہ کر سادگی کا جو انتہائی سبق آموز اور ایمان افروز مظاہرہ کیا، وہ اتباعِ سنت کا ایک روشن باب ہے۔

لباس: حضور کے لباس میں سنت کے مطابق سفید شلوار قمیض، سفید کپڑے کی نقشبندی

ٹوپی، ہاتھ یا کندھے پر سفید بڑا رومال (اسے بسا اوقات سرِ اقدس پر باندھ لیتے جس سے چہرۂ اقدس کی نورانیت دوچند ہو جاتی) اور پاؤں مبارک میں سادہ سی چپل (کالج دور میں کبھی براؤن رنگ کے بوٹ پہنے) گویا آپ کی شخصیت مبارکہ سادگی کا ایک مرقع تھی۔ آپ نے سفید عمامہ شریف بھی گاہے بگاہے اور کچھ عرصہ متواتر استعمال فرمایا۔

عمرِ عزیز کے آخری حصے میں ہاتھ مبارک میں عصا ہوتا تھا۔ جُبّہ شریف صرف عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے روز زیب تن فرماتے تھے۔ چند مرتبہ جمعۃ المبارک کے خطاب کے دوران بھی استعمال فرمایا۔ رات کو عموماً تہبند باندھتے۔ کبھی روایتی جیکٹ یا واسکٹ وغیرہ نہیں پہنی۔ سردیوں میں کبھی ایک سویٹر، کبھی ایک چادر اور کبھی دونوں استعمال فرماتے۔ پیراہن میں یہ سادگی بچپن تا یومِ وصال یعنی تمام عمر رہی۔ مگر اس سادگی میں بھی بلا کی ہیبت تھی کہ 'خودسر' دم بخود اور 'سنگدل'، 'نرم دل' ہو جاتے تھے۔ بڑی بڑی محفلوں اور تقریبات میں شرکت ہوتی تھی لیکن اسی وضع قطع کے ساتھ۔ ایک مرتبہ آپ ایسا سفید لباس پہن کر اپنے پیر و مرشد کی بارگاہ میں آئے جس پر ہلکی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا، لو جی! اب تو آپ صاحب بھی لکیروں والے کپڑے پہننے لگ پڑے ہیں۔ آپ نے اس کے بعد ایسا لباس کبھی نہ پہنا جس پر کسی قسم کی لکیریں یا ڈیزائن بنا ہو۔ یونہی مشائخ کے لیے کلف لگے کپڑے سخت ناپسند فرماتے تھے۔

کالج میں آپ نے سیاہ اچکن اور جناح کیپ بھی پہنی ہے، جو سفید لباس کے ساتھ آپ کو خوب جچتی تھیں۔ یہ ہمارا قومی لباس بھی ہے اور وطن سے محبت کا آئینہ دار بھی۔ تاہم اپنے شیخ کے سامنے آپ نے اچکن اور جناح کیپ نہیں پہنی۔

جو لباس آپ زیب تن فرماتے وہ درمیانی قیمت کا ہوتا تھا۔ قیمتی لباس پسند نہ فرماتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ قیمتی لباس یا جوتا نذر کیا گیا۔ فرماتے یہ زائد رقم جو خرچ کی گئی کئی غریبوں کا تن اور پاؤں ڈھانپنے میں خرچ ہو سکتی تھی، چنانچہ کسی اور کو دے دیتے خود استعمال نہ فرماتے تھے۔

فضول خرچی سے روکنے کے لیے حضور اکثر اس آیۂ کریمہ کا حوالہ دیتے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط...... (بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ بے شک اڑانے والے (یعنی فضول خرچ) شیطانوں کے بھائی ہیں۔ (کنز الایمان)

غذا: لباس کی طرح آپ غذا کے معاملے میں بھی سادگی پسند تھے۔ مرغن کھانوں کی رغبت نہیں تھی۔ اتباعِ سنّت میں کدو شریف مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ جناب حافظ محمد عمران صاحب کدو شریف کا تھیلا پکڑے ہوئے آئے۔ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا، جلدی جلدی پکا کر لاؤ، ہم نے کدو شریف کھانا ہے۔ نہایت قلیل غذا کھاتے تھے۔ اگر کسی نے چاول یا سالن وغیرہ زیادہ ڈال دیا تو کسی نوجوان کو دے دیتے کہ اسے زیادہ ضرورت ہے۔

لوگ دعوت کرتے تو عموماً انواع واقسام کے کھانے سامنے رکھ دیتے۔ آپ سمجھا دیتے اور کبھی جلال میں آجاتے کہ آخر پیٹ کو گرم رکھنا ہی تو مقصود ہے تو پھر اس قدر اہتمام کی بجائے سادگی سے کیوں نہیں۔

ہر جمعۃ المبارک کو نمازِ جمعہ کے بعد سے نمازِ عصر تک عُرس حضور نقش لاثانی علیہ

الرحمہ کی ہفتہ وار محفل کرواتے۔ اس کے بعد وسیع لنگر شریف ہوتا۔ جس میں چاول اور دال ہوتی (جو بہت پتلی ہوتی تھی اور اس میں تھوڑا سا قیمہ بھی ڈالا ہوتا)۔ اس کھانے کو بھی حضور نہایت پسند فرماتے اور شوق سے تناول فرماتے تھے۔ لوگ بھی بہت محبت و رغبت کے ساتھ اسے کھاتے تھے۔

حضور مدرسے کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی تلقین ہوتی۔ فرماتے، 'قرآنِ پاک پڑھنے والے ان بچوں کے ساتھ مل کر کھانا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے'۔ حیاتِ مبارکہ کے آخری سال ڈیڑھ سال علالتِ طبع کے سبب ایسا نہ کر سکتے اور کمرے میں ہی تناول فرما لیا کرتے، تو بھی ان بچوں کی خوراک کا خصوصی خیال رکھتے۔

سائلین اور معتقدین کا جمِ غفیر ہر وقت حاضرِ بارگاہ رہتا تھا۔ لنگر شریف کے اوقات میں ان کو بھی شریکِ طعام کیا جاتا۔ حضور ان کے ساتھ بیٹھ کر لنگر شریف تناول فرماتے، علیحدہ اپنے لیے کبھی کچھ پسند نہ فرمایا۔ جب طبیعت مبارکہ ناساز رہنے لگی اور ڈاکٹر حضرات نے کھانے کا خصوصی خیال رکھنے کا کہا، پھر بھی وہی کھاتے جو دوسروں کے لیے اہتمام ہوتا۔ یہ بات بھی نہایت قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے کبھی کھانے میں نقص نہیں نکالا۔ اتباعِ سنت میں کھانا تناول فرماتے تھے چنانچہ نمک مرچ وغیرہ کی کمی بیشی کبھی محسوس نہیں کی۔ محترم حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ کے حکم پر ہم نے چکھا تو نمک مرچ کا تناسب صحیح نہ ہونے کے سبب کھانا دُشوار محسوس کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضور ایسی صورتحال میں آپ اتنے اطمینان کے ساتھ کیونکر کھا رہے ہیں؟ آپ نے چونک کر

فرمایا، 'میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا'۔

رہائش: رہائش وغیرہ کے سلسلے میں بھی آپ کو سادگی ہی پسند تھی۔ آپ کو عالیشان عمارات سے تنفر تھا۔ بکنور (جہاں آپ کے ایامِ طفولیت گذرے) میں آپ کا مکان بالکل خستہ حال تھا۔ پھر حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے حکم پر اس کی حالت قدرے بہتر کی گئی۔ جب آپ کا خاندان پھگواڑی شریف منتقل ہوا، تو یہاں کے مکانات بھی درویشانہ طرزِ بود و باش کے آئینہ دار تھے۔ اس دوران بغرضِ تعلیم و تعلّم مختلف شہروں میں رہنا پڑا۔ کبھی ہاسٹلز میں اور کبھی کرائے کے مکانوں میں۔ بالآخر شکر گڑھ کے 'محلّہ اسلام آباد' میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ یہاں احباب و متوسلین کا ہجوم تصنیف و تالیف میں مانع ہوا تو عارفِ حقانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چوہدری گلزار احمد صاحب ایس ڈی او واپڈا کے ہاں دن کے کچھ حصہ میں ٹھہراؤ کا انتظام فرما دیا۔ چند سال یہی سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر ۱۹۹۷ء میں اہالیانِ فیصل ٹاؤن کے پرزور اصرار پر اُن کے ہاں مستقل سکونت کا ارادہ کرلیا۔ ابتداء میں یہاں بھی تقریباً ایک سال کرائے کے مکان میں قیام رہا۔ یہاں آتے ہی پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ 'فیصل ٹاؤن' کو ''نقشِ لاثانی نگر'' بنا دیا۔ اسی عرصہ میں چوہدری گلزار احمد صاحب کے ہاں سے سکونت بھی موقوف ہو گئی۔ فروری ۲۰۰۰ء میں ذاتی مکان کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس دوران آپ کی مسلسل ہدایت تھی کہ سادہ ترین اور بقدرِ ضرورت عمارت کی تعمیر کی جائے اور نمود و نمائش اور اسراف سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

اندازِ تکلم: حضور کا اندازِ تکلّم کسی قسم کے تصنّع یا بناوٹ سے پاک ہوتا تھا۔ اس انداز

میں اس قدر روحانیت ہوتی کہ ایک ایک لفظ 'زندگی' بن کر دل میں اترتا جاتا۔ بے مقصد بات چیت کا تو تصور ہی محال ہے۔ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ قول سنایا کرتے کہ 'ضرورت سے زیادہ گفتگو انسان کے لیے منع ہے اور درویش کے لیے تو زہرِ قاتل ہے'۔ صوفی محمد حسین صاحب (ٹرپئی والے) آپ کے پیر بھائی تھے۔ کبھی کبھار آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے آتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ عصر کے بعد مغرب تک خاموش رہا کرتے تھے اور اس دوران کسی سے ہمکلام ہونے کی بجائے ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ آپ ان کے اس طرزِ عمل کی تحسین فرماتے تھے۔ حضور کے حلقہ نشین بھی آپ کی صحبتِ بابرکت کے زیرِ اثر سیدھے سادے انداز میں گفتگو کرتے تھے۔

حضور خاموش ہوتے تو کسی کی جرأت نہ ہوتی لب کشائی کی کہ آپ کی خاموشی میں غضب کا جلال تھا۔ اگرچہ آپ کے لبہائے مبارکہ پہ تبسّم رقص کر رہا ہوتا۔ اور محوِ گفتگو ہوتے تو کسی کی کیا مجال تھی کہ قطعِ کلام کرے۔ آپ کی گفتگو کے اسّی فیصد حصے کا موضوع عشقِ رسالت ہوتا تھا یا پھر ذکرِ شیخ اور باقی بیس فیصد میں تبلیغی سرگرمیوں کے لیے خدام کو ہدایات ہوتی تھیں۔

آپ ایسا کلمہ زبانِ اَقدس پہ نہ لاتے جس سے کسی کی دلآزاری ہوتی ہو۔ اندازِ گفتگو نہایت دل موہ لینے والا تھا۔ جو گفتگو سن لیتا، گرویدہ ہو جاتا۔ اپنوں کے لیے زبان کی چاشنی کا بیان نا قابلِ بیان ہے البتہ گستاخانِ انبیاء و اولیاء کے لیے انداز خاصا سخت و تلخ ہوتا کہ یہ ایمان کی دلیل ہے (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ)۔ آپ کی پُرسحر باتوں سے بلاشبہ ہزاروں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ اور یہ اولیاء اللہ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ تکلّم سے دنیا والوں کے قلوب و اذہان کو انقلاب

آشنا کر دیتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے، ''زبان کی حفاظت سے دل پر اچھا اثر پڑتا ہے''۔ اس سگِ بارگاہ کی چند باتوں کے سبب ایک صاحب کو تکلیف ہوئی تو حضور نے دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمایا: "بات کرتے وقت نہایت احتیاط کی ضرورت ہے"۔

زہد وتقویٰ سے متعلق چند مزید واقعات

☆۔۔۔بہاولپور عرصۂ تدریس کے دوران ایک مرتبہ لالٹین سے تیل ختم ہوگیا۔ آپ نے ایک شاگرد کو (کسی قریبی دکان وغیرہ سے) تیل لانے کو بھیجا۔ وہ بجائے دکان سے لانے کے ہاسٹل ہی سے لے آیا، چنانچہ جلدی آگیا۔ آپ نے اتنی جلدی آجانے کا سبب دریافت فرمایا تو عرض گذار ہوا کہ ہاسٹل سے لایا ہوں۔ فرمایا، نہیں لانا چاہیے تھا۔ پھر جب تک تیل کی قیمت کا اندازہ کر کے آپ نے اتنے پیسے ہاسٹل والوں کو ادا نہ کر دیئے، آپ کو چین نہ آیا۔

☆۔۔۔شکرگڑھ ہائی اسکول میں بعض طلباء نے یہ کام شروع کر دیا کہ کہیں نہ کہیں سے کھوٹے سکّے لے آتے اور انہیں دکانوں پر استعمال کرتے۔ جب یہ معاملہ زیادہ بڑھا تو آپ نے سمجھایا اور یہ اعلان کیا کہ جن کے پاس کھوٹے سکّے ہوں وہ مجھے دے کر اصلی سکّے لے جایا کریں۔ متعدد لڑکوں نے ایسا ہی کیا۔ کسی نے پوچھا کہ جناب آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا، ''یہ میرے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امّت کے بچے ہیں جو ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہے تھے۔ میں انہیں حرام اور دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہوں''۔

خودنمائی سے پرہیز

حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ ریا، تکلّف اور نمود ونمائش کو بہت برا جانتے تھے۔ آپ خود بھی سراپا اخلاص تھے اور اخلاص ہی کی قدر کرتے تھے۔ اپنی تعریف ذرّہ برابر بھی گوارا نہ تھی۔ حضور امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنے کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ مردانِ کامل نفس کے جملہ حربوں سے باخبر ہوتے ہیں اور ایسے ہر موقع پر ہشیار رہتے ہیں۔ محافل ومجالس کے دوران بہت سے لوگ آپ کی شانِ اقدس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتے، مگر آپ انہیں روک دیتے اور کبھی سختی کے ساتھ منع فرما دیتے۔

آپ کو ''صدرِ محفل'' یا ''صاحبِ دیوان'' کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر بیٹھنے کی عادت نہیں تھی۔ آپ کی آمد پر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ سپیکر پر آکر لمبے چوڑے القاب بولے یا پیر طریقت وغیرہ کہے۔ فرماتے، ''میں تو اولیاء کا گدا ہوں''۔ یونہی کہیں جاتے تو ہمراہیوں کو پیر وغیرہ کے الفاظ سے اپنا تعارف کرانے سے منع فرما دیتے۔ سیالکوٹ میں 'ختم نبوّت سیمینار' کے موقع پر یہ سگِ بارگاہ تقریر کر رہا تھا کہ حضور تشریف لے آئے۔ مجمع کے تمام لوگ کھڑے ہوگئے اور نعرے لگنے لگے۔ اس عاجز نے آپ کی تشریف آوری کا اعلان القابات کے ساتھ کیا۔ بعد میں اس 'حرکت' پر خاصی سرزنش ہوئی۔

ایک مرتبہ موضع چک نہالہ (جو شکرگڑھ کی سرحد پر آخری دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے) کے لوگوں نے آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی۔ آپ متعدد افراد کے ساتھ جب گاؤں کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاؤں کے سینکڑوں مرد گھروں سے

نکل کر اور عورتیں اور بچے چھتوں پر چڑھ کر آپ کی زیارت و استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔ حضور کو اتنی شان و شوکت کے ساتھ اپنا استقبال کیا جانا منظور نہ تھا چنانچہ اور لوگوں کو تو آگے روانہ کر دیا اور خود کار سے اتر کر موٹر سائیکل پر سوار ہو گئے۔ پھر سفید رومال سرِ اقدس پر رکھا، جس نے چہرہ مبارک کو اطراف سے ڈھانپ لیا، یوں اس ہیئت کے ساتھ وہاں پہنچے کہ خودنمائی کی صورت نہ بنے۔ یہاں پورے گاؤں اور ارد گرد کے دیہاتوں کے لاتعداد افراد بیعت ہوئے۔ لیکن حضور نے کسی موقع پر بھی انکساری و عاجزی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور متواضع رہ کر نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی کی لوگوں کو تلقین کرتے رہے۔ یہ ایک مرتبہ کی بات نہیں، بارہا ایسے مواقع آئے اور ہمیشہ حضور نے تواضع اختیار کی۔ یاد رہے کہ حضور کے وصال کے بعد اس گاؤں کا نام اہلِ دیہہ نے آپ سے والہانہ وابستگی کے باعث 'حضرت آسی نگر' رکھ دیا ہے۔

ہمارے ہاں پیر اسے سمجھا جاتا ہے جس نے خوبصورت لباس زیب تن کیا ہو، بڑا سا عمامہ سر پر باندھا ہو، ہاتھ میں تسبیح ہو، مریدوں کا ہجوم ہمراہ ہو، آگے پیچھے گاڑیاں ہوں وغیرہ وغیرہ، یعنی خوب ٹھاٹھ باٹھ ہوں۔ مگر حضور کا عمومی انداز یہ تھا کہ کہیں تشریف لے جانا ہوتا تو سادہ سے لباس میں ایک دو اور کبھی محض تین افراد کے ساتھ ایک ہی سواری پر (حسبِ ضرورت کبھی موٹر سائیکل پر اور کبھی کار پر) تشریف لے جاتے کہ کسی پر بوجھ نہ ہو۔ تسبیح ہاتھ میں رکھنا مناسب نہ جانتے کہ نمائش کا پہلو نکلتا ہے، تاہم اکیلے ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا کہ اگر کبھی مسجد میں بیٹھے ذکر وغیرہ کرنا ہوتا تو تسبیح والے ہاتھ پر وہ بڑا سفید رومال رکھ لیتے جو آپ کے لباس کا حصہ تھا۔ اس طرح عام آدمی مطلع نہ ہوتا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔

ہفتہ وار حاضری نیز خاص تقریبات کے لیے دربار شریف (پیر خانے) جاتے تو یہاں سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ کوئی جوتا (مبارک) نہ پکڑے۔ نیز ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑے ہونے، ہاتھ چومنے یا کسی بھی ایسے فعل کو معیوب سمجھتے جس سے آپ کی تعظیم کا اظہار ہوتا۔ فرماتے، ''پیر خانے غلام بن کر حاضر ہوتا ہوں، پیر بن کر نہیں''۔ پیر خانے لنگر شریف کھانے لگتے تو جو روٹی اوپر ہوتی، اسے کھاتے۔ اگر اٹھانے پر روٹی اَدھ جلی ہوتی تو بھی اسے ہی کھاتے۔ ایک مرتبہ کی روئیداد سنئے۔ دربار شریف حاضری میں اس سگِ بارگاہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ مزارات پر سلام کے بعد حضور نقشہٗ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے لنگر شریف کے لیے ایک کمرے میں بٹھایا۔ یہ عاجز آپ کے دامانِ کرم سے ابھی نیا نیا وابستہ ہوا تھا، چنانچہ ادب آداب کی باریکیوں سے قطعی طور پر نابلد تھا۔ لنگر شریف کھاتے ہوئے اس کم عقل نے ایک روٹی جو اٹھائی تو اس کا کچھ حصہ سیاہ دیکھ کر اسے چھوڑ کر دوسری اٹھانے لگا۔ حضور نے وہ پہلی ہاتھ سے لے کر خود کھانی شروع کر دی اور چہرۂ اقدس پر سخت ناپسندیدگی کے آثار نظر آئے۔ اس ادا سے دراصل اس عاجز کی تربیت مقصود تھی کہ پیر کے دَر کا لنگر ظاہری صورت کے اعتبار سے جیسا بھی ہو، عقیدت و رغبت سے کھائے کیونکہ یہ وسیلۂ صد برکات ہے۔ اس معاملے میں بے رغبتی کا اظہار غرور و تکبّر کی علامت ہے نیز اس سے خودنمائی جھلکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سگِ بارگاہ ساری عمر بیوقوفیاں ہی کرتا رہا اور وہ بندہ نواز، کریم آقا اپنی شانِ عفو و درگزر سے کبھی پردہ پوشی اور کبھی اصلاح ہی فرماتے رہے۔

المختصر! آپ نے دنیا کے سامنے خود کو منوانے کی ہرگز کوشش نہیں کی اور پیر خانے آ کر تو اپنی ہستی کو بالکل ہی فنا کر دیا۔ ادھر پیر خانہ بھی تو 'لاثانی' تھا۔ جس نے اپنے

اس 'لاثانی غلام' کو اس دَور کا 'لاثانی پیر' بنا دیا۔

احترامِ آدمیت

آدمیت احترامِ آدمی باخبر شو از مقامِ آدمی (اقبال)

جملہ ادیانِ عالم میں اسلام وہ آفاقی دین ہے جس نے سب سے پہلے اخوت و مساوات کا سبق دے کر انسانوں کو متحد کیا اور رنگ و نسل اور وطنیت کے تمام اصنام کو پاش پاش کر کے انہیں وحدتِ انسانی کی طرف بلایا۔ حضورِ اکرم، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوْ الْمُسْلِمِ...... (شیخین)

ترجمہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

نیز فرمایا:

اَلْاِنْسَانُ اَخُوْ الْاِنْسَانِ...... (طبرانی شریف)

ترجمہ: انسان، انسان کا بھائی ہے۔

اسلام کا یہ اثر محض قصۂ ماضی ہی نہیں، اب بھی ہر سچا مسلمان اسی شراب وحدت سے سرشار ہے۔ یوں تو احترامِ آدمیت اور مساواتِ انسانی کے نمونے آج پوری دنیا میں لگ رہے ہیں مگر اس کی صحیح عملی تفسیر دیکھنا ہو تو آج بھی حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلاموں کی زندگی کا نقشہ دیکھیے اور ان کی خانقاہوں کی زیارت کیجیے۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ اسلامی تعلیمات کا منہ بولتا پیکر تھے۔ آپ کی خانقاہ

میں آنے والے کسی شخص نے کبھی یہ منظر نہ دیکھا ہوگا کہ آپ چارپائی یا کسی اونچی مسند پر بیٹھے ہوں اور مریدین سامنے نیچے بیٹھے ہوں۔ بلکہ ان کے لیے کرسیوں یا چارپائی وغیرہ کا اہتمام ہوتا تھا اور یہ بات تو روزمرہ کا معمول تھی کہ کوئی صاحب آئے اور دست بوسی کے بعد نیچے بیٹھنے لگے، آپ نے فوراً فرمایا، اوپر بیٹھو۔ اگر وہ پھر بھی زمین پر بیٹھنے کی کوشش کرتا تو کسی کو کہہ کر اسے بازو سے پکڑ کر کرسی وغیرہ پر بٹھا دیا جاتا۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ زیادہ لوگ آجانے کے سبب کرسیاں کم پڑ جاتیں، ایسی صورت میں چٹائی وغیرہ بچھا کر آپ خود بھی نیچے آکر ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ آنے والا اپنی اس عزّت افزائی اور قدر پر متعجب ہوتا۔ آپ کے 'خوانِ نعمت' کی داستان بھی سنیے:

آپ کے ہاں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بہت رہتا اور ہر وقت لنگر جاری رہتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی لنگر شریف یا چائے پانی وغیرہ کے بغیر گیا ہو۔ تقسیم طعام کے بعد ہر ایک پر نظر فرماتے تاکہ کوئی محروم نہ رہ جائے۔ مسجد میں کوئی مسافر آتا تو کسی کو بھیج کر اسے بھی بلوا لیتے۔ امراء و فقراء سب ایک ہی صف میں بٹھائے جاتے۔ سب مہمانوں میں یکساں طعام تقسیم ہوتا۔ کسی امیر یا رئیس کے لیے کوئی تخصیص نہ تھی۔ وہی سادہ و بے تکلف کھانا سب کے لیے 'خوانِ نعمت' ہوتا تھا۔

محلہ اسلام آباد (شکر گڑھ) میں قیام کے دوران بھی جمعۃ المبارک کے بعد 'عرسِ حضور نقشِ لاثانی' کی مختصر محفل پھر نمازِ عصر اور اذان کے بعد بڑے پیمانے پر لنگر شریف کی تقسیم ہوتی تھی۔ اس ہفتہ وار محفل میں دو مفلوک الحال شخص اکثر شمولیت اختیار کرتے تھے۔ ایک کی بینائی نہ ہونے کے برابر اور دوسرے کا ذہنی توازن خراب تھا۔ نیز ان کا حلیہ بھی کچھ اس طرح کا ہوتا تھا کہ کوئی بھی ان کے قریب بیٹھنا پسند نہ کرتا تھا۔

حضوران کواپنے پاس بٹھاتے اور بعداز طعام چپکے سے ان کو کچھ نقدی بھی عطا کیا کرتے تھے۔

آپ کے بھانجے اور موجودہ سجادہ نشین صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ نے آپ کے ہاں پرورش پائی تھی۔ ان کے بھی ماشاءاللہ تین صاحبزادے ہیں۔ ان تمام کوسختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ آنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئیں اور تواضع وعاجزی اختیار کریں۔ الحمدللہ ان سب نے اس پرخوب عمل کیا اور عموماً صاحبزادگان کے لب ولہجے میں جو رعونت وخشونت ہوتی ہے، یہ سب اس سے پاک تھے اور ہیں۔

حضور نے مریدین سمیت کسی کے لیے کبھی 'تو' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ پنجابی میں گفتگو کرتے تو 'تُسیں' اور اردو میں فرماتے تو 'آپ' کا لفظ استعمال فرماتے۔ کبھی ایسے نام سے کسی کو نہیں پکارا جو اسے ناگوار گزرتا۔ ایک زمانہ آپ کے حُسنِ خُلق کا گرویدہ تھا۔ ہاں! اگر آپ کے نزدیک کسی کا مقام ومرتبہ ہوتا تو اس کی ذات برادری، امیری غریبی، عزت وشہرت، یا عہدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ حسنِ قرأتِ قرآن، نعت گوئی، جذبہ تبلیغِ دین یا زُہدوتقویٰ جیسے اوصاف کے سبب ہوتا تھا، اور یہ اس قرآنی حکم کے عین مطابق تھا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ....... (الحجرات)

ترجمہ: بے شک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

شفقت ورحمت

حضور سرورِ دارین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ

(مشکوٰۃ شریف۔ رَوَی الْبَیْہَقِیْ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

ترجمہ: تمام مخلوق (گویا) اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کے نزدیک سب سے پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق سے اچھا سلوک کرے۔

کہیں فرمایا:

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی خبرگیری رکھنے والا اللہ کی راہ میں سعی کرنیوالے کی مانند ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ .... (بخاری ومسلم)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہیں کرتا نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، اللہ

تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قیامت کے غم دور کردے گا اور جو شخص کسی مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔

ایک صحابی نے عرض کیا: حضور میرا دل بہت سخت ہے، اس کا علاج ارشاد فرمائیں۔ فرمایا 'یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا کر'۔ الغرض کتبِ احادیث کا مطالعہ کریں تو بے شمار احادیث ملتی ہیں جن میں خلقِ خدا پر نرمی و مہربانی کی تلقین کی گئی ہے۔ اولیاءِ کرم علیہم الرحمہ ان پر عمل پیرا ہو کر خداوندِ قدّوس کے محبوب و مقرب ہوتے ہیں۔

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ لوگوں پر اور بالخصوص بیواؤں، یتیموں اور غریبوں پر نہایت شفیق تھے۔ ان کی مالی معاونت اس طرح کرتے تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ضرورتمندوں کی امداد کے جو واقعات آج ہمیں کسی نہ کسی طرح سے معلوم ہوئے ہیں وہ کُل واقعات کا عشر عشیر بھی نہیں۔ کتنے ہی غریب ایسے ہیں کہ جن کی ضروریات کے لیے حضور نے کسی کے ذریعے رقم بھیجی اور اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی سخت تاکید کی۔ کتنی ہی بچیاں ایسی ہیں کہ ناداری کے سبب جہیز نہ ہونے کی وجہ سے گھر بیٹھی تھیں، مگر حضور کی مالی معاونت سے باعزت طریقے سے رخصت کی گئیں۔ یہ عاجز ذاتی طور پر متعدد بیواؤں اور مساکین کو جانتا ہے، جن پر حضور کبھی اس کی معرفت اور کبھی کسی اور کے ذریعے ماہانہ نقد رقم بھیجا کرتے تھے۔ (ناموں کا تذکرہ مناسب نہیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کسی محتاج یا ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھتے تو بے چین ہو جاتے تھے، کبھی اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے ان پر مہربانی فرماتے، کبھی

ادھار لینا پڑتا تو ادھار لے لیتے اور کبھی اس کی صورت یوں بنتی تھی کہ مخیّر حضرات کے ذریعے نادار لوگوں کے باقاعدہ ماہانہ وظیفے لگادیئے جاتے تھے۔ آپ کی اسی مسکین نوازی کا اثر ہے کہ آپ کے حلقۂ ارادت میں بھی غریب لوگ زیادہ ہیں۔

آپ کی شفقت ورحمت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جامعات کے طلباء کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین تھی۔ مارپٹائی کے ذریعے تعلیم کو ناپسند فرماتے تھے اور اشد ضرورت کی صورت میں اتنی سرزنش کی اجازت دیتے تھے جس سے طالب علم شرم محسوس کرے نہ کہ اذیت۔ یونہی آپ کی زیر سرپرستی جتنے سکول، کالج اور دینی ادارے تھے، سب میں اساتذہ کو یہی تلقین تھی کہ 'حکمت' اور 'مواعظِ حسنہ' کو مقدم رکھا جائے نہ کہ محض مارپٹائی کو ذریعۂ تدریس بنایا جائے۔

وہ خدام جو سالہا سال آپ کی بارگاہ میں رہے، گواہ ہیں کہ آپ کے لفظوں کی مٹھاس روح کی گہرائیوں تک اتر جاتی تھی۔ کبھی آپ کے طرزِ عمل نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ اگر شاذ و نادر حضور نے اصلاح کے لیے سخت الفظ استعمال کیئے، تو بعد میں نوازشات کی انتہا کر کے اسے راضی بھی کیا۔

وہ لوگ جو اپنی بدعملی کی وجہ سے اور لوگوں کی نظر میں معتوب تھے، آپ کی شفقت ورحمت سے دور نہیں تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ 'نفرت گناہوں سے کرو، گناہگاروں سے نہیں'۔ ایک مرتبہ نہایت مشفقانہ انداز سے فرمایا 'مجھے گناہگاروں سے محبت ہے'۔ اس فرمان کا سیاق وسباق کی روشنی میں مفہوم یہ تھا کہ وہ گناہگار جو اپنے اعمال پہ سخت نادم ہیں، البتہ دنیا انہیں ان کی حرکات کے سبب قابلِ نفرت جانتی ہے، میں انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ناامید ہونے کی بجائے امیدوار ہونے کی ترغیب دیتا

دلاتا ہوں یا یہ کہ میں ان گناہگاروں سے محبت کرتا ہوں تاکہ میرے حسنِ سلوک سے وہ توبہ کریں اور شاہراہِ مستقیم پہ گامزن ہوں۔

شفقت و رحمت کے زیرِ عنوان آپ کی ایک اور ادا ملاحظہ ہو۔ راوی محمد اصغر صاحب (پھگواڑی) ہیں۔ سیالکوٹ جمعہ پڑھانے کے بعد آپ واپس شکرگڑھ تشریف لا رہے تھے۔ میں اور میری موٹر سائیکل اس خدمت کے لیے مامور تھے۔ راستے میں موضع پنڈی بوہڑی بارش کے سبب بہت پھسلن تھی۔ چنانچہ موٹر سائیکل پھسل گئی اور ہم دونوں گر گئے۔ آپ کی بھی اور میری بھی دائیں ٹانگ پر چوٹ آئی۔ ہم خود کو سنبھال ہی رہے تھے کہ اتنے میں چوہدری محمد وقار ایڈووکیٹ صاحب جو محترم ڈاکٹر محمد گلزار صاحب کے برادرِ اکبر ہیں (اور یہ اپنے بھائی چودھری محمد افتخار صاحب ڈی ای او ایجوکیشن سیالکوٹ اور اپنے جملہ خاندان سمیت آپ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بالخصوص ڈاکٹر صاحب تو گویا آپ کے فیملی ڈاکٹر بھی تھے)، پیچھے سے اپنی کار پر آ گئے۔ وہ ہماری حالت دیکھ کر خاصے پریشان ہوئے۔ اور ہر چند کہ آپ کو کار میں بٹھانے پر بہت اصرار کیا، تاہم آپ کا مؤقف تھا کہ چونکہ اصغر کو بھی چوٹ آئی ہے، میں اسے اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے بھی درخواست کی تو فرمایا، 'اصغر میں تمہارے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا'۔ (اصغر صاحب ان الفاظ کو بہت یاد کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ القوی سے یہ امید رکھتا ہوں کہ کل روزِ حشر بھی وہ مجھ سے یہی فرمائیں گے، 'اصغر! میں تیرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا')۔ یہ واقعہ متعلقین پر آپ کی شفقت و رحمت کے پہلو کو سمجھنے میں ممد و معاون ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ... (التوبہ)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

اس آیت سے مستفاد یہ ہے کہ مومن اپنی جان کا مالک ہے اور نہ مال کا۔ اس کے جان و مال دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ 'جان و مال' سے دستبردار ہو جانا اس لیے ضروری ہے کہ ان کی محبت راہِ حق میں اکثر رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جان عیش و آرام چاہتی ہے اور مال کی محبت خرچ کرنے سے روکتی ہے۔ بندۂ مومن جب 'جان و مال' قربان کر کے رب کو راضی کر لیتا ہے، دونوں جہانوں کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور یہ 'فنا' اس کے لیے 'بقا'، 'دربے نوائی' ہی 'نوا' بن جاتی ہے۔ مولائے روم فرماتے ہیں:

جاں دہی در راہِ حق جانہا دہند   ناں دہی در راہِ حق نانہا دہند

تاجدارِ ولایت پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے پاس ایک بہت خوبصورت اور تیز رفتار گھوڑی تھی جو ہم سب کو یہاں تک کہ حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کو بھی بہت پسند تھی۔ ایک دن فرمانے لگے، 'یہ گھوڑی ہم سب کو بہت پسند ہے لہٰذا یہی فی سبیل اللہ نذر کر دینی چاہئے'۔

ہم سب نے عرض کیا، 'حضور اس کے بدلے کوئی اور گھوڑی یا اس کی قیمت خیرات کردیں'۔ مگر آپ نہ مانے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ o

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

پھر وہی گھوڑی سرہند شریف بطورِ نذرانہ بھیج دی۔

حضور مفکرِ اسلام اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے۔ چنانچہ انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں بھی آپ نے درخشندہ مثالیں قائم کیں۔ زرعی زمین اور تنخواہ یا پنشن سے جو ملتا تھا، سب 'جامعہ انوارِ لاثانی برائے طلباء' اور 'جامعہ انوارِ لاثانی برائے طالبات' کے طلباء وطالبات کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کے لیے وقف تھا۔ یونہی آپ کا لنگر شریف نہایت وسیع تھا۔ جو خاص وعام سینکڑوں افراد کے لیے چوبیس گھنٹے جاری تھا۔ اس میں کم وبیش دو من آٹا روزانہ پکتا تھا۔

راہِ حق میں 'اہراقِ دم' (خون بہانا) بھی آپ کو بے حد عزیز تھا۔ حدیثِ پاک کی رو سے ۱۰ ذی الحجہ کو بارگاہِ خداوندی میں یہی عمل مقبول ترین ہوتا ہے۔ آپ ہر سال ۳ یا ۴ بکروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ نیز قیامِ سیالکوٹ کے دوران بلا ناغہ پیر خانے حاضری، دیگر شہروں سے کثرت کے ساتھ حاضری اور بعد وصالِ شیخ شکر گڑھ سے ہفتہ وار حاضری زرِ کثیر خرچ کرنے کی متقاضی تھی۔ یہ کثیر خرچ بھی محض رضائے خدا کے لیے ہوتا تھا۔

حضور سال میں تین بڑی تقریبات منعقد کرواتے تھے۔ ایک جشنِ عید میلاد

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم (۱۲ ربیع الاول شریف)، دوسری بسلسلۂ شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۰ محرم الحرام) اور تیسری عرسِ شہنشاہِ ولایت حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ (۲ ذی الحجہ)۔ ان کے علاوہ خلفائے راشدین علیہم الرضوان، سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شہدائے بدر، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ، سیدنا غوثِ اعظم علیہ الرحمہ، سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ، سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ، اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نیز متعدد مشائخ اور قائد واقبال علیہما الرحمہ کے مقدس ایام پر تقریبات کا سلسلہ پورا سال چلتا رہتا تھا۔ ہفتہ وار عرسِ حضور نقشِ لاثانی کی تقریب (ہر جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر تا نمازِ مغرب) اس کے علاوہ تھی۔ ان تمام کا انعقاد کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لکھوکھا روپیہ خرچ ہوتا تھا اور حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ بفضلِ خدا و مصطفیٰ (جل وعلیٰ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) اور بنظرِ شیخ کریم خرچ کرتے تھے اور مقصد محض رضائے خدا ورسول (جل وعلیٰ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کا حصول ہوتا تھا۔ پھر ان تقریبات میں قاری ونعت خواں حضرات نیز مقررین کو نقد رقم سے بھی خوب نوازا جاتا تھا۔

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں پورا ماہ نمازِ عصر کے بعد درسِ حدیث ارشاد فرماتے جو وقتِ افطار تک چلتا اور بعد میں افطاری کروائی جاتی۔ یہاں بھی سینکڑوں افراد موجود ہوتے تھے۔ اگرچہ روزانہ مختلف حضرات انتظامِ طعام کرتے تھے لیکن یہ سب کے سب آپ کے مریدین ومعتقدین ہوتے تھے اور بعض افطاریاں خالصتاً آپ کی طرف سے ہوتی تھیں۔

المختصر! حضور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے قطعاً نہ ہچکچاتے تھے اور

جو پاس ہوتا راہِ خدا میں بے دریغ لٹا دیتے تھے۔

جود وسخا

جود وسخا یا سخاوت اور بُخل یا کنجوسی دو متضاد وصف ہیں۔ احادیث میں سخاوت اور سخی کی تحسین کی گئی ہے جب کہ بخل اور بخیل کی مذمت۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلسَّخِیُّ قَرِیْب " مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْب" مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْب " مِّنَ النَّاسِ بَعِیْد " مِّنَ النَّارِ وَ الْبَخِیْلُ بَعِیْد " مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْد "مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْد "مِّنَ النَّاسِ قَرِیْب " مِّنَ النَّارِ.......

(ترمذی شریف)

ترجمہ: سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے۔ اور کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، جہنم سے قریب ہے۔

خود رحمتِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"ابوذر! اگر احد پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو بھی کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، سوا اس دینار کے جو ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں"....... (بخاری شریف)

اولیاءَ اللہ کو قدرت نے سخاوت کا وصف وافر مقدار میں عطا فرمایا ہے۔ یوں لگتا

ہے جیسے ولایت وسخاوت لازم وملزوم ہوں۔ حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سخاوت کا دریا تھے۔ آپ کا دستِ رحمت، ابرِ کرم تھا جو متواتر برستا اور اپنوں بیگانوں کو سیراب کرتا رہتا تھا۔ 'انفاق فی سبیل اللہ' اور دیگر عنوانات کے تحت اس کا کسی حد تک تذکرہ ہو گیا۔ چند جھلکیاں یہاں حاضر ہیں۔ اہلِ عقیدت آپ کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے تھے۔ از راہِ دلجوئی قبول فرما لیتے مگر کبھی نقدی جیب میں نہیں ڈالی (حضور جیب میں روپے پیسے نہیں رکھتے تھے۔ کسی نہ کسی مقربِ بارگاہ کے پاس ہوتے تھے جس کے ذمے لنگر شریف اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا ہوتا تھا۔ کبھی تنخواہ لینے نہیں گئے۔ یہ کام بھی کوئی اور انجام دیتا تھا)، فوراً کسی ضرورتمند کو دے دی، یا مولوی صاحبان یا طالب علم پاس ہوتے تو ان کو عنایت فرما دیتے اور کبھی لنگر شریف کے لیے رکھ چھوڑتے تھے۔

بارہ ربیع الاول شریف کو مولوی اور درویش حضرات کو لاتعداد سفید سوٹ عطا فرمائے جاتے تھے۔ صدقہ وخیرات کے مختلف انداز سال بھر جاری رہتے تھے۔ افغانستان پر امریکی حملے ۱۱ ستمبر اور ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے قیامت خیز زلزلے کے آفت زدگان کے لیے کثیر سرمایہ بمعہ اجناس واشیائے ضرورت روانہ کیں۔

سخاوت کے متعلق حضور دوسروں کو بھی بہت تلقین فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"دوسروں کو دینا اگرچہ ریا سے ہو، دکھاوے کے دوسرے اعمال سے بہتر ہے۔"

کیونکہ گو دینے والے کو فائدہ نہیں ہوا (کیونکہ قرآنی حکم یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى... (البقرہ) کی رو سے احسان جتلانے والا اپنے اس عمل کو برباد کر رہا ہوتا ہے)، لینے والے کو تو ہو گیا اور پھر جب لینے والا دعا کرے گا تو اس سے یقیناً دینے والے کو بھی فائدہ پہنچے گا"۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے۔

ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خاص تاکید فرمائی ہے کہ ایک ہاتھ سے اس طرح دو کہ دوسرے ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ سخاوت پوشیدہ کرتے تھے اور افشا کی بجائے اخفا کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ شکر گڑھ میں چند اہلِ ثروت افراد نے بیوہ عورتوں میں سلائی مشینیں دینے کی باقاعدہ تقریب کروائی۔ فرمایا' کیا ہی بہتر ہوتا اگر چھپا کر یہ سب کیا جاتا'۔ یونہی وزراء کی طرف سے غریبوں کو کچھ دیتے وقت میڈیا میں اپنی سخاوت کا پرچار کرنے کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اس طرح ان کی تذلیل ہوتی ہے۔

توکّل علی اللہ

توکل علی اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اسباب کی بجائے مسبب و مؤثرِ حقیقی پر نظر رکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ....(الطلاق)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا....(ترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ روزی دے گا تم کو جس طرح جانوروں اور پرندوں کو روزی دیتا

ہے، صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔

نیز فرمایا:

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ.......(ترمذی شریف)

ترجمہ: آدم کے بیٹے کی نیک بختی یہ ہے کہ جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا اس پر وہ راضی ہو۔

حضور قبلۂ عالم مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ کوشش چھوڑ دینا توکّل نہیں بلکہ کوشش کر کے نتائج کو قدرتِ خدا سے وابستہ سمجھنا توکل ہے (اَلسَّعْيُ مِنِّيْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰهِ)۔ خدا پر بھروسہ کرنے والا، ہل جوتنے کے باوجود زمین کو نہیں، خدا کو رازق سمجھتا ہے۔ وہ کسی طاقت سے ہراساں نہیں ہوتا، اس کا ایمان تمام طاقتوں کے پیدا فرمانے والے پر ہے۔ راہِ حق میں خرچ کرنے سے نہیں گھبراتا کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے لیے کافی ہے۔ دنیا و مافیہا سے بلند ہو کر، نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر اپنے مالک سے دوستی لگاتا ہے اور پھر ہر قیمت پر اسے نباہتا ہے۔"

مردانِ خدا کی سخاوت، استقامت، صداقت سب توکل کی مرہونِ منت ہیں۔ گویا تمام محاسنِ اخلاق کی بنیاد توکل پر ہے۔ حضور مفکرِ اسلام کا راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرنا اور 'کل' سے بے نیاز ہو کر ہر حاجت مند کی حاجت بَر لانا بھی توکل کے زمرے میں آتا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے کہ یہ سگِ بارگاہ بسلسلہ ملازمت پریشان تھا۔حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔اس موقعہ پر آپ نے خدا پر توکل رکھنے کے حوالے سے بڑی نادر باتیں ارشاد فرمائیں (اور واللہ! باللہ! تاللہ! حضور کا ہر ارشاد نادر اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہوتا تھا، جو ارشاد فرماتے، روح کی گہرائیوں تک اترتا محسوس ہوتا تھا) بالخصوص یہ قرآنی الفاظ سنائے اور ان کی نہایت عمدہ تشریح کی، یہاں تک کہ پریشانی تسلّی میں بدل گئی:

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً ○ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. (سورۃ الطلاق)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا، اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہو۔اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

فقر واستغنا

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسد اللّٰہی

جملہ ادیانِ عالم نے رہبانیت (دنیا والوں سے الگ تھلگ ہو کر ویرانوں میں نکل جانا اور تاحیات اس عمل پر کاربند رہنا) کو مستحسن گردانا ہے۔جب کہ اسلام نے اس کے مقابلے میں 'فقر' کی تحسین کی ہے۔یعنی کائنات سے بے نیاز ہو کر رہنا، دنیا میں رہ کر دنیا کو دل میں جگہ نہ دینا وغیرہ، اسی کو استغنا کہتے ہیں۔اور فقیر وہ ہوتا ہے جو اللہ کریم

اور رسولِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔دنیاوی مال ومتاع اور منصب وجاہ اس کی نظر میں ہیچ ہیں۔

فقر کے ہیں معجزات، تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ (اقبال)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمانِ عالیشان ہے:

اَلْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ

ترجمہ: تونگری دراصل دل کی تونگری ہے۔

یہاں حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا ایک فرمان بھی سنئے:

"صوفی وہ ہے جس کا دل ماسوا سے مستغنی ہو کر اللہ کی جستجو میں رہے۔اگر اسے منعمِ حقیقی سے کچھ ملے تو لے ورنہ بے طلب ہو کر بارگاہِ خداوندی میں آداب بجالائے اور راضی برضا رہے"

تاجدارانِ علی پور شریف سے فقیری کے تین اصول مروی ہیں جو انہیں باباجی فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ نے بتلائے تھے:

" لَا طَامِعَ ، لَاجَامِعَ، لَامَانِعَ "

یعنی طمع مت کر، جمع مت کر، اور منع مت کر۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ بھی اپنے درویشوں کو یہ اصول بتلایا کرتے تھے۔آپ کی اپنی ذاتِ اقدس اسی فقر وغنا کا پیکرِ لطیف تھی اور یہی بے نیازی تھی جس نے آپ کو "شمس العرفاء" اور "بدرالاولیاء" بنا دیا تھا۔

۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء کو رات رشید پورہ شکر گڑھ کی مسجد نور میں محفل تھی۔اسے مولانا

غلام مصطفیٰ مجددی صاحب منعقد کروا رہے تھے، جن کی رہائش مسجد سے قریب ہی تھی۔ ان کی رہائش گاہ پر حضور قبلۂ عالم جلوہ افروز تھے۔ صوفی باصفا جناب محمد حسین صاحب نعت خواں کے علاوہ متعدد افراد بھی کمرے میں موجود تھے۔ حضور حسبِ مزاج نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکرِ خیر بڑے سرور کے ساتھ کر رہے تھے۔ تاہم خدا جانے صوفی صاحب کے دل میں کیا سمائی کہ وہ اپنی گھڑی پر جو یکدم رک گئی تھی، بار بار افسوس کرنے لگے اور آپ کے ارشادات کی طرف توجہ نہ رہی۔ آپ نے اصلاح کے لیے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ 'میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہیں سماتا لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں'۔ یعنی یہ دل خدا تعالیٰ کی تجلّیات کی جلوہ گاہ ہے تو جس شخص کا دل ایک گھڑی ہی کے گرد گھومتا ہو، اس کی فقیری کیا ہوئی''۔

یہاں آپ نے حضور سیدنا غوثِ اعظم کا واقعہ بھی سنایا کہ جب ان کو سامانِ تجارت سے لدا جہاز غرقاب ہونے کی اطلاع دی گئی تو ان کے چہرۂ مبارک پر کوئی تغیر نہ آیا۔ پھر جب جہاز کے سلامتی کے ساتھ نکال لیے جانے کی خبر ملی تو بھی چہرۂ مبارک پہ کوئی تغیر نہ تھا۔ فرمایا، چاہئے تو یہ کہ دنیاوی نفع و نقصان دل پر کوئی اثر نہ کریں۔ خوشی ہو تو 'محبوب' کے ذکر سے، تکلیف ہو تو 'محبوب' کی تکلیف (یا ناراضی) سے۔

جس مجلس میں آپ ہوتے، پھر وہاں دنیا کا کیا تذکرہ۔ بس حُبِّ خدا اجلّ جلالہٗ اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نغمے گائے جاتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ اس عاجز کے عرض کرنے پر کہ ''حضور فقیری کیا ہے؟'' آپ نے ایک مختلف جہت سے اس کی تعریف یوں فرمائی:

''اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالفوں سے دشمنی اور

دوستوں سے دوستی کا نام فقیری ہے۔ جن کاموں سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم راضی ہوں، وہ کرنا بلکہ استقامت حاصل کرنا اور ان کی ناراضی والے کاموں سے بچنا۔ نیز لوگوں سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات، ان کی عظمتِ شان بیان کرنا۔ لوگوں کو اسلام کے اصل عقائد کی تبلیغ کرنا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ پاک پر قربان ہونے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا، اس دور میں میرے نزدیک فقیری یہ ہے، لوگوں نے نا جانے کس چیز کا نام فقیری رکھ لیا ہوا ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب 10

مذہبی تعامل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام دینِ توحید ہے، اس نے خدائے بزرگ و برتر کے واحد ہونے کا اعلان ہی نہیں کیا، انسانوں کو بھی وحدت و اتحاد کا درس دیا ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنیہ وضاحت سے جمہور اہلِ اسلام کا ساتھ دینے کی تلقین اور اس سے جدا راہ چلنے کی مذمت فرما رہی ہیں۔ مثلاً:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۠ .... (النساء۔۱۱۵)

ترجمہ: اور جو مخالفت کرے رسول کی، اس کے بعد کہ روشن ہو گیا اس کے لیے ویسا راستہ اور وہ چلے مسلمانوں کی راہ کے خلاف تو

اسی طرف ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ....... (البقرہ-۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔

گویا اپنی تھوڑی تعداد کو حق پر سمجھنا اور باقی پوری امت کو گمراہ سمجھنا بھی منافقین کی سوچ کا نمایاں پہلو ہے۔

افسوس صد افسوس! اسلام کا یہ عظیم پیغام خود اس کے فرزندوں کی ایک تعداد نے فراموش کر دیا اور تفرقہ و انتشار کی راہ اختیار کر لی۔ دراصل یہ ایسے دشمنوں کے زیر اثر تھے جو کسی قیمت پر بھی ملتِ اسلامیہ کو متحد دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غیب بین نگاہیں ان تمام فتنوں کو ملاحظہ فرما رہی تھیں جو صبحِ قیامت تک امّتِ مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لینے والے تھے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے کہیں اشارۃً اور کہیں صراحۃً ان کا ذکر بھی فرما دیا نیز ان تمام سے بچ کر مرکز اسلام سے وابستہ رہنے کے لیے حق و صداقت یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے والے گروہ کی علامات بھی ارشاد فرما دیں۔ چند ایک ارشاداتِ عالیہ سنئے:

(۱)۔۔۔سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ ثَلَاثًا وَّ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا

عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِىْ (ترمذی حدیث: ۲۶۴۱۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۵۔ کتاب السنہ باب شرح السنہ، بتغیر الفاظ)

ترجمہ: میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، ایک کے سوا سب ناری ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ (نجات پانے والا گروہ) کون سا ہے؟ فرمایا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

(۲)۔۔۔عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

ترجمہ: تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس پر دانتوں کے کیلے جما دو۔

(۳)۔۔۔مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِىْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَّكِبَهَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ....... (مسندِ امام احمد بن حنبل)

ترجمہ: میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیِ نوح جیسی ہے، جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے رہ گیا، ہلاک ہو گیا۔

(۴)۔۔۔اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ
(مشکوٰۃ: جلد سوم، باب مناقبِ صحابہ)

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں جیسے ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پا لو گے۔

(۵)۔۔۔اَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ

النُّوْرُ وَالْهُدیٰ

فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ وَقَالَ اَھْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ وَ قَالَ ثَلَاثًا ....

(صحیحین)

ترجمہ: اے مسلمانو! میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو نور و ہدایت سے معمور ہے، اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ اور فرمایا (دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں۔ تین بار یونہی فرمایا۔

(٦)۔۔۔اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (ابن ماجہ: صفحہ ۲۹۲، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم)

ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو (اس سے) الگ ہوا وہ الگ کر کے دوزخ ہی میں ڈالا جائے گا۔

ان چھ احادیثِ مبارکہ میں قرآن وسنت کو حجت مان کر اہلِ بیت اور صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو سچا گردانا گیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ترین علامت بتا دی کہ اس گروہ کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی (وہ 'سوادِ اعظم' ہوگا)۔

اب ذیل میں وہ احادیث درج کی جاتی ہیں جن میں 'سوادِ اعظم' کی مزید تشریح کی گئی ہے اور اس سے دور ہو جانے کو شیطان کے قابو میں آنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(مولائے کائنات جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی سوادِ اعظم کی پیروی کی تلقین فرمائی۔ 'نہج البلاغہ' اہلِ تشیع کی کتاب)

(۱)۔۔۔مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ... (مسلم: جلد دوم ص ۱۲۷، ترمذی: جلد دوم صفحہ ۱۱۰، احمد: جلد دوم صفحہ ۲۹۶)

ترجمہ: جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے نکلا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

(۲)۔۔۔مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ

(ابوداؤد: جلد دوم صفحہ ۲۹۹)

ترجمہ: جو جماعت سے بالشت بھر بچھڑا، اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار دی۔

(۳)۔۔۔اِنَّ الشَّیْطٰنَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَاْخُذُ الشَّاذَّةَ وَ الْقَاصِیَةَ وَ النَّاحِیَةَ اِیَّاکُمْ وَالشِّعَابَ وَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ............ (احمد)

ترجمہ: بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے ریوڑ کا بھیڑیا (ریوڑ سے) علیحدہ رہنے والی، کنارے والی یا بچھڑ جانے والی کا شکار کر لیتا ہے (ایسے ہی شیطان جماعتِ مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کر لیتا ہے)۔ تم گھاٹیوں سے بچو، جماعت اور عام مسلمانوں کے ساتھ رہو۔

(۴)۔۔۔لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ وَ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ

فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ..... (ترمذی: جلد۲ص ۳۹، ابواب الفتن، باب فی لزوم الجماعۃ۔ ابن ماجہ: ص ۲۹۲، ابواب الفتن)

ترجمہ: میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ سو جو جماعت سے الگ ہوا، وہ الگ ہی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

دراصل یہ تمام احادیثِ مقدسہ ابتداء میں درج کی گئی آیتِ کریمہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ ...الخ کی تشریح ہیں۔ ان احادیث میں سنت وجماعت کے الفاظ کا اعادہ بھی ملتا ہے۔ گویا سوادِ اعظم کا دوسرا نام سنت وجماعت سے متعلق ہوگا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو کمال ہی کردیا اور قرآن وحدیث کی ترجمانی یوں کردی کہ جہاں قرآنِ پاک کی آیتِ کریمہ ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج ...... (آل عمران۔۱۰۶)

ترجمہ: جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔

اس کی تفسیر میں آپ نے یوں فرمایا:

تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ اَهْلُ الْبِدَعِ وَ الضَّلَالَةِ.... (تفسیر دُرِّمنثور، تفسیر مظہری، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر خازن، تاریخ بغداد جلد ۷ ص ۳۷۹)

ترجمہ: جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہلسنت والجماعت ہوں گے اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ اہلِ بدعت وضلالت ہوں گے۔

علامہ شہرستانی نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سچے گروہ

کا نام 'اہلِ سنت وجماعت' ثابت کیا ہے۔

اب چند بزرگانِ دین (جن کی بات بذاتِ خود دلیل کا درجہ رکھتی ہے) کے اقوال بھی سن لیجئے:

☆......حدیثِ مبارکہ 'میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے' (ترمذی شریف)، بیان کر کے حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فَلَا شَكَّ وَلَا رَيْبَ اَنَّهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ...

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ترجمہ: اس بات میں شک وشبہ نہیں ہے کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت وجماعت ہیں۔

☆......محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ اعظم جیلانی قدس سرہ العزیز کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَاَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَه فَهِيَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ..... (غنیۃ الطالبین)

ترجمہ: نجات پانے والا گروہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔

☆......امامِ ربانی سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"عقلمندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہل سنت وجماعت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ اہل سنت وجماعت ہی جنتی گروہ ہے۔ (مکتوبات ۶۲۶، جلد اوّل)

☆......خواجہ عبیداللہ احرار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اگر تمام احوال ومواجید ہمیں عطا کردیئے جائیں لیکن

ہمیں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہمیں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز کیا جائے تو ہمیں کچھ ڈر نہیں... (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ)

☆...... علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ کا قول مبارک ہے:

" فَعَلَيْكُمْ مَعَاشَرَا لْمُؤْمِنِيْنَ بِاتِّبَاعِ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ الْمُسَمَّاةِ بِاَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَاِنَّ نُصْرَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ حِفْظَه وَ تَوْفِيْقَه فِيْ مُوَافِقِهِمْ وَخذ لانه و سخطه و مقته فِيْ مَخَالِفِهِمْ... (الحجۃ الوہابیہ)

ترجمہ: اے ایمان والو، تم پر لازم ہے کہ تم نجات پانے والی جماعت جس کا نام اہلِ سنت و جماعت ہے کی اتباع کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہلِ سنت و جماعت کی موافقت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خذلان اہلِ سنت و جماعت کی مخالفت میں ہے۔

☆...... قطبِ ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد ہے:

" ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائدِ اہلِ سنت و جماعت سے واقف ہو"....(انوارِ قدسیہ)

☆...... حضرت خواجہ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ کا ارشادِ مبارک ہے:

" کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ نہ ہو،

اسے ولایت نہیں مل سکتی"....(الابریز)

☆...... حضرت خواجۂ خواجگان باقی باللہ قدس سرہ کا فرمانِ ذیشان ہے:

" ہمارے طریقے کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

۱۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔

۲۔ دوامِ آگاہی۔ (۳)۔ عبادت

لہٰذا اگر کسی کو ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل آ جائے تو وہ ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا"....(حالات مشائخ نقشبندیہ)

☆...... حضرت مرزا جانِ جاناں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

" عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ملتزم ہو کر حدیث وفقہ سیکھنا چاہئے"

(حالاتِ مشائخ نقشبندیہ)

☆...... قطبِ زماں خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ نے فرمایا:

" واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیاءِ کرام خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب، وہ سب مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر ہیں"....(رسالہ ابدالیہ)

ان تصریحات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہلِ سنت و جماعت کا راستہ ہی منزل پر پہنچانے کا ضامن ہے اور یہی اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتصویر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اکابرِ اسلام اہل سنت و جماعت کی تائید کرتے رہے ہیں اور تمام اولیاءِ کرام نے اہلِ سنت کے عقائد و اعمال پر چلنے کو دنیا کی عظیم ترین دولت قرار دیا ہے۔ اس دور میں بالخصوص آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف کے تاجداروں اور ان کے تربیت یافتہ خلفا نے جس انداز سے عقائدِ اہل سنت کی حقانیت کا اعلان کیا ہے اور اس ضمن میں جس

غیرتِ دینی کا مظاہرہ کیا ہے وہ فقید المثال ہے۔

حضور شاہِ لاثانی قدس سرہ العزیز ایک سال سرہند شریف سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ بیمار ہوگئے۔ بخار کا بہت جوش تھا۔ آپ نے اپنے ایک خادم مولوی فضل الٰہی صاحب کو پاس بلا کر فرمایا، ''میں تمہیں کچھ وصیتیں لکھواتا ہوں، میری اولاد کو سنا دینا کہ صاحبزادگان فدا حسین، خادم حسین، غلام رسول تینوں اپنا مذہب اہلِ سنت و جماعت رکھیں اور اپنی اولاد کو بھی اس مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہیں''۔

قیومِ زمانی حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ بھی اپنے جدِّ امجد کی طرح حقانیتِ اہلِ سنت کے قائل تھے۔ اعلیٰحضرت مجددِ دِماَۃِ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکرِ خیر نہایت محبت سے فرماتے تھے اور آپ کے ترجمۂ قرآن اور دیگر تصانیف کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ کے صاحبزادے عارفِ حقانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشۂ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ مسلکی غیرت سے اس قدر مالامال تھے کہ ایک مرتبہ شکر گڑھ کی جامعہ مسجد غوثیہ کے معاملات میں بدعقیدہ لوگوں نے رخنہ اندازی کرنا چاہی اور انتظامیہ کے اراکین کو آپس میں لڑانا چاہا تو آپ نے نہایت جلال کے ساتھ دوٹوک انداز میں تنبیہ کردی کہ مسجد کے دروازے پر لکھ کر لگا دو کہ یہاں کسی بھی بدعقیدہ کا داخلہ منع ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا مذہبی تعامل

کسی شخصیت کے مذہبی تعامل سے مراد ہے، اس کا مذہب اور مذہبی پالیسی۔

جہاں تک حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے مذہب کا تعلق ہے، آپ تمام اولیاء اللہ کی طرح اہلِ سنت و جماعت یعنی سنّی العقیدہ تھے اور ولی کامل ہونے کی حیثیت سے اس عقیدے میں آپ کو ایسی پختگی حاصل تھی جسے 'اطمینانِ قلب' کہا جاتا ہے۔ پھر اولیاءِ کرام علیہم الرحمہ کی اکثریت فقہ حنفیہ پر عمل پیرا رہی ہے اور حضور سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کے سبب 'حنفی' کہلاتی رہی ہے۔ حضور مفکرِ اسلام بھی حنفی ہیں اور سختی سے اسی کے پابند رہے۔

دورِ حاضر میں اسلام دشمنوں کی سازشوں کے نتیجے میں انگریزی حکومت کے زیرِ سایہ بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ جب اسلامی معاشروں میں ان کی شنوائی نہ ہوئی تو انہوں نے اہلِ سنت و جماعت اور حنفی کہلانے کی کوشش شروع کردی (جیسے اہلِ دیوبند اور سپاہ صحابہ نے)۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اصل اہلِ سنت کی کوئی پہچان ہوتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح گھی پہلے صرف گھی تھا، لیکن جب ڈالڈا اور دوسری بناسپتی قسمیں ایجاد ہوگئیں تو اصلی گھی کو پہچان کے لیے دیسی گھی کہا جانے لگا۔ یونہی جعلی اور بناسپتی سنیوں کے ظہور کے بعد اصل اہلِ سنت کی پہچان لفظ 'بریلوی' سے ہونے لگی ورنہ ہمیشہ سے اکابرِ اسلام کا یہی مذہب رہا ہے۔ اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ نے غیرتِ توحید اور حمیتِ عشق کی بنا پر خداوند کریم جل جلالہ اور اس کے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقابلے میں کسی کی پروا نہیں کی اور تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً (یعنی سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو

رہو) کی عملی تفسیر بن کر خدا اور رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں سے لڑتے رہے تو قدرت نے ان کو یہ عروج بخشا کہ ان کا عقیدہ گویا حقانیت کا معیار قرار پا گیا۔

میرے حضور قبلۂ عالم قدس سرہ عقیدتاً سنی حنفی اور طریقتاً نقشبندی قادری چشتی سہروردی ہونے کے باوجود بریلوی کہلانے میں کوئی پس وپیش نہیں فرماتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے جب حضور کی بارگاہ میں حاضری کا آغاز کیا تو ایک دن عرض گذار ہوا کہ حضور ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ فرمایا، ''ہم اہلِ سنت و جماعت (سنی) بریلوی ہیں''۔

حضور اعلیٰحضرت سے دلی محبت رکھتے تھے۔ ان کو 'اعلیٰحضرت'، 'مجددِ ملت' یا 'مجددِ دین وملت' فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ اور جملہ تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مرشد کریم حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دربارِ دُربار کے حضوری تھے۔ اس لیے آپ کا اعلیٰحضرت سے محبت کرنا بھی اس حقیقت کی دلیل ہے کہ اعلیٰحضرت کو شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دربار میں بڑی عزت حاصل تھی۔ اعلیٰحضرت کے ساتھ ہمارے شیخ کریم کی محبت اس واقعے سے بھی ظاہر ہے جب دربارِ علی پور سیداں شریف میں خانوادۂ بریلی کے ایک شہزادے صاحبزادہ توصیف رضا خاں صاحب تشریف لائے تھے۔ یہ واقعہ خود حضور کی زبانی سنیئے:

''اس روز حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ کو بعض وجوہات کی بنا پر عوام سے الگ تھلگ رہنا تھا۔ چنانچہ ہم خدام بھی اپنے اپنے کام میں محو تھے۔ اچانک چار بجے کے قریب حضرت نے اس سگِ بارگاہ کو اپنے حجرۂ مقدسہ میں بلا بھیجا۔ فقیر حاضر ہوا تو آپ بہت خوش وخرم تھے۔ ارشاد ہوا، 'اعلیٰحضرت کے خاندان کے صاحبزادے آئے ہوئے

ہیں، ان کی زیارت کرنی چاہیئے'۔ عرض کیا، 'کہاں ہیں؟' تو فرمایا، 'قالین والے کمرے میں'۔ یہ کمرہ گویا معزز ترین مہمانوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہاں حاضر ہوا تو صاحبزادہ موصوف کے علاوہ حضرت علامہ صوفی محمد علی صاحب نقشبندی، علامہ الطاف محی الدین صاحب سیالکوٹی اور ان کے ایک شاگرد تشریف فرما تھے۔ سرکار نقشِ لاثانی قدس سرہ نے ان کی خوب مہمان نوازی کرنے کے بعد روانگی کے وقت صاحبزادہ صاحب قبلہ کو پانصد روپے اور صوفی صاحب کے سوا باقی دونوں ساتھیوں کو ایک ایک سو روپے پیش کیے۔ یہ قافلۂ محبت حضرت امیرِ ملت محدثِ علی پوری علیہ الرحمہ کے دربار کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں میری (حضور مفکرِ اسلام کی) بھی آپ بیتی سنیئے۔ چند روز قبل اخبارات میں اطلاع آچکی تھی کہ بریلی شریف سے صاحبزادہ صاحب فلاں تاریخ کو لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔ اعلیٰحضرت سے محبت کی وجہ سے دل بہت بیقرار تھا کہ میں بھی لاہور جا کر استقبال کروں مگر پھر دربار شریف کی روزانہ حاضری خلل کے پیشِ نظر ایسا نہ کر سکا۔ مرشدِ کامل کی بندہ نوازی دیکھیئے، اپنے دربار کی حاضری کے دوران قبلہ صاحبزادہ صاحب کی زیارت اس انداز سے کرادی کہ لاہور میں بھی ممکن نہ ہوتی''۔

یہ اعلیٰحضرت کے ساتھ محبت وتعلّق کی بنا پر ہی تھا کہ ایک مرتبہ (۸۴-۱۹۸۳ء میں) آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخصیت تشریف فرما ہے۔ اس پرنور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے پیکر سے چاروں طرف فوارے کی طرح نور کا چشمہ جاری ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی ہیں اور انہیں یہ مقامِ نور اس لیے حاصل ہوا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

نیز یہ بات بھی بتائی گئی کہ اعلیٰحضرت کو آپ کے شیخ حضور نقشِ لاثانی (قدس سرہ) سے بھی محبت ہے اور (آپ کی) کتاب 'انوارِ لاثانی' بھی آپ کو پسند ہے۔

پاکستان میں اولیاءِ کرام کے بڑے بڑے مشہور آستانے ہیں اور غالباً سب نے اپنے بزرگوں کی سوانح عمریاں شائع کی ہیں مگر صفحات پر صفحات پڑھتے جائیں، شاید ہی کہیں اعلیٰحضرت کا ذکر ملے اور ذکر کہیں ملے بھی تو شاید ہی کہیں آپ کو وہ اندازِ ذکر ملے جو حضور مفکرِ اسلام نے اپنایا ہے۔

حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ بدعقیدہ لوگوں کے اجتماعات میں شامل ہونے کو سخت نا پسند فرماتے تھے۔ ہمارے بعض علماء وہابی، دیوبندی یا شیعہ سٹیجوں پر جا کر اظہارِ خیال کرتے تو

آپ برا مناتے اور ان کو سمجھاتے۔ اگر کوئی اپنی صفائی میں کہتا کہ میں نے کوئی بات اپنے عقیدے کے خلاف نہیں کہی اور نہ اپنے مذہب کو چھپایا، پھر بھی آپ مطمئن نہ ہوتے اور سختی سے منع فرما دیتے۔ ہاں ایسے مشترکہ جلسے جو پبلک کی طرف سے منعقد کئے گئے ہوں اور ان میں سب اہلِ مذاہب کو خطاب کی دعوت دی گئی ہو (آج کل ان کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے) اپنی جماعت (اہلِ سنت) کی نمائندگی کو آپ جائز بلکہ ضروری سمجھتے تھے۔ ایسا ایک واقعہ سیالکوٹ میں آپ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ہوا یہ کہ ایک شخص نے گھنٹہ گھر سیالکوٹ کے احاطہ میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو ایک ہی جلسے میں اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ وہ شخص دراصل دیوبندی تھا اور مولانا محمد علی کاندھلوی

دیوبندی کا عقیدتمند اور تعلقدار تھا۔ وہ پڑھے لکھے حضرات کے سامنے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء سے خطاب کرا کے بزعمِ خویش کاندھلوی صاحب کی علمی برتری کا مظاہرہ کرانا چاہتا تھا۔ ہر فرقے کے علماء کو دعوت دینے کے بعد آخر میں سنی بن کر صوفی محمد علی نقشبندی کے پاس آیا اور جلسے میں شمولیت پر زور دیتا رہا۔ آپ وہاں موجود تھے۔ اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ اگرچہ بظاہر شمولیت پر بڑا زور دے رہا ہے مگر بہ باطن خود بھی چاہتا ہے کہ علماءِ اہلِ سنت نہ جائیں تاکہ رات جلسے میں یہ ظاہر کر کے کہ میں نے مختلف طریقوں سے اہلِ سنت کو مائل کیا مگر وہ علمی لوگوں کے سامنے خطاب کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بہرحال صوفی صاحب نے انکار کر دیا اور وہ بظاہر مایوس اور بباطن کامیاب ہو کر واپس چلا گیا۔ اب آپ نے صوفی صاحب سے فرمایا کہ جلسے میں ضرور جانا چاہئے تھا ورنہ یہ شخص بڑے مؤثر طریقے سے تمام مکاتبِ فکر کے عوام الناس کی موجودگی میں اہلِ سنت کو رسوا کرے گا۔ صوفی صاحب کچھ نرم ہوئے۔ یہ باتیں کمشنر روڈ پر تسلیم ہسپتال کے باہر ہو رہی تھیں۔ جبکہ اسی ہسپتال میں سید فضل حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ (جو بس کے ایک حادثے کی زد میں آ کر اسی ہسپتال میں زیرِ علاج تھے) کی عیادت کے لیے حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ صوفی صاحب کو اندر طلب کیا گیا تو انہوں نے باہر کی روداد بھی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی۔ حضور نے جلسے میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا اور باہر آ کر آپ کے سامنے اس بات کی یہ کہہ کر توثیق کی کہ 'آسی صاحب بھی ساتھ جائیں گے'۔ چنانچہ آپ، صوفی صاحب اور قاری عبدالرحمٰن صاحب (سابق خطیبِ سیالکوٹ)

جلسہ گاہ پہنچے تو آپ کے خدشات کے عین مطابق ایک مقرر اہلِ سنت ہی کے

خلاف بول رہا تھا۔ آپ کا پہنچنا ہی اس کی گفتگو کی تردید تھی۔ چنانچہ وہ کھسیانا سا ہو کر بیٹھ گیا۔ تمام عوام و خواص پر آپ کی ہیبت اس طرح سے چھا گئی کہ زبانیں ہی گنگ ہو گئیں۔ پھر اُن کے مفسرِ قرآن مولوی کاندھلوی صاحب اسٹیج پر آئے مگر ایسے ناکام ہوئے کہ باید و شاید۔ تقریر شروع کی تو چار منٹ کا عربی خطبہ اور بمشکل تین منٹ کا اردو خطاب۔ وہ اصل خیالات کو چھپانے کے لیے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی تعریف کرنے لگے تو کسی نے نعرۂ رسالت لگا دیا۔ مولانا پوری طرح بوکھلا گئے۔ اب نعرے کے خلاف اول فول کہنا شروع کر دیا۔ چند جملوں کے بعد ہی بیٹھ گئے بلکہ بھاگ گئے۔ سب سے آخر میں حضور کا خطاب تھا۔ کاندھلوی صاحب ایک موقع پر ایسے جملے کہہ چکے تھے جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے یومِ میلاد، یومِ بدر اور یومِ فتحِ مکہ کی توہین ٹپکتی تھی۔ چنانچہ آج آپ کو مولانا کے ایمان شکن رویے پر تبصرہ کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ قابلِ غور و حیرت بات تھی کہ مشہور شاعر پروفیسر اصغر سودائی، ملک محمد سلیمان مرحوم سابق ایم این اے نے بھی اپنی اپنی باری جوتے اتار کر ادب و تعظیم کا مظاہرہ کیا مگر کاندھلوی جیسے مفسر قرآن اور ان کے ہمنوا باریش علماء نے یہ اہتمام بھی نہ کیا، جس کا بہت سے لوگوں نے نوٹس لیا۔ بہر حال خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی رحمت اور پیر و مرشد کی دعا و توجہ سے آپ سٹیج پر چھا گئے اور اہلِ سنت کے بارے میں عوام و خواص نے گہرے تاثرات لیے۔ چنانچہ چند روز تک لوگوں کی طرف سے مبارکباد کا سلسلہ چلتا رہا۔

بہر حال یہاں معاملے کی نوعیت اور تھی وگرنہ حضور اس بات کے خلاف تھے کہ سنی علماء بد مذہب لوگوں کی سٹیج پر جائیں اور یوں اپنے لوگ بھی مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں۔

مومن کی سب سے بڑی متاعِ حیات ایمان ہے اور ایمان حُبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کا نام ہے تو سب سے زیادہ اہتمام بھی اسی دولت یعنی ایمان و حُبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے بچانے کا ہونا چاہئے اور اس اہتمام کا اہم تقاضا یہ ہے کہ گستاخوں سے دور رہا جائے اور اپنے عزیزوں کو بھی دور رکھا جائے۔

مولائے روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

دُور شو از اختلاطِ یارِ بَد
یارِ بَد بدتر بُود از مارِ بَد
مارِ بَد تنہا ہمی بر جاں زنَد
یارِ بَد بر دین و بَر ایماں زنَد

ترجمہ: برے یار سے راہ و رسم مت رکھ کیونکہ برا یار برے سانپ سے بھی برا ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ برا سانپ صرف جان پر حملہ کرتا ہے مگر برا یار دین و ایمان پر یلغار کرتا ہے۔

اور حضرت امامِ ربانی مجدّد الفِ ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بدعتی کی صحبت کی خرابی، کافر کی صحبت کی خرابی اور نقصان سے زیادہ ہے"۔

(دفتر اول، حصہ دوم۔ مکتوب نمبر ۵۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی بھی سنئے، فرماتے ہیں:

"بزرگے فرمود صد ہزار مہ گرگِ گرسنہ در رمہ گوسفنداں آں نکُنَد کہ یک شیطان کند و صد ہزار شیطان آں نکند کہ یک ہَم نشینِ بد کُنَد (و صد ہزار

ہمنشینِ بد آں نکند کہ یک نفس دَر تَنِ آدمی زاد کُنَد)..... (اِنتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ)

ترجمہ: ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ایک لاکھ بھوکے بھیڑیوں کا ریوڑ بکریوں کے ریوڑ میں ایسا نقصان نہیں کرتا جیسا کہ ایک شیطان کرتا ہے اور ایک لاکھ شیطان وہ نقصان نہیں کر سکتے جو ایک برا ہمنشین کرتا ہے۔ (اور لاکھ برے ہم نشین وہ نقصان نہیں کرتے جو آدمی کے بدن میں ایک نفس کا نقصان ہوتا ہے)

المختصر! بدعقیدہ لوگوں کی صحبت انسان کے لیے زہرِ قاتل ہے لہٰذا خصوصاً عوام کو اس سے ضرور بچنا اور بچانا چاہئے اور بدعقیدہ لوگوں کی سٹیج پر علما کا جانا بھی عوام کے لیے غلط لوگوں سے میل جول اور ان کی باتیں سننے کا دروازہ کھولتا ہے، لہٰذا یہ بھی درست نہیں۔ حضور بزرگانِ سلف کی طرح اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے لہٰذا سختی سے روکتے تھے۔

علاوہ ازیں آپ بدعقیدہ لوگوں سے پڑھنے کو بھی برا سمجھتے تھے۔ کسی طالبعلم کے بارے میں معلوم ہوتا کہ گمراہ لوگوں سے یا ان کے مدرسے میں زیرِ تعلیم ہے تو اس کی اور اس کے باپ کی توبہ کرواتے، کبھی کانوں کو ہاتھ لگواتے، فرماتے اس سے نہ پڑھنا بہتر ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت بدایمان کے لیے سُمِّ قاتل ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔۔ (مسلم)

ترجمہ: بے شک یہ علم (بھی) دین ہے سو دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو۔

(کیونکہ جس سے تم علم حاصل کرو گے لامحالہ اس کا عقیدہ اپناؤ گے)

بظاہر یہ معاملہ نہایت عجیب نظر آتا ہے کہ اولیاءِ کرام جو اپنی زندگی ذکر و فکر میں گزارتے ہیں، جن کے دل انتہائی نرم ہوتے ہیں، جن کے صبح و مسا سوز و گداز اور آہ و بکا کے لیے وقف ہوتے ہیں، جو کبر و غرور سے کوسوں دور اور عاجزی و انکساری کا پیکر ہوتے ہیں، جن کا وجودِ مسعود عالَم کے لیے پیامِ رحمت ہوتا ہے، آخر گستاخوں اور بد عقیدہ لوگوں پر اتنے سخت کیوں ہوتے ہیں۔ دراصل اس کی بنیادی وجہ بھی عجز و انکسار، غیرتِ ایمانی اور خلقِ خدا پر رحم کا جذبہ ہی ہے۔ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں کو برداشت کرنا مہر و مروت نہیں بلکہ بے غیرتی خیال کرتے ہیں۔ اور ایمان کے بارے میں بے غیرت یا بے حس ہونا عرفان ہی سے خالی نہیں کرتا بلکہ خود ایمان کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ کسی شخص کو کھلم کھلا کفریہ عقائد کا پرچار کرنے دینا، اس پر رحم ہے نہ اَوروں پر۔ یہاں رحم یا عجز و انکسار گناہ ہے کہ مقابلے میں عام آدمی نہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ٹکر لینے والا ہے۔ اور خدا اور رسول (جل وعلا و صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے دشمنوں پر رحم کرنا خدا و رسول سے دشمنی مول لینا ہے، لہٰذا ان ناپاک لوگوں سے خود بھی بچ کر رہنا ضروری ہے، لوگوں کو بچانا ضروری ہے ورنہ اپنا حشر بھی انہی دشمنانِ خدا اور رسول کے ساتھ ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرتا رہا۔

بلکہ قرآن کا بھی اعلان ہے:

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ.... (سورۃ)

ترجمہ: جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

المختصر! حضور بدعقیدہ لوگوں کی صحبت، قربت اور تلمذ سے بچنے کی بہت تلقین فرماتے تھے، یہاں تک کہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے بھی روکتے تھے۔ اس کی تعلیم آپ کو اپنے پیر خانے سے ملی تھی۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء میں حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ اپنے تیسرے اور آخری سفرِ حج وزیارت پر گئے تو اپنے اس مریدِ صادق کو بھی ہمراہ لے گئے۔

وہاں مسجدِ حرام میں ایک روز سعودی حکومت کا نمائندہ مختلف لوگوں کی علمی قابلیت کا جائزہ لے کر انگریزی، عربی، فارسی اور اردو میں وہابی مذہب کی کتابیں تقسیم کر رہا تھا۔ جس کو جس زبان میں ماہر دیکھتا، اسی زبان کی کتاب پیش کر دیتا۔ حضور مفکرِ اسلام کی قابلیت دیکھ کر کہنے لگا، 'مرکز میں آکر پورا سیٹ حاصل کر لیجئے'۔ چنانچہ وہاں اس نے چالیس پچتالیس کتابیں دے دیں۔ آپ یہ لے کر رہائش گاہ آئے تو حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ نے ان کتابوں کو دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ تاہم جب آپ نے عرض کیا کہ محض تردید کی نیت سے انہیں وصول کیا تو بہت خوش ہو کر فرمانے لگے، ہاں یہ نیت ٹھیک ہے۔

یعنی حضور نقشِ لاثانی اور حضور مفکرِ اسلام علیہما الرحمہ دونوں، بدعقیدہ لوگوں کی کتابیں خصوصاً مبتدیوں کے لیے زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتابوں کے معاملے میں آپ بہت احتیاط پسند تھے۔ کوئی تقریظ لکھنے کو کہتا تو جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ پوری کتاب میں کوئی جملہ بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے، آپ تقریظ نہیں لکھتے تھے۔ عموماً لوگ ساری کتاب کا مطالعہ کئے بغیر، ایک دو صفحات پڑھ کر تقریظ لکھ دیتے ہیں اور پوری کتاب کی ذمہ داری سے یوں لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں

''کتاب کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ماشاء اللہ خوب لکھی ہے''

حضور کو یہ طرزِ عمل ہرگز پسند نہیں تھا۔ تقریظ لکھنے سے پہلے حرف بہ حرف کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے۔ آپ کے اسی حسنِ احتیاط کی بدولت شیخِ کریم کو آپ پر حد درجہ اعتماد تھا۔ چنانچہ ان کی خدمتِ اقدس میں کسی کتاب کے لیے تقریظ کا کہا جاتا تو وہ عموماً آپ سے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا فرماتے، آپ مطمئن ہوتے تو شیخِ کریم کتاب کے حوالے سے ضروری باتیں کرنے کے بعد تقریظ تحریر فرماتے۔ مثلاً مولانا محمد ضیاء اللہ قادری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیف 'سیرتِ غوث الثقلین' کے نئے ایڈیشن کے لیے حضور نقشِ لاثانی سے تقریظ حاصل کرنا چاہی تو پہلے آپ نے کتاب حرفاً حرفاً پڑھی۔ آپ نے اسے اس موضوع پر اردو میں بہترین تصنیف قرار دیا تو حضور نے مختلف مقامات سے جزوی مطالعہ کے بعد تقریظ لکھ دی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور نقشِ لاثانی نے ہی اپنے اس مریدِ کامل کی تربیت کی تھی اور اپنی تمام تر توانائیاں صَرف کر دی تھیں۔ انہیں آپ پر بہت اعتماد تھا۔ چنانچہ کسی بھی معاملے میں آپ کا اظہارِ اطمینان ان کی تسلی کا موجب ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آستانۂ عالیہ پر آنے والی جملہ ڈاک کا جواب بھی آپ کے ذمے تھا اور حکم تھا کہ کسی کو اس وقت اپنے پاس مت بیٹھنے دینا۔ آخری دو ایک سال میں جب حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ نقاہت زیادہ محسوس فرمانے لگے تو ایک دن ارشاد ہوا:

''ڈاک کا جواب خود دے دینا، اگر کوئی پوچھنے والی بات ہو تو پوچھ لینا''

روضۂ لاثانی کے اردگرد کی چاردیواری میں احادیث اور اشعار لکھوانے کا موقع آیا تو کاتبوں سے فرمایا، 'آسی صاحب جو لکھوائیں، لکھ دینا'۔

حضور کو جہاں غلط قسم کی کتابوں سے احتراز تھا، وہیں اچھی کتابوں کی نشاندہی بھی فرماتے اور گاہے بگاہے ان کی تقسیم بھی۔ ترجمۂ قرآن اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا پسند تھا۔ تفاسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی تفسیر نعیمی اور پیر کرم شاہ صاحب ازہری علیہ الرحمہ کی تفسیر ضیاء القرآن تجویز فرماتے۔ (مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بہت تعریف فرماتے۔ ان کے ساتھ ملاقات کا واقعہ محبت کے ساتھ سناتے کہ میں ان سے ملنے گیا تو انہیں نہایت سادہ لباس میں سادہ سے گھر میں پایا نیز یہ کہ ان کا زُہد وفقر لائقِ تقلید تھا)۔ کتبِ سیرت میں ’سیرتِ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم‘، ’ضیاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم‘ اور متعدد کی تحسین فرمائی۔ ’مرقاۃ شرح مشکوٰۃ‘ بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہنے والی کتب میں سے تھی۔ اصلاحِ عقائد کے لیے مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی کتب اوّلاً

’شانِ حبیبِ الرحمٰن‘ اور پھر ’جاء الحق‘ خریدنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے۔ فقہی مسائل کے لیے اولاً فتاویٰ فیض الرسول اور پھر بہارِ شریعت یا کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کا فرماتے۔ تصوّف میں کشف المحجوب، مکتوباتِ مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام غزالی کی تصانیف، بستان العارفین، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ومتعدد کتب پسندیدہ تھیں۔ سکولوں، کالجوں کے طلباء کے لیے ابتداءً علامہ جلال الدین امجدی کی ’اسلامی تعلیم‘ تجویز فرماتے، خطبات کے سلسلے میں خطباتِ برطانیہ، الخطیب، واعظ، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی صاحب کی کتب کا خصوصیت سے تذکرہ فرماتے۔ جناب عبد الصبور بیگ منشور ہزاروی کی ’شہید کربلا‘ و دیگر کتب، علامہ شفقات احمد نقشبندی کی ’رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی نماز‘ اور بے شمار کتابیں لوگوں کو حسبِ حال مطالعہ کرنے کا حکم

ارشاد فرماتے تھے۔

عقیدۂ اہلِ سنت پر اطمینان و پختگی کے باوجود آپ نے حکمت و مواعظِ حسنہ بالخصوص حُسنِ اَخلاق کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مبلغین کے لیے اشتعال انگیزی اور زبان کی سختی و درشتی آنجناب کو سخت ناپسند تھی۔ اپنے عقیدے کی حفاظت پر تو بہت زور دیتے تھے مگر خواہ مخواہ بدامنی و انتشار پھیلانے کو بھی ناروا و نامناسب خیال فرماتے تھے۔ اپنے تربیّت یافتہ علماء کو بھی تاکید تھی کہ شگفتگی کے ساتھ مدلل طریقے سے اصلاحِ احوال کی جائے۔ صوفیاءِ کرام علیہم الرضوان نے جو اسلام کی تبلیغ فرمائی ہے، نرمی اور شفقت ہی کے سہارے فرمائی ہے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی اپنی سنت بھی یہی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص..... (آل عمران-۱۵۹)

ترجمہ: تو کیسی اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ (کنز الایمان)

انسانی نفسیات سے دلچسپی رکھنے والے افراد جانتے ہیں کہ غیرت وحمیت کے خلاف انسان کو باتیں سننے کی عادت ہو جائے تو آہستہ آہستہ غیرت وحمیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کو کوئی ماں کی گالی دے تو وہ شدید غصے میں آکر اسے قتل کرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔ مگر وہی شخص آوارہ منش لوگوں کے پاس رہنا شروع کر دے جہاں بات بات پر ایک دوسرے کو ماں بہن کی گالی دینا معمول ہو تو

وہ چند روز کے اندر اندر ہی ایسا 'روشن خیال' ہو جاتا ہے کہ اس گالم گلوچ سے اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ دور میں یورپ، امریکہ اور اس کے غیر مسلم یا مسلم حواری اسی طرح سے مسلمانوں کو بے غیرت کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی رُشدی ملعون کے ذریعے، کبھی کپڑوں جوتوں پر کلمہ شریف لکھوا کر۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے حوالے سے توہین آمیز گستاخانہ خاکوں کی اشاعت اور قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے متعدّد واقعات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ میرے حضور ان تمام فتنوں سے آگاہ تھے چنانچہ وقتاً فوقتاً مختلف تقریبات کے مواقع پر ہزاروں نوجوانوں کی تربیت کر کے ان سے حلف لئے گئے کہ اِدھر کسی بد بخت کے منہ سے گستاخیِ رسول کا کلمہ نکلے یا شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑائے اُدھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس قوم میں جنابِ علم دین جیسے غازی پیدا ہوتے رہنے چاہئیں ورنہ قوم تباہ و برباد ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ سیالکوٹ میں ایک نوجوان وہ ناپاک جملے تقریر کے دوران سنا رہا تھا جو مرزا قادیانی خبیث نے حضور سیدہ خاتون جنت سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا کی گستاخی میں بکے ہیں (نعوذ باللہ)۔ تو آپ نے اسے الگ لے جا کر پوچھا، 'اگر کوئی شخص تمہاری ماں بہن کے بارے میں ایسی بکواس کرے تو کیا جلسہٴ عام میں اس کا مِن وعَن ذکر کرو گے؟' اس نے کہا، 'نہیں'۔ تب آپ نے فرمایا، 'تمام کائنات کے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی (صاحبہ) ہی کو اس قابل سمجھا کہ ایک شیطان لکھے اور دوسرا!! علانیہ سناتا پھرے؟' اس نوجوان نے توبہ کر لی۔

یونہی علماءِ نجد و دیوبند کی وہ عبارات جن میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شانِ اقدس میں صریحاً گستاخیاں پائی جاتی ہیں، آپ جلسہٴ عام میں سنانے کے خلاف تھے

اور اگر کوئی سنانا چاہتا تو منع فرما دیتے۔ ہاں کسی اور انداز اور الفاظ میں دردمندانہ اور غیورانہ لہجہ اپنا کر مقصد بیان کرنے کی رخصت دیتے تھے جس سے اہلِ سنت کا ان سے فرق واضح ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی سے بھی روکتے تھے۔

دورِ حاضر میں علماء و مشائخ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حُبِّ اہلِ بیت کے بہانے بعض اصحابِ رسول (مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم) سے بغض رکھتا ہے اور ان پر غلط سے غلط الزام لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ ان میں بعض کم نظر 'پیر' وہ بھی ہیں جو اپنی مخصوص محفلوں اور چیلوں میں اصحابِ ثلاثہ کی عظمت و شان کو دبانا اپنے خیال میں حُبِّ اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) کا ضروری تقاضا جانتے ہیں۔ ایسے مصنفین بھی ہیں جو تحقیق کے نام پر صحابہ کرام کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلا رہے ہیں۔ یہ سب چھپے ہوئے رافضی ہیں۔ ان کے دھوکے سے بچنا اس لیے مشکل ہے کہ عموماً معمولاتِ اہلِ سنت پر عامل ہیں۔ یعنی گیارھویں، عرس، میلاد شریف وغیرہ مستحسن افعال بجالاتے ہیں۔ یہ لوگ ہر اس محدث، مجتہد، فقیہہ اور مجدّد کے خلاف ہیں جس نے اپنے اپنے وقت میں فتنہٴ رفض کی خوب خبر لی۔ جیسے شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی، حضور سیدنا مجدّد الف ثانی (رضی اللہ عنہم) وغیرہم۔ یہاں تک کہ اسی 'جرم' کی بنا پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضور قبلہٴ عالم مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اس قسم کے 'باریک' فتنوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے خانوادے کی اپنی دور کے فتنوں کی سرکوبی کے لیے خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے تلمیذِ خاص اور حضور نقشہٴ نقشِ لاثانی کے خلیفہٴ مجاز صوفی محمد

صدیق ضیاء صاحب دامت برکاتہٗ (انجینئر تربیلا ڈیم) سے 'شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات' لکھوائی جبکہ حضور سیدنا مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ناقدین کو 'حضرت سیدنا مجدّد الف ثانی کی مجدّدیت و قیومیت' خود تحریر فرما کر منہ توڑ جواب دیا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قیمتی شعر کئی بار آپ سے سنا گیا:

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا نام رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں میں بھی راضی ہوں۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ قول بھی آپ نے متعدّد بار ارشاد فرمایا:

"اگر حُبِّ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا نام شیعیت ہے تو میں بھی شیعہ ہوں اور اگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی گستاخی کا نام شیعیت ہے تو میری توبہ، ہزار بار توبہ"۔

حضور شاہِ لاثانی گوشِ مبارک پر دستِ مبارک رکھ کر اپنی بریت کا بار بار اظہار فرماتے تھے۔ الغرض صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کا عقیدہ وہی تھا جو اکابرِ اہلِ سنت مثلاً حضور سیدنا مجدّد الف ثانی کا تھا۔ آپ ایسی مؤثر روایات کا بیان کیا جانا پسند فرماتے تھے جن میں اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی باہمی محبت و الفت کا بیان ہو یا جن میں ایک دوسرے کی شان و عظمت کا اعتراف ہو۔ چنانچہ یکم محرم کو جو شہادتِ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا دن ہے، یہ عاجز خصوصیت کے ساتھ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور باقی خلفا کی اہلِ بیت علیہم الرضوان

سے اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کی سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاءِ راشدین کے ساتھ جو محبت تھی، اسے بیان کیا کرتا تھا تو حضور نہایت محظوظ ہوتے اور داد دیا کرتے تھے اور خود بھی ایسی روایات سنایا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنے دَور کے تمام فتنوں سے باخبر تھے اور یہ آپ کی حکیمانہ تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ اَن گنت بدعقیدہ لوگ اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر اہلِ حق اہلِ سنت میں شامل ہوئے۔ آپ کے تربیت یافتہ مبلغین کی وساطت سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اب یہاں مختلف عنوانات کے تحت آپ کا موَقف بیان کیا جائے گا۔ یعنی چند متنازعہ فیہ مسائل جن کو دراصل اس دَور میں متنازعہ بنا دیا گیا ہے وگرنہ ان کو 'متنازعہ فیہ' لکھتے ہوئے قلم کانپ اٹھتا ہے۔ ان کے حوالے سے حضور مفکرِ اسلام کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے حضور کی ان عنوانات پر کتابیں بھی موجود ہیں جن سے آپ کا موَقف واضح ہوتا ہے۔ تاہم یہاں ان کتابوں سے حوالہ جات عموماً پیش نہیں کیے گئے بلکہ مختلف انداز سے اسے بیان کیا گیا۔

مقامِ رسالت کی عظمت:

نبی کریم رؤف رّحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا اقرار بندۂ مومن کے نزدیک سب سے اہم ہے۔ حضور سیدِ کل ختمِ رُسُل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا انکاری کائنات کا سب سے بڑا جھوٹا اور بے ایمان و مفسد ہے۔ قرآنِ پاک کے مطابق تمام انسان دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مومن ۲۔ کافر

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ..... (الکہف)

ترجمہ: تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

گویا ایمان ہی اصل فرق ہے۔اب مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی ایک طویل حدیث کا آخری جملہ ملاحظہ فرمائیے:

مُحَمَّد" فَرُق" بَیْنَ النَّاسِ

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انسانوں میں فرق ہیں۔

دونوں کی تطبیق یوں ہوگی کہ خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اہلِ کفر وایمان کے درمیان فرق ہے۔جو بلا چون وچرا ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا وہ مومن اور جس نے ذرّہ بھر بھی لیت ولعل سے کام لیا وہ کافر۔اسی بات کو حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

خلاصہ ہے یہی سب داستانِ کفر وایماں کا
کرے انکار جو کافر، انہیں جو جان لے مومن

مگر اس حقیقت کے باوجود کچھ لوگوں نے اقرارِ رسالت تو کیا مگر تعظیمِ رسالت سے انحراف کر گئے، جو انتہائی بدفعل ہے۔انہوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ اسلام زبانی اقرار (اِقْرَار" بِاللِّسَانِ) کے ساتھ ساتھ قلبی تصدیق (تَصْدِیْق" بِالْقَلْبِ) کا بھی تقاضا کرتا ہے۔دل سے تصدیق کرتے تو تعظیم وتوقیر ضرور کرتے۔(وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ)

دشمنانِ دین وایمان کی نظر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عام انسانوں میں صرف 'وحی' وجہِ امتیاز ہے۔ان کی کتابیں ان ناپاک الفاظ سے بھری پڑی ہیں کہ اُن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ اُن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آئی اور ہم

پر نہیں، ورنہ ہم اور نبی بالکل برابر ہیں (نعوذ باللہ۔حالانکہ یہ فرق بھی معمولی نہیں تھا اگر وہ غور کرتے)۔اس کا جواب حضور مفکرِ اسلام یوں دیتے ہیں:

''ان عقل کے دشمنوں کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر 'وحی' فرق ہے تو اس (فرق) کے تحت تمام لوازماتِ وحی بھی آجائیں گے۔یعنی ہر شخص 'وحی' کا متحمل کہاں ہوسکتا ہے۔ارشادِ ربانی کے مطابق پہاڑ بھی یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ..... (الحشر)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا، پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔

اسی لیے دوسرے مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط..... (الانعام)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

گویا نبوّت کے لیے مخصوص صفات کی ضرورت ہے۔خدا اُسی کو نبوّت ورسالت سے مشرّف فرماتا ہے جس میں پہلے اس کے لوازمات (یا ضروری صفات) پیدا فرمالیتا ہے۔''

حضور، ان دشمنانِ دین کی عداوتِ رسول سے سخت نالاں تھے، چنانچہ اپنے کلام میں ایک جگہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

نبی کی شان سے نجدی کو چڑھ ہے

مزاجاً ہی یہ وحشی بلغمی ہے
بہت سی خوبیاں ہیں نجدیوں میں
فقط ایمان کی ان میں کمی ہے

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے دَور میں نجد و دیوبند کی فکر اپنے عروج پر تھی۔ شانِ رسالت میں تنقیص کی ناپاک کوششیں کافی زوروں پر تھیں۔ آپ بھی اپنے حکمت بھرے انداز سے اصلاحِ احوال کے لیے ڈٹ گئے۔ یہ آپ کا فیضانِ نظر وتربیت ہے کہ آپ کے دامانِ کرم سے وابستہ ہونی والی ایک کثیر تعداد نہ صرف یہ کہ اس فتنے سے محفوظ ومامون رہی بلکہ عشقِ رسالت کی نقیب بن گئی۔

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا میلاد شریف منانے کے انکار میں ابوالکلام آزاد کی تحاریر نہایت دلآزار ہیں۔ پھر ۱۹۹۷ء میں جب ان تحریروں کو دوبارہ شائع کیا گیا تو حضور تڑپ اٹھے اور آپ نے ''میلاد شریف اور بعض روایات'' کے نام سے کتاب لکھ کر ابوالکلام آزاد کی زہریلی تحریر کا خوب تعاقب کیا اور علمی دلائل سے اس کی فکر کا خوب رد کیا۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۷ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

میں اپنے برادرِ طریقت ڈاکٹر غلام یسٰین صاحب (نارووال ثم لاہور) کے ساتھ اسی موضوع (آزاد اینڈ کمپنی کی طرف سے واقعات وارہاصاتِ میلاد کا انکار) پر تبادلۂ خیالات کر رہا تھا تو فرمانے لگے، 'حضور نقشِ لاثانی ابھی ابھی جلوہ افروز ہو کر فرماتے ہیں:

''ان (منکرین) سے پوچھو کیا ولادت باسعادت کے وقت رونما

ہونے والے ارہاصات کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً ﴿ترجمہ: اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ سورہ نساء آیت ۱۱۳ کا آخری حصہ﴾ سے باہر ہیں؟ اگر باہر ہیں تو اس فضلِ عظیم کی حد کیا ہے؟ (کون سے کمالات اس کے دائرے میں ہیں کون سے نہیں؟)''۔

گویا شیخِ کریم نے آپ کے مضمون کی غائبانہ تائید بھی فرمائی اور علمی دستگیری بھی کی۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا:

''یہ فیصلہ اسلام کر چکا، قرآن کر چکا، کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں (بظاہر) ہلکی سی گستاخی و بےادبی کرنا دنیا کی سب سے بڑی لعنت ہے۔''

ندائے غائبانہ اور استمداد وتوسّل:

اسلام کی تعلیمات سے بے بہرہ لوگ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)، یا علی، یا غوث وغیرہ کہنے والوں کو مشرک تک کہہ دیتے ہیں جو کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ یارسولَ اللہ کو شرک ٹھہرانے والے نماز میں التحیات میں 'اَیُّھَا النَّبِیُّ' کیا سمجھ کر کہتے ہیں؟ جبکہ 'اَیُّھَا النَّبِیُّ' کا معنیٰ بھی یہی ہے۔ یاد رہے کہ مستعانِ حقیقی فقط اللہ کریم کی ذات ہے جبکہ اللہ کے نبی اور ولی محض اللہ کی دی ہوئی طاقتوں سے سننے اور مدد کرنے پر قادر ہیں۔

مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہاوند کے مقام پر بھیجا۔ پھر ایک روز حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے، ''یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل'' کہ اے ساریہ

پہاڑ کو پشت پر لے لو۔ (فَبَیْنَمَا عُمَرُ یَخْطُبُ فَجَعَلَ یُصِیْغُ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ) ۔ کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے پکارنے والے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لے لیا۔ خدا نے ان کو شکست دے دی۔ یہ حدیثِ پاک جس میں مدینہ شریف سے میلوں دور ایک دوسرے صحابی کو ندا کی گئی ہے، اور اللہ نے اتنی دور اس آواز کو پہنچا بھی دیا، ندائے غائبانہ کے جواز پر ایک دلیل ہے۔

اور بخاری شریف جلد دوم کتاب المناقب باب ذِکرُ العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا قَحَطُوْا اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ .فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِیِّنَا ﷺ فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقُوْنَ

جب لوگ قحط سے دوچار ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے۔ وہ کہتے، "اے اللہ! ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وسیلے سے بارش مانگا کرتے تھے اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محترم چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا۔ راوی کا بیان ہے کہ بارش ہو جاتی۔

یہ حدیثِ پاک استمداد توسل کے جواز پر بہترین دلیل اور حجت ہے۔

پس کسی نبی یا ولی کو 'یَا' کے صیغے سے پکارنا اور استمداد کرنا صحابہ علیہم الرضوان کی سنت بھی ہے اور ہر دور کے اولیاء اللہ کا معمول بھی رہا ہے۔ احادیث و روایات اس سے بھری پڑی ہیں، فتوے کی چھری کس کس پر چلے گی۔ یہاں تو صرف حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا نقطہ نظر اور طرزِ عمل دکھانا مقصود ہے۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ 'یَا' کے جواز کے حامی تھے اور آپ کے وظائف کا حصہ تھا۔ بلکہ تہجد کے وقت نہایت سوز و گداز سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے اس طرح کے شعر پڑھا کرتے تھے جن میں 'یَا' کا استعمال ہو۔ مثلاً:

غریبم یا رسولَ اللہ ! غریبم
ندارم در جہاں جز تو حبیبم

(میں غریب ہوں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں غریب (ولاچار) ہوں۔ سوائے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے، جہاں میں میرا کوئی حبیب نہیں)

دلائل الخیرات شریف درود شریف کی مشہور کتاب ہے۔ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی طرف سے آپ کو اس کی خصوصی اجازت تھی۔ اس میں کتنے ہی درود شریف حرفِ ندا کے ساتھ ہیں۔ مثلاً:

اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَاشْفَعْ لَنَا یَا نِعْمَ الرَّسُوْلُ الطَّاھِرُ

ترجمہ: ہم آپ (صلی اللہ علیک وسلم) کے رب کی طرف آپ (صلی

اللہ علیک وسلم) کا وسیلہ پیش کرتے ہیں لہٰذا ہماری شفاعت فرمائیے،

اے کیا ہی اچھے رسولِ پاک (صلی اللہ علیک وسلم)۔

دلائل الخیرات شریف کے مقدمے میں یہ حدیث پاک بھی آئی ہے:

اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَ اَعْرِفُھُمْ

(میں اپنے اہلِ محبت کا درود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں)

درودِ مستغاث بھی حضور کے معمولات میں شامل تھا۔ اس میں اس درودِ پاک کی تکرار آئی ہے:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضور جب کبھی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مشہور اشعار پڑھتے تھے جن کی ردیف میں 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم' آتا ہے تو فرماتے کہ پیر صاحب تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنے کے قائل ہیں مگر ان کے مرید (علماءِ دیو بند) اس پہ چیں بہ چیں ہوتے ہیں۔ ان اشعار میں یہ شعر بھی ہے:

جہاز امت کا حق نے دے دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم
پھنسا ہوں جس طرح گردابِ غم میں ناخدا ہو کر
مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

یونہی صالحینِ امت سے استمداد و توسل کے بھی آپ قائل تھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ خدا اور رسول کی نیابت میں ان کے فضل سے مدد کرنے پر قادر ہیں۔ یہ واقعہ آپ کی زبانی سنا گیا کہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں جب آپ بحیثیت لیکچرار

تعینات تھے۔ ایک پرنسپل صاحب نہایت سخت طبیعت کے مالک تھے۔ کسی بات پر انتہائی غصے کی حالت میں انہوں نے چپڑاسی کو آپ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ اس نے آ کر آپ کو پیغام پہنچایا اور صورت حال بھی عرض کر دی۔ آپ نے "یا سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ" (جس میں حضور غوث پاک سے استمداد کیا گیا ہے) کہتے ہوئے دفتر کے اندر قدم رکھا۔ اب یہ ہوا کہ پرنسپل صاحب کو اصل بات تو یاد نہ رہی الٹا خوب آؤ بھگت کی اور حال احوال پوچھا۔ ایسا بار بار ہوا۔ یعنی پرنسپل صاحب آپ کو بلاتے مگر نظر پڑتے ہی سب کچھ بھول جاتے اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کے بعد رخصت کر دیتے۔ چپڑاسی نے جو حیرانی کے ساتھ یہ سب دیکھ رہا تھا دوسروں سے اس بات کا ذکر کیا۔ وہاں کالج میں ایک غیر مقلد لیکچرار بھی تھے۔ اس نے آ کر ایسا ہونے کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے مذکورہ بالا وظیفہ اسے بتا دیا۔ اس غیر مقلد نے خود کئی دفعہ اسے آزمایا اور بالآخر یقین کر لینے کے بعد اپنے عقائد سے تائب ہو کر عقائدِ اہلِ سنت کا گرویدہ ہو گیا۔

یونہی ایک مرتبہ آپ کی تعیناتی کسی دور دراز شہر ہوئی۔ دربار شریف سے دوری آپ کو گوارا نہ تھی۔ آپ نے اپنے شیخ حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ کو خط میں مسئلہ بیان کر کے لکھا کہ "میرا یقین ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، آپ اسے پڑھ رہے ہیں، تاہم کارروائی پوری کرنے کے لیے میں اسے پوسٹ کر رہا ہوں"۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ خط لکھتے ہی (پوسٹ کرنے سے بھی قبل) مسئلہ حل ہو گیا۔ یہاں بھی استمداد ہی کی ایک صورت اور اس کے ثمرات ہیں۔

یہ خوبصورت اشعار بھی حضور کی زبانِ حق ترجمان سے اکثر سنے گئے جو ختمِ

خواجگان کا بھی حصّہ ہیں۔ پہلے دو اشعار میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور تیسرے شعر میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے استمداد و توسّل کیا گیا ہے۔

اے شاہِ نقشبند ، نقشے مرا بہ بند
نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

شیأً للّٰہ! خواجۂ مشکل کشا
ما ہمہ محتاج تو حاجت روا

یا مجدد الف ثانی ،غوثِ اعظم پیرِ ما
مالکِ ملکِ ولایت،صاحبِ تدبیرِ ما

اب یہاں حضور مفکرِ اسلام کے اپنے اشعار قلمبند کیے جاتے ہیں، جن میں استمداد کیا گیا ہے۔ان اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فریاد کی گئی ہے۔

المدد اے چارہ سازِ بیکساں   دل اسیرِ نرغۂ اغیار ہے
اے مزکّی ،اے شہنشاہِ کریم   اک سوالِ دیدۂ بیدار ہے

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی باگاہ میں ملتمس ہیں: ('یاغوث' کے نام سے آپ کی ایک منقبت کے چند اشعار)

مرا مایہ ، ترا سایۂ رحمت   مری دولت تری نسبت ہے یاغوث
سوا تیرے کرے گا کون پورا   تمناؤں کی جو کثرت ہے یاغوث
پریشاں کر رہے ہیں نفس وشیطاں   مسلط قلب پر غفلت ہے یاغوث
اٹھیں غفلت کے پردے، دل ہوشیار   بڑی مدت سے یہ حسرت ہے یاغوث

دل و دیدہ بھی اس سے آشنا ہوں   جو تیری دید کی لذّت ہے یاغوث
خدا کے فضل سے اس کو بنا دے   بہت بگڑی ہوئی قسمت ہے یاغوث
میں جیسا بھی سہی، پھر بھی ہوں تیرا   تو مرا والیِ نعمت ہے یاغوث
دو عالم میں رہے گا شاد آسی   اگر شامل تری رحمت ہے یاغوث

اپنے شیخ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں استغاثہ ملاحظہ ہو: (یہ اشعار منقبت 'نقشِ لاثانی محبت آپ کی' سے چنے گئے ہیں)

نقشِ لاثانی ، محبت آپ کی   بے نوا پر ہے عنایت آپ کی
آپ ہیں محبوبِ محبوبِ خدا   کیا بیاں ہو آقا عظمت آپ کی
دل کا ذرّہ ذرّہ ہو مہرِ منیر   جلوہ فرما ہو جو طلعت آپ کی
تقویٰ وتوبہ کی کھیتی سبز ہو   ہو اگر بارانِ رحمت آپ کی
سیدی، سندی، ملاذی، مرشدی   بات ہی کیا اعلیٰحضرت آپ کی
جھولیاں لائے ہیں خالی ہم فقیر   جھولیاں بھرنا ہے عادت آپ کی
یوں لگا غم کی گھٹائیں چھٹ گئیں   میں نے جب بھی کی ہے مدحت آپ کی

☆☆☆☆☆☆☆

مسئلہ علمِ غیب اور حاضر و ناظر:

قرآن وحدیث کے مطابق علمِ غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے سوا کسی اور کو نہیں۔ جبکہ علمِ غیب عطائی (خدا کی عطا سے) اس کے نبیوں کو ہے اور نبیوں کے توسّل سے اولیاء کو بھی اُن کی شان کے لائق ملا ہے۔ دلائل بے شمار ہیں۔ حاضر و ناظر کا مفہوم بھی اس کے قریب قریب ہے (یعنی ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کفِ دست کی مانند دیکھنا، دور و قریب کی آوازیں سننا، ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرنا، صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنا یہ سب خواہ صرف روحانی ہو یا جسمِ مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے جو اس قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہو، حاضر و ناظر ہونا ہے اور علمِ غیب کے بغیر یہ ممکن نہیں)۔ علمِ غیب کی ان دونوں قسموں اور حاضر و ناظر کے حوالے سے دلائلِ قرآن وحدیث لاتعداد ہیں اور کتبِ عقائد ان سے بھری پڑی ہیں۔ تاہم محض چند درج کیے جارہے ہیں۔ یاد رہے کہ صرف اشارہ کرنا مقصود ہے، بحث نہیں اور پھر اپنے حضور کا اس ضمن میں نقطۂ نظر واضح کرنا منشاء ہے۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط..... (سورۃ الکھف۔ آیت ۲۶ سے چند الفاظ)

ترجمہ: اسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب۔

(علمِ غیب ذاتی کا اثبات)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝..... (سورۃ التکویر۔ آیت ۲۴)

ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (علمِ غیب عطائی کا ثبوت)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝..... (سورۃ الفتح۔ آیت ۸)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں بھیجا، حاضر و ناظر[1] اور خوشی اور ڈر سناتا۔

(حاضر و ناظر ہونا)

عنوان 'حضور مفکرِ اسلام بحیثیت پیر کامل' کے تحت حضور مفکرِ اسلام کی توجہ، علم اور تصرّف پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے، اسے ایک بار پھر پڑھ لیں اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکال لیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے ایک ولی کا یہ مقام ہے تو خود اس محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اپنے تصرّفات وعلم کا کیا مقام ہوگا۔ اس سے متعلق کچھ وضاحت کرامات کے بیان میں بھی آئے گی، یہاں صرف ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے: (جو کہ اگست ۲۰۰۱ء کو رونما ہوا)

محمد سرور صاحب بیان کرتے ہیں کہ بیعت ہونے کے بعد قدم قدم پر اس کی برکات محسوس کرتا رہا۔ ایک مرتبہ مردووال (شکرگڑھ) سے مسافر لے کر اپنی ٹیکسی میں لاہور جارہا تھا۔ مزنگ چونگی سے پہلے ایک پٹرول پمپ کے قریب ایک موٹر سائیکل مزدے سے ٹکرا گئی۔ ایک نوجوان اپنی عینک اٹھا رہا تھا۔ عین اسی لمحے میری کار وہاں پہنچی ۔یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کار دائیں کرتا تو نوجوان کچلا جاتا، بائیں کرتا تو گاڑیوں سے ٹکرا جاتا۔ بریک لگتے لگتے بھی وقت لگتا ہے۔ بہرحال میری پوری کوشش کے باوجود کار نوجوان پر چڑھ دوڑی اور قریب تھا کہ وہ کچلا جاتا، یکایک یوں محسوس ہوا جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اس نوجوان کو اٹھا کر ایک طرف کھڑا کر دیا

---

۱ شاہد کے معنیٰ حاضر و ناظر پہ اعتراض کرنے والے بھی نمازِ جنازہ کی دعا میں شَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا میں شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کرنے پہ مجبور ہیں۔

ہے۔تاہم معمولی سی ٹکر اسے لگی۔ کچھ نوجوان مجھے مارنے کو دوڑے لیکن جونہی مجھ پر نظر پڑی ، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بہر حال اس نوجوان کو ہسپتال لے جا کر طبّی امداد دلائی اور رات اڑھائی بجے فارغ ہوا۔ صبح حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا، ’سرور صاحب ! آ گئے ہو؟ زیادہ پریشانی تو نہیں ہوئی تھی، چوٹ تو نہیں آئی تھی؟ فکر نہیں کرنی چاہیئے‘۔ آپ نے دو بار فرمایا اور اس دوران آپ مسکرا رہے تھے۔ میرا خیال یقین میں بدل گیا کہ وہ طاقت جس نے ڈیڑھ سو کلو میٹر دور حادثے سے بچایا، نوجوان کو اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا اور لوگوں کو مجھے مارنے سے روکے رکھا، وہ آپ ہی کی ذاتِ اقدس تھی۔ اور میرے سارا واقعہ بیان کرنے سے پہلے ہی آپ کا آگاہ ہونا اور بیان فرمانا، یہ سب آپ کا عظیم تصرّف اور کمالِ علم تھا۔ میں نے عرض کیا، حضور کوئی پریشانی نہیں ہوئی آپ کے صدقے۔

نور و بشریت اور اختیار و تصرّف:

’روشن خیالی‘ کے اس دور میں بعض افراد کے دل اتنے تاریک ہیں کہ نبی اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض اپنے جیسا بشر اور اپنی طرح بے اختیار سمجھنے سے بھی نہیں چوکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بشر بھی ہیں مگر بے مثال بشر، خیر البشر، سید البشر۔ نور بھی ہیں تو اصلِ نور، جانِ نور۔ ان کی بشریت بھی عام نہیں بلکہ ہر عیبِ بشریت سے پاک ہے اور ان کا نور، خدا کے نورِ ذات سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح نہیں کہ خدا کا نور اس کا مادہ ہو بلکہ اس کے فیض سے۔ قرآن فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○..... (سورۃ المائدہ۔ آیت ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

تفسیر ابنِ جریر، تفسیرِ کبیر، تفسیرِ روح المعانی، تفسیرِ جلالین کے مطابق نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب مبین سے مراد قرآنِ عظیم ہے۔

اب مشہور حدیثِ پاک ملاحظہ کیجئے:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ..... (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ مدارج النبوۃ)

ترجمہ: خداوندِ کریم نے سب سے اوّل میرا نور پیدا فرمایا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ازروئے حدیث اسی مضمون کو مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر سوم میں بیان کیا ہے۔ آپ کا استدلال اس حدیثِ پاک سے ہے:

خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰهِ

یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔

اور جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات وتصرّفات کا تعلق ہے تو یہ آپ کے معجزاتِ قاہرہ سے ظاہر ہے۔ یاد رہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں اور خلافت بغیر اختیار و تصرّف کے ممکن ہی نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ○..... (سورۃ ابراہیم۔ آیت ۱)

ترجمہ: ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو اندھیریوں سے اجالے میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے اس کی

راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔

اندھیرے سے مراد کفر وضلالت جبکہ اجالے سے مراد نورِ ایمان ہے۔آیتِ کریمہ کے مطابق دولتِ ایمان وہدایت کا ملنا نبی کے اختیارات سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ط ......

(سورۃ الاعراف۔آیت ۱۵۷)

ترجمہ: اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جوان پر تھے اتارے گا۔ .....(کنز الایمان)

خیال رہے کہ ربّ کائنات نے صرف چند چیزیں سؤر، مردار، وغیرہ حرام فرمائیں باقی تمام خبائث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حرام فرمائے۔یعنی کتا، بلی، گدھا وغیرہم۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم صاحبِ اختیار وتصرّف ہیں کسی چیز کو حرام وحلال قرار دینے میں۔ نیز ایک جگہ قرآن نے فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ..... (سورۃ القمر۔آیت ۱)

ترجمہ: پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند

چاند کو شق (دو ٹکڑے) کر دینا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بہت بڑا تصرف ہے[1]

۱۔تفسیر قرطبی، تفسیر روح المعانی ودیگر کے مطابق انشقاقِ قمر متواتر ہے اور قرآن کی نص سے ثابت ہے۔صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ شک وشبہہ کی گنجائش ہی نہیں۔

ور سورج پلٹانے سمیت اس قدر تصرفات آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے صادر ہوئے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ ہمیں یہاں صرف اپنے شیخ کریم کے نظریات بتانا ہیں۔اس کے لیے دلائل الخیرات، درودِ مستغاث اور درودِ تاج کی طرف آیئے جو کہ آپ کے اوراد و وظائف کا حصہ تھے۔دلائل الخیرات شریف کی ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے یہ اسماءِ گرامی بھی آتے ہیں:

مُخْتَارٌ (صاحبِ اختیار)۔۔۔وَکِیْلٌ (کارساز)۔۔۔کَافٍ (کافی)۔۔۔مُکْتَفٍ (مکتفی)۔۔۔سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ (کونین کے سردار اور فریادرس)۔۔۔شَافٍ (شفا دینے والے)۔۔۔غَوْثٌ اور غِیَاثٌ (فریادرس)

یہ اور اس طرح کے بہت سے اسماء اور صیغہ ہائے درود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اختیارات کا اعلان کرتے ہیں۔نیز دلائل الخیرات شریف میں ہی نُورٌ، سِرَاجٌ، مِصْبَاحٌ وغیرہ اسماء آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نورانیت کا اعلان کر رہے ہیں۔درودِ مستغاث (جو امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانِ حق ترجمان سے مترشح ہے اور اس کا وِرد صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین اور تمام کاملین متقدمین ومتاخرین سے چلا آتا ہے) میں یہ الفاظ بھی دیکھیے:

نُوْرُ اللّٰهِ (اللہ کا نور)، مُنِیْرُ اللّٰهِ (اللہ کے نورانی بندے)، سِرَاجٌ (چراغ)، اٰمِرٌ (حکم دینے والے)، نَبِیٌّ مُخْتَارٌ (مختار نبی) وغیرھم۔

یونہی درودِ تاج میں نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نور ہونا ظاہر ہے تو صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ سے اختیار نیز دَافِعِ

الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ تاج و معراج اور براق والے اور جھنڈے والے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بلا، وبا، قحط، مرض اور دکھ دور ہوتے ہیں) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکل کشائی کا اظہار ہے۔ان مذکورہ اورادو وظائف سے حوالہ جات دینے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آپ کے عقیدے کے بارے میں حتمی دستاویزات ہیں۔

آپ کے نعتیہ کلام میں دیکھئے، اس میں بھی صدہا مقامات پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار وتصرّف اور نورانیت کا اعتراف ہوا ہے:

محبوبِ خدا اے صلِّ علیٰ زندہ بھی ہے اور مختار بھی ہے
کونین میں وہ متصرّف بھی، دارَین کا وہ سردار بھی ہے
ہر حکم ہے اُس کا حکمِ خدا، ہر بات ہے اس کی وحی اللہ
ہر نام اس کا اے نامِ خدا تسکین کا لالہ زار بھی ہے

....

تمہارا نام تسخیرِ دوعالم — تمہارے نام جاگیرِ دوعالم
تمہیں نورِ خدا کہتے ہیں مومن — تمہیں ہو اصلِ تنویرِ دوعالم
تمہارے حسن کی ضوباریوں سے — چمک اٹھی ہے تقدیرِ دوعالم

....

توں ایں رب دا نور مدینے والڑیا
ظلمت کردے دور مدینے والڑیا
(مقطع) نقشِ لاثانی دا صدقہ آسی نوں

کردے نورو نور مدینے والڑیا

انبیاء و اولیاء کے تصرّفات کے حوالے سے "توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات" ایک لاجواب تصنیف ہے۔اس میں آپ نے اس موضوع پر کمال لکھا۔

مقامِ صحابہ واہلِ بیت (رضی اللہ عنہم):

حضورِ اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ علیہم الرضوان کی عزّت وعظمت کو کون بیان کر سکتا ہے جن کی شان میں متعدد آیات اتریں۔رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے) کا تمغۂ امتیاز جنہیں بارگاہِ خداوندی سے عنایت ہوا۔اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی ہیں ٹھیک ٹھیک مومن) کی ڈگری جنہیں ملی اور کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (یعنی اللہ نے سب سے اچھا وعدہ کیا) کی بشارت جنہیں دی گئی۔

اسی طرح اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی شانِ رفیع کا ذکر قرآنِ حکیم کے متعدد مقامات پر آیا ہے۔قرآن نے وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے) کا اعلان انہی کے لیے کیا ہے۔اپنے رسول کے ذریعے اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (مگر اہلِ قرابت کی محبّت) کہلوا کر انہی کی محبّت کو واجب قرار دیا ہے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہی سے وفاداری پر جنّت کی خوشخبری سنائی ہے۔

جہاں تک حضور قبلۂ عالم کے اس ضمن میں نقطۂ نظر کی بات ہے تو حضور بعداز انبیاء صحابہ کرام علیہم الرضوان ہی کے مرتبے کے قائل تھے اور اُمّتِ مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان کے ممتاز ترین مقام پر فائز ہونے کا اثبات کرتے تھے جیسا کہ قرآن و

حدیث کی تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا ہے جس میں آج کل کے نام نہاد مؤرخ و محقق نکتہ چینی کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے حضور کا اس بارے میں عقیدہ وہی تھا جو حضرت شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ کا۔ شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت و عدالت پر زور دیا ہے۔ یعنی جب نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے ان کی صلح ہوگئی تو اب آپ کی امامت و عدالت شک وشبہ سے بالاتر ہوگئی۔ مکتوباتِ حضرتِ مجدّد سے چند سطور ملاحظہ کیجیے:

''در احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحق معاویہ دعا کردہ اند اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ وجائے دیگر دعا فرمودہ اند اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیاً مَھْدِیاً و دعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مقبول''۔ (م۔۲۵۱/دفتر ۱)

ترجمہ: احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتبر راویوں کی سند سے وارد ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے

....

۱۔ ہمارے حضور جب عقائد پر گفتگو فرماتے تھے، قرآن و حدیث سے حوالہ جات کے علاوہ اکثر حضرت شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ کے ملفوظات سے بھی کوئی شہ پارہ پیش فرماتے۔ اس کی تربیت (اور یہ محبت) آپ کو اپنے پیر خانے سے ملی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپ نے کتاب 'مسلکِ امامِ ربانی' خدمتِ شیخ حضور نقشِ لاثانی میں پیش کی تو شیخِ کریم نے بالخصوص وہ باب پڑھوا کر سنا جس میں حضرت امامِ ربانی سیدنا مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کا ذکر تھا۔ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے (شیخ مجدد کے ارشادات سن کر) فرمایا: ''دیکھا! حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ وہی ہونا چاہیئے جو حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے، لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں''۔

حضرت معاویہ کے حق میں یوں دعا فرمائی، ''اے اللہ! انہیں کتاب و حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا، اور دوسرے مقام پر یوں دعا فرمائی، 'اے اللہ! اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا'۔ اور حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دعا ضرور مقبول ہے''۔

حضور نے مولانا مودودی کے خلاف مضامین لکھے تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ موصوف نے اپنی کتاب 'خلافت و ملوکیت' اور دیگر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع صحابہ کی عزت و عظمت پر رکیک حملے کیے ہیں۔ بہرحال حضور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے معاملے میں بہت حسّاس تھے۔ چنانچہ ایک نہایت ممتاز آستانے کے ایک 'پیر' صاحب (جن سے آپ کا گہرا تعلق تھا) نے جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد ازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے دریدہ دہنی سے کام لیا، تو اول تو آپ نے ان سے بالمشافہ مل کر انہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو تاحیات ان سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب ان صاحب نے جا بجا آپ کے خلاف تقریریں شروع کر دیں۔ آپ نے اپنی ذاتِ اقدس پر حملوں کی کوئی پروانہ کی البتہ ان کے 'مار گزیدہ' علاقوں میں جا کر فضائلِ صحابہ علیہم الرضوان سنانے کے لیے محافل کا انعقاد کرواتے رہے اور ان کے 'سحرِ خطابت' سے مسحور کوئی شخص آپ کو ملتا تو قرآن و حدیث سے صحابہ کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرتے۔

یونہی آپ کا نبی کریم رءوف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہلِ بیت سے جوشِ محبت کا اظہار الفاظ سے بالاتر ہے۔ آپ اہل بیت کے تمام افراد کی محبت و الفت کو سرمایۂ

نجات قرار دیتے تھے اور اس میں بھی حسبِ عادت حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

''اس فقیر کے والد جو ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے، اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ یہ فقیر آپ کے وصال کے وقت حاضرِ خدمت تھا۔ جب والدِ ماجد کا آخری وقت آیا اور اس عالمِ دنیا کا شعور کم رہ گیا تو فقیر نے محبتِ اہلِ بیت کی یاد دلائی اور اس کے متعلق پوچھا تو (بیخودی میں) فرمایا، میں اہلِ بیتِ عظام کی محبت میں مستغرق ہوں، اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت کا سرمایہ ہے۔''

.... (مکتوب ۳۶، دفتر دوم)

حضور کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جمیع ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، شہزادے، شہزادیاں، نواسے، نواسیاں، سسر، داماد سب اہلِ بیت میں داخل تھے۔ سب کا اکرام بڑھ چڑھ کر فرماتے تھے۔ سب کے ایامِ وصال پر آستانہ عالیہ پر تقریبات کا اہتمام ہوتا تھا۔ اور ان کے فضائل سنانے والوں کو خوب نوازا جاتا تھا۔ ان کے وسیلے کو دعا کی قبولیت کی سند ٹھہرایا جاتا تھا۔

جو بدبخت قبیلہ محض سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شہزادوں ہی کو اہلِ بیت گردانتا تھا اور باقی کو بالخصوص ازواجِ مطہرات کو اس سے خارج قرار دیتا تھا، آپ نے اس کی خوب پکڑ کی۔ اس کے اس عقیدے کے تدارک کے لیے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ چنانچہ اس فکر کے حاملین کو ہر دور میں آپ سے عناد رہا اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ تاہم

آپ نے ان کی رتی بھر پروانہ کی اور تا حیات جملہ اہلِ بیت کی محبت کی خوشبو سے ایک جہاں کو معطر کرتے رہے۔

آپ کو حضور امام الانبیاء حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی پیاری صاحبزادی صاحبہ مخدومۂ کائنات، ملکۂ فردوسِ بریں، نورِ چشمِ رحمۃ للعالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کمال الفت و عقیدت تھی۔ اور ان کے لختِ جگر، نورِ دیدۂ بتول، جگر گوشۂ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یومِ شہادت (۱۰ محرم الحرام) پر تو سوز و گداز کا ایک عجیب عالم ہوتا تھا۔ ذکرِ شہادتِ امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے وقت آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل بہہ رہی ہوتیں۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا کہ جسمِ پاک کا رواں رواں سوگوار و غمناک ہے۔ پھر جب آپ ذکرِ شہادت کرتے تو کس آنکھ میں تاب ہوتی کہ اشکوں کا سیلاب روک سکے۔

آپ نے گستاخانِ اہلِ بیت کی خوب خبر لی۔ آپ کی تحاریر اور تقاریر اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کے عقائدِ باطلہ کے رد میں آپ کا برق بار قلم کس طرح ان پر بجلیاں گراتا رہا اور زبانِ اقدس انہیں جہنم کی آگ کی خبر دیتی رہی۔

آپ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے کہ آپ کے پیر کامل بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی آل کا ایک فرد تھے یعنی ساداتِ کرام میں سے تھے اور وہ بھی حسنی حسینی سید۔

تصورِ شیخ: تصورِ شیخ (یا رابطہ شیخ) سے مراد شیخ کی صورت کا اپنے سامنے یا دل کے اندر نگاہ رکھنا ہے خواہ شیخ سامنے نہ ہو۔ جب رابطہ کا غلبہ ہوتا ہے تو مرید اپنے تئیں

عین شیخ دیکھتا ہے اوراس کے لباس وصفت سے موصوف پاتا ہے اور جدھر دیکھتا ہے شیخ ہی کی صورت دیکھتا ہے اسے فنافی الشیخ کہتے ہیں جوفنافی اللہ کا مقدمہ ہے۔

درودیوار چو آئینہ شداز کثرت شوق
ہر کجا مےنگرم روے ترا مےبینم

ترجمہ: کثرتِ شوق سے درودیوار آئینے کی مانند ہوگئے ہیں۔جدھر دیکھتا ہوں، تیرا ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔

رابطہ صحبت کی طرح مستقل طریق وصول الی اللہ کا ہے اور انصباغ وانعکاس کے لیے کافی ہے کیونکہ رابطہ سے شیخ کے ساتھ نہایت مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اوراسی مناسبت کی وجہ سے اس کے باطن سے اخذ فیوض کرتا ہے۔اسی واسطے حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں:

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق

اس سایۂ رہبر سے اشارہ طریقۂ رابطہ کی طرف ہے جس سے مراد صورتِ شیخ کا آئینۂ دل میں محفوظ رکھنا ہے۔مبتدی کے لیے طریقۂ رابطہ ذکر سے مفید تر ہے اگرچہ ذکر بذاتِ خود شرافت وفضیلت رکھتا ہے۔اس کی تشریح حضرتِ مجدد علیہ الرحمہ یوں فرماتے ہیں:

''بیچارہ مرید چونکہ عالمِ سفلی میں گرفتار ہے، اس سبب سے عالمِ علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تاکہ حضرتِ باری سے بغیر واسطہ کے فیوض وبرکات اخذ کرے۔اُسے دوجہت والا واسطہ درکار ہے جو عالمِ علوی سے بہرہ ور ہوکر مخلوق کی دعوت وارشاد کے لیے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو اور پہلی مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوض

اخذ کرکے دوسری مناسبت کی بناپر لائق مریدوں تک پہنچائے۔اس لیے طالبِ رشید شیخ کے ساتھ جتنی زیادہ مناسبت رکھے گا، اُس کے باطن سے اتنا ہی فیض یاب ہوگا اور جو چیزیں شیخ کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے والی ہیں، رابطہ اُن میں سب سے بڑا ہے''۔(مکتوبات۔ج ا۔مکتوب ۷۸)

نیز فرمایا:

''صاحب ایں معاملہ مستعدتام المناسبت ست'' (دفتر دوم۔مکتوب نمبر۳۰)

یعنی صاحبِ طریقِ رابطہ، صاحبِ استعداد اور کامل مناسبت کا حامل ہوتا ہے۔

حضرت مجدد پاک ہی فرماتے ہیں:

''اگر بوقتِ ذکرِ الٰہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہوتو اسے بھی دل میں لے جائے اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے''۔(مکتوبات۔مکتوب ۱۹۰۔دفتر اوّل)

المختصر! خداتعالیٰ کے ذکر کے لیے جس خشوع وخضوع کی ضرورت ہے، تصورِ شیخ اس میں بہت ممد ہے اور اس کی روحانیت مرید کے ذوق وشوق اور استعداد میں اضافہ بھی کرتی ہے۔نیز شیطان کے مکر سے محفوظ بھی رکھتی ہے۔مخالفین اسے بھی کم ازکم شرک ضرور کہتے ہیں۔حالانکہ اس کی اصل قرآنِ پاک میں موجود ہے۔مثلاً:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ج وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰبُرْهَانَ رَبِّهٖ ط.....
(سورۂ یوسف۔آیت ۲۴)

ترجمہ: اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ (یوسف علیہ السلام) بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

یہاں برہان یا دلیل سے کیا مراد ہے؟ صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

اس کی تفسیر میں یہ روایت درج کرتے ہیں:

''جس وقت زلیخا آپ کے درپے ہوئی، اس وقت آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشتِ مبارک دندانِ اقدس کے نیچے دبا کر اجتناب کا اشارہ فرماتے ہیں''.....

(خزائن العرفان۔ص ۴۲۹)

گویا والدِ کریم کے تصوّر نے اجتنابِ گناہ کی تحریک کو اور بھی تقویت دی اور یہی اصل ہے تصوّرِ شیخ کی۔

اسی طرح قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ.......(التوبہ:۱۱۹)

ترجمہ: اور سچوں کے ساتھ ہو.......(کنزالایمان)

کینونیت اور صحبت دو قسم پر ہے۔ کینونیتِ ظاہری اور کینونیتِ باطنی۔ طریقِ رابطہ کینونیتِ باطنی کا نام ہے۔ طریقِ رابطہ (تصورِ شیخ) کے ثبوت میں یہ حدیث بھی دلیل ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم یُحْكِیْ نَبِیًّا ------

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف کہ آپ حکایت فرماتے ہیں حال ایک نبی کا منجملہ انبیاء کے۔

اس حدیث کا یہ جملہ ''گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف'' اس

حالت (غائب کو خیالِ نظر سے مثلِ حاضر کے دیکھنا) کی طرف اشارہ ہے، جو حقیقت ہے طریقِ رابطہ اور تصوّرِ شیخ کی۔ یہ حالت کبھی خود بخود طاری ہو جاتی ہے اور کبھی تکلف کے ساتھ پیدا کی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقِ رابطہ کے ثبوت پر دلائل پیش فرمائے ہیں۔ (مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اول۔ مکتوب نمبر ۱۶۵)

القول الجمیل (مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ) کی ایک عبارت بھی ملاحظہ ہو:

اِذَا غَابَ الشَّیْخُ عَنْهُ یخیل صُوْرَته بَیْنَ عَیْنَیْهِ بِوَصْفِ الْمَحَبَّةِ وَالتَّعْظِیْمِ فَتُفِیْدُ صُوْرَته مَا تُفِیْدُ صُحْبَته

یعنی جب شیخ غائب ہو تو اس کی صورت اپنے پیشِ نظر محبت و تعظیم کے ساتھ تصوّر کرے۔ جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ صورت دے گی۔

یونہی شفاء العلیل میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ کا ایک قول ہے:

''حق یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب تر ہے''۔

حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ تصورِ شیخ کے بہت حامی تھے۔ آپ کا اپنا عمل یہ تھا کہ فرماتے جب کسی چیز پر دم کرتا ہوں تو حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کا تصوّر کر لیتا ہوں۔ کسی درویش کو کسی مریض کے ہاں دم کے لیے بھیجنا ہوتا تو تلقین فرما دیتے کہ سورہ فاتحہ (اور کبھی سورہ اخلاص، سورۃ ناس، سورۃ فلق وغیرھم) پڑھ کر، اوّل آخر درود شریف پڑھ کر، چند بار 'یا قبلۂ عالم حضور نقشِ لاثانی شیئاً للّٰہ' پڑھو اور حضرت صاحب (حضور نقشِ لاثانی) کا تصور کر کے پھونک مارو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔

حضور کا ایک لاجواب ارشاد سنیئے اور سر دھنئے:

''کوئی شخص اس وقت تک بارگاہِ ربّ العزّت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ نہ بنائے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک بارگاہِ رسالت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اپنے پیر تک نہ پہنچے/پہچانے (رابطہ)۔ اور کوئی بھی شخص اس وقت تک اپنے پیر کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ تمام لوگوں کو پیر کے علاوہ مردہ خیال نہ کرے اور الحمدللہ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ ہمارے پیر ہیں'' (یعنی میری نظر میں بھی ایسا ہی ہے)۔ (۱۳ دسمبر ۱۹۹۷ء)

رشید پورہ شکر گڑھ میں مولانا غلام مصطفٰی مجددی صاحب کے مکان میں جبکہ کافی تعداد میں ارادتمند موجود تھے، آپ نے رابطۂ شیخ کی افادیت یوں بیان کی:

''قلب کا تزکیہ شیخ کی مدد (ورابطہ) کے بغیر نہیں ہوسکتا چاہے جتنا بھی زور لگالو''۔ (۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء)

ایک مرتبہ کسی بزرگ کا سالکینِ راہِ طریقت کے لیے یہ قول بھی سنایا:

''تصورِ شیخ اپنے دل میں تھوڑا سا ہی جما کر تو دیکھ، اگر چہ یہ کام مشکل ہے لیکن پھر دیکھنا کہ تمہاری نسلیں بھی یاد کریں گی''۔

المختصر! تصوّرِ مرشد سے قلب وجاں پراگندہ تخیلات سے صاف وطاہر ہوجاتے ہیں اور جسدِ انسانی انوارِ الٰہی سے معمور ہوجاتا ہے۔ انسان عالمِ سفلی سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اپنے آپ کو دنیائے فانی کی محبت سے یکسر الگ کرلیتا ہے کہ اس حسنِ جہاں آراء کا دیدار نصیب ہوجائے، اور یہ پیش خیمہ ہے ذاتِ باری ومصطفوی کے عرفان کا۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی   شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

ترجمہ: اس چاند سے پلک جھپکنے کے برابر بھی غافل نہ ہو۔ شاید کہ وہ نگاہ کریں اور تو اس سے بے خبر رہے۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ رابطۂ شیخ اور تصورِ شیخ کے اس مفہوم سے پوری طرح آگاہ اور اس کی افادیت کے قائل تھے۔ یوں تو لاتعداد سالکانِ راہِ طریقت اس مختصر ترین راستے (شارٹ کٹ یعنی تصورِ شیخ) سے ہوکر بلند ترین منازل تک پہنچے ہیں اور اس ضمن میں مختلف النوع ادائیں اپنائیں تاہم 'تصورِ شیخ' کا کمال اور منفرد وممتاز ترین انداز حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی اس ادا سے نمایاں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے غلام مرشد صاحب کو ایک خاص کیفیت میں اپنی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو نہ بتانے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا، 'میں کبھی کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میں ایک۔۔۔ ہوں جس کی رسی میرے مرشد کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جیسے/جدھر چاہتے ہیں، اسے ہلاتے ہیں''۔

یاد رہے کہ راقم الحروف کے لیے مذکورہ بالا بات نقل کرنا اتنا آسان نہیں تھا، تاہم اگر اسے بیان نہ کیا جاتا تو آپ کی ذاتِ اقدس کے اس منفرد پہلو پر پردہ رہتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض لوگ لفظ 'سگ' کے استعمال پر چیں بہ چیں ہوتے ہیں تاہم بڑے بڑے بزرگوں نے خود کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اپنے مرشد کا سگ کہا ہے۔ گویا یہ اکابرین کی سنت ہے۔ مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی 'گلستان' اور 'بوستان' ملاحظہ فرمائیے۔

حضور کا یہ قول بھی نہایت لطیف ہے کہ ''میری تو فقط یہ آرزو ہے کہ حضور (نقشِ لاثانی) آپ کو دیکھتا رہوں جبکہ جملہ مسائل آپ حل کریں۔ جو شخص، جیسی بھی حاجت لے کر آئے، اسے آپ پورا کریں''۔

زیارتِ قبور:

زیارتِ قبور کے حوالے سے اہلِ حق کا یہ عقیدہ ہے کہ ابتداء میں اس کی اجازت نہ تھی، کیونکہ عرب کے دورِ جاہلیت میں مشرکانہ رسم ورواج سے یہ عمل آلودہ تھا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عقیدۂ توحید خوب اچھی طرح صحابہ کرام کو ذہن نشین کرادیا اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنی امت کی طرف سے شرک کا ذرّہ برابر بھی ڈر نہ رہا تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حدیثِ پاک ملاحظہ کیجیے:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا..... (مسلم شریف، کتاب الجنائز حدیث ۲۲۵۷)

ترجمہ: حضرت بُریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا' میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں) ان کی زیارت کرو۔

ابنِ ماجہ میں اس عبارت کے بعد یہ الفاظِ نبوی بھی ہیں:

فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَ تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ

ترجمہ: اس لیے کہ وہ (زیارتِ قبور) دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

اس طرح کی متعدد احادیث کتبِ احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ جن سے صالحینِ اُمت کے علاوہ والدین کی قبور کی زیارت کو باعثِ حصولِ رحمتِ خداوندی

قرار دیا گیا ہے۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ زیارتِ قبور کے سلسلے میں یہ اہتمام فرماتے تھے کہ سال میں ایک مرتبہ ملتان شریف، اُچ شریف اور دیگر مزارات پر جایا کرتے تھے۔ پیر خانے کی بلاناغہ حاضری میں حضور شاہِ لاثانی وعلیہ الرحمہ کے مزارِ پرانوار پر حاضری بھی شامل تھی۔ بلکہ پھر یوں ہوا کہ آپ کی ہمشیرہ محترمہ جو نہایت صالحہ و عابدہ و زاہدہ اور مستجاب الدعوات خاتون ہیں، نے خواب میں ایک ہستی کی زیارت کی اور پہچان لیا کہ حضور شاہِ لاثانی ہیں۔ جنہوں نے فرمایا کہ 'یہ اِدھر اُدھر کیوں پھرتے ہیں، ان کا کام تو میرے ذمہ ہے'۔ چنانچہ اب علی پور سیداں شریف کی حاضری پر اکتفا کیا جانے لگا۔ البتہ چورہ شریف جو حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ ہی کا پیر خانہ اور ملکِ پاکستان میں نقشبندی انوار و تجلیات پھیلانے کا سب سے بڑا مرکز ہے، میں سالانہ عرس کے موقع پر حاضری آپ کا معمول تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ جبکہ عرسِ پاک کے دنوں میں آپ کی طبیعت مبارکہ ناساز تھی، فرمایا کہ اس مرتبہ جانے کا ارادہ نہیں تھا تاہم جب حاضری کی نیت کر لی تو طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی۔ گویا نہ تو آپ کی طبیعتِ مبارکہ نے شیخ المشائخ حضرت باواجی چوراہی علیہ الرحمہ پر غیر حاضری کو برداشت کیا اور نہ صاحبِ مزار اس بات پر راضی تھے۔ یہ بات آپ کے اس مضبوط روحانی تعلق کی آئینہ دار ہے جو آپ کو آفتابِ چورہ شریف سے تھا۔

البتہ عرسِ مقدس کے دنوں میں خواتین کا مزارات پر حاضری دینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ اختلاطِ مردوزن کا خدشہ اور بے پردگی کا احتمال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ سیالکوٹ کالج میں پڑھائی کے

دوران ایک مرتبہ میں حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ کے دربارِ پُرانوار پر حاضر ہوا تو اپنے فلسفہ زدہ استاد پروفیسر تجمل حسین راٹھور (ایم اے انگلش) کو رات گئے وہاں دیکھا ۔میری حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ ان کے مزاج سے قطعی طور پر یہ بات لگا نہ کھاتی تھی۔ میں نے کہا، ''سر آپ ادھر کیسے؟'' تو کہنے لگے، ''آسی صاحب! مجھے یہاں سکون ملتا ہے''۔

عرس وختم:

ایصالِ ثواب شرعاً جائز بلکہ سنت ہے۔ احادیثِ متواترہ اس پر شاہد ہیں۔
عرس وختم اسی (ایصالِ ثواب) کی دو شکلیں ہیں۔ عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخِ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی وصدقات کا ثواب پہنچانا۔ احادیثِ رسول اور اقوالِ فقہاء اس کے جواز میں بہت ہیں۔ مثلاً شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے:

رَوَی اِبْنُ اَبِی شَیْبَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِی قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر سال شہداءِ احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

تفسیرِ کبیر اور تفسیرِ دُرِّ منثور میں ہے:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ كَانَ يَأْتِی قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَیَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالْخُلَفَآءُ الْاَرْبَعَۃُ هٰكَذَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اولیاءِ کرام نے اپنی تصانیف میں اپنے مشاہدات سے بھی ان کے فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا فرمان ہے، ''اللہ پاک نے قسم اٹھائی ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ کے وصال کے دن ختم دے خواہ ایک ہی مسکین کو کھانا کھلائے، اس کا رزق کم نہ ہوگا''۔ (انوارِ لاثانی)

حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسلاف وعلماءِ حق کی طرح عرس وختم کے جواز کے حامی تھے۔ ('زیارتِ قبور' میں اس کی تفصیل آچکی، یہاں مزید اتنا دیکھ لیں کہ) ہر سال ۲ ذی الحجہ کو اپنے شیخ قیوم زمانی حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے یوم وصال پر اپنے آبائی گاؤں پھگواڑی شریف اور نقشِ لاثانی نگر میں سکونت کے بعد وہاں عرسِ مبارک کی تقریب کا انعقاد کرواتے تھے۔ جس میں جید علماءِ کرام اور نعت خوان حضرات آتے اور نہایت ایمانی، وجدانی اور نورانی محفل پاک ہوتی۔ عارفِ حقانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ نقشِ لاثانی بنفسِ نفیس اس کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔

حضور جہاں بھی رہے ہر نمازِ جمعہ کے بعد تا نمازِ عصر عرسِ حضور نقشِ لاثانی کی ہفتہ وار مختصر محفل کرواتے رہے۔ اور بعد نمازِ عصر بڑے پیمانے پر لنگر شریف کی تقسیم ہوتی۔ (حضور اس لنگر شریف کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے نیز کثیر برکات کا حامل گردانتے) یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یونہی سال بھر میں کثیر تعداد میں

اعراس اور ختم کی تقریبات میں آپ کی شرکت اس بارے میں آپ کے موقف کا ثبوت و اظہار ہے۔

نذرِ شرعی وعرفی:

اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے، نذرِ شرعی نہیں، نذرِ عرفی ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں نذرانہ۔ جیسے کوئی اپنے استاد سے کہے، جناب یہ آپ کی نذر ہے۔ یہ بالکل جائز ہے۔ جس سے منع کیا گیا وہ نذرِ شرعی ہے۔ اس میں جس کے نام کی نذر مانی جائے، اسے معبود سمجھا جاتا ہے۔ معبود سمجھ کر نذر ماننا نذرِ شرعی ہے اور یہ غیر اللہ کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ البتہ نذرِ عرفی میں کوئی قباحت نہیں۔ (کتبِ علماءِ اہلسنت اس کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں)۔

حضور مفکرِ اسلام کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ یعنی آپ نذرِ عرفی میں قباحت نہ سمجھتے تھے۔ اپنے شیخ اور دیگر بزرگانِ دین کو نذر پیش کرنا آپ کے اطوار میں سے تھا۔ کئی افراد کو ان کے مسائل کے حل کے لیے اپنے شیخ کے مزار پر نذر ماننے کی تلقین فرماتے اور یہ افراد بھی اس عمل کو نفع بخش پاتے۔ حضور شاہِ لاثانی قدس سرہ کا یہ واقعہ بھی آپ سے سنا گیا جو نذرِ عرفی کے حوالے سے آپ اور آپ کے اسلاف کے نقطۂ نظر کو واضح کرتا ہے:

''موضع چندر کے میں منشی غلام غوث صاحب اور ان کے دو ساتھیوں پر لوگوں نے مقدمہ دائر کر دیا اور عدالت نے تینوں پر فردِ جرم عائد کر دی۔ منشی صاحب کی والدہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے لیے التجا کی۔ آپ نے فرمایا 'بی بی! حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے روضے پر پچیس روپے نذر مانو تا کہ خداوندِ کریم آپ کے طفیل

تمہارے لڑکے کو بَری کر دے'۔ انہوں نے ایسا ہی کیا (یعنی یہ نذر مانی کہ اگر میرا لڑکا رہا ہو گیا تو پچیس روپے بطور شکرانہ سرہند شریف پیش کروں گی)۔ جب فیصلے کا دن آیا تو دوسرے دو مجرموں کو پچیس پچیس روپے جرمانہ ہو گیا اور منشی صاحب صاف بری ہو گئے۔ گویا آپ کے تصرّف نے جرمانے کو نذرانے میں تبدیل کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 11

معمولاتِ مبارکہ

فوائد وفضائلِ ذکر:

گر تو خواہی زیستن با آبرو
ذکرِ اُو کن، ذکرِ اُو کن، ذکرِ اُو

(اگر تو باعزّت جینا چاہتا ہے تو اس کا ذکر کر، اس کا ذکر کر، اس کا ذکر کر)

اس میں ہرگز شک نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مگر اس کا اشرف المخلوقات ہونا اس جوہرِ ملکوتی پر منحصر ہے جسے دل کہتے ہیں:

دل چہ باشد مطلعِ انوارِ حق — دل چہ باشد منبعِ اسرارِ حق
دل بود مرآتِ ذاتِ ذوالجلال — در دلِ صافی نماید حق تعال

ترجمہ: دل کیا ہے؟ انوارِ حق کا مطلع۔ دل کیا ہے؟ اسرارِ حق کا منبع۔
دل ذاتِ ذوالجلال کا آئینہ ہے۔ پاک وصاف دل میں تو اللہ تعالیٰ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

دل عالمِ باقی سے ہے جب کہ باقی جسم اس عالمِ فانی سے مناسبت رکھتا ہے۔
نبی کریم رؤف رّحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْب .....
(بخاری ومسلم)

ترجمہ: بے شک (انسانی) جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے کہ جب وہ سنور جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ

جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ (پارۂ گوشت) دل ہے۔

دل کو سنوارنے یا ٹھیک کرنے کی کیا صورت ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنئے:

لِکُلِّ شَیْئٍ صَقَالَۃٌ وَ صَقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ..... (بیہقی شریف)

ترجمہ: ہر چیز کو پاک کرنے والی کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو پاک کرنے والی چیز یادِ خدا تعالیٰ ہے۔

اللہ کریم نے قرآنِ پاک میں سلسلۂ نبوت کے اجراء کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان میں ایک واضح مقصد تزکیۂ نفوس ہے۔ فرمایا یُزَکِّیْکُمْ (وہ تمہیں پاک کرتے ہیں)۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا، اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ" (الغاشیہ)۔ یعنی تم تو ذکر (یا نصیحت) ہی سنانے والے ہو۔

نبی کی نیابت میں ولی کا بھی یہی منصب ہے۔ جسے قرآن نے یوں ارشاد فرمایا:

فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا۔ یعنی یہ (دلوں میں) 'ذکر' ڈالنے والے ہیں۔

الختصر! نبی اور ولی، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو پاک اور بیدار رکھتے ہیں اور اس بیدار دل کی یہ خاصیت ہے کہ بقولِ اقبال:

دلِ بیدار فاروقی ، دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

ذکر اللہ کے فوائد: اللہ کریم جل شانہٗ کے ذکر کے فوائد کا احاطہ کرنا انسانی

طاقت سے باہر ہے۔ تاہم کتاب وسنت کی روشنی میں چند پیش کیے جاتے ہیں:

(ا)۔ اللہ کا ذکر کرنے والا ہر دلعزیز بن جاتا ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ٥... (پ۲۔البقرہ ۱۵۲)

ترجمہ: تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو، میری ناشکری نہ کرو۔

اور حدیثِ مصطفوی ہے:

وَمَا اَقْبَلَ عَبْدٌ عَلَی اللّٰہِ بِقَلْبِہٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِیْنَ تَنْقَادُ اِلَیْہِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَۃِ..... (ترمذی شریف)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے (ذکر و یاد کرے)، مگر اللہ تعالیٰ مومنین کے قلوب کو اس کی طرف محبت اور مہربانی کے ساتھ متوجہ اور مطیع کر دیتا ہے۔

یاد رہے کہ ذکر کی تین اقسام ہیں۔

ذکرِ لسانی: جس میں تسبیح، تقدیس، ثنا وغیرہ شامل ہیں۔

ذکرِ قلبی: خداوند قدوس کی نعمتوں کو یاد کرنا، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کے دلائلِ قدرت میں غور کرنا، علماء کا استنباطِ مسائل کرنا اس میں داخل ہے۔

ذکر بالجوارح: یعنی اعضا کا اطاعتِ الٰہی میں مشغول ہونا جیسے حج کے لیے سفر کرنا۔

یاد رہے کہ نماز ذکر کی ان تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔ بہر حال ذکر کسی بھی شکل میں کیا

جائے،

اللہ کریم ذاکر کو خلقِ خدا میں ہر دلعزیز کر دیتا ہے۔

(۲)۔ **کامیابی کی ضمانت:** اللہ تعالیٰ کے ذاکر کو دین و دنیا میں مکمل کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔اس مکمل کامیابی کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ٥ وَ ذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی.....(سورۃ الاعلیٰ)

ترجمہ: بے شک کامیاب ہوا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر یہ الفاظ موجود ہیں:

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ٥.....(پ۲۸ جمعہ ۱۰۔پ۱۰ انفال ۴۵)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

(۳)۔ **بخشش اور اجرِ عظیم:** ارشادِ ربانی ہے:

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا٥.....(الاحزاب۔۳۲)

ترجمہ: اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(۴)۔ **اطمینانِ قلب:** انسانی دنیا کا ایک بڑا مسئلہ اطمینانِ قلب ہے۔اطمینانِ قلب نہ تو کثیر مال و دولت سے متعلق ہے اور نہ جاہ و منصب یا کثرتِ وسائلِ دنیوی سے۔حتیٰ کہ جبہ و دستار اور علم و فضل بھی حقیقی سکون کے ضامن نہیں۔اس قدر پیچیدہ مسئلے کا دو لفظی

حل قرآن نے ان الفاظ میں پیش کیا:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ٥.....(الرعد۔پ۱۳)

ترجمہ: سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

(۵)۔ **ذکرِ خدا زندگی بخش ہے:** اس حقیقت کا اعلان زبانِ نبوت سے یوں ہوا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مِثْلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ.(بخاری و مسلم)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کرنے والے اور یاد نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

(۶) **شرحِ صدر:** ارشادِ عالیشان ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ٥.....(الزمر۔آیت۲۲)

ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے، اس جیسا ہو جائے گا جو سنگدل ہے۔تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں۔وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۷)۔ **ذاکر جیتے جی اپنا ٹھکانہ جنت میں دیکھ لیتا ہے:**

حضرت مالک سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے:

ذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ کَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ

الْفَارِّيْنَ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِى شَجَرٍ يَابِسٍ وَ فِىْ رِوَايَةٍ مِثْلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَآءِ فِىْ وَسْطِ الشَّجَرِ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِىْ الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِىْ بَيْتٍ مظلمٍ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِىْ الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهُ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ فِى الْجَنَّةِ وَهُوَ حَىٌّ" وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَّ اَعْجَمَ وَالْفَصِيْحُ هُوَ اٰدَمُ وَالْاَعْجَمُ الْبَهَائِمِ.

ترجمہ: غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں میں لڑنے والا اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سبز شاخ اور ایک روایت کے مطابق درختوں کے درمیان ایک سبز درخت اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں روشن چراغ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے کہ اللہ اسے زندگی میں اس کا جنتی ٹھکانہ دکھا دیتا ہے۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو فصیح اور گونگے کی گنتی کے برابر بخش دیا جاتا ہے۔ فصیح سے مراد انسان اور گونگوں سے مراد چوپائے ہیں۔

(۸)۔ **معیت خداوندی:** خداوند قدوس کے ذکر کا ایک اور بہت بڑا فائدہ دیکھئے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَا مَعَ عَبْدِىْ اِذَا ذَكَرَنِىْ وَ تَحَرَّكَتْ بِىْ شَفَتَاهُ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: میں اپنے بندوں کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے دونوں ہونٹ میری وجہ سے حرکت کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث جس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اسی مضمون کی مؤید ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِىْ فَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِىْ نَفْسِىْ وَ اِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِىْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ..... (بخاری ومسلم)

ترجمہ: کہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے گمان سے بھی زیادہ قریب ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

(۹)۔ **بہترین عمل ذکر خدا تعالیٰ ہے:**

سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكٰهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَ يَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى..... (ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

ترجمہ: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام اعمال سے بہتر ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو اور تمارے تمام درجات میں بلند تر ہو اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اچھا ہو اور اس حال سے بھی افضل ہو کہ تم اپنے دشمنوں کا سامنا کرتے ہوئے ان کو قتل کرو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں (حضور ضرور ارشاد فرمائیے)۔ فرمایا (وہ بہترین عمل) ذکر اللہ ہے۔

(۱۰)۔ ذاکر کا ہمنشین بھی بدبختی سے محفوظ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ذکرِ خدا تعالیٰ کی عظمت نہایت پیارے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس حدیثِ پاک کا آخری حصہ دیکھئے:

قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ..... (بخاری شریف)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں

سے فرماتا ہے، کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان (ذاکرین) کو بخش دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی ہے جو کسی کام سے وہاں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ذکر کرنے والے وہ ہیں کہ ان کا ہمنشین بھی بدبختی سے محفوظ رہتا ہے۔

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ

ترجمہ: ان ذاکرین کے طفیل ان کا ہمنشین بھی بدبختی سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۱)۔ ادائے شکر:

ایک حدیثِ قدسی ذکرِ خدا تعالیٰ کو شکرِ خدا ٹھہرا رہی ہے:

اِذَا ذَكَرْتَنِيْ شَكَرْتَنِيْ وَاِذَا نَسِيْتَنِيْ كَفَرْتَنِيْ

ترجمہ: (اے میرے بندے) جب تو نے مجھے یاد کیا تو گویا میرا شکر ادا کیا اور جب تو مجھے بھول گیا تو گویا تو نے کفرانِ نعمت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے ذکر کو اپنا شکر قرار دیا وہاں قرآن میں شکر کی جزا عطائے بے حساب ٹھہرائی۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ..... (سورہ ابراہیم۔ پ۱۲)

ترجمہ: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

(۱۲)۔ ذکر باعثِ نزولِ سکینہ ورحمت:

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله تعالىٰ عليه واٰله وسلم
لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَ
غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ
اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ..... (مسلم شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، کوئی قوم ذکر کے لیے نہیں بیٹھتی مگر ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے قریبی فرشتوں میں فرماتا ہے۔

ذکر کے درجات:

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑی شرح و بسط سے اپنے مکتوبات میں ذکر کے درجات بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ان کی تحریر سے استفادہ کرتے ہوئے محض چند باتیں گوش گذار کی جارہی ہیں۔

قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ..... (سورہ الکہف)

ترجمہ: اور یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے۔

'اہلِ ذکر' ان الفاظِ قرآنی کا مفہوم ذرا مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ذکرِ خدا کرنے والے کو چاہئے کہ سب کچھ ذہن سے نکال کر اپنے رب کو یاد کرے۔

گویا ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہوا۔ ''اور ذکر کر اپنے رب کا جب تو (ماسوا کو) بھول جائے''۔

یہ ذکر کا پہلا درجہ ہے۔

اگلی منزل یہ ہے کہ ذکرِ خدا کی محویت میں انسان اپنے آپ کو بھی بھول جائے۔ اس اعتبار سے آیت کا ترجمہ ہوگا:

''اور یاد کر اپنے رب کو جب تو اپنے آپ کو (بھی) بھول جائے''

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ دعا گو ہیں:

ایسا گما دے ان کی وِلا میں خُدا ہمیں
ڈھونڈا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

یہ ذکر کا دوسرا درجہ ہے۔

ذکر میں محویت کا اگلا مقام یہ ہے کہ 'ذکرِ حق' ذاکر کے رگ و ریشہ میں یوں سما جائے کہ اسے ذکر کا بھی احساس نہ ہو۔

یہ ذکر کا انتہائی درجہ ہے۔

ذکر کون سا ہو اور کیسا ہو؟

اس سوال کا جواب اس مختصر سی مثنوی میں دیا گیا ہے جو حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ نے اپنے خلیفۂ مجاز مولوی فضل الٰہی مرحوم کو لکھوائی تھی:

جو فرمادے تجھ کو پیر — اس پر چلے تو ہو فقیر
آدھی رات اٹھ بیٹھے سالک — چارکوٹ کا ہووے مالک
پڑھے تہجد نال نیازے — دل حاضر اور نال گدازے

کلمہ پاک کا کرے تکرار　　ایک ہزار یا تین ہزار
اللہ اللہ اتنا کہے　　اللہ رہے اور آپ نہ رہے
پرسش اس کی پیرسوں پاوے　　جو لکھنے میں رسم نہ آوے
سنت عصر کی ترک نہ کرے　　تو گوئی میداں سوکھڑے
عارف ہووے پورا پورا　　تا دوڑاوے عرش پہ گھوڑا
عارف ہووے تو ایسا ہووے　　ادب صورت کا پورا ہووے

یہ جو فرمایا 'اللہ رہے اور آپ نہ رہے' ، ذکر میں فنا ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد بقا ہے۔ غفلت کے تمام پردے چاک ہو چکے، حجابات اٹھ چکے، دل زندہ و بیدار ہو چکا، اب عارفِ کامل بالکل غیر محسوس طور پر یادِ حق میں مگن ہے۔ بظاہر وہ بازار میں چل رہا ہے، کھیتی باڑی میں مشغول ہے، احباب سے مصروفِ گفتگو ہے، سائلوں کے مسائل حل کر رہا ہے مگر ان تمام حالتوں میں اس کے ذکر کا تار نہیں ٹوٹتا۔ دنیا کے تمام مشاغل ان کی باطنی توجہ اور قلبی و روحی و سرّی ذکر میں حائل نہیں ہونے پاتے۔

گویا اس آیتِ قرآنی پر ان کا عمل ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

.....(المنافقون۔ پارہ ۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مال، تمہاری اولاد، کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:

رِجَالٌ "لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ" وَّ لَا بَیْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.....(النور۔۳۷)

ترجمہ:

'اہل اللہ' کا 'ذکر اللہ':

گو صورتاً ہماری اور اہل اللہ کی عبادات و اندازِ ذکر ایک سے ہیں، تاہم معنوی طور پر کیف و سرور، خشوع و خضوع اور ذوقِ حضوری کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ ہم ان کی عبادات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے لطائف بیدار ہوتے ہیں۔ ان کے جسم کا رواں رواں محوِ ذکر ہوتا ہے۔ یہ دولت دوسروں کو کہاں میسر ہے۔ اولیاءِ نقشبند ظاہری چلہ کشی اور خلوت گزینی پر 'باطنی' تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے درمیان رہ کر بھی دوسروں سے الگ رہنے کی مشق کرواتے ہیں۔ وہ کمال اسے ٹھہراتے ہیں کہ قعرِ دریا میں بھی دامن تر نہ ہونے پائے۔ مولٰینا حاجی قدس سرہ فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالک رہ جاذبۂ صحبتِ شاں　　می برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلّہ را

ترجمہ: نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔ دل سے راہِ جذب پر چلنے والوں کی صحبت میں آ کہ یہ خلوت کے وسوسوں اور چلوں کی فکر کو ختم کر دیتے ہیں۔

کاشفِ اسرارِ حقانی خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

نے نقشبندی طریقِ عمل کے طور پر جو آٹھ نکات وضع کیے ہیں، ان سے بھی مقصود دائمی حضور ہے۔ یعنی انسان ہر حال اور ہر کام میں توجہ ذکرِ خدا اور رضائے خدا کی طرف مبذول رکھے۔ وہ کلمات یہ ہیں: (تشریح دیکھئے 'انوارِ لاثانی' کے آخر میں)

(۱)۔ ہوش دَردم (۲)۔ نظر برقدم (۳)۔ سفر در وطن (۴)۔ خلوت در انجمن (۵)۔ یاد کرد (۶)۔ بازگشت (۷)۔ نگہداشت (۸)۔ یادداشت

وہ 'ذکر' جس میں عوام وخواص شریک دکھائی دیتے ہیں، الفاظ و معانی کی یکسانی کے باوجود اس کی کیفیت میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ نماز ہی کو لیجیے۔ اسے معراج المومنین قرار دیا گیا ہے۔ ہماری نماز کی صورت کچھ یوں ہوتی ہے:

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے وارد اثر؟

اہلِ حضور کی نماز کیسی ہوتی ہے، سنئے:

خلف بن ایوب علیہ الرحمہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز مین کھڑے تھے کہ انہیں بھڑ نے کاٹ لیا۔ خون نکلا مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر کار ابن سعید آئے اور انہوں نے بتایا تو حضرت خلف بن ایوب نے کپڑا دھویا۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ کو بھڑ کاٹ رہی تھی اور خون بہہ رہا تھا مگر آپ کو معلوم نہیں ہو رہا تھا، یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا:

''جو شخص ملک جبّار کے سامنے کھڑا ہو، اس کے پیچھے موت کا فرشتہ ہو، بائیں طرف جہنم ہو اور پاؤں کے نیچے پل صراط ہو، وہ کیا ایسی باتیں سمجھ سکتا ہے''۔

یونہی کسی نے حضرت حاتم اَصَم علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں تو فرمایا:

''جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں مکمل وضو کرتا ہوں۔ جس جگہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہوتا ہے، وہاں آتا ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اعضاء میں سکون حاصل کرتا ہوں۔ پھر نماز میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور میرا حال یہ ہوتا ہے کہ کعبہ میرے سامنے ہوتا ہے، پلِ صراط پاؤں کے نیچے، جنت دائیں طرف، دوزخ بائیں طرف اور موت کا فرشتہ پیچھے کھڑا محسوس کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر خوف و امید کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہوں۔ پھر تکبیر بالتعظیم کہتا ہوں اور باادب قیام کرتا ہوں اور قرأت خوف زدہ حالت میں اور رکوع بالتواضع اور سجود بتضرع اور جلسہ حلم و وقار سے اور سلام شکر کے ساتھ و باللہ التوفیق۔ (مکاشفۃ القلوب۔ کشف المحجوب، اردو ترجمہ)

یہ ہے، ہم عام لوگوں اور ان مقبولانِ بارگاہِ ربّ العزّت کی عبادات میں فرق۔ ہم حرص و ہوس کے بندے، ہزار ہا فکری و قلبی آلائشوں میں جکڑے ہوئے گنہگار روحِ عبادت سے بے بہرہ اور یہ صاحبانِ اخلاص وتقویٰ عبادات کے حسنِ ظاہر کے ساتھ ساتھ حسنِ باطن سے بھی مالا مال۔

حضور شاہِ لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا: ''میاں وقت نکال کر خدا کا ذکر بھی کیا کرو'۔ وہ کہنے لگا، 'حضور وقت ہی نہیں ملتا'۔ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور فرمایا 'میں نے ایک سو گیارہ بار اپنے رب کا نام ورد کر لیا ہے' سوچئے! جو ایک سانس میں اتنی بار رب کا نام لے سکتے ہیں، ان کے اوراد و وظائف کی وسعت کیا بیان ہو سکتی ہے۔

سیدی وسندی حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی اسی خانقاہِ لاثانی کے تربیت یافتہ بلکہ حسنِ تربیت کا شاہکار تھے اور افعال و افکار میں انہی کے نقوش کے آئینہ دار۔ تو

آیئے! حضور کے روزمرہ کے معمولات کی طرف جو آپ کے مقرب ترین حلقہ نشینوں بالخصوص آپ کے قریبی عزیز اور خلیفہ مجاز حضور نقشۂ نقشِ لاثانی جناب حاجی عبدالرزاق نقشبندی سے معلوم ہو سکے اور بعض سے یہ عاجز ذاتی طور پر آگاہ ہے۔

بدرالاولیاء کی رات:

جو مردانِ پاکباز 'بارگاہِ قدس' کے حاضر باش بندے ہیں، ان کے لیے ہر شب، شبِ وصل ہے۔ دنیا خوابِ غفلت میں بیہوش ہے، تو یہ دیدارِ یار میں مدہوش ہیں۔ سارا جگ محوِ استراحت ہے اور ادھر اپنے رب سے راز و نیاز ہو رہے ہیں۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ کے پیمان ہو رہے ہیں اور یُحِبُّهُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَهٗ کے پیغامات کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ اہلِ دنیا کی 'تنہائی' سے جان نکلتی ہے اور یہ اہلِ وصل 'تنہائی' پر جان دیتے ہیں۔ چنانچہ اَوروں کے لیے 'شبِ تیرا' ان کے لیے 'شبِ وصل' قرار پاتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ان کی دنیا ہی اَور ہے۔ اِدھر فرش پر 'عابد' اپنے 'معبود' کی یاد میں ہے، اُدھر عرش پر 'معبود' اپنے 'عابد' کا ذکر فرما رہا ہے۔ (فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ)۔ اِدھر سے مناجات کی جا رہی ہیں، اُدھر سے عنایات ہو رہی ہیں۔ حدیثِ پاک میں وارد ہے (راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں):

(قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) یَنۡزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی کُلَّ لَیۡلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنۡیَا حِیۡنَ یَبۡقٰی ثُلُثُ اللَّیۡلِ الۡاٰخِرِ یَقُوۡلُ مَنۡ یَّدۡعُوۡنِیۡ فَاَسۡتَجِیۡبَ لَهٗ مَنۡ یَّسۡاَلُنِیۡ

فَاُعۡطِیَهٗ مَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُنِیۡ فَاَغۡفِرَ لَهٗ..... (بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ، باب التحریض علی قیام اللیل، فصل اول)

ترجمہ: (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ) ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے، جس وقت ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

سیدی وسندی حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی رات کے تھوڑے حصے میں آرام فرماتے تھے۔ تاہم 'دلِ بیدار' اپنے کام میں مشغول رہتا۔ بعض بزرگ خدام کے مطابق حضور کو ہم نے کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا، جب بھی رات حاضری کا شرف نصیب ہوا، عبادت میں مشغول دیکھا۔ علامہ شفقات احمد نقشبندی صاحب کا فرمان ہے کہ تین سال مجھے شرف باریابی رہا، کبھی سوتے نہیں دیکھا۔ جبکہ صوفی باصفا ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب کے مشاہدہ کے مطابق حضور نے عمرِ عزیز کے آخری چالیس برس سو کر نہیں دیکھا۔ (غالباً ان کی مراد یہ تھی کہ سنت کی تعمیل میں چند گھڑیاں ستانے کے علاوہ نہیں سوتے دیکھے گئے) واللہ اعلم

اس سگِ بارگاہ کو آستانۂ عالیہ پر کبھی کبھار رات رہنے کا شرف حاصل ہوتا۔ چنانچہ ہم نوجوان خوابِ غفلت میں مدہوشی سے قبل آپ کو بیدار پاتے اور رات کو جس کی بھی آنکھ کھلتی، حضور کو چارپائی سے غائب پاتا۔ ملحقہ صحن یا کمرۂ خاص میں مصلے پر نظر

آتے۔ بہت سے احباب اس طرف گئے ہیں کہ سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی پیروی کی نیت سے چند گھڑیاں سو لیتے اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی اٹھ جاتے۔ چارپائی پر لیٹنے سے قبل بیٹھ کر قرآنِ پاک کا ترجمہ وتفسیر دیکھتے (کبھی یہ کام بعد نماز ظہر یا عصر سر انجام دیتے)۔ قبلہ رخ بیٹھ کر ۱۰۰ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جاتی۔ سورہ اخلاص، فلق اور ناس پڑھ کر دونوں ہاتھ ملا کر ان پر پھونک مارتے اور پھر پورے جسم پر ملتے۔ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔ اکثر چشمانِ مبارک میں تین تین سلائی سرمہ ڈالتے اور اس دوران سورۃ الکوثر کی تلاوت کرتے جاتے۔ استراحت سے قبل عموماً جسمِ اقدس پر سرسوں کے تیل کی مالش کراتے۔

حضور تہجد کی نماز پڑھنے کی سب کو تلقین فرماتے تھے۔ آپ تہجد کے لیے یہ اہتمام فرماتے کہ اوّلاً غسل فرماتے، پھر صاف ستھرا لباس زیبِ تن فرماتے۔ ازاں بعد حضورِ قلب کے ساتھ نمازِ تہجد ادا فرماتے تھے۔ پہلے ۲ نفل تحیۃ الوضو، جن میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اس کے بعد ۶ نفل تہجد کے، جن میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک مرتبہ قل ھو اللہ شریف ملاتے۔ دوسری رکعت میں دو مرتبہ، اس طرح ہر رکعت میں ایک مرتبہ بڑھاتے جاتے (کبھی اس کا الٹ بھی کیا جاتا، یعنی پہلی رکعت میں ۶ مرتبہ سورہ اخلاص اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک کم کرتے جاتا)۔ پھر ۲ نفل اس احسانِ عظیم کے شکرانے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی روح پرفتوح کو ایصالِ ثواب کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا امتی ہونا نصیب ہوا۔ ۲ نفل اپنے شیخِ کریم کے لیے اور ۲ نفل خاندانِ شیخ کے لیے بھی ادا کرنا معمول تھا۔ درودِ ہزارہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ کم از کم ۱۱۱ مرتبہ اور کبھی ۳۰۰ یا ۵۰۰ مرتبہ نہایت ادب واحترام سے مدینہ شریف کی طرف رُخ کر کے پڑھتے تھے۔ کبھی مفرد اسمِ مبارک 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نہ لیتے، بلکہ ہمیشہ 'سیدنا محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کہتے اور تلقین فرماتے۔ نماز میں درودِ ابراہیمی میں جہاں اسمِ مقدس 'محمد' صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اور اسمِ پاک 'ابراہیم' علیہ السلام آیا ہے، ان آٹھ مقامات پر 'سیدنا' یا 'سیدنا ومولانا' پڑھنے کو مستحب گردانتے۔ تہجد کے بعد طویل مراقبہ فرماتے جو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بھی جاری رہتا۔ اس دوران کمرے کا دروازہ بند ہوتا۔ دورانِ مراقبہ سانس کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔ استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ) ۱۰۰ مرتبہ صبح اور آخری دور میں ۱۰۰ مرتبہ بعد نماز عشاء بھی پڑھا جاتا رہا۔ طویل دعا بھی مانگی جاتی جس میں اللہ کریم سے جمیع عالمِ اسلام، پاکستان اور تمام عزیزوں کے لیے خیرو عافیت طلب کی جاتی نیز متعلقین کے لیے بلندیٔ درجات مانگی جاتی۔ بہت سی مناجات اور اشعار پُرسوز لہجے میں پڑھتے تھے۔ جیسے:

بادشاہا! جرم ما را در گذار　　ما گنہگاریم تو آمرزگار!
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم　　جرم بے انداز مابد[1] کردہ ایم

ترجمہ: اے بادشاہ! ہمارے جرم کو معاف فرما۔ ہم گناہگار ہیں، تو بخشنے والا ہے۔ تو بھلائی کرتا ہے، ہم برائی کرتے ہیں۔ ہم نے بے اندازہ جرم کیے ہیں۔

[1] اس شعر میں 'بیحد' ہے مگر آپ کا معمول یہی تھا)

(اور بھی متعدد قطعات شاملِ دعا تھے)

کلمہ طیبہ، تیسرا کلمہ، درودِ تاج، درودِ مستغاث، دلائل الخیرات شریف اور شیخ کی طرف سے تلقین کردہ دیگر وظائف بعد نمازِ تہجد یا فجر اور کبھی دیگر اوقات میں پڑھے جاتے۔

یہاں یہ بات نہایت قابلِ ذکر ہے کہ اوراد و وظائف اور فرائض و نوافل کے دوران (اور کبھی ان کے علاوہ بھی) سینۂ مبارک سے دل کی دھڑکن کی آواز خاصی بلند ہوتی۔ ہانڈی ابال کھاتے وقت جو آواز دیتی ہے، اس آواز کا گمان ہوتا تھا۔ اور یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے مشابہہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی ایسا منقول ہے۔

یہاں یہ بات بھی احاطۂ تحریر میں لانے کے لائق ہے کہ بالخصوص نماز اور بالعموم دیگر وظائف کی ادائیگی کے دوران آپ کا جسم مبارک از حد لطیف اور نرم ہو جاتا تھا۔ چہرے کی نورانیت مثلِ آفتاب ایک خوبصورت نظارہ پیش کرتی تھی۔ سراپا سے بلا کا عجز و نیاز جھلکتا تھا۔ اس دوران معلوم ہوتا، گویا کسی کو پہچانتے بھی نہیں ہیں یا لاتعلق ہیں۔ جب محویت کے عالم میں ہوتے تو (اہلِ نظر کے نزدیک) معلوم ہوتا تھا کہ فنافی الذات ہیں یا عالمِ بالا کی سیر فرما رہے ہیں۔ درود شریف بکثرت پڑھتے۔ آپ کی بارگاہ میں بیٹھنے والا یا دور دراز سے متوجہ ہونے والا اپنا دل منور اور فیض کی کرنوں سے پرنور پاتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شمس العرفاء کا دن:

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی اپنی ایک تحریر کا اقتباس یہاں برمحل ہے۔

''ہمارا زمانہ وقت کی گردش سے بنتا ہے مگر 'مردِ خدا' اس زمانے کی سرحد سے باہر اور صبح و شام کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کی دنیا اس چاند سورج کی محتاج نہیں۔ 'لیل و نہار' اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر اس کی پرواز کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ (ع وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو)

رات، صرف اس کی 'ہاو ہو' سے واقف اور لذّت گیر ہے تو دن صرف اس کی بزم آرائی کو دیکھتا اور اس سے فروغ پاتا ہے۔ وہ رات کی خلوت میں ہدایات لیتا ہے اور دن کی جلوت میں اہتمامِ خشک و تر کرتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ رات کو اپنے خدا کی رحمت سے اپنا دامنِ طلب بھرتا ہے اور دن کے وقت دوسروں میں 'مئے شبینہ' کی مستیاں تقسیم کرتا ہے۔ فجر کی اذان[1] اسے بندۂ مومن کے دن کے پروگرام کا آغاز ہوتا ہے''۔

حضور صبح کی دو سنتوں کے بعد ایک سو گیارہ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ پڑھنا حضور شاہِ لاثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سنت بتاتے تھے۔ حدیثِ نبوی میں اس کی بڑی فضیلت ارشاد ہوئی ہے[2]۔

---

[1] اقبال فرماتے ہیں: زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر — خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نَو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے — کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر

[2] كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ..... (بخاری و مسلم)
ترجمہ: دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے پھلکے، میزان میں بھاری اور رحمٰن کو پیارے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

نمازِ فجر باجماعت کے بعد مراقبہ فرماتے (اور اس کا التزام ہر نماز کے بعد دعا مانگنے سے پہلے تھا)۔ سورۂ کافرون ۱۰۰ مرتبہ، سورۂ اخلاص ۲۰۰ مرتبہ، سورۂ فلق ۱۰۰ مرتبہ اور سورۂ ناس ۲۰۰ مرتبہ پڑھتے تھے۔ سورۂ مزمل ۷۵۔۷۰ مرتبہ بھی اس وقت کے وظائف کا حصہ تھی۔ قرآنِ پاک اور درود و مستغاث بھی عموماً اسی وقت پڑھے جاتے۔

قرآنِ پاک نہایت غور و خوض اور فکر کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ تمام اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر پانی جو ایک بوتل میں پاس رکھا ہوتا اور اجوائن، کالی مرچ جو ایک ڈبے میں ہوتیں، پر اپنی شفا بخش پھونکوں سے دم فرماتے تھے۔

نمازِ اشراق (نیز نمازِ چاشت، اوابین وغیرہ) کی ادائیگی بھی سنتِ مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ہوتی تھی۔ اس کے بعد ہلکا پھلکا ناشتہ تناول فرماتے ۔(یونہی رات کا طعام بھی سادہ اور ہلکا ہوتا۔ کبھی کئی پہر کچھ تناول نہ فرماتے۔ کدو شریف مرغوب تھا۔ مرغن غذاؤں سے دور رہتے۔ شہد پسند تھا)۔ ناشتے کے بعد کالج میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے تشریف لے جاتے۔ نیت محض نوجوانانِ ملک و ملت کی اصلاح و تطہیر کردار ہوتی۔ اللہ! اللہ! ولایت کے درجۂ علیاء پر فائز ہونے کے باوجود تکلف و محنت سے رزقِ حلال کا اہتمام فرماتے اور بظاہر درس و تدریس اور خلقِ خدا سے میل ملاپ چلتا رہتا مگر دل اپنے رب کی طرف متوجہ رہتا۔ (رِجَالٌ " لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ " وَّلَا بَيْعٌ " عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ النور:۳۷)

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمعِ محفل کی طرح جدا سب کا رفیق!

یاد رکھئے! دنیا کو اگر دین کے تابع کر دیا جائے تو سراپا خیر بن جاتی ہے۔ حضور قبلۂ عالم نے ایسا ہی کیا تھا۔ آپ خود فرماتے تھے کہ ''اگر خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا پیشِ نظر رہے تو دنیا کے یہ کام کرنا 'مجاہدہ' کی حیثیت رکھتا ہے''۔ آپ غلاموں کو بھی یہ 'مجاہدہ' سکھاتے تھے یعنی دنیا میں مصروفیت کے ساتھ ساتھ اللہ و رسول کی خوشنودی سامنے رکھیں اور دل میں دنیا کو آنے نہ دیں اور یادِ خدا کو جانے نہ دیں۔ عرصۂ تدریس سے فراغت (ریٹائرمنٹ) کے بعد یہ وقت بھی مطالعہ اور تحریر و تحقیق کی نذر ہونے لگا۔ متوسلین و متعلقین کی آمد و رفت کا سلسلہ تو سارا دن بلکہ رات گئے تک جاری رہتا تھا۔ سالکین کو توجہ دینا، حاضرین کے مسائل سننا اور ان کا حل کرنا، کبھی کسی کو دم کرنا اور کسی کو تعویذ مرحمت فرمانا، دور دراز محافل پہ تشریف لے جانا، تبلیغی دورے کرنا غرضیکہ گوناگوں مصروفیات کو احاطۂ تحریر میں لانا ایک دشوار امر ہے۔

قیلولہ: قیلولہ دوپہر کے وقت کچھ دیر سو جانے کو کہتے ہیں۔ یہ سنت ہے اور اس سے رات کی عبادت کے لیے جاگ اٹھنے میں مدد ملتی ہے۔ حضور سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ دوپہر کو کچھ وقت سنت سمجھ کر سونا کئی نفلی عبادات سے افضل ہے۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ قیلولہ فرماتے تھے تاہم اس کا دورانیہ مختصر ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ چند گھڑیاں آنکھ لگا لینے سے ہی سنتِ رسول کی پیروی ہو جاتی ہے۔

ظہر کی نماز باجماعت کے بعد قرآنِ پاک کا ترجمہ و تفسیر زیرِ مطالعہ ہوتا تھا۔ بالخصوص جب درسِ قرآن کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا تو خاصا طویل مطالعہ کیا جاتا رہا۔ اعلیٰحضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمۂ قرآن 'کنز

الایمان' اور 'تفسیرِ نعیمی' عموماً پسند فرماتے تاہم دیگر تراجم و تفاسیر سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔

پھر **نمازِ عصر** کی ادائیگی کے لیے وضو کیا جاتا۔ مسواک کا استعمال بھی کئی نمازوں کے وضو کے دوران کیا جاتا تھا۔ ابتداءً نمازِ عصر کے بعد شام تک آپ خاموش رہا کرتے تھے اور یہ خاموشی پُر جلال اور ہیبتناک ہوتی تھی۔ کسی کو مجال نہ تھی کہ پاس گفتگو کرے۔ اور اس دوران تیسرا کلمہ یا درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حاضرین کو بھی زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کے لیے ارشاد فرماتے تھے۔ تاہم ۱۹۹۷ء سے آپ کا معمول مبارک تھا کہ غلاموں کو دائرے میں بٹھا کر درمیان میں بڑی سفید چادر بچھا کر کھجوروں کی گٹھلیوں پر ختمِ مجددیہ، ختمِ خواجگان شریف اور ختمِ حضور نقشِ لاثانی پڑھا جاتا تھا۔ یہ تمام ختم حضور نے بوقتِ تہجد تنہا بھی پڑھے ہیں۔ ختمِ خواجگان کے بارے میں آپ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ درویش کا لشکر ہے اور کوئی دعا ایسی نہیں جو اس کے طفیل قبول نہ ہو۔ اگر کوئی مہم یا سنگین واقعہ درپیش ہوتا تو اس کے لیے سات روز تک ختمِ خواجگان مع حلقۂ یاراں پڑھا جاتا۔ اللہ کریم اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے طفیل مشکل آسان فرما دیتا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ختمِ مجددیہ: پہلے ۷ بار سورۂ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درودِ خضری، پھر ۵۰۰ بار **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** ہر سو کے شروع میں **سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ** اور سو کے اختتام پر **العلی العظیم** بھی ملایا جاتا، پھر ۷ بار سورۂ فاتحہ اور آخر میں ۱۰۰ بار درودِ خضری۔

ختمِ خواجگان شریف: ۷ بار سورۂ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درود شریف **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّم**، پھر ۷۹ بار سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ مع بِسْمِ اللہ شریف، پھر ۱۰۰۰ بار سورۂ اخلاص مع بِسْمِ اللہ شریف، پھر ۷ بار سورۂ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درود شریف (مذکور)، پھر ۷ بار سورۂ فاتحہ۔

ختمِ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ: ۱۰۰ بار درودِ خضری، پھر ۵۰۰ بار **حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ**، ہر سو کے بعد **عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ**، پھر ۷ بار سورۂ فاتحہ، پھر ۱۰۰ بار درودِ خضری۔

(درودِ خضری: **صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّم**)

اس کے علاوہ وہ وظائف یا دعائیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں، کا وقتاً فوقتاً التزام رہتا تھا اور حلِ مشکلات کے لیے تیر بہدف گردانتے تھے۔

حضور قبلۂ عالم عموماً بروز پیر، بدھ اور جمعۃ المبارک لباس تبدیل فرماتے تھے۔ نمازِ جمعہ اور کہیں تشریف لے جانے سے قبل بھی لباس تبدیل فرماتے۔

دن بھر کے مختلف اوقات میں نیز شام کے بعد بھی خواہشمند افراد داخلِ طریقہ ہوتے تھے۔ بعض کو نمازِ تہجّد کے بعد بھی داخلِ طریقہ کیا۔ سلسلہ کی تعلیم کبھی خود سکھاتے اور زیادہ تر کسی مقربِ بارگاہ کو ارشاد ہوتا۔ بروقتِ بیعت یہ باتیں تلقین فرماتے:

(۱)۔ نمازِ تہجد کی ادائیگی: تہجد کے نفل چھ، آٹھ یا بارہ رکعتیں ارشاد فرماتے۔ دو دو کر کے کم از کم چھ رکعات۔

(۲)۔ قرآن پاک: پانچ، سات رکوع یا جتنا روزانہ پڑھا جا سکے، مقرّر کر لینا۔ وہ طلباء

جو قرآنِ پاک حفظ کررہے ہوتے تھے، ان کے لیے باقی اوراد ووظائف کی بجائے حفظِ قرآن پر اکتفا کرنے کا ارشاد فرماتے۔

(۳)۔مراقبہ: ہر نماز کے بعد دوزانو حالت میں بائیں طرف سر جھکا کر، آنکھیں بند کر کے لیکن دل کی طرف توجہ رکھتے ہوئے سانس کے ساتھ (آواز کے ساتھ نہیں) اللہ، اللہ کا ذکر کرنا۔

(۴)۔استغفار: **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ** ۱۰۰ مرتبہ تہجد یا فجر کے بعد اور ۱۰۰ مرتبہ عشاء کے بعد۔

(۵)۔درودِ ہزارہ: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ۢ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّاَةَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّ بَارِك وَسَلِّم** کم از کم ۱۱۱ مرتبہ، ۳۰۰ مرتبہ یا ۵۰۰ مرتبہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۶)۔ذکرِ اسمِ ذات: ہر وقت

(۷)۔زبان کی حفاظت کرنا **(۸)۔نظر کو پاکیزہ رکھنا**

(۹)۔اسلامی حلیہ، سنت کے مطابق **(۱۰)۔عبادات اور وظائف میں محنت**

☆☆☆☆☆☆☆

باب 12

کرامات وتصرّفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کرامت کیا ہے؟

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الکرامة ھی ظھور امر خارق للعادة علی ید عبد ظاھر الصلاح ملتزم المتابعته نبی من الانبیاء معترنا بصحیح الاعتقاد والعمل الصالح غیر مقارن بدعوی النبوة

یعنی خوارق عادت واقعات کا ظہور ایسے شخص سے ہو جو ہر طرح نیک، راسخ العقیدہ اور انبیاء میں سے کسی کا متبع ہو۔ نیز نبوت کا دعویٰ نہ کرے تو کرامت کہلاتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین۔ جلد۲، ص ۲۷۸)

کرامات و تصرفات کا مسئلہ مردِ کامل کی عظمت کے تصوّر سے وابستہ ہے۔ بالفاظِ دگر، آپ اولیاء اللہ کے روحانی کمالات کا فلسفہ جاننا چاہیں تو پہلے یہ دیکھیں

کہ اسلام نے آدمی کو کیا مقام بخشا۔ دنیا بھر کے فلسفی، سائنسدان اور ماہرینِ نفسیات نے اپنے اپنے علم و فضل کے بل بوتے پر 'مقامِ آدمیت' بیان کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ بالخصوص متقدمین میں افلاطون و ارسطو اور متاخرین میں ڈارون اور فرائڈ جیسوں نے بہت سر مارا، مگر ان سے بات نہیں بنی اور ان کی توجیہات نامکمل و ناقص ہیں۔

یہ صرف اور صرف مفتاحِ خزائنِ رحمت، مصباحِ محافلِ عظمت یعنی حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسانِ عظیم ہے، جنہوں نے انسان کو کائنات کی ذلیل ترین پستیوں سے نکال کر اسے اس کے 'مقامِ خلافت' سے آگاہ کیا اور بندۂ مولا بنا کر خواجۂ کائنات بنا دیا۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

مقامِ خلافت یا نظریۂ عظمتِ انسان:

انسان ساری کائنات کا خلاصہ ہے۔ اپنے وجود و نمود میں ساری کائنات سے بڑھ کر اس کی شان کا مظہر ہے۔ یہ عجائباتِ تخلیق کا گنجینہ اور اسرارِ ہستی کا دفینہ ہے۔ اگر یہ اطاعت کے راستے پر چلے اور خود شناسی سے خدا شناسی تک پہنچ جائے تو اپنی شان کے لائق خلافتِ الٰہیہ کا مستحق ہے۔ کائنات کی جاندار و بے جان مخلوقات خدا کی قدرت کی نشانیاں تو ہیں، خلافت کی مستحق نہیں بلکہ ان کی تخلیق کی غرض و غایت ہی خلیفۃ اللہ کی خدمت ہے۔ یعنی اللہ کا پاک اور مطیع بندہ، اللہ تعالیٰ کا خلیفہ یا نائب اور وائسرائے ہے اور باقی تمام حتیٰ کہ جن اور فرشتے بھی اس کے ماتحت اور خادم ہیں۔ جو شانِ اطاعت

میں جتنا بلند ہے، اس کا مقامِ خلافت اسی قدر فزوں تر ہے۔ اور اتنا ہی جہاں میں متصرّف ومختار کیا گیا ہے۔

یاد رہے! خلیفۃ اللہ، اللہ کی حکومت میں شریک نہیں، اس کے اقتدار واختیار میں ساجھی نہیں بلکہ محض اس کے فضل، عطا، مرضی اور تقدیر سے اسے جہان پر حاکم ومتصرف بنایا گیا ہے۔ اللہ احکم الحاکمین ہے۔ مالک الملک ہے۔ جسے چاہے ملک دے، جتنا چاہے دے (تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ) تو اس نے جناب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مخصوص صلاحیتوں سے نوازا اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق انہیں عظمتیں اور حکومتیں بخشیں۔ یہ ہے اسلام کا نظریۂ خلافت یا نظریۂ عظمتِ انسان۔

ہیں تیرے تصرّف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک ، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ ، یہ صحرا ، یہ سمندر ، یہ ہوائیں!
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

ظاہر ہے ایسے انسان جو قدرت کا قلاوہ گردن سے اتار کر کفر وسرکشی کی راہ اختیار کریں اور فسق وفجور میں مبتلا ہو جائیں، اس عظیم منصب کے اہل نہیں ہو سکتے۔ انہیں تو اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (یعنی وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے) کی وعید ہے۔

'خلافت' کی مزید تشریح کے لیے سورۃ البقرہ پارہ ۱ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ سے وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۝ تک قصۂ آدم (علیہ السلام) کا مطالعہ کیجئے اور پھر

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تفسیر دیکھئے:

"یعنی بیشک میں زمین میں ایک ایسا خلیفہ بنانے والا ہوں جو میری نمائندگی کرے اور زمینی اشیاء میں تصرّف کرے اور چونکہ آسمانی اسباب میں تصرّف کے بغیر زمینی اشیاء میں تصرف کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا اس لیے خلیفہ کے عناصر زمین سے پیدا ہونے اور عالمِ کون وفساد میں اس کے ساکن ہونے کے باوجود اس میں آسمانی روح بھی پھونکوں گا۔ تاکہ اس (آسمانی) روح کے باعث آسمان کے ساکنوں اور ستاروں کے موکلوں پر بھی حکمرانی کرے اور انہیں اپنے کام میں لائے۔۔۔ اور اس خلیفہ کو خلافت دینے کا طریقہ یہ ہوا کہ خدا نے اُس کی روح کو اپنی صفات کا نمونہ عطا فرما دیا"۔

نیز آپ فرماتے ہیں:

منظورِ خلافت حقیقتِ وحدانیہ مشترکہ در جمیع
افراد ایں نوعست والاَّخُلفاء می فرمودند

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت سے نوعِ انسانی کی خلافت بھی مقصود ہے۔ مقامِ خلافت کے سزاوار، اپنے اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے دو گروہ ہیں:

۱۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام ۲۔ ان کے سچے متبعین یعنی اولیاءِ عظام علیہم الرحمہ

انبیاءِ کرام علیہم السلام کو خلافت دینے کی حکمت حضرت علامہ عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنئے، فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کی آبادکاری، انسانوں کی سیاست، ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اپنے 'امر' کے نفاذ کے لیے انبیاء علیہم السلام کو خلیفہ بنایا۔ خدا تعالیٰ کو ان کی نیابت کی ضرورت نہیں تھی البتہ عام مخلوق جن پر انہیں خلافت بخشی گئی، بلاواسطہ

خدا تعالیٰ سے فیض لینے اور اس کے امر کے وصول سے قاصر تھی''۔

انسان کی لطافت وطاقت:

کائنات میں جتنے عناصر ہیں، ان میں قوت وضعف یکساں نہیں اور یہ طاقت بقدر لطافت ہے۔ یعنی جو جتنا لطیف ہے اتنا ہی قوی ہے اور اتنا ہی اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ کے قریب ہے۔ اور جو جتنا کثیف ہے اتنا ہی ضعیف ہے اور اتنا ہی اللہ کریم کی بارگاہ سے دور ہے کہ کثافت کو اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہوسکتی۔ اب اس معیار پر دیکھتے جائیے:

سب سے پہلے مٹی کو لیتے ہیں۔ یہ صورت ہی نہیں طبع میں بھی کثیف ہے۔ قرآن نے اسے ذلیل نہیں بلکہ ذلول (یعنی زیادہ ہی ذلیل) فرمایا۔ (هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً)۔ پتھر میں کچھ صفائی آئی تو اس میں اتنی ہی طاقت بھی آ گئی۔ مگر اس سے زیادہ لوہے میں قوت ہے کیونکہ صیقل ہوسکنے کی بنا پر لطافت میں ان پر بازی لے گیا۔ نیز اس کی کدالیں پتھر کو توڑ دیتی ہیں۔ آگ میں طاقت لوہے سے زیادہ ہے کیونکہ یہ لوہے کو جلا کر سیال مادہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ آگ کے لوہے سے لطیف تر ہونے کی بنا پر ہے۔ پھر آگ اگر لطیف المادہ ہے تو پانی لطیف الصّورت بھی ہے۔ چنانچہ اسے آگ پر گرا دو تو اس کی خیر نہیں۔ مگر یہ پانی ہوا کے آگے کمزور ہے۔ ہوا کے جھکڑ بڑے بڑے سمندروں میں ہیجان بپا کر دیتے ہیں۔ وجہ وہی شدّتِ لطافت ہے۔

اب آئیے! ان تمام عناصر کے جامع، انسان پر غور کیجئے۔ لوہا، آگ، پانی،

ہوا، یہ سب اس کے آگے بے بس ہیں۔ انسان لوہے کے اوزاروں سے پتھر توڑتا، بھٹیوں میں لوہا جلاتا، پانی سے آگ بجھاتا اور ہوا سے پانی اڑاتا ہے۔ اسی نے آگ اور پانی کو لڑا کر بھاپ اور پانی کو پانی سے ٹکرا کر برق تیار کی۔ اس بے پایاں طاقت سے اس کی لاجواب لطافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ زبردست لطافت اس کے بدن میں نہیں روح میں ہے۔ اسے اس بے نظیر لطافت کے سبب صفاتِ باری کا مظہر کہا جائے تو ناروا نہیں کہ اس سے عرفانِ حق کی راہیں کھلتی ہیں۔ مختصراً دیکھئے:

۱..... جیسے ہمارا بدن تدبیرِ روح کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا حالانکہ روح نظر نہیں آتی، اسی طرح کائنات بھی تدبیرِ خداوندی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اگرچہ اس کا مدبّر (خدا) بھی نظر آنے سے پاک ہے۔

۲..... بدن میں ایک ہی روح ہوسکتی ہے تو کائنات کا خدا بھی ایک ہی ہوسکتا ہے بصورتِ دیگر نظام تباہ ہوجائے۔ (لَوْ كَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا)

۳..... روح بالوں کی سیاہی، دانتوں کی سفیدی اور جسم کے رنگ میں موجود ہوکر بھی خود بے رنگ و بے جہت ہے۔ خالقِ کائنات کا نُور بھی رنگا رنگ جلووں میں بزم آرائی فرما کر خود کیف وکم اور جہت ورنگ سے بالاتر ہے۔

۴..... جس طرح تمام جسم میں موجود ہونے کے باوصف، روح کا سب سے زیادہ تعلّق دل سے، پھر دماغ سے، پھر جگر و معدہ سے اور پھر باقی اعضاء سے ہے، اسی طرح تجلّیاتِ ربّانی کا ظہور، کائنات بھر کو منوّر کرنے پر بھی سب سے زیادہ عرشِ اعظم، بیت المعمور، کعبہ مقدسہ، حرمِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اور بیت المقدس سے متعلّق ہے۔

۵..... بدن کو روح کی ضرورت ہے مگر روح کو کسی اور روح کی ضرورت نہیں۔ اس سے

بے حد زیادہ عالمین کو خدا کی ضرورت ہے مگر اسے کسی اور خدا کی ضرورت نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی روحانی لطافت میں ترقّی کا انحصار کس بات پر ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا انحصار مادیت سے گلو خلاصی پہ ہے۔ جوں جوں انسانی روح روحانی اَخلاق اپنا کر، صفاتِ خداوندی کے پَرتَو سے متّصف ہوتی جائے گی، لطافت وقوت میں بڑھتی جائے گی۔ غور کیجئے تو روحانی اَخلاق کی بنیاد ان چار اصولوں پر ہے۔ ایثار، تواضع، اخفا، قناعت۔ ان سب کا عملی اظہار انفاق فی سبیل اللہ (یعنی صدقہ وغیرہ) سے ہوتا ہے۔

صدقہ عناصرِ اربعہ مٹی، آگ، پانی اور ہوا کے جبلی اخلاق بخل، غرور، انتشار و شہرت پسندی اور حرص وہوا کی کدورتیں نکال کر دل کو غنا و طہارت سے بھر دیتا ہے۔ جب یہ دل ہر طرح سے غنی اور پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اس کی وسعتوں میں عالَمِ شش جہات بھی سما جاتا ہے۔ ملکوت سے لاہوت تک اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔

ے چرخ است حلقۂ درِ دولت سرائے دل
عرش است پردۂ حریم کبریائے دل
گرگے زیرِ پوست بخونِ تو تشنہ است
یوسف شود ز پرتو نور صفائے دل
ماخود چہ ذرہ ایم کہ نہ محمل سپہرا!!
رقص الجمل کنند ز بانگِ درائے دل

ترجمہ: آسمان دل کے دولت سرا کے دروازے کا حلقہ (یا کڑی) اور عرش، دل کے حرم ربانی کا پردہ (ہی تو) ہے۔ وہ

بھیڑیا (نفس) جو در پردہ تیرے ہی خون کا پیاسا ہے، قلبی نورِ صفا کے پرتو سے یوسف جمال بن جائے گا۔ ہم خود تو ذرّۂ ناچیز ہیں، مگر سب آسمان اس جرسِ دل کی آواز پر رقص الجمل کرتے ہیں (یعنی اونٹ کی طرح مستانہ وار ناچتے ہیں)۔

جب یہ صورتحال ہو تو پھر اس پاک دل کو دنیا بھر میں کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اب سنئے حدیثِ پاک، جسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ شِدَّتِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ " اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمِ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ " اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمِ النَّارُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ " اَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمِ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ " اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ " اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمِ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ (ترمذی شریف)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا، وہ کانپنے اور ڈولنے لگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور انہیں زمین پر جم

جانے کا ارشاد فرمایا۔فرشتے پہاڑوں کی شدت (وقوت) پر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی قوی ہے؟ فرمایا، ہاں! لوہا ہے۔عرض کیا، پروردگار! تیری مخلوق میں لوہے سے بھی قوی تر کوئی چیز ہے؟۔ فرمایا، ہاں! آگ ہے۔عرض کیا، اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں آگ سے بھی کوئی چیز زیادہ قوی ہے؟۔فرمایا، ہاں! پانی ہے۔عرض کیا، اے پروردگار! تیری مخلوق میں پانی سے بھی کوئی قوی ہے؟۔فرمایا، ہاں! ہوا ہے۔پھر عرض کیا، یارب! کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ قوی کوئی ہے؟۔فرمایا، ہاں! آدم کی اولاد ہے جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہو۔

مقربینِ بارگاہِ خداوندی پر نوازشات

اوپر کی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ انسانِ کامل (مقرّبِ خدا یا ولی اللہ) اپنی لطافتِ روحانی کے سبب کائنات کی ہر مخلوق سے قوی تر ہے۔اب یہاں بخاری شریف کی حدیثِ قُدسی دیکھئے۔اسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ

عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ اَعْطَیْتُهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ

ترجمہ: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔اور میرے بندے نے فرائض سے زیادہ محبوب چیز کے ساتھ میری نزدیکی نہیں ڈھونڈی۔اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے حتّٰی کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور پھر جب اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو البتہ میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اَلْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَی الطَّاعَاتِ بَلَغَ اِلَی الْمَقَامِ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی کُنْتُ لَهٗ سَمْعاً وَّبَصَراً فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی سَمْعاً لَهٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَ اِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدًا لَهٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی الصَّعْبِ

وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ.

ترجمہ: بندہ جب ہمیشہ اطاعت میں لگا رہتا ہے تو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کی نسبت اللہ عزّ وجل فرماتا ہے کہ میں خود اس کے کان، آنکھ ہو جاتا ہوں۔ تو جب جلالِ الٰہی کا نور اس کا کان ہو جاتا ہے تو بندہ نزدیک اور دور سب سنتا ہے۔ اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو بندہ دور و نزدیک سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو بندہ سہل ودشوار، دور و نزدیک میں تصرّف کرتا ہے۔

پھر خدا کے نور سے دیکھنے والے کو کسی آلے کی احتیاج کیونکر ہو، وہ تو تحت و بالا اور شرق وغرب کو اسی روشنی سے ملاحظہ فرما رہا ہے۔ خدا کے نور سے سننے والا برق و بخارات کا ممنون کیوں ہو، وہ تو سننے میں 'آواز' کا بھی محتاج نہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ نطقِ آب ونطقِ باد و نطقِ گل
ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

یعنی اہلِ دل تو پانی، ہوا اور مٹی کی باتیں (یا فریادیں) بھی سنتے ہیں۔

معجزات وکرامات کی اہمیّت:

خداوندِ قدّوس کی عطا کردہ قوّتوں کا ظہور انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے ہو تو معجزہ ہے اور اولیاءِ کرام علیہم الرحمہ سے ہو تو کرامت۔ ولی کو کرامات اپنے نبی کی سچّی اطاعت ہی

کے طفیل عنایت ہوتی ہیں، لہٰذا ولی کی کرامت نبی کا معجزہ بھی ہوتی ہے۔ معجزہ ہو کہ کرامت، بنیاد خرقِ عادت پر ہے۔ دونوں سے عظمتِ خدا و رسول عیاں ہوتی ہے، مقامِ مقرّبین کا اظہار ہوتا ہے اور عقیدہ وایمان میں پختگی آتی ہے۔ ظاہر ہے جب ایک بُت پرست، بتوں کو بھی نبی کا کلمہ پڑھتے دیکھے گا، شمس وقمر اور اجرامِ فلکی کو مؤثرِ حقیقی ماننے والا، انہیں خدا کے محبوب بندے کے اشارۂ اَبرو پہ رقص کرتا دیکھے گا اور زمانے ہی کو سب کچھ سمجھنے والا (دہریہ) اسے نبی کے سامنے مجبور و بے بس پائے گا تو لامحالہ اللہ جل شانہٗ کی خالقانہ عظمتوں کا قائل ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ فطرتِ سلیم کا کچھ نہ کچھ حصّہ اسے ملا ہو۔ یونہی جو شخص خدا کو مانتا ہے نہ اس کے رسول کو جانتا ہے، رسول کے مطیع و فرمانبردار کی طاقت کا کرشمہ اسے خدا کا بھی قائل کر دے گا، رسول کا بھی۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

دورِ جدید میں کمالاتِ ولایت کے انکار نے بہت سے فتنوں کو ہوا دی ہے۔ یہ عام تجربہ ہے کہ جو لوگ ولی کے کمالات سے منہ پھیرتے ہیں وہ 'نبی' میں بھی وحی کے سوا کسی کمال کے قائل نہیں۔ پھر ان کی کم نظری دیکھیں کہ انبیاء واولیاء کے کمالات کو تسلیم کرنے کے ڈانڈے شرک سے جا ملائے۔ حالانکہ مومن اللہ ذوالجلال کو قادرِ مطلق، مؤثرِ حقیقی اور تمام طاقتوں کا مالک مانتا ہے۔ جبکہ اس کے مقبول ومقرّب بندوں کو فقط اس کی صفات کا مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ)۔

قرآن پاک اور کرامت:

یاد رہے کہ کرامات وتصرّفاتِ اولیاء کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ قرآن

کا اعلان سنئے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط.....(الحجرات۔ آیت ۱۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ کرامت (وعزت) والا ہے وہ جو تم میں زیادہ متقی ہے۔

قرآنِ پاک ہی کی رو سے اولیاء اللہ سب متقی ہیں:

اِنْ اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ.......(الانفال۔ آیت ۳۴)

ترجمہ: اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں (کنز الایمان)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ o.......

(یونس۔ آیت ۶۳،۶۲)

ترجمہ: سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

تو جو ولی ہے، متقی ہے اور جو متقی ہے اپنے مرتبے کے مطابق صاحبِ کرامت ہے۔ قرآنِ حکیم نے اگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے معجزات بیان کیے ہیں تو اولیاءِ کرام علیہم الرحمہ کی کرامات کا واضح بیان بھی اس میں موجود ہے۔ یہاں صرف چند کرامات کو ملاحظہ کیجیے (تمام کو بیان کیا جائے تو مضمون خاصا طویل ہو جائے):

۱..... قرآنِ حکیم میں جناب سلیمان علیہ السلام کی اُمّت کے ایک ولی کی کرامت کو بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا۔ پس منظر یہ ہے کہ سبا کی ملکہ بلقیس دربارِ سلیمانی میں حاضر

ہونے کے لیے اپنی راجدھانی سے روانہ ہو چکی ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی یہ خواہش ہے کہ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا تخت یہاں موجود ہو۔ چنانچہ آپ اپنے ارادے کا اظہار فرماتے ہیں تو

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ....قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ قف......(النمل)

ترجمہ: ایک بڑا جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کر دیں اور میں اس پہ قوّت والا امانتدار ہوں۔ (پھر) اس نے عرض کیا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے، پھر جب سلیمان نے تخت اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

مفسّرین فرماتے ہیں کہ ایک مہینے کی راہ سے چشم زدن سے پہلے ساتویں ایوانِ مقفل میں سے یہ تخت لانے والے حضرت آصف بن برخیا تھے جو گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُمّت کے ولی تھے۔ قیاس فرمائیے کہ جناب سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امّت کے ولی کی شان کیا ہوگی۔

۲..... قرآن نے ہمیں جناب مریم رضی اللہ عنہ کی کہانی بیان کرتے ہوئے یہ خبر بھی دی کہ جب جناب زکریا علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تو گرمیوں کے موسم میں سردیوں والا پھل اور سردیوں کے موسم میں گرمیوں والا پھل دیکھتے (وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا)۔ چنانچہ پوچھتے، یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا یعنی اے مریم! یہ میوے تمہارے

پاس کہاں سے آئے؟ وہ جواب دیتیں، هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ ط (آلِ عمران۔ آیت ۳۷)۔یعنی وہ اللہ کے پاس سے ہے۔اب مریم رضی اللہ عنہا پیغمبر تو نہیں تھیں کہ کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔چنانچہ آپ ولیہ تھیں۔

۳..... سورۃ الکھف کی آیات ۹ تا ۲۵ کا مطالعہ کیجئے، جن میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف اور ان کے کتے کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اہلِ انجیل کی حالت اَبتر ہوگئی۔ان پر دقیانوس بادشاہ تھا جو بڑا جابر اور بت پرستی پہ مجبور کرتا تھا۔اصحابِ کہف وہاں سے بھاگے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہوئے۔وہاں سو گئے اور تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک اسی حالت میں رہے۔بادشاہ نے معلوم کرلیا اور غار کا دہانہ بند کرادیا کہ مرجائیں۔اللہ نے ان کو زندہ رکھا۔خدا کی قدرت سے وہ کروٹیں بدلتے رہے:

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ق وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط......(الکھف۔آیت ۱۸)

ترجمہ: اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر۔یہ تمام کام عادات کے خلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ کرامت ہے اصحابِ کہف کی

۴..... سورۂ کہف ہی میں جنابِ موسیٰ علیہ السلام اور جنابِ خضر علیہ السلام کا واقعہ درج ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا

......(الکھف۔آیت ۷۱)

ترجمہ: دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ دیا۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس لیے توڑ دیا کہ کشتی والے ڈوب جائیں۔

اس آیت میں حضرت خضر علیہ السلام جو کہ غالباً کسی قوم کے ولی ہیں، کی یہ کرامت بیان ہوئی کہ انہوں نے کشتی کو توڑ ڈالا مگر کشتی نہ ڈوبی۔

۵.....وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا......(الکھف۔آیت ۸۲)

ترجمہ: اور خضر (علیہ السلام) نے کہا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت میں جناب خضر علیہ السلام کی یہ کرامت بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے دیوار کے نیچے کا دفینہ معلوم کرلیا۔خیال فرمایئے! ولی دیوار کے نیچے کی خبر رکھتا ہے تو اب اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں (جیسا کہ بدعقیدہ لوگ کہتے ہیں) تو وہ بدبخت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہاں ہم نے قرآن سے اولیاء کی کرامات کا ذکر کیا ہے، وہ بھی محض پانچ آیات سے، اگر مزید آیات سے اس مضمون کو بیان کیا جاتا یا پھر احادیث سے کراماتِ اولیاء پر روشنی ڈالی جاتی تو نہایت ضخیم کتاب تیار ہو جاتی، تا ہم انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔(تصنیفِ ھٰذا میں دیگر مقامات پر، اس ضمن میں لاتعداد آیات واحادیث بیان ہوئی ہیں)۔

سائنس اور کرامت:

منکرینِ کمالاتِ محبوبانِ خدا نے جدید سائنسی کمالات پر غور نہیں کیا۔ اگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن دور تک آواز پہنچا سکتے ہیں اور شکل دکھا سکتے ہیں تو آخر محبوبانِ خدا جو خدا کے نور سے دیکھتے اور سنتے ہیں، کی بے پناہ قوتِ سماعت و بصارت سے انکار کیوں؟ مقامِ حیرت ہے کہ برقی لہروں کی قوت پر یہ ایمان اور خدا کے نور کی طاقت سے یکسر انکار:

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

نورِ خدا کی عظمت کے انکار نے اس طبقے کو نورِ توحید سے محروم کر دیا ہے، ورنہ جو چیزیں خود دلائلِ توحید ہیں، ان سے کیوں پھرتے۔ ذرا غور فرمائیے، ایک آدمی چند گز تک دیکھ سکتا ہے، دوسرا چند فرلانگ تک، تیسرا اس سے بھی آگے اور ایک وہ ہے جس کی نظر کائنات کی سرحدیں چھو رہی ہے۔ اگر چند گز یا چند فرلانگ تک دیکھنے سے شرک نہیں ہوا تو کنارۂ عالم تک دیکھنے سے کیسے شرک ہوا؟۔ بتائیے! شرک کا فتویٰ دیکھ سکنے پر ہے یا فاصلے پر؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ہی کام ایک فاصلے تک توحید کے منافی نہ ہو، ذرا آگے بڑھے تو منافی ہو جائے۔ یاد رکھئے! اگر مطلقاً دیکھنا شرک نہیں تو دور دور تک دیکھنا بھی شرک نہیں۔ شرک اس صورت میں ہوگا جب یہ دیکھنا، سننا خدا کے فضل و قدرت کے بغیر مانا جائے اور ہمارے نزدیک تو محبوبانِ حق کے تمام کمالات کا باعث خدا کا نور، ارادہ اور لطف و کرم ہے۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بتخانہ ہو تو کیا کہئے

حیرت بالائے حیرت ہے کہ جس انسان کو قرآن نے وَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ (اور ہم نے اسے سمیع بصیر بنایا) فرمایا، دورِ حاضر کے نام نہاد مفتی اس کی 'سماعت و بصارت' کے درپے ہیں۔ حالانکہ ربِّ کریم نے وَجَعَلْنٰهُ (اور ہم نے اسے بنایا) فرما کر تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات والزامات کو ختم فرما دیا کہ جب انسان کو سماعت و بصارت کی بے پناہ طاقتیں عطا فرمانے والا میں خود ہوں تو کیا اپنے طرزِ فکر و عمل سے تم میرے قادرِ مطلق ہونے کی نفی کر رہے ہو؟

یہاں کتاب 'علمِ جدید کا چیلنج' سے ایک ضروری اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

'' پھر یہ مخصوص ذرائع ادراک صرف مشینی آلات تک محدود نہیں بلکہ حیوانوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فطرت نے خود ذی حیات اشیأ کے اندر ایسی طاقتیں رکھی ہیں۔ بے شک عام انسان کے حواس بہت محدود ہیں مگر جانوروں کے حواس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کتا اپنی متجسس ناک سے اس جانور کی بُو سونگھ لیتا ہے جو راستہ سے نکل گیا۔ چنانچہ کتے کی اس صلاحیت کو جرائم کی تفتیش میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چور جس تالے کو توڑ کر کمرے میں گھسا ہے، اس تالے کو جاسوسی کتے (Scott Dog) کو سونگھایا جاتا ہے اور اس کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ سینکڑوں انسانوں کے درمیان ٹھیک اس شخص کو تلاش کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جس نے اپنے ہاتھ سے تالے کو چھوا تھا۔ کتنے جانور ہیں جو ایسی آوازیں سنتے ہیں جو ہماری قوتِ سماعت سے باہر ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جانوروں میں اشراق (Telepathy) کی

صلاحیت پائی جاتی ہے۔ایک مادہ پتنگے (Moth) کو کوٹھے میں کھلی کھڑکی کے پاس رکھ دیجیے، وہ کچھ مخصوص اشارے کرے گی۔ یہ اشارے اسی نوع کے نر پتنگے حیرت انگیز فاصلے سے سن لیں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ جھینگرا اپنے پاؤں یا پَر ایک دوسرے پر رگڑتا ہے۔ رات کے سناٹے میں آدھے میل دور تک یہ آواز سنائی دیتی ہے، یہ چھ سوٹن ہوا کو ہلاتا ہے اور اس طرح اپنے جوڑے کو بلاتا ہے۔اس کی مادہ جو بظاہر بالکل خاموش ہوتی ہے مگر پراسرار طریقہ پر کوئی ایسا بے آواز جواب دیتی ہے جو نَر تک پہنچ جاتا ہے۔ نَر اس پراسرار جواب کو جسے کوئی بھی نہیں سنتا حیرت انگیز طور پر سن لیتا ہے اور ٹھیک اسی سمت میں اس کے مقام پر جا کر اس سے مل جاتا ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک معمولی ٹِڈّے (Grasshopper) کی قوتِ سماعت اس قدر تیز ہوتی ہے کہ ہائیڈروجن کے ایٹم کے نصف قطر کے برابر کی حرکت تک کو وہ محسوس کر لیتا ہے''۔

فرمائیے! جانوروں کی قوّتِ سماعت و بصارت پر 'ایمان' لانے والے انسان کو اشرف المخلوقات مانتے ہوئے بھی اس کی قوّتوں سے انکاری کیوں؟

خرقِ عادت کے متعلق یورپی علماٗ کی رائے

۱۸۶۹ء میں لندن میں ایک بڑی مجلس خرقِ عادات کی تحقیقات کے لیے منعقد ہوئی، اس مجلس کے ارکان یہ تھے:

سرجان لیک ممبر پارلیمنٹ (صدر انجمن)، پروفیسر ہکسلی (طبعیات کا سب سے بڑا عالم)، لوئیس (فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم)، الفریڈ ویلز (ڈارون کا ہم عصر

اور مسئلۂ ارتقاٗ میں برابر کا شریک)، مارگن (مجلسِ علومِ ریاضیہ کا صدر)، جان کوکس (امپیریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر) اور بہت سے فضلا۔ ۱۸ ماہ تک تحقیقات کے بعد جو رپورٹ مرتب کی گئی، اس کے بعض فقرے یہ ہیں:

''مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برأی العین مشاہدہ کیے اور جن میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں ہوسکتا تھا۔مجلس میں ۴/۵ چار خمس ممبر ایسے تھے جو شروع میں ایسے واقعات کے سخت منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔لیکن نہایت دقیق اور مکرّر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرقِ عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔''

پھر ۱۸۹۹ء میں برطانیہ اور امریکہ میں ہنریوب اور ہوڈسن کی صدارت میں قائم کردہ مجلس نے بارہ سالہ تحقیق کے بعد ان (خرقِ عادت) واقعات کی صحت کا اعتراف کیا۔ ہوڈسن نے کہا:

''میں نے اور پروفیسر ہنریوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کیں۔ ہم دونوں دہریہ تھے اور کسی شے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔تحقیقات سے ہماری یہ غرض تھی کہ مدعیانِ روحانیت جو شعبدہ بازیاں کرتے ہیں، ان کی پردہ دری کی جائے لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں کہ مُردوں سے بات چیت ہوسکتی ہے اور اس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہوچکے ہیں کہ اب شبہہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔''

ڈاکٹر جارج سکسٹون روحانیت کا مخالف تھا۔اس نے صرف اس غرض سے کہ مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیوں کا پتا لگ جائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس

تک اس تگ ودو میں رہا لیکن بالآخر اسے کہنا پڑا:

''میں نے خاص اپنے گھر میں جہاں میرے احباب کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا، بغیر کسی درمیانی واسطہ کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا۔ جن لوگوں سے بات چیت ہوئی وہ ہمارے مرے ہوئے عزیز واقارب تھے۔''

رسل ویلز (ڈارون کا ہم پلّہ) اپنی کتاب ''عجائباتِ روح'' میں لکھتا ہے:

''میں محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع۔ مجھ کو ذرّہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ میں روح کا معترف ہوسکوں گا۔ یا اس بات کا قائل ہوسکوں گا کہ اس عالم میں مادہ کے سوا اور بھی کوئی چیز اثر پیدا کرسکتی ہے''۔

ان کے علاوہ پروفیسر الیسٹ (امریکی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر)، زولز (مشہور جرمن ہیئت دان، 'اوراقِ علمیہ' کا مصنّف)، ویلبر، فیشز، ونڈنٹ نے بھی طویل تحقیقات کے بعد روح کے ساتھ عجیب وغریب کرشموں کا اعتراف کیا۔ ۱۸۹۱ء میں ایک علمی کانفرنس میں پروفیسر لودج (ایک بڑا ریاضی دان) نے اپنے لیکچر میں روحانیت کا اعتراف کیا۔

۲۲ جون ۱۸۹۸ء میں پروفیسر درو تاش نے ایک کانفرنس میں تقریر کرتے کہا:

''یہ خرق عادات جو اس وقت ہم نے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے ان لوگوں کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کا عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مباحثِ علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہیں، انہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدّت سے ہمارے تجربہ میں آرہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہوگیا ہے''۔

۱۸۹۳ء میں بمقام میلان ایک بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے ممبر الگزنڈر گزالوف

،جیوفانی، کارل دوپرل، جرمنی کے مشہور ڈاکٹر جیوزوب جیروزا، فزیکل سائنس کے پروفیسر شارل ریلیشیہ، فرانس کے طبّی کالج کے پروفیسر وغیرہم تھے۔ ان کی رپورٹ یہ تھی:

''جن خرق عادات کو ہم نے مشاہدہ کیا، ان میں کسی قسم کی شعبدہ بازی اور چالاکی نہیں تھی اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائلِ علمیہ میں داخل کیے جائیں''۔

اس قسم کی صدہا شہادتیں ہیں۔ ہم بوعلی سینا کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہیں بھی ایک مدّت تک خرق عادات سے انکار رہا لیکن جو صوفیاءِ کرام اس زمانہ میں موجود تھے، ان کی کرامات اس کثرت سے ان کے مشاہدہ میں آئیں کہ بالآخر ان کو اعتراف کرنا ہی پڑا کہ خوارق عادات وکراماتِ صوفیاؑ سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہوسکتا۔

ماحصل: حقیقت یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام علیہم الرحمہ کی خداداد قوتیں دراصل اطاعتِ الٰہی کے ثمرات ہیں۔ جو لوگ ان کی مخصوص طاقتوں کا انکار کرتے ہیں، انہیں گویا ایمان، نبوّت اور اطاعتِ الٰہی میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ یہ عقل ودین کے دشمن اپنے اپنے بغض کے مطابق صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ o کے مصداق ہیں۔

اب آخر میں امام الاولیاؑ سیدنا غوثِ اعظم الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشادِ عالیشان اور پھر سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز فیصلے پر اس بحث کو سمیٹا جارہا ہے۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ پاک: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں فرمایا:

اے ابنِ آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں کسی چیز کو کہتا ہوں کُن (یعنی ہوجا) تو وہ ہوجاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر، میں تجھے یہ شان دے دوں گا کہ تو بھی کسی چیز کو کُن کہے گا تو وہ ہوجائے گی''۔

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ: 'کشف المحجوب' کا ایمان افروز اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''اور اللہ تعالیٰ نے برہانِ نبوّت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاءِ کرام کو اس برہان کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ مسلسل آیات وحجت صداقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پیوستہ طریق پر ظاہر و باہر رہیں۔۔۔۔ ان چار ہزار اولیاءِ کرام میں جو ارباب حل وعقد ہیں، جنہیں سرہنگانِ درگاہِ حق تعالیٰ کہا جاتا ہے وہ تین سو نفوسِ قدسی ہیں جنہیں اصطلاحِ تصوّف میں اخیار کہتے ہیں اور چالیس وہ ہستیاں ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں اور سات وہ ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔ چار وہ ہیں جنہیں اوتاد کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں جنہیں نقیب کہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو قطب کہلاتا ہے، اسے غوث بھی کہتے ہیں''۔

(نوٹ: اس تمام مضمون کی تیاری میں قرآن و کتبِ حدیث کے علاوہ تصنیفِ لطیف 'انوارِ لاثانی' اور کسی حد تک 'شانِ اولیاً' سے استفادہ کیا گیا ہے) اس طویل تمہید کے بعد اب حضور سیدی مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات پیش کی جاتی ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی کرامات

اولیاءُ اللہ علیہم الرحمہ ہر شے پر اتباعِ شریعت کو اوّلین ترجیح قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک استقامت کرامت سے افضل ہے (اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ)۔ ان کے

ہاں سنتِ پاک کی پیروی اس حد تک کرنا کہ شرعِ مطہّر کے باریک ترین تقاضے بھی ملحوظ رکھے جائیں، خود سب سے بڑی کرامت ہے۔ میرے حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ العزیز نے جس طرح شریعتِ مطہرہ کے باریک ترین تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھا اور اتباعِ سنّت کی جو درخشندہ مثالیں قائم کیں اور اشاعتِ دین کے سلسلہ میں جو صعوبتیں برداشت کیں اور اس ضمن میں استقامت وعزیمت کا جو عظیم الشان مظاہرہ کیا وہی آپ کی عظیم ترین کرامات ہیں۔ اور ان کرامات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ یہاں نامور عالمِ دین علامہ ڈاکٹر رضاء الدین صدیقی صاحب (ڈائریکٹر ادارہ 'زاویہ' لاہور) کا ایک خوبصورت بیان بھی ملاحظہ فرمائیے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں استقامت بالدین عطا فرمائی تھی، یہ توفیقِ خداوندی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ پہلے زمانے میں بھی محدث ہوا کرتے تھے اور میری اُمّت کا محدث عمر ہے۔ تو اس امت میں بھی محدث ہوتے ہیں۔ محدث اسے کہتے ہیں جو صاحبِ الہام ہو۔ صاحبِ الہام وہ ہوتا ہے کہ اللہ کی توفیق سے خیر کی کوئی بات اس کے دل میں القا ہو۔ اور جب وہ کوئی بات کرے تو پھر اس کی بات پوری بھی ہو۔ تو آپ یہ دیکھیں کہ قبلہ آسی صاحب دین کی ترویج واشاعت کے لیے جہاں بھی جاتے تھے، خیر و برکت ہوتی تھی (یعنی آپ صاحبِ الہام تھے، جس کا درجہ کشف وکرامت سے کہیں بڑھ کر ہے)۔ یقیناً یہ توفیقِ الٰہی ہے۔۔۔ آسی صاحب، صاحبِ استقامت انسان تھے۔ یاد رکھیے کہ جو لوگ معاملات کو ایک تسلسل کے ساتھ جاری رکھتے ہیں اور اپنے مؤقف پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں، ان میں کبھی لچک نہیں آتی، ایسا بجز توفیقِ خداوندی کے نہیں ہوتا۔ ایسا شخص تائید الٰہی میں ہے، حفاظت و

سیانتِ الٰہی میں ہے۔۔۔"

بہر حال حضور مفکرِ اسلام قدس سرۃ النورانی کی چند دیگر کرامات یہاں ہدیۂ قارئین ہیں۔ یاد رہے کہ آپ سے کثیر تعداد میں کرامات کا ظہور ہوا۔ ان سب کا احاطہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پھر آپ کتمانِ حال کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ' اخفا ' کے طریق پر جس طرح آپ گامزن نظر آئے، کم از کم اس دور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے[1]۔

---

[1]۔ حاشیہ: حضرت سیدنا محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کرامت چھپانے کو لازمی قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "کرامت ظاہر کر کے تو رسوا نہ ہو جا"۔ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ آپ کے نزدیک بعض اولیأ کو اپنی کرامات کا علم بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود ان سے رونما ہو جاتی ہیں۔ اکثر ان کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کرامت کو چھپانا لازم یا بہتر ہے تو پھر اولیاءِ کرام علیہم الرحمۃ کی کرامات کیوں ظاہر ہوئیں۔ اس کی چند حکمتیں یہ ہیں۔

۱۔ کرامت سے ولایتِ ولی ظاہر ہو گی، یہ دوسرے لوگوں پر رحمتِ خداوندی کا ظہور ہے۔ یعنی اللہ چاہتا ہے کہ عام لوگ ان اولیأ کو اپنی طرح سمجھ کر کہیں ان کے بے ادب و نافرمان نہ بنیں اور ان کو منبعِ فیض سمجھیں۔

۲۔ کرامت سے شہرت کا خطرہ ہوتا ہے اور شہرت کئی الجھنوں اور رکاوٹوں کا موجب ہے۔ جب اس نقطۂ نظر سے ولی کرامت چھپاتا ہے تو اس کو ترقی ملتی ہے۔ اب اللہ خود اس کی کرامات کو ظاہر کر دیتا ہے اور الجھنوں اور رکاوٹوں کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے۔ اس مقام کے اولیأ سراپا کرامت ہو جاتے ہیں اور ان کے ارادے سے نہیں بلکہ اللہ کریم کے اپنے ارادے سے کرامتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔

۳۔ شیخ جو کہ مربّی ہوتا ہے، اپنے زیرِ تربیت مرید کو ربانی انعامات و نوازشات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ اس کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو اور شیخ کے بارے میں اس کے اعتقاد کو تقویت بھی ملے۔ (جو اس کی کامیابی کے لیے ضروری ہے)

۴۔ کبھی اسلام کے دفاع کے لیے بھی ایسا کرنا پڑتا ہے جیسے حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضور پاک ﷺ کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے مردہ زندہ کیا (چنانچہ عیسائی مسلمان ہو گیا)۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں اولیأ کی سیرت، خصوصاً کرامت کا بڑا حصہ ہے۔

۵۔ ان کرامتوں سے اسلام و قرآن کے دفاع کے ساتھ اسلامی مملکتوں کی حفاظت و مضبوطی بھی ممکن رہی ہے۔ مثلاً 1965ء کی جنگ میں ارواحِ مقدسہ کی امداد کے بے شمار واقعات اس کا ثبوت ہیں۔

کبھی بھی اپنے مراتبِ بلند اور کرامات و تصرّفات کسی پر ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انہیں چھپانے کی پوری پوری سعی فرمائی۔ مگر قدرت کا اپنا نظام اور انداز بھی تو ہے۔ آپ اپنی کرامات پر پردہ ڈالتے رہے، کرامتیں عطا فرمانے والا انہیں واشگاف کرتا رہا۔ آپ تصرّفات سے بچتے رہے، متصرّفِ حقیقی خود انہیں گوناگوں طریقوں سے نوازتا رہا۔ انہوں نے ہمیشہ عاجزی و انکساری کو اپنائے رکھا مگر بڑائی دینے والے ربِّ اکبر نے انہیں 'شمس العرفأ' اور 'مفکّرِ اسلام' کہلوایا۔ آپ کی ایک ایک کرامت میں کئی کئی کرامات کا ظہور ہوتا مگر مجال تھی کسی کی کہ کسی بھی طریقے سے آپ کی کرامت کو بیان کر پاتا۔ ادھر کسی نے یہ حرکت کی ادھر آپ نے مخصوص انداز سے سرزنش فرما دی یا کبھی بات ٹال دی یا کوئی اور بات چھیڑ دی۔ قدرت نے بھی اس بلند ہمّتی کا خوب صلہ دیا۔ مثلاً کثیر تعداد میں کرامات کا ظہور۔ اس صورت میں خود اندازہ کیجئے کہ ان کو کون اور کیسے لکھتا۔ پھر کرامات دیکھنے والوں میں سے کتنے ایسے ہوتے ہیں جو کرامت کو مختلف زاویوں سے دیکھنے والے، ہر پہلو کو سمجھنے والے اور کماحقّہٗ بیان کرنے کی قدرت رکھنے والے ہیں؟ پھر زبانی بیان کرنا کچھ اور ہے اور معرضِ تحریر میں لانا کچھ اور۔ خیال فرمائیے! حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ کے لاکھوں ارادتمند وطنِ عزیز کے طول و عرض میں اور بیرونِ ملک موجود ہیں مگر یہاں سینکڑوں کی بھی نہیں صرف چند ایک کی بیان کردہ کرامات کا ذکر ہے۔ چنانچہ یہ مختصر مواد ہی سہی تاہم مشت نمونہ از خروارے کا حکم رکھتا ہے۔ مستند و معتبر ترین باتیں ہی نذرِ قارئین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کرامات کی اچھی خاصی تعداد اوراقِ گذشتہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ عنوان کی مناسبت سے دوبارہ انہیں یہاں تحریر کیا جا سکتا تھا تاہم تکرار کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ملاحظہ

فرمایئے، چند عنوانات کے تحت چند کرامات و تصرّفاتِ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ:

بادلوں پہ حکومت

☆...... یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور نے 'شبانِ بزمِ لاثانی' بنا کر اور نوجوان علماً کے وفد تشکیل دے کر مختلف علاقوں کی طرف بھیجنے کا بڑے پیمانے پر اہتمام فرمایا تاکہ دور دراز کے دیہاتوں میں لوگوں کی اصلاحِ احوال کی تدابیر ہوں۔ ۱۳ اگست ۲۰۰۰ء کو مولانا غلام مرشد صاحب[1] کو معہ دو ساتھیوں کے موضع ساؤلہ (شکر گڑھ) بھیجا۔ یہاں پورا گاؤں بلکہ اردگرد کے دیہات سے خاصی بڑی تعداد میں عوام النّاس اکٹھے تھے۔ نہایت بہترین

اصلاحی تقاریر ہوئیں بہت سے لوگوں نے نمازی بننے اور شعائرِ اسلامی پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ تبلیغی وفد ان تبلیغی فتوحات پر خاصا مسرور تھا۔ واپسی پر جب پگالہ موڑ کے قریب پہنچے تو ایک رکن نے کہا کہ اہلِ دیہہ بارش کے لیے پریشان ہیں اور ان کی شدید خواہش تھی کہ بارش ہو۔ غلام مرشد صاحب بڑے جذبے کے ساتھ بولے کہ ہم جس مردِ کامل کے غلام ہیں، ان کے طفیل اللہ کریم آج ضرور بارش نازل فرمائے گا اور پھر اسی مستی کے ساتھ اپنے شیخ کی طرف توجّہ کر کے نزولِ بارش کی التجا کی۔ غلام مرشد صاحب اور ساتھی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ جب دعا و مناجات شروع کیں تو دھوپ تھی۔ پھر اثنائے دعا میں بادل بھی آ گئے اور بونداباندی بھی شروع ہو گئی۔ کرم و رحمت کی اس صورتحال پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر غلام مرشد صاحب عرض گذار ہوئے، 'اے

....

(۱)۔ فرضی نام (ان کی اپیل پر)

مالک و مولا، جن کے طفیل دعا کی ہے اور جنہیں وسیلہ بنایا ہے، وہ کوئی معمولی شخصیّت تو نہیں، کھل کر بارش ہو'۔ پھر یکایک اتنی تیز بارش ہوگئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔

سچ فرمایا تھا سچے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے:

بِهِمْ تُغَاثُوْنَ وَ بِهِمْ تُرْزَقُوْنَ وَ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ

(جامع الحدیث والمراسیل ۴۹۵/۱۷، اللام مع النون من الجامع الصّغیر و زوائدہ ۱۰۹/۶، ابنِ حبان فی تاریخہ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ان ہی (اولیاً) کی بدولت تمہاری فریادیں سنی جائیں گی، ان کے سبب رزق پاؤ گے اور ان ہی کی برکت سے بارش ہو گی۔

☆...... صوفی تنویر احمد صاحب، حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کے نہایت منظورِ نظر خادم ہیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاوّل شریف کا دن تھا۔ شکر گڑھ میں حضور قدس سرّہ کی قیادت میں میلاد شریف کا جلوس رواں دواں تھا۔ سخت گرمی کا دن تھا، تاہم جب جلوس موضع دین پور پہنچا تو آپ کے سرِ اقدس کے عین اوپر بادل سایہ فگن ہو گیا۔ جس نے تمام شرکاءِ جلوس کو بھی اپنے سایے میں لے لیا۔ اب جدھر حضور تشریف لے جاتے، بادل اُدھر ہی چلتا۔ یوں تمام لوگ آپ کے زیرِ سایہ خاصے آرام میں رہے۔ اور بہت سے لوگوں نے اس صورتحال کو محسوس بھی کر لیا کہ آپ کی برکت سے ہی ایسا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اس ارشادِ عالیشان کی صداقت بھی مزید واضح ہو گئی کہ:

تَعِيْشُوْا فِیْ اَكْنَافِهِمْ

ترجمہ: ان (اولیاءاللہ) کے پاس تم عیش میں رہو گے۔

☆...... ایسے ہی ایک واقعہ کے راوی جناب حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) بھی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ سخت گرمی کے موسم میں حضرت صاحب کو راولپنڈی جانا تھا۔ ناسازیٔ طبع کے سبب آپ کا اتنی گرمی میں جانا ہمارے لیے پریشان کن تھا۔ تاہم ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ آغازِ سفر ہی میں ایک بادل ہمارے اوپر سایہ فگن ہو گیا جس نے گرمی کے احساس تک سے ہمیں بے نیاز رکھا۔ اور جب راولپنڈی پہنچے تو بارش شروع ہو گئی۔ فللہ الحمد

☆...... حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) ایک اور واقعہ سناتے ہیں کہ میں شکرگڑھ حضور کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ مطالعہ فرما رہے تھے۔ ان دنوں بارش کی اشد ضرورت تھی۔ اور میں دعا کے لیے عرض کرنا چاہتا تھا۔ تاہم آپ کی جلالت کے پیشِ نظر مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ اچانک آپ نے ایک کتاب پکڑانے کا فرمایا۔ وہ پکڑائی تو زیرِ مطالعہ کتاب مجھے رکھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے رکھی تو حکم ہوا کہ دیکھو بادل آئے ہیں؟ (آپ بند کمرے میں تھے جہاں سے باہر کے موسم کا اندازہ کرنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔ جب میں آپ کے کمرے میں داخل ہوا تھا تو شدید دھوپ تھی)۔ میں نے دیکھا تو واقعی بادل چھا چکے تھے۔ زرا توقف کے بعد فرمایا، دیکھو بوندا باندی شروع ہوئی۔ دیکھا تو شروع ہو چکی تھی۔ پھر حکم ہوا کہ دیکھو بارش ہو رہی؟ دیکھا تو حسبِ ارشاد پایا۔

☆...... حضور کے خاندان کی ایک انتہائی بزرگ شخصیت نے یہ واقعہ راقم کو بیان کیا۔ سیالکوٹ (رنگ پورہ) قیام کے دوران یہ معاملہ پیش آیا۔ جون جولائی کی سخت ترین گرمی نے کثیر خلقِ خدا کو پریشان کر رکھا تھا۔ حضور ادائیگی جمعہ کے لیے تشریف لے جا

چکے تھے۔ جمعہ و دیگر معاملات سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو اہلِ خانہ نے خبر دی کہ متعدد مرد و عورت پریشان حال بارش کے لیے دعا کی التجا لے کر آئے تھے۔ آج بارش ہونی چاہئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ اللہ! ان ہاتھوں کا اٹھنا نہ جانے ربِّ کریم کو کتنا پسند تھا کہ ابھی نیچے نہیں ہوئے تھے کہ کالے بادل آ گئے۔ پھر بارش بھی ہونے لگی۔ اور اس قدر ہوئی کہ آٹھ دن ہوتی رہی اور گلیاں پانی سے بھر گئیں۔ تب لوگ آ کر پھر عرض گزار ہوئے کہ جناب اب بارش رک جانی چاہئے تا کہ ہم اپنے معمولات کو سرانجام دے سکیں۔ چنانچہ نبی کریم رءف رّحیم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے اس نائب نے جونہی دعا کی، بارش کا سلسلہ فوراً رک گیا۔

جنّات پہ حکومت

☆...... جناب سہیل انجم صاحب پرنسپل نقشِ لاثانی پبلک اسکول حضور کے مخلص ترین خدام میں سے ہیں۔ بیان فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان کو جنات تنگ کرتے تھے بلکہ مکمل طور پر اس پر قابض تھے۔ اس کے گھر والے اسے لے کر بہت جگہوں پر گئے تاہم مسئلہ حل نہ ہوا۔ بعد ازاں لاہور کے ایک صوفی صاحب کا شہرہ سن کر بغرض علاج نوجوان کو اس کے پاس لے گئے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جس کا اس قسم کا مسئلہ کہیں حل نہ ہو تو ان کے پاس آ جائے، فوراً مقصد پورا ہوگا۔ یہاں وقتی طور پر جنات نے پیچھا چھوڑ دیا تاہم گھر آتے ہی وہی صورتحال۔ جناب سہیل صاحب راوی ہیں کہ میں ازراہِ ہمدردی اس نوجوان کو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کی بارگاہ میں لے آیا۔ آپ نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا، وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ سب حیران کہ مرض کہاں گیا اور ہنوز یہ شخص بالکل

ٹھیک ہے۔

اس طرح کے لاتعداد واقعات ہیں۔ عموماً حضور سورہ ناس، سورہ فلق اور سورہ کافرون پڑھ کر دم کرتے تھے، لاعلاج مریض شفا بخش پھونکوں سے وہیں صحت یاب ہو کر واپس جاتے تھے۔ کبھی محض توجہ ہی کافی وشافی ہوتی تھی۔

☆......چودھری محمد عالم صاحب ایڈووکیٹ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے حلقۂ ارادت سے متعلق تھے۔ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ اپنے شیخِ کریم کی طرح ان پہ نہایت مہربان تھے۔ چوہدری صاحب کے بیٹے اسحٰق عالم آغازِ شباب میں ہی جنّات وغیرہ کے ستم کا شکار ہونے لگے تھے۔ جب کبھی وہ زیادہ تنگ کرتے، ان پر مرگی کی طرح کا دورہ پڑتا تھا۔ اور آرام اس صورت میں آتا جب حضور نقشہ، نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی تصویر مبارک دیکھ لیتے یا حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی بارگاہ میں ان کو لایا جاتا۔ یہاں آتے ہی یہ اصل حالت میں واپس آجاتے تھے۔ ایک مرتبہ ریلوے لائن نزد محلہ رشید پورہ یہ جا رہے تھے تو جنات نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہ تکلیف سے بے حال ہو گئے۔ پھر اسی وقت جنات کی چیخ وپکار کی آواز آنے لگی۔ وہ کہتے تھے، 'ہائے ہمیں آسی صاحب نے مار دیا، ہائے ہمیں آسی صاحب نے مار دیا'۔ پھر ان کے چلّانے سے ہی معلوم ہوا کہ حضور نے تمام کو مار دیا اور صرف ایک وہاں سے بری حالت میں بھاگ گیا۔ اس کے بعد کبھی ان کو یہ مسئلہ نہیں ہوا۔

☆......جناب عرفان صفدر صاحب (نارووال) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ رکھا میرے جاننے والوں میں سے تھا۔ میرا ہمراز بن گیا۔ ایک دن اسی ناطے سے مجھے بتانے لگا کہ جنات و مؤکلات اس کے تابع ہیں اور ان کے ذریعے وہ کسی بھی شخص کے

بارے میں معلوم کر لیتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے اس کی بات کو جھوٹ خیال کرتے ہوئے بطور آزمائش پوچھا کہ میرے بھائی سہیل صاحب کہاں ہیں۔ اس نے اپنے مؤکلات سے دریافت کر کے بتا دیا کہ فلاں جگہ پر ہیں۔ تاہم میری تسلی نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ شکر گڑھ کے محلہ فیصل ٹاؤن (نقشِ لاثانی نگر) کی مسجد کے ساتھ والہ رہائش گاہ میں مقیم ہستی کون ہے؟ (درحقیقت میں نے اپنے شیخِ کریم حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس نے اپنے مؤکلات کو معلوم کرنے کا کہا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں 'حضور پروفیسر محمد حسین آسی صاحب' (رحمۃ اللہ علیہ) رہتے ہیں اور جس جگہ رہائش پذیر ہیں وہی تو ہمارا پرانا ڈیرہ ہے اور انہی کے حکم پر ہم اس جگہ کو چھوڑ کر ادھر آ گئے تھے۔ اب وہاں نور ہی نور نظر آتا ہے۔ مزید بتایا کہ ان کے کمرے میں فلاں جگہ لوحِ قرآنی رکھی ہے، فلاں جگہ چارپائی رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (یہ سب باتیں درست تھیں اور واقعتاً ان چیزوں کی جگہ یہی ہوتی تھی) میں نے کہا، اچھا اپنے مؤکلات سے کہو کہ حضور سے میرا اسلام عرض کریں۔ چنانچہ انہوں نے سلام عرض کرنے کے بعد کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ 'اس سے کہو کہ آنا کب ہے'۔ میں نے گھبرا کر عرض کیا کہ سرکار جب آپ بلائیں گے۔ تو فرمایا، 'آ جاؤ اب'۔ اللہ رکھا صاحب کہنے لگے کہ تمہیں کسی موقع پر بھی فکر مند ہونے کی کبھی بھی ضرورت نہیں، تمہارے سر پر وہ ہستی ہے جو نور ہی نور ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سے پہلے حضور نے علی پور شریف جاتے ہوئے بھی یونہی فرمایا تھا کہ 'کب آنا ہے'۔ میں نے عرض کیا تھا 'سرکار جب آپ بلائیں گے'۔ پھر جب میں اس واقعے کے بعد حاضرِ بارگاہ ہوا تو آپ کے چہرۂ اقدس پر ناپسندیدگی کے آثار تھے، اگرچہ آپ نے لفظوں میں اظہار نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپ کو اپنے

تصرّفات کا ظاہر ہونا یا کرنا ہرگز پسند نہ تھا۔

ممکن ہے کوئی شخص 'حضرتِ انسان' کے گروہِ جنات (اور موکّلات وغیرہ) پر حاکم ہونے اور ان میں تصرّفات کرنے پر معترض ہو، اسے چاہیئے کہ قرآنی حکم وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (اور ہم نے اولادِ آدم کو سب پر بزرگی عطا فرمائی) نیز ابنِ ماجہ جلد دوم میں حدیث نمبر 1745 کو ملاحظہ کیجیئے جس میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ بَعْضِ مَلٰٓئِکَۃٍ

ترجمہ: یعنی مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض فرشتوں سے بھی زیادہ افضل ہے۔

جب 'بندۂ مومن' بعض فرشتوں سے بھی افضل ہے، تو جنّات کس شمار میں؟ اور جب اللہ کا مقرب جنات سے افضل تو اس کے خداداد تصرّفات بھی ان سے زیادہ۔

زمیں پر حکومت

☆...... صوفی تنویر احمد صاحب وہ خوش نصیب خادم ہیں کہ حضور کہیں آنے جانے کے لیے ایک عرصہ ان کی خدمات لیتے رہے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور (جبکہ بسلسلہ تدریس گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ جاتے تھے) کالج جانے کے لیے تیار تھے۔ (مئی ۲۰۰۰ء کی بات ہے)۔ وقت دیکھا تو آٹھ بج کر پچپن منٹ، جبکہ نو بجے کالج لگتا تھا۔ میں موٹر سائیکل سمیت حاضرِ بارگاہ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لیٹ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے گھڑی پہ وقت دیکھ کر فوراً موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور تین کلومیٹر کا فاصلہ جس میں دو کلومیٹر کا کچا اور ناہموار راستہ تھا، طے کر کے جب کالج پہنچے اور میں

نے گھڑی دیکھی تو اب بھی وقت آٹھ بج کر پچپن منٹ ہی تھا جبکہ گھڑی بھی بالکل ٹھیک تھی۔

☆...... عرفان صفدر باجوہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سے اجازت لے کر موضع ڈومالہ (شکرگڑھ سے تقریباً ۵۰ کلومیٹر دور) کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے جلد پہنچنا تھا، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اس صورتحال نے مجھے پریشان کر دیا۔ خیر اڈے پر پہنچا تو فوراً ایک گاڑی مل گئی۔ وقت دیکھا تو تین بج چکے تھے۔ پھر جہاں پہنچنا تھا پہنچ کر گھڑی پہ نظر پڑی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابھی سوا تین ہی بجے تھے حالانکہ یہ سفر دو گھنٹے کا تھا۔ ایسا تین مرتبہ ہوا۔ ایک دفعہ تو موٹر سائیکل پر آستانے سے روانہ ہوا تو رات عشاء کے بعد پہنچنے کا احتمال تھا۔ کیونکہ راستے میں موٹر سائیکل خراب ہو گئی تھی۔ مگر جس شیخ کے در کی حاضری دیتا تھا انہوں نے مجھے کبھی پریشان ہونے دیا نہ رسوا ہونے دیا چنانچہ اب کی بار بھی نگاہِ شیخ کے طفیل شام کی اذان کے دوران بخیر و عافیت گھر پہنچ گیا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد

یہ واقعات دلیل ہیں اس بات کی کہ اللہ والے چاہیں تو زمین کی طنابیں کھینچ لیتے ہیں۔ اور الحمدللہ ہمارے حضور خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے زمین پر بھی متصرّف تھے (اور ہیں) اور وقت پر بھی۔ اور اولیاً اللہ زمین پر حاکم کیوں نہ ہوں جبکہ قرآن پاک کا اعلان ہے: وَ لَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ...... (الانبیاء۔ پارہ ۱۷۔ آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

پانیوں میں تصرّف

☆...... حضور کی اس عظیم الشان کرامت کے راوی جناب رانا محمد ارشاد صاحب (ڈسکہ) ہیں جو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی کے قریبی عزیز (موجودہ سجادہ نشین کے بہنوئی) اور نہایت متقی انسان ہیں۔ خود ان سے یہ واقعہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا۔ رانا صاحب بیان کرتے ہیں:

''ایک دن حضور قدس سرہ کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا اور ان کی ایک عزیزہ پھگواڑی شریف سے شکر گڑھ تشریف لا رہی تھیں۔ راستے میں نالہ بئیں میں والدہ کریمہ علیہا الرحمہ کا جوتا گر پڑا۔ بہتیرا تلاش کیا مگر ناکامی ہوئی۔ چنانچہ پریشانی لاحق تھی۔ اچانک ایک طرف سے حضور آتے نظر آئے۔ قریب آکر بولے، 'بوبو جی! السلام علیکم'۔ پھر بغیر کچھ دریافت کیے پانی میں دو چار قدم چلے۔ اس دوران شلوار گھٹنوں سے نیچے رہی کہ شرع شریف کا حکم ہے۔ نیچے جھک کر ہاتھ پانی میں ڈالا۔ جب باہر نکالا تو جوتا ہاتھ میں تھا۔ والدہ کریمہ علیہا الرحمہ کے قدموں میں رکھا اور عرض کیا کہ اب تشریف لے چلیں۔

حکومتوں میں تصرّف

☆...... ایک حکومت نے جب نظامِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے نفاذ کا نعرہ لگایا تو حضور جُملہ مشائخِ کرام کی طرح نہایت مسرور تھے۔ تاہم بعد میں جب اس نے ٹال مٹول سے کام لیا تو بہت نالاں تھے۔ راقم الحروف اس واقعے کا عینی شاہد ہے کہ سالانہ عرسِ علی پور شریف کے موقع پر یکم اکتوبر کی رات کو ایک ممتاز آستانے کے پیر صاحب کے ساتھ بند کمرے میں اس صورتحال پر تبادلہ خیال ہوا۔ آپ دو کے علاوہ صرف یہ سگِ بارگاہ وہاں

موجود تھا۔ اس خاص باہمی گفتگو میں اس حکومت کے چند دن میں ختم ہونے اور اس سے اگلی حکومت نیز اس سے بھی بعد میں آنے والی حکومت کی خصوصیات بیان ہوئیں۔ پھر یونہی ہوا اور ہفتے عشرے میں حکومت الٹ دی گئی۔

دلوں میں تصرّف

☆...... صوفی تنویر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب بھی حضور نے کہیں تشریف لے جانا ہوتا تھا، میں جہاں کہیں بھی ہوتا، دل میں بے چینی و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور میرا دل مجبور کرتا کہ آپ کی بارگاہ میں پہنچا جائے۔ (ان دنوں کہیں آنے جانے کے لیے آپ انہی کی خدمات لیتے تھے) دیپور رہائش کے دوران ایک دن صبح سویرے حسبِ معمول سیر کے لیے کھیتوں کی طرف روانہ ہوا اچانک بارگاہِ شیخ میں حاضری کے لیے دل کا یہی اضطراب شروع ہو گیا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ میں نے آپ کی آواز مبارک واضح طور پر سنی، فرما رہے تھے، 'اب آ بھی جاؤ'۔ چنانچہ جلدی سے موٹر سائیکل سنبھالی اور نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں چھوٹا بھائی نعیم ملا جو کہنے لگا کہ جلدی پہنچو، حضرت صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ اس طرح دل نے جو محسوس کیا اور کانوں نے جو سنا، اس کی مزید توثیق ہو گئی۔ میلوں دُور سے عین دن کے اجالے میں اپنے کانوں سے شیخ کی آواز نے رگ و پے میں وجد و مستی سی بھر دی تھی۔ (۲۰۰۰ء)

☆--- انہی کا بیان ہے کہ یونہی ایک مرتبہ میں اپنے سسرال (موضع جموال) تھا۔ سسرال والوں نے کھانے کا ٹھیک ٹھاک انتظام کیا ہوا تھا۔ لیکن اچانک وہی بے چینی شروع ہو گئی اور دل کہنے لگا کہ جلد سے جلد حضور کی بارگاہ میں پہنچو۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ

کے فوراً حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمانے لگے، ’آ گئے ہو؟ دربار شریف جانا ہے‘۔ (۲۰۰۰-۰۷-۰۴)

☆۔۔۔محترم شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) فرماتے ہیں کہ جب حضور (۲۰۰۴ء میں) میو ہسپتال زیر علاج تھے تو تقریباً دس دن ہمارے گھر رہائش پذیر رہے۔ یہیں ’نغماتِ میلاد‘ لکھی اور میں نے اسے پرنٹ کروایا۔ ایک دن میں دفتر گیا تو میرا دل سخت پریشان تھا۔ ایک عجیب پریشانی نے مجھے بے چین و بے حال کر دیا تھا۔ حالانکہ نہ مجھے پیسے کا کوئی مسئلہ تھا، نہ کوئی بیماری۔ گھر آیا تو مجھے دیکھ کر فرمایا، ’نقشبندی صاحب، ادھر آئیں‘۔ میں حاضرِ بارگاہ ہوا تو فرمانے لگے کہ آپ میرے اہلِ خانہ ہو۔ پھر آپ نے چند اور نام بھی لیے۔ فرمایا تم لوگ میرے اہلِ خانہ ہو اور میرا گھر حضور شہنشاہِ لاثانی کا گھر ہے۔ بس پھر کیا تھا، اس فرمانِ عالیشان نے مجھے ایسا قلبی سکون دیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد وہ پریشانی مجھے آج تک نہیں ہوئی۔

دلوں کے ارادے ہیں اُن کی نظر میں

مشہور حدیثِ پاک ہے، ’مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے اور اللہ کی توفیق سے بولتا ہے‘۔ (اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ وَ يَنْطِقُ بِتَوْفِيْقِ اللهِ ۔ جامع صغیر) حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی اس دور میں اس حدیثِ پاک کی بہترین عملی تفسیر تھے۔ چنانچہ اللہ کے نور کی برکت سے حاضرین و غائبین کے دلی ارادے اور مخفی حالات سب ان کے روبرو تھے۔ محض چند واقعات یہاں درج کیے جا رہے ہیں:

☆......عرفان صفدر باجوہ صاحب (نارووال) جامع مسجد گلزارِ مدینہ (شکرگڑھ)

کے صحن میں راقم الحروف کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضور خاصے فاصلے پر کمرے کے اندر رونق افروز تھے۔ عرفان صاحب کو ایک مسئلے کا جواب مطلوب تھا اور ابھی وہ راقم سے بیان کر رہے تھے کہ حضور اندر سے اٹھ کر باہر تشریف لائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کا مسئلہ سمجھانا شروع کر دیا۔ عرفان صاحب ہکا بکا رہ گئے کہ دل کی بات جو ابھی پاس موجود شخص سے بھی پوری بیان نہیں کی، مگر حضور نے اتنی دور سے کیسے سمجھ لی اور پھر اس کا تسلی بخش جواب بھی عنایت فرما کر میری تشفی کر دی۔

☆......ایک دفعہ حضور شیخوپورہ سے شام کے بعد واپس پہنچے۔ جناب محمد سہیل انجم صاحب، جناب محمد نعیم صاحب کے علاوہ متعدد افراد موجود تھے۔ حضور ان سے گفتگو فرما رہے تھے، اس دوران سہیل صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علمِ غیب کی بابت عقیدہ دریافت کیا۔ آپ جواب ارشاد فرما رہے تھے۔ نعیم صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسی روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علمِ غیب کے اثبات میں ایک حدیث سُنی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال شدت سے پیدا ہوا کہ آپ اس حدیث کو بھی بیان فرمائیں۔ ابھی یہ خیال پیدا ہوا ہی تھا کہ آپ نے یہی حدیثِ پاک سنانی شروع کر دی۔ آپ سناتے گئے اور میرا دل آپ کے رعب و جلال سے کانپتا رہا۔ (۲۰۰۰-۰۵-۱۱)

☆......غلام مرشد صاحب بیان کرتے ہیں:

چند اشخاص آپ کے پاس حاضر ہوئے ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا تھا اور اس نے آپ سے اس بچے کا نام رکھنے کی گذارش کی۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کا نام ’علی‘ رکھا جائے۔ اِدھر یہ خیال پیدا ہوا اُدھر آپ نے فرمایا، ’علی‘۔

☆......انہی صاحب کا بیان ہے:

ایک مرتبہ بروز جمعہ بعد نمازِ جمعہ ختمِ خواجگان ہو رہا تھا۔حضور اس میں شریک نہیں تھے۔جب ختم اختتام پذیر ہوا اور دعا کا مرحلہ آیا۔آپ کا طریقہ تھا کہ خود شریک نہ ہوتے تو عموماً دعا کے لیے کسی اور سے کہتے۔میرے دل میں آیا کہ آج دعا کے لیے آپ ہمایوں بخش صاحب سے کہیں۔اسی وقت ارشاد ہوا،’مولوی ہمایوں دعا کرے‘۔حالانکہ میری یادداشت کے مطابق اس سے پہلے ختمِ خواجگان کے بعد کی دعا کے لیے آپ نے ان سے کبھی نہیں فرمایا تھا۔

☆......محمد توقیر شاکر صاحب (لاہور) کی روایت ہے:

میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حسبِ معمول حاضر ہوا تو لنگر شریف کھایا جا رہا تھا۔حضور نے مجھے فرمایا کہ کھانا کھالو۔میں نے کہا کہ کھا کے آیا ہوں۔حالانکہ میں نے کافی دیر پہلے کھایا تھا اور اب بھوک خاصی ستا رہی تھی۔آپ نے دو تین مرتبہ فرمایا لیکن میں نے یہی جواب دیا۔تب آپ گویا ہوئے،’مجھے معلوم ہے کہ تم کھا کے نہیں آئے،چلو کھانا کھاؤ‘۔چنانچہ میں اپنے جھوٹ پر شرمندہ شرمندہ سا،لنگر شریف کھانے میں شریک ہو گیا۔(۲۰۰۰-۰۵-۰۲)

☆......محمد بشارت صاحب،جنہیں کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں باقاعدہ رہنے کا شرف حاصل ہوا،راوی ہیں:

۶ مارچ ۲۰۰۱ء کو عید الاضحیٰ تھی اور عید کے دوسرے روز میں آپ کی اجازت کے بغیر باہر پھرتا رہا۔کافی دیر سے واپس آیا اور آپ کی ناراضی کا ڈر تھا۔پریشانی ذہن پر مسلط تھی۔حاضر ہوا تو آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔آپ نے توجہ نہ دی تو میں اور ڈر

گیا۔کچھ سمجھ نہ آئی کہ آپ ناراض ہیں یا نہیں؟ پھر دل میں خیال آیا کہ اگر آپ کھانے میں سے کچھ عنایت فرمائیں گے تو یہ آپ کی رضامندی کی ورنہ ناراضی کی علامت ہو گی۔اچانک آپ نے حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) سے کھانا لانے کا ارشاد فرمایا۔وہ اندر سے آ کر عرض گذار ہوئے کہ حضور کھانے میں ذرا دیر ہے۔فرمایا،اچھا میں نے بھی بشارت کو کھلانا تھا تاکہ یہ خوش ہو جائے۔

☆......جناب ماسٹر نثار احمد صاحب (پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول   ) کا بیان ہے:

جن دنوں حضور شہر کی سب سے بڑی اور مرکزی مسجد جامع مسجد نور میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے،مجھے بھی کبھی کبھی حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ایک مرتبہ سخت سردیوں میں آپ کی طبع مبارک ناساز ہو گئی تو آپ نے چند دن اپنے دولتخانے پر درس دیا۔میں نے بعض احباب کے ساتھ شرکت کی۔بعد ازاں آپ ہم سے تا دیر باتیں کرتے رہے۔مغرب و عشا کی نمازیں سب نے ادا کیں،البتہ میں نے عشا گھر جا کر پڑھنے کی ٹھانی۔رات کے دس بج گئے تو سردی اور نیند کے سبب میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ گھر پہنچتے ہی لحاف میں گھس جانا ہے اور نماز نہیں پڑھنی (نعوذ باللہ)۔جب ہم سب جانے لگے تو باقیوں کو تو اجازت مل گئی لیکن مجھے آپ نے فرمایا کہ نثار صاحب تشریف رکھیں۔میں بیٹھ گیا تو فرمانے لگے،’نثار صاحب دل کی بات نہیں مانی،نماز پڑھ کر سونا ہے‘۔

☆......انہی کا بیان ہے کہ اپنی حیاتِ مقدسہ کے آخری ایام میں آپ نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی،نقشِ لاثانی نگر میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔میں اور میرا دوست ماسٹر محمد ادریس اختتام درس کے قریب چپکے سے جا کر بیٹھ گئے۔پھر آپ نے دعا فرمانا

شروع کی۔ میں گھر سے یہ نیت لے کر آیا تھا کہ اپنے بڑے بھائی کے لیے آپ سے دعا کراؤں گا۔ تاہم چونکہ میں کافی عرصہ کے بعد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تھا لہٰذا اس طویل غیر حاضری پر شرمندگی کے سبب اپنا مدّعا بیان نہ کر پا رہا تھا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ آپ با آوازِ بلند اثنائے دعا میں کہنے لگے، 'یا اللہ! کچھ لوگ شرمندگی کے باعث اپنا مدعا بھی بیان نہیں کر سکتے، ان کی خواہش پوری فرما'۔ میرا یقین پختہ ہو گیا کہ نگاہِ ولایت سے کچھ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

☆...... مولانا محمد نعمان صاحب (ڈلیال) کا بیان ہے:

جن دنوں میں مدینہ مسجد (شکر گڑھ) حفظ کرتا تھا، میری آنکھیں خراب رہنے لگیں، جس کی وجہ سے میں خاصا پریشان تھا۔ ایک روز دیگر طلبہ مجھے کہنے لگے کہ تم حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کے مرید ہو، لہٰذا انہی سے عرض کرو۔ اب میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آج ضرور حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اور آرام لے کر آنا ہے۔ ۱۱ بجے فارغ ہو کر آستانہ عالیہ حاضر ہوا۔ ذہن میں وہی خیال تھا کہ 'آرام لے کر جانا ہے'۔ آپ کی بارگاہ میں پہنچ کر سلام عرض کرنے ہی لگا تھا کہ فرمانِ عالیشان ہوا، ''مولوی نعمان آرام لین آیاں ایں؟'' میں ابھی اپنے مرشدِ کامل کی اس ادا پر محوِ حیرت تھا کہ حکم ہوا، 'علامہ صدّیق ضیا صاحب (انجینئر تربیلا ڈیم اور خلیفۂ مجاز حضور نقشۂ نقشِ لاثانی) سے دم کراؤ'۔ علامہ صاحب آج ہی یہاں پہنچے تھے۔ (بہت دفعہ یوں ہوتا کہ آپ دم کرنے کے لیے کسی اور سے فرما دیتے، دراصل اپنی کرامت کی پردہ پوشی مقصود ہوتی تھی)۔ بہر حال حکمِ عالیہ کی تعمیل کی۔ اللہ نے مجھے بطفیل پیرِ کامل آرام عطا فرمایا اور آج تک میری آنکھوں میں وہ تکلیف نہیں ہوئی۔

☆...... محمد اصغر صاحب (موضع پھگواڑی) حضور کی نگاہِ التفات سے مسحور و مخمور شخص ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں سیالکوٹ (موضع وریو) کے ایک سرکاری سکول میں پڑھاتا تھا، ایک فیکٹری میں میری رہائش تھی۔ میں اس رہائش سے مطمئن نہیں تھا۔ جب میں نقشِ لاثانی نگر حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو نیت یہ تھی کہ حضور سے عرض کروں گا کہ حافظ ندیم ظفر صاحب(۱) (جو حضور کے مخلص ترین خدام میں سے تھے) سے فرمائیں کہ وہ اپنے اسکول میں میری رہائش کا انتظام کر دیں۔ میں نے سلام و دست بوسی کے بعد ابھی اتنا ہی عرض کیا تھا کہ جناب رہائش کی بڑی پریشانی ہے، آپ فرمانے لگے، 'جاؤ حافظ ندیم ظفر سے میری طرف سے کہو کہ میں آپ کے اسکول میں رہنا چاہتا ہوں'۔ میں بہت خوش ہوا کہ بات بن گئی۔ چنانچہ حافظ صاحب کے پاس سیالکوٹ آیا۔ سلام و دعا کے بعد انہوں نے پہلی بات یہی کی کہ اصغر صاحب بڑے پریشان لگتے ہو، کہیں رہائش کا مسئلہ تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں اور ساتھ ہی حضور کا پیغام بھی دے دیا۔ وہ کہنے لگے، لو یہ کون سا مسئلہ ہے، جب تک مرضی رہو یہاں۔ یوں میرا مسئلہ حل ہو گیا اور یہ بات مجھے نہایت مسحور کر گئی کہ ہمارے حضور بحمدہ تعالیٰ دلوں کے حالات بھی جانتے ہیں اور کسی بھی شخص کے دل پر آپ کی گرفت ایسی ہے کہ جو چاہیں کہلوا لیں۔

(۱)۔ سیالکوٹ میں بہت سے لوگ آپ کے درِ دولت سے وابستہ ہوئے۔ ان میں ندیم ظفر صاحب کے علاوہ محمد عارف صاحب (نقشِ لاثانی اسکول والے)، محمد عارف صاحب (سرکاری ٹیچر)، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، صوفی محمد اقبال صاحب، محمد اقبال چیئرمین صاحب، ڈاکٹر قمر تابش صاحب، حافظ قاری عامر صاحب کے نام نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں۔ متعدد تصنیفِ ھذا میں جا بجا مذکور ہیں۔

ملازمت مل گئی

☆ ---خالد رسول صاحب (شکر گڑھ) بیان کرتے ہیں:

میں نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ملازمت کے حصول کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کر دی۔ ایک ہفتے کے اندر آرمی (کھاریاں) میں معقول مشاہرے پر ملازمت مل گئی۔ پھر دورانِ ملازمت ایک رات خواب میں تشریف لا کر ازحد مسحور کن انداز میں فرمایا،

'یار نماز تے پڑھیا کر'۔ چنانچہ اس دن سے میں نمازِ پنجگانہ بھی نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ گویا دین بھی مل گیا اور دنیا بھی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمد۔ (۲۰۰۱-۱۱-۰۹)

☆......راقم الحروف کے والد جناب غلام محمد صاحب آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس کی ملازمت کے لیے درخواست گذار ہوئے۔ ارشاد ہوا، 'ساری دنیا کماتی ہے، اسے رہنے دیں دین کی طرف'۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ جناب گھر کا نظام نہیں چلتا۔ فرمایا چھوٹا بیٹا (سجاد محمد حاجی) کیا کرتا ہے؟ عرض کیا، حال ہی میں ایئر فورس کے لیے ٹیسٹ دے کر آیا تھا لیکن سلیکٹ نہیں ہو سکا۔ فرمایا، اگر وہ ہو جائے تو؟ عرض کیا، جناب ایک ہی ہو جائے، ہو تو۔ فرمایا، 'اللہ کرم کرے گا'۔ پھر چند روز کے بعد کی بات ہے کہ آپ وضو فرما رہے تھے اور یہ سگِ بارگاہ تولیہ لیے پاس کھڑا تھا۔ وضو کرنے کے بعد فرمایا، چھوٹے بھائی کا کیا بنا تھا؟ (حالانکہ آپ کو اچھی طرح علم تھا)۔ عرض کیا، حضور رہ گیا تھا سلیکشن سے۔ فرمایا، 'اونہیں سو، اللہ مہربانی کرے گا'۔ دل نے گواہی دی کہ اب بھائی کی تقرری یقینی ہے۔ چنانچہ گھر واپس آ کر بھائی کو پیشگی

مبارکباد دے دی۔ پھر غالباً اگلا ہی دن تھا جب پیر خانے جاتے ہوئے ڈاکیا ملا اور اس نے وہ خط دیا جس میں بھائی کا تقرر نامہ تھا۔ یوں نگاہِ شیخ نے کام بنا دیا۔

☆......محمد آفتاب صاحب کا بیان ہے:

جس دن میں نے حضور کی بیعت کی، دل میں ایک خواہش نے انگڑائی لی کہ کاش عرسِ مبارک میں بحیثیت چوکیدار کھڑا ہونا نصیب ہو۔ چنانچہ جب عرسِ مقدس آیا تو یہ خواہش پوری ہو گئی۔ پھر یہ آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح یہاں چوکیداری کر رہا ہوں، پٹرولنگ پولیس میں بھرتی ہو کر خلقِ خدا کے لیے یہی کچھ کروں۔ میرا یقین تھا کہ میرے شیخ میرے اس خیال سے آگاہ ہیں۔ اور پھر میری مراد بر آئی، دعائے شیخ نے دنوں میں اس مشکل کام کو آسان بنا کر مجھے میری مرضی کے مطابق پٹرولنگ پولیس میں ملازمت دلا دی۔

☆......انہی صاحب اور ان کے دوست ابرار احمد سبحانی صاحب کا بیان ہے:

محمد کاشف صاحب (آفتاب صاحب کے بھائی) بسلسلہ ملازمت پریشان تھے۔ ہم نے حضور کے ہاں حاضری، بیعت اور ملازمت کے لیے عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر انہوں نے عمل کیا۔ محض چند دن بعد انہیں ایک جگہ انٹرویو کے لیے طلب کیا گیا۔ کاشف صاحب کا کہنا ہے کہ جب میں انٹرویو کے لیے کمرے میں داخل ہوا تو حضور کی شبیہہ مبارک نظر آنے لگی۔ اب یوں ہوا کہ مجھ سے سوالات پوچھے جاتے رہے اور میں آپ کو دیکھتے ہوئے بآسانی بغیر کسی پریشانی کے جوابات دیتا رہا۔ پھر مزید چند دنوں بعد مجھے ملازمت دے دی گئی۔ میری صرف اتنی اہلیت کام آئی کہ میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کا غلام تھا۔

دفعِ امراض

اولیاء اللہ نظر سے، کبھی دعا سے اور کبھی توجہ سے بیماریاں دور کرتے ہیں۔جسمانی امراض سے روح وقلب کی بیماریاں شدید تر ہیں۔اور جب یہ طبقۂ اولیاء بفضلِ خدا روح وقلب سے بیماریاں دور کرنے پہ قادر ہے تو امراضِ بدن کی ان کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے۔اب سنئے !حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ القوی کی چارہ گری کا حال:

☆......ڈاکٹر یاسر یونس صاحب (کالاچٹی) بیان کرتے ہیں:

میری والدہ بیمار ہوگئیں اور ان کی بیماری شدّت اختیار کرگئی۔حضور نے رات خواب میں تشریف لا کر پھونک ماری، صبح اٹھیں تو بالکل صحتیاب ہو چکی تھیں۔ (۲۷۔۰۷۔۲۰۰۰)

☆......راقم الحروف کا بیان ہے:

میں نے ہر ہفتے کی رات آستانۂ عالیہ پر رہنا شروع کیا۔۲۷ فروری ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ بعد نمازِ عصر حاضر ہوا تو حکم ہوا کہ بعد نمازِ عشاء تمہاری تقریر ہے، کیونکہ فوجی چھاؤنی (جو کہ قریب ہی تھی) سے چند فوجیوں نے فرمائش کی ہے۔ یہ عاجز پیٹ کے درد سے بے حال تھا۔ چنانچہ خود کو اس لائق نہ سمجھتے ہوئے پس وپیش کیا۔ فرمایا اب ہم زبان دے چکے، شرمندہ کرانا ہے کیا۔ پھر نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد تلاوت ونعت ہوئی اور نقیبِ محفل نے تقریر کے لیے نام پکارا۔ اب یہ عاجز مائیک کے سامنے جا کھڑا ہوا مگر صورتحال یہ تھی کہ پیٹ درد کے سبب دہرا ہوا جارہا تھا۔ اسی حال میں تقریر شروع کی اور نحمدہٗ ونصلّی پڑھتے ہوئے لاچار نظروں سے اپنے چارہ ساز کی طرف دیکھا۔ آپ سر جھکائے براجمان تھے۔ اِدھر اس حقیر نے آپ کی طرف دیکھا، عین اسی وقت آپ نے

چہرہ مبارک بلند فرما کر ایک نظر ڈالی اور سرِ اقدس جھکالیا۔ مگر یہ 'نظر' اپنا کام دکھا چکی تھی، کوئی درد رہا نہ زبان کی ہکلاہٹ۔ نہ جانے کہاں سے مضامین دماغ پر اُتر کر الفاظ کی صورت میں ایک جوش اور تسلسل کے ساتھ ادا ہو رہے تھے۔ اس خطاب کو آپ کے تصرّف سے خاصی پذیرائی ملی۔ محفل کے اختتام پر مسجد سے نکلے تو آپ نے چلتے چلتے مسکرا کر فرمایا، 'پیٹ درد ٹھیک ہے ناں اب؟' یہی چاہتے تھے ناں تم'۔ جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی، پوچھنے والے کو بہتر معلوم تھا۔

☆......ڈاکٹر محمد یاسر یونس صاحب کا ایک اور بیان ملاحظہ کیجیے:

حضور اپنے شیخ کا عرسِ مقدس ہر سال ۲ ذوی الحجہ کو پھگواڑی شریف منعقد کرواتے تھے۔ نقشِ لاثانی نگر سکونت کے بعد جب پہلا عرسِ مبارک یہاں ہوا، اس دن نمازِ مغرب کے بعد بخار نے مجھے آلیا۔ اگلی صبح فجر کے بعد آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ رات کدھر تھے نظر نہیں آئے، میرا خیال تھا کہ اپنے گھر چلے گئے ہو۔ عرض کیا، حضور رات بخار ہوگیا تھا۔ فرمایا، بتا ہی جاتے میں فکرمند رہا۔ کچھ دیر بعد آرام آگیا تاہم نمازِ عصر کے بعد پھر وہی صورتحال۔ مغرب کی نماز سے تقریباً ۱۵ منٹ پہلے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ میں لیٹا ہوا تھا، فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا، کیا ہوا ہے؟ عرض کیا، حضور دوبارہ بخار ہوگیا ہے۔ آپ نے وضو فرمایا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس دوران لمحہ بہ لمحہ آپ کی طبیعت مبارکہ خراب ہوتی گئی جبکہ دوسری طرف میری صحت ٹھیک ہونا شروع ہوگئی، یہاں تک کہ بخار اُتر گیا۔ اور میں نے محسوس کرلیا کہ میری بیماری آپ نے خود پر لے لی ہے (۲۶۔۰۲۔۲۰۰۱)۔ اس طرح کے متعدد واقعات اَور بھی ہیں۔

☆......محمد رفیق صاحب (خانووال) کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، جس میں ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ٹانگ کی صورتحال دیکھ کر ڈاکٹروں نے تین آپریشن تجویز کیے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے سخت پریشان ہوکر اپنے شیخِ کریم کی طرف توجہ کر کے فریاد کی۔ چنانچہ اللہ کے فضل وکرم اور آپ کی توجہ سے پہلے ہی آپریشن میں ایسی کامیابی ہوئی کہ مزید آپریشن کی ضرورت نہ رہی۔ نیز یہ کہ یہ آپریشن بہت طویل تھا جو بہت کم وقت میں مکمل ہو گیا۔ خود ڈاکٹر حیران تھے کہ اتنی جلدی کیسے ہوگیا۔ پھر مختلف ٹیسٹ ہوئے اور رپورٹس بھی تسلّی بخش آ گئیں۔ میرا یقین ہے کہ یہ سب نسبتِ شیخ کی برکات تھیں۔

☆......جناب حافظ محمد یٰسین صاحب سیالکوٹ کے رہائشی ہیں تاہم حضور سے بیعت ہونے کے بعد کچھ عرصہ نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم اور نقشِ لاثانی نگر میں قیام پذیر رہے۔ ان کی ناک میں شدید تکلیف تھی۔ ناک کی ہڈی بڑھنے کے سبب ایک مرتبہ پہلے آپریشن کروا چکے تھے اور اب درد نے پھر سے شدت اختیار کی تو خاصے فکرمند بلکہ دلبرداشتہ تھے۔ حضور کی بارگاہ میں ساری صورتحال عرض کی، تو آپ نے ڈاکٹر سے استفادہ کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہ عرض گذار ہوئے کہ جناب ڈاکٹر تو آپریشن کہتے ہیں، اب آپ ہی میرے ڈاکٹر ہیں۔ حافظ صاحب بہت مایوس تھے اور ضد کرنے لگے کہ میں نے بس آپ سے ہی آرام لینا ہے۔ آپ نے اس عاجز کو تعویذ دینے کا حکم ارشاد فرمایا اور انہیں تسلی بھی دی۔ صبح حافظ صاحب نے بتایا کہ درد اب برائے نام ہے۔ اس سے مزید اگلے دن ان کی رپورٹ یہ تھی کہ درد کا تو اب نام ونشان بھی نہیں۔

آفات وبلیات روکنا

اولیاءِ کرام پر ان کے رب کی یہ خاص عنایت ہوتی ہے کہ یہ اپنی نگاہِ کرم اور تصرّف وتوجہ سے مصائب وآفات روک دیتے ہیں۔ یہاں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی مشکل کشائی اور حاجت روائی (باذنِ خدا) کے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

☆......غلام مرشد صاحب کا بیان ہے:

برادری کی ایک عورت بعض وجوہات کی بنا پر سخت خلاف ہوگئی اور علی الاعلان کہنے لگی کہ انہیں تباہ وبرباد کردوں گی۔ پھر اس نے رسوائے زمانہ کالے علم کے "ماہر" کو گھر بلوایا اور ہمارے خلاف چلّے کروانے لگی۔ وہ کالے علم والا متعدّد روز اس کے گھر رہ کر اپنے عملیات کرتا رہا۔ انہی دنوں میری ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ہمارے گھر کو آگ لگا دیتا ہے۔ پھر اچانک حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ تشریف لے آتے ہیں اور پھونک مارتے ہیں تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے۔ وہ شخص بار بار آگ لگاتا ہے اور حضور کے پھونک مارتے ہی ہر بار آگ بجھ جاتی ہے۔ اُدھر کئی روز اپنا پورا زور لگانے کے بعد وہ کالے علم والا یہ کہتے ہوئے اس عورت کے گھر سے چل دیا کہ یہاں میں بے بس ہوں کیونکہ ان کے سر پر کوئی نہایت تگڑے بزرگ ہیں جو میرا کوئی وار چلنے نہیں دیتے۔

دل جب سے گرفتار ہے اس زلفِ دوتا کا
گرداب کا خطرہ ہے نہ ڈر موجِ بلا کا

☆......چودھری محمد عالم صاحب کی سنئے:

ایک دفعہ میرے دوست ریاض گڈ ایڈووکیٹ کو خواجہ حسن ولی ایڈیشنل سیشن

جج (شکر گڑھ) نے ایک مقدمہ میں جرمانہ کر دیا۔ ہم دونوں اپیل کے لیے عدالتِ عالیہ لاہور روانہ ہوئے۔ سخت سردی میں صبح سویرے ۴ بجے ہائی ایس کی اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ فجر کی اذانیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں، جب ہم قلعہ سوبھا سنگھ سے کچھ ہی پیچھے پہنچ چکے تھے۔ اچانک تین موٹر سائیکل سوار کسی طرف سے نمودار ہوئے اور ان میں سے دو ہماری گاڑی کے عین سامنے اسلحہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ جبکہ ایک ہماری طرف کلاشنکوف لیے آموجود ہوا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ وہ ہمیں ابھی حکم دیں گے کہ جو کچھ پاس ہے ہمارے حوالے کر دو، مگر وہ بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ جب انتظار طویل ہوتا گیا تو ہمیں محسوس ہوا کہ گویا وہ پتھر کے بے جان بُت بن چکے ہیں۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ گاڑی ذرا پیچھے کر کے ایک جانب سے نکال لے۔ پہلے تو وہ ڈرتا رہا، تاہم بار بار کہنے پر اس نے ایسا ہی کیا اور ہم بخیر و عافیت وہاں سے نکل آئے۔ جبکہ وہ ڈاکو جوں کے توں رہے۔ لاہور پہنچ کر جسٹس خواجہ محمد شریف صاحب کی عدالت میں پیش ہوئے، انہوں نے جرمانہ معاف کر دیا۔ بعد ازاں لاہور میں اور پھر رات شکر گڑھ پہنچ کر اپنے دوستوں کو سارا ماجرا سنایا اور قدم قدم پہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کی نوازشات کا تذکرہ کیا تو سبھی حیران تھے۔ رات دس بجے اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اہلیہ نے دروازہ کھولتے ہی کہا کہ حضور آسی صاحب پانچ مرتبہ آپ کی خبر لینے کسی نہ کسی کو بھیج چکے ہیں اور آپ کے لیے کافی فکر مند ہیں۔ اب مجھے اور یقین ہو گیا کہ یہ جو آپ میرے لیے فکر مند تھے، اسی نے مجھے ڈاکوؤں سے بھی بچایا اور عدالتِ عالیہ میں بھی کامیابی عطا کی ہے پھر جب صبح کی نماز کے بعد حاضرِ بارگاہ ہوا تو صوفی تنویر احمد صاحب بلڈ پریشر چیک کر رہے تھے۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا، 'یا اللہ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا

شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے'۔ آپ کے ان کلمات سے میرے خیال کی مزید توثیق ہو گئی کہ یہ آپ ہی تھے جن کی عنایات کے سبب میں بخیر و عافیت اور کامیاب لوٹا تھا۔

☆...... جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکوی) راوی ہیں:

شیخوپورہ میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز سے ایک لڑکی بیعت تھی اور نہایت عقیدت رکھتی تھی۔ اس کی شادی رشتہ داروں میں کر دی گئی۔ سسرال کے چند لوگ کسی سبب ناحق اس کے خلاف ہو گئے، یہاں تک کہ لڑکے کے بھائی نے اسے مارا پیٹا بھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اسے دوائی لانے کے بہانے ایک گھر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر کے کنڈی لگا دی۔ جب وہ لوگ اسے مارنے آئے، لڑکی نے حضرت صاحب کا تصوّر کر کے کہا کہ حضور اب آپ ہی ان لوگوں سے بچا سکتے ہیں۔ اچانک دروازہ کھلا، باہر حضرت صاحب کھڑے نظر آئے جو فرما رہے تھے، 'نکلو یہاں سے، جلدی نکلو یہاں سے'۔ چنانچہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ لڑکی وہاں سے بحفاظت نکل گئی۔ کسی کو روکنے تک جرأت نہ ہوئی۔

☆...... صوفی محمد آصف صاحب (نقشِ لاثانی نگر) جنہیں حضور کے پڑوس میں رہنے کا شرف حاصل ہے، اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سناتے ہیں:

۱۵ مئی ۲۰۰۰ء کی بات ہے، اس دن حضور اپنے آستانے پر موجود نہیں تھے، تیز آندھی آ گئی۔ جس کی شدت کے سامنے لوگ بے بس اور کام کاج چھوڑنے پر مجبور تھے۔ ہم اہلِ خانہ بھی جو حویلی میں بھوسہ ذخیرہ کر رہے تھے، صورتحال سے پریشان تھے۔ تاہم ایک عجیب منظر ہمیں شاد کر گیا، اور وہ یہ کہ اس قدر آندھی میں جبکہ ہر کم وزن چیز اُڑ رہی تھی، وہ بھوسہ جس کے لیے ہم پریشان تھے اس کا ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے

نہیں ہل رہا تھا۔ یوں اپنے شیخ کی ہمسائیگی کی برکت سے ہم ایک خاطر خواہ نقصان سے بچ گئے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حدیثِ پاک سے بھی اس عقیدے (یعنی ولی کے قرب کی برکات کا حق ہونا) کی تائید ہوتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سنا:

اِنَّ اللہَ لَیَدْفَعُ بِا لْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِائَۃِ اَھْلِ الْبَیْتِ مِنْ جِیْرَانِہِ الْبَلَاءَ (مجمع الزوائد باب ماجآء فی الجار جلد ۸ ص ۱۶۷۔ کنز العمال کتاب الصحبۃ)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندے (ولی) کی برکت سے اس کے اردگرد سو گھروں سے بلائیں دور فرما دیتا ہے۔

☆...... صوفی تنویر احمد صاحب راوی ہیں کہ میرا کم عمر لڑکا عبید الرحمن جس پر حضور بہت شفقت فرماتے تھے، اپنے ننھیال میں گھر کی تیسری منزل (۲۵،۲۴ فٹ) سے گر گیا۔ تاہم چند لمحوں بعد زمین پر بخیر و عافیت کھڑا نظر آیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ جب میں نیچے گر رہا تھا تو مجھے باباجی (حضور مفکرِ اسلام) نے پکڑ لیا تھا اور پھر بڑے آرام سے زمین پر کھڑا کر دیا۔ مزید تسلّی کے لیے ایکسرے کروانے لے گیا لیکن وہاں سے بھی اطمینان بخش رپورٹ آئی۔ یوں پیرِ کامل کی غلامی نے مجھے ایک بڑے نقصان سے بچالیا۔

☆...... محترم شمس الدین نقشبندی صاحب (لاہور) حضور کے پیر بھائی اور نہایت متقی انسان ہیں۔ حضور سے گہری عقیدت و الفت رکھتے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی نگاہِ رحمت و شفقت سے ان کو خوب نوازا۔ فرماتے ہیں:

"ہماری گلی میں پانی کے پرانے پائپ نکال کر نئے ڈالے جا رہے تھے۔ میں اپنے گھر کے سامنے سے پرانا پائپ نکال کر اوپر کی طرف کر رہا تھا، اور اس بات سے غافل تھا کہ اوپر بجلی کی تاریں ہیں۔ (۱۱۰۰۰ وولٹ کرنٹ کی)۔ چنانچہ پائپ تاروں سے جا ٹکرایا۔ تار بھی ٹوٹ کر زمین پر گر گئی اور پائپ کا اوپر کا حصہ بھی پگھل گیا۔ جبکہ نچلا حصہ میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اب لوگ چلا رہے تھے کہ حاجی صاحب پائپ چھوڑ دو، لیکن میں نے نہیں چھوڑا کہ گرا تو گلی میں کھیلتے چھوٹے بچوں پہ جا گرے گا۔ تاہم پائپ کا اوپری حصہ پگھلنے کے باوجود مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ نیچے سے میں نے اسے تھاما ہوا تھا لیکن وہ حصہ معمولی گرم بھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ یہ نظارہ دیکھ کر محوِ حیرت تھے۔ ان کے حساب سے تو مجھے زندہ ہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اس واقعے سے دو دن قبل مجھے خواب میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی زیارت ہوئی تھی۔ آپ نے ایک تبسّمِ جانفزا کے ساتھ میرے کندھے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا اور مجھے ساتھ ساتھ چلا رہے تھے۔ میرے ذہن میں سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ آپ مجھے باور کرانا چاہتے تھے کہ ہر مشکل میں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چنانچہ دو دن بعد پیش آنے والے مذکورہ واقعے نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ یہ بھی بتادوں کہ پائپ کے بجلی کی تاروں کے ساتھ ٹکرانے کے بعد سارے علاقے کی لائٹ چلی گئی تھی۔ پورے بازار میں اس واقعے کی دھوم تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ آج ہمیں یقین آگیا کہ حاجی صاحب کے پیر واقعی بڑے تگڑے پیر ہیں۔ پھر واپڈا والوں کو تاروں کے ٹوٹنے اور لائٹ جانے کی اطلاع بھی میں خود دے کر آیا۔ اُن کی ٹیم نے بھی جب آ کر صورتحال کا جائزہ لیا تو وہ بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

نقشبندی صاحب نے یہ بھی کہا کہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ جن کا حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز سے رشتۂ عقیدت واُلفت ہے، نہ دُنیا میں کوئی دُکھ اُن کو پہنچنے دیتے ہیں، نہ آخرت میں پہنچنے دیں گے۔

☆...... یہ واقعہ بھی قبلہ شمس الدین نقشبندی صاحب نے سنایا اور انہی سے متعلّق ہے:

میرے اہلِ خانہ فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ رات آٹھ نو بجے واپس گھر پہنچے۔ ابھی ان سے میری سلام دعا ہی ہوئی تھی اور وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ حضور آسی صاحب علیہ الرحمہ کا فون آگیا۔ فرمانے لگے، گھر والے ٹھیک ٹھاک پہنچ گئے ہیں؟ میں حیران ہوا کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میرے گھر والے کہیں گئے تھے اور ابھی ابھی گھر داخل ہوئے ہیں۔ بہرحال فون بند ہوا تو گھر والوں نے بتایا کہ ہم آ رہے تھے تو بس کا ٹائی راڈ کھل گیا۔ بس بے قابو ہوگئی اور اُلٹنے ہی والی تھی کہ سامنے ایک بڑے درخت کے ساتھ جا کر اس کی ٹیک لگ گئی۔ الحمدُلِلّٰہ سب لوگ محفوظ رہے۔ گھر والوں کی زبانی یہ سب سننے کے بعد مجھے سمجھ آئی کہ حضور اس ساری کارروائی سے آگاہ تھے اور بفضلِ خدا بڑے حادثے سے بچانے والے بھی آپ ہی تھے۔

☆...... حضور کے آبائی گاؤں موضع پھگواڑی شریف میں ایک عمر رسیدہ عورت کا آپ کے دولتکدے پر آنا جانا تھا۔ اس کی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ چونکہ شرعی اعتبار سے یہ ایک غلط فعل تھا، آپ نے اس کے جنازے میں شرکت نہیں کی۔ پھر ایک دن جب آپ اپنے اس آبائی گھر تشریف لائے تو اس عورت کو بلوایا۔ وہ آکر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا، اس بات کا دُکھ ہے کہ اس بچی نے غلط کام کیا، تاہم ہم تو اس کی مغفرت کے لیے دُعا ہی کر سکتے ہیں۔ آپ نے دُعا فرما دی۔ اس عورت کا بیان ہے کہ چند دن بعد اس کے خواب

میں اس کی بیٹی آئی اور کہنے لگی کہ ماں! شروع میں تو بہت سختی ہوئی مجھ پر لیکن اب کسی کی دُعا کی بدولت اچھی حالت میں ہوں۔

حالات پہ مطلع ہونا

مردانِ باصفا اپنے مریدین کے حالات پر مطلع ہوتے ہیں اور کبھی بصورتِ ضرورت اس کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے! اس ضمن میں ہمارے حضور کا طرزِ عمل:

☆...... عالمِ باعمل علامہ نور المصطفٰے رضوی صاحب (مہتمم دار العلوم چشتیہ رضویہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ) جو شیخ القرآن والحدیث ابو الفیض محمد عبد الکریم محدث ابدالوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کے نہایت منظورِ نظر شاگردِ رشید ہیں، فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز اور پیر سید عابد حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت فرمائی اور جامعہ میں تشریف لائے۔ دعا بھی کی اور گھنٹہ بھر قیام بھی فرمایا۔ اس قیام کے دوران حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز نے تین ایسی باتیں ارشاد فرمائیں کہ اللہ کی عزّت کی قسم! ان کا میرے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ (وہ باتیں میری ذاتی تھیں)۔ اور پیر صاحب نے ان کی تشریح بیان فرما دی۔ میں حیران تھا کہ آپ دونوں کو کیسے خبر ہوگئی۔ اس دن مشاہدہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی نگاہِ دوربین سے کچھ بھی چھپا نہیں ہوتا۔

☆...... اس واقعہ کے راوی بھی علامہ نور المصطفٰے رضوی صاحب دام اقبالہٗ ہیں، فرماتے ہیں:

میں سیالکوٹ میں ایک صاحب کے ہاں محفل میں حاضر تھا۔ قیوم زمانی حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ القوی اور حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز بھی تشریف فرما تھے۔ بعد میں جب دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا رکھ دیا گیا تو دونوں مقدس شخصیات نے کھانا تناول نہیں فرمایا، پہلے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز اٹھ کر باہر تشریف لے گئے، معاً بعد حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ پھر جب میں علی پور شریف حاضر ہوا تو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز سے عرض گذار ہوا کہ جناب آپ تشریف لے آئے جبکہ اس محفل کا میزبان کہہ رہا تھا کہ میں نے اتنا انتظام کیا تھا، آپ کچھ تناول فرما لیتے۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ القوی نے فرمایا، 'آسی صاحب! اِک لقمہ وی حلال دانئیں سی، اسیں کی کھاندے اوتھوں'۔ میں حیران رہ گیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ آج بھی ایسی شخصیات موجود ہیں جو اس انداز میں حلال وحرام کی تمیز کر لیتی ہیں۔

☆...... اس تیسرے واقعہ کے راوی بھی علامہ صاحب موصوف ہیں، فرماتے ہیں:

میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کے ہمراہ ایک محفل میں گیا۔ جن صاحب نے بیان کرنا تھا، سٹیج پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضور کو آگے تشریف لا کر صدارتی نشست پر براجمان ہونے کے لیے بہت اصرار کیا مگر آپ وہاں تشریف نہیں لے کر گئے۔ بلکہ خود پہلے بیان فرما کر وہاں سے چلے آئے۔ بعد میں آپ نے اُن صاحب کے بارے میں ایک بات ارشاد فرمائی (جس کا اظہار یہاں مناسب نہیں) اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ملنے سے روحانیت کے مردہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مجلس میں بھی (حتی الامکان) نہیں بیٹھنا چاہیے۔ میں نے جب تحقیق کی تو حقیقت وہی نظر آئی جو

آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ یقیناً حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز ملنے والے ہر شخص کے ظاہر و باطن سے آگاہ اور حالات پر مطلع ہوتے تھے، یہ علیحدہ بات ہے کہ عموماً آپ زبان سے اظہار شاذ و نادر ہی فرماتے تھے۔

☆...... جناب تنویر احمد صاحب کا بیان ہے کہ میں ۴ جولائی ۱۹۹۹ء کو موٹر سائیکل پر کہیں جا رہا تھا۔ اثنائے سفر میں ایک انتہائی خطرناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ جب میں آپ کے

پاس حاضر ہوا تو (میرے سلام و دست بوسی کے بعد) آپ کے الفاظ یہ تھے، ''شکر اے بچت ہوگئی''۔

☆...... جناب محمد سجاول صاحب (پگالہ موڑ) کی روایت ہے:

بھائی نیامت صاحب کے پاس محمد اعجاز صاحب (سیکرے والی والے) بیٹھے تھے۔ بھائی محمد سرور صاحب کار میں وہاں آئے اور بھائی نیامت سے کہنے لگے کہ اعجاز اپنے پیر خانے (نقشِ لاثانی نگر) نہیں جاتا، اسے زبردستی لے جاتے ہیں۔ (تینوں آپس میں بے تکلف تھے)۔ اس طرح اعجاز صاحب پیر خانے لائے گئے۔ یہاں صاحبزادہ عطاء الحق صاحب نقشبندی (موجودہ سجادہ نشین) نے پوچھا کہ بھائی نیامت! آج اعجاز کو کس طرح لے آئے ہو؟ وہ بولے کہ اپنے مرشد کو اپنی مرضی سے ملنے آیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے تین مرتبہ استفسار کیا اور تینوں مرتبہ جب نیامت صاحب نے یہی جواب دیا تو حضور جو ہمارے پاس ہی چارپائی پر آرام فرما تھے، فرمانے لگے، 'عطاء الحق! یہ اسے زبردستی کار میں بٹھا کر لے آئے ہیں'۔ ہم سب حیران رہ گئے۔

☆...... حافظ محمد اشفاق صاحب (موضع ساؤلہ) ایک عرصہ جامع مسجد خاتونِ جنت (رضی اللہ عنہا) میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جولائی ۲۰۰۱ء میں اُن کے ساتھ یہ صورتحال بنی کہ چند بیبیاں اپنی غیر اخلاقی حرکات کے سبب اُن کے لیے پریشانی کا باعث بننے لگیں جو کسی صورت باز نہ آتی تھیں۔ ایک روز یہ حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ آپ گویا ہوئے، 'حافظ صاحب! ابھی ہم نے آپ سے بہت سے کام لینے ہیں، اِدھر اُدھر نہ بھٹک جانا'۔ حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے ہی محتاط تھا، اب آپ کے اس فرمان کے بعد میرے بھٹکنے کا احتمال بالکل ہی جاتا رہا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمد

مسئلے حل

☆...... جناب رانا محمد نعیم صاحب (ڈسکہ) بیان کرتے ہیں:

میں نے اپنے دوست محمد ادریس کو حضور سے بیعت کروایا۔ واپس آنے لگے تو آپ نے محمد سرور ڈرائیور سے ہمیں اڈے پر پہنچانے کا فرمایا۔ جبکہ ہم سے پوچھا کہ 'کیسے جاؤ گے؟'۔ عرض کیا، جناب یہاں سے سیالکوٹ اور وہاں سے فیصل آباد کی گاڑی پر شیخوپورہ (جہاں ہمیں جانا تھا)۔ ہم آستانہ عالیہ سے باہر نکلے تو ایک صاحب دوڑے آئے اور کہنے لگے، حضور فرما رہے ہیں کہ سیالکوٹ نہ اُترنا بلکہ وزیرآباد اُترنا۔ جب ہم سیالکوٹ پہنچے تو وہاں فیصل آباد کی گاڑی تیار تھی۔ لیکن اویس صاحب بولے کہ اب تو وزیرآباد ہی اتریں گے۔ وزیرآباد ایک ڈیڑھ بجے بس سے اُترے۔ ہر طرف اندھیرا اور جگہ سنسان تھی۔ تاہم دل کو تسلی دی کہ جنہوں نے بھیجا ہے وہ خود ہی کوئی چارہ کریں گے۔ کچھ انتظار کے بعد کوہستان جانے والی گاڑی آگئی۔ ڈرائیور، ہیلپر اور کنڈکٹر کے

علاوہ صرف ہم دو سوار تھے۔ خیال آیا کہ ابھی کسی اڈے پر جائے گی، وہاں بھرے گی تب روانہ ہوگی۔ خاصا وقت لگے گا، چنانچہ سو لیتے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ اتنی بڑی گاڑی صرف ہم دو کو لے کر ٹھیک ۳ بجے شیخوپورہ پہنچ گئی۔ گاڑی والوں نے آواز دے کر ہمیں جگایا اور اتارا۔ اویس صاحب بولے، واہ جی! حضرت صاحب نے تو پہلے ہی دن ایسے ٹھاٹھ کے ساتھ اتنی بڑی گاڑی میں بھیجا ہے۔

☆...... محمد رضا صاحب (بہاولپور) کا بیان ہے:

ہمارا گاؤں چک باغ والا نجدیوں کا گڑھ تھا اور یہ بات ہمارے لیے تکلیف دہ تھی۔ والدِ محترم (جناب محمد رفیق صاحب) نے حضور سے دعا کے لیے درخواست کی۔ ارشاد ہوا، 'انشاء اللہ انقلاب آئے گا'۔ پھر ایک روز خواب میں دیکھا کہ ہمارے علاقے کا ایک چوک ہے جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔ اچانک وہاں حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ تشریف لے آئے۔ ہم احباب دوڑ کر دست بوسی کرتے ہیں۔ جونہی حضور گاڑی سے باہر تشریف لائے ہر طرف چاندنی ہوگئی، جیسے چودھویں کا چاند ہر سُو اُجالا کر دیتا ہے۔ آپ نے اتنا فرمایا،

'پریشان مت ہوں، انقلاب آئے گا'۔ ان بشارتوں کے بعد غیب سے ہماری امداد ہوئی۔ تھوڑے دنوں میں ہی وسائل دستیاب ہو گئے اور اہلِ سنّت کی مسجد تیار ہوگئی۔ یہ پہلی فتح تھی۔ اس کے بعد میلاد النّبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جلوس بھی نکلا اگرچہ مخالفین نے اس کی خوب مخالفت کی اور لڑائی جھگڑے کی صورت بھی پیدا کی، تاہم پیر و مرشد کی توجہ ہر جگہ شاملِ حال رہی۔ حضور کی اجازت سے ہم نے متعدّد محافل بھی کرائیں، جن میں سے بعض میں حضور بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔ نتیجتاً مختصر سے عرصہ میں علاقے کی

مذہبی فضا خوشگوار ہوگئی۔ الصلوٰۃ والسلام کی جانفزا صداؤں کے ساتھ اذانیں گونجنے لگیں اور حق نکھر کر سب کے سامنے آگیا۔

☆...... جناب افتخار احمد ممنون صاحب بیان کرتے ہیں:

۲۶ فروری ۲۰۰۱ء کو حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کا (ہجری کیلنڈر کے اعتبار سے) نقشِ لاثانی نگر میں عرس مبارک ہونا تھا۔ اخراجات کافی تھے اور رقم کم تھی۔ (اخراجات کے سلسلہ میں کچھ رقم ممنون صاحب کے سپرد تھی)۔ بالآخر گھر میں جس جگہ رقم رکھتا تھا وہ بالکل خالی ہوگئی۔ اب پریشانی اور بھی زیادہ لاحق تھی۔ لیکن اگلے ہی دن اس جگہ کو صفائی کے لیے دیکھا تو اس میں مبلغ دو ہزار روپے رکھے نظر آئے حالانکہ ایک روز قبل وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

☆...... محمد انصر صاحب (کسراج) کی سنیے:

مجھ غریب کی بائیسکل چوری ہوگئی۔ اگلی صبح پھگواڑی شریف جا رہا تھا، وہاں سے لکڑیاں پیر خانے لانی تھیں۔ دل ہی دل میں اپنے پیر کا تصوّر کر کے عرض کیا کہ جناب غریب آدمی ہوں، آنے جانے کے لیے سائیکل واحد ذریعہ تھی، اب کیا کروں۔ کام مکمل کر کے جب میں واپس اپنے گھر آیا تو سائیکل مل چکی تھی۔

☆...... محمد امین صاحب (نقشِ لاثانی نگر) کا ماجرا سنیے:

میری ہمشیرہ کی شادی تھی۔ بارات آنے والی تھی کہ ہماری گائے نے (جو کہ بہت اکھڑ تھی) والد صاحب کو ٹکریں مار مار کے ادھ موا کر دیا۔ بچنے کی امید نظر نہیں آتی تھی۔ بھاگم بھاگ آپ سے آ کے فریاد کی کہ جناب بارات سر پہ پہنچ چکی ہے اور گھر میں یہ صورتحال بن گئی ہے۔ حضور نے اسی وقت دعا کی اور تسلی دے کر رخصت کر دیا۔ گھر

پہنچا تو وہی والدِ محترم جنہیں چار پائی پر چھوڑ کر گیا تھا، بخیر و عافیت اٹھ کھڑے ہوئے تھے گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ اتنی دیر میں بارات بھی آگئی اور وہ سب سے آگے بڑھ کر استقبال کر رہے تھے۔

☆...... بھائی نیامت صاحب راوی ہیں:

محمد جمیل صاحب (ماجرا) غلط سوسائٹی کا شکار تھے۔ پھر ایک دن (۱۹۹۹ء میں) ہم ان کو حضور کی بارگاہ میں لائے۔ جب حضور نے ان کی طرف دیکھا تو نہ جانے اس نگاہ میں کیا تھا کہ یہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے اور پھر تا دیر روتے رہے۔ بعد ازاں توبہ کی اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ پھر ایک روز یہ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے، 'بھائی میں مارا گیا، مجھ پر قتل کا جھوٹا مقدمہ کر دیا گیا ہے (مخالفین نے خرابیِ شہرت کی بنا پر ایسا کیا)، میرا کوئی چارہ کرو۔ میں نے کہا کہ اپنے پیر کے پاس جاؤ۔ میں صبح سات بجے پیر خانے پہنچا۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا، 'بھائی نیامت! جمیل کا کیا کیس ہے؟' میں سمجھ گیا کہ حضور بفضلِ خدا سب جانتے ہیں۔ بہر حال تعمیلِ ارشاد کی اور ساری صورتحال گوش گذار کی۔ آپ نے فرمایا، ''جب تاریخ پر جائے تو 'یا قبلۂ عالم حضور نقشِ لاثانی شیئاً للہ' پڑھتا جائے، اللہ کرم فرمائے گا''۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کی برکت سے جلد باعزّت خلاصی ہوئی۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے انہیں بھاگنے سے منع کر کے خود تھانے پیش ہونے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ جمیل صاحب کا کہنا تھا کہ مزہ تب ہے جب پیر صاحب اصل قاتل پکڑا دیں۔ چنانچہ ۱۴ ویں دن قاتل پکڑا گیا۔ پھر جب یہ بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا، 'راضی ہو؟' عرض کیا، 'حضور راضی ہوں'۔

☆...... محمد شاکر صاحب (ساکن افضلپور، دسمبر ۱۹۹۴ء میں بیعت ہوئے) کا بیان ہے کہ میں بی ایڈ کا طالبعلم تھا۔ سارا سال پڑھ نہ سکا۔ پھر امتحانات سے پہلے بیمار ہو گیا اور محض چند دن مطالعہ کر سکا۔ آپ سے دعا کروائی۔ نتیجتاً جتنا پڑھا تھا اسی میں سے پرچے آئے اور بہت اچھے ہوئے۔

☆...... حقیقت یہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راقم کسی مسئلے کا شکار ہوا ہو اور پیر دستگیر نے مدد نہ فرمائی ہو۔ یہاں ایک اپنا واقعہ نظرِ قارئین ہے:

۱۹۹۹ء میں جبکہ یہ عاجز طالبعلمی کے دور سے گذر رہا تھا، بی ایڈ کی غلط کتب ادارے کی طرف سے موصول ہو گئیں جبکہ اصل کتابوں کے لیے اسلام آباد جانا ضروری تھا۔ اس کام کے لیے بھاگ دوڑ کے علاوہ اخراجات بھی خاصے درکار تھے۔ چنانچہ پریشانی میں شیخِ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سب کچھ عرض کیا، یہ بھی کہ اسلام آباد گئے بغیر بات نہیں بنے گی۔ ممنون صاحب نے لقمہ دیا، حضور یہ جانا نہیں چاہتا۔ فرمایا، ’کیوں نہیں جانا چاہتا؟‘ انہوں نے عرض کیا، جناب یہ سفر سے ڈرتا ہے۔ فرمایا، ’ٹھیک ہے، واقعی اللہ تعالیٰ سفر کی صعوبتوں سے بچا کر ہی رکھے‘۔ اگلے دن پھر عرض کیا تو فرمایا، ’انشاء اللہ نہیں جانا پڑھتا، کام ہو جائے گا‘۔ پھر وہی ہوا جو زبانِ ولی سے نکلا تھا۔ یعنی اسباب پیدا ہو گئے (ممنون صاحب کے والد مختار احمد صاحب ذریعہ بنے) اور گئے بغیر ہی کام بن گیا۔ یوں درست کتابیں مل گئیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمد

☆...... عرفان صفدر صاحب (نارووال) کی روداد پڑھیے:

میں ایک روز ٹریکٹر پر اپنے کھیتوں سے گذر رہا تھا۔ میں ٹریکٹر چلانے میں ابھی ماہر نہیں تھا، لہٰذا ڈرائیور ایک اور صاحب تھے جبکہ میں ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک جگہ

ڈرائیور نے ٹریکٹر روکا اور سگریٹ لینے چلا گیا۔ اب میں ڈرائیونگ نشست پر جا بیٹھا اور اسے چلانے لگا۔ پھر ڈرائیور آ گیا اور بیٹھنا چاہتا تھا کہ ٹریکٹر مجھ سے بے قابو ہو گیا اور ڈرائیور اس سے بری طرح سے ٹکرا کر گر گیا۔ پھر میری بچانے کی بھتیری کوششوں کے باوجود وہ نیچے آ گیا اور ٹریکٹر اس کی ران پر سے گذر گیا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور ظاہر ہے، سب کا خیال یہی تھا کہ وہ نہیں بچے گا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی جھاگ سے اس خیال کی مزید توثیق ہو رہی تھی۔ میرا بھائی اسے ’سہارا ہسپتال‘ لے گیا جبکہ میں ڈر کے مارے گھر میں چھپ گیا۔ حضور کو فون پہ سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے تسلی دی۔ فون رکھا ہی تھا کہ یہ انہونی اطلاع آ گئی کہ ڈرائیور بالکل بخیریت ہے اور معمولی خراشیں آئی ہیں۔ ساتھ ہی حضرت صاحب کا حکم مل گیا کہ اب نکل بھی آؤ، اندر ہی بیٹھ رہنا ہے کیا؟۔ پھر چند دنوں کے بعد میں اپنی کار میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔ آپ یونیورسٹی والی جگہ تشریف فرما تھے۔ میں نے داخلی راستے میں پہنچ کر تیزی سے کار کو موڑا تو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا، ’چا کا لتھ گیا ناں بندہ تھلے دے کے‘۔ اس سرزنش کے بعد میں ڈرائیونگ کے معاملے میں محتاط ہو گیا۔

☆...... محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کے چچازاد محمد اکرام صاحب جو کویت میں مقیم تھے، ۱۹۹۲ء میں وطن واپس آ گئے۔ پھر ان کا دوبارہ کویت جانے کا پروگرام بنا تو ویزے کے لیے کم از کم دو لاکھ روپیہ درکار تھا۔ جو اس وقت میرے پاس نہیں تھا۔ حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ جناب کویت جانا ہے، دو لاکھ روپے کی ضرورت ہے لیکن اتنی رقم پاس نہیں۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا، ’کوئی ضرورت نہیں پیسوں کی‘۔ اس وقت تو آپ کی اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ لیکن یہ عقدہ ٹھیک تیسرے دن

کھلا جب اللہ نے نگاہِ شیخ کے طفیل ایسا اہتمام فرما دیا کہ ایک پیسہ بھی نہیں لگا اور ویزہ مفت مل گیا۔

اناج/کھانے میں برکت

☆......جناب یونس علی صاحب (آدھوانہ۔شکر گڑھ) کا بیان ہے:

ایک دن میں (نقشِ لاثانی نگر میں) حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔درس کے طلبا نیز دیگر عقیدتمند جو زیارت کے لیے آئے تھے،لنگر شریف کھا رہے تھے۔حضور خود بھی کھچڑی تناول فرما رہے تھے۔مجھے بھی آپ نے کھانے کا کہا۔میں نے عرض کیا،'جناب گھر میں بچے بھوکے ہیں،کیسے کھاؤں۔حکم ہوا،''تم ٹھیکیدار ہو ان کے؟جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ان کو کھلائے گا بھی،تم تو کھاؤ فی الحال۔''میں کھانے سے فارغ ہوا تو فرمایا،'گھر سے (گندم کے) دانے لاؤ'۔عرض کی،جناب دانوں والا ڈرم خالی ہے۔فرمایا،'جو دانے بھی نکلیں لے آنا'۔میں نے گھر آکر اچھی طرح صفائی کی تو ڈیڑھ پاؤ کے قریب دانے نکلے،جنہیں لے کر میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا۔چونکہ میں دیر سے پہنچا تھا،آپ نے صبح تک کے لیے مجھے روک لیا۔صبح وہی دانے آپ نے مجھے عنایت فرمائے اور فرمایا،اسی ڈرم میں ڈال دینا۔میں نے ایسا ہی کیا۔خدا کی قدرت آپ کے عطا کردہ دانوں میں اتنی برکت ہوئی کہ ۹ یا ۱۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے،لیکن آج تک دانے ختم نہیں ہوئے۔(ان دنوں ۷۰/۶۰ روپے فی من گندم تھی)۔

☆......جناب اسلام باجوہ صاحب سیالکوٹ کے رہائشی تھے،پھر بسلسلہ ملازمت

راولپنڈی اسلام آباد رہائش اختیار کرلی۔یہ،ان کی اہلیہ اور ساری اولاد حضور سے بہت محبت وعقیدت رکھتے تھے۔حضور کی عنایات بھی اس گھرانے پر بہت زیادہ تھیں۔جن دنوں حضور سیالکوٹ قیام پذیر تھے،یہ دونوں میاں بیوی تقریباً ہر ماہ اسلام آباد سے حاضری کے لیے سیالکوٹ آتے اور بڑی محبت کے ساتھ کچھ کھانا تیار کرکے ساتھ لاتے۔حضور خود بھی تناول فرماتے اور جتنے لوگ وہاں آئے ہوتے،سب کو عنایت فرماتے۔بسا اوقات لوگ خاصی تعداد میں ہوتے اور بظاہر کھانا ناکافی لگتا لیکن وہ کھانا سب کو کفایت کرجاتا۔یہ آپ کے مبارک ہاتھوں کے لمس کا اثر تھا۔

نظرِ رحمت برائے اولاد

☆......محمد رضا صاحب (بہاولپور) بیان کرتے ہیں:

میری دو بیٹیاں تھیں۔حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کے پاس دعا کے لیے حاضر ہوا کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے۔آپ نے ارشاد فرمایا،'انشاء اللہ تعالیٰ،انشاء اللہ تعالیٰ،انشاء اللہ تعالیٰ'۔مجھے یقین تھا کہ آپ کے ایسا فرمانے کا مطلب ہے،مراد پوری ہوگی۔چنانچہ میں نے بیٹے کا نام بھی پوچھ ڈالا۔آپ مسکرادیئے اور گویا ہوئے،'جب اللہ دے گا،پھر سات دن بعد نام رکھنا چاہئے'۔بعدازاں پیرومرشد کی دعا سے اللہ نے بیٹا عطا فرمایا۔فون پر حضور کو بتایا اور نام پوچھا۔فرمایا،'آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے زیادہ پیار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھا۔بیٹے کا نام 'محمد صدیق' رکھو،'محمد صدیق' رکھو،'محمد صدیق' رکھو۔چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

☆......مولانا محمد عطا صاحب (بہاولپور) جو حضور کے لاڈلے مرید تھے،راوی ہیں:

میرے عزیز محمد نسیم صاحب کی تین بیٹیاں تھیں۔ ان کی اہلیہ امید سے تھیں اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق اب کی بار بھی بیٹی کی پیدائش ہی متوقع تھی۔ یہ میاں بیوی اولادِ نرینہ کی شدید حسرت رکھتے تھے۔ نسیم صاحب کو رات خواب میں حضور کی زیارت نصیب ہوئی جو فرما رہے تھے، ''کس نے کہا بیٹی ہے؟ رب تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمانا ہے''۔ صبح انہوں نے سب کو یہ بشارت سنا دی۔ پھر جب وقت آیا تو اللہ کے فضل و کرم اور پیرِ کامل کی نگاہِ کرم سے بیٹا عطا ہوا۔ نقشِ لاثانی نگر حاضر ہو کر آپ کو بتایا، تو آپ مسرور ہوئے۔ نام رکھنے کی گذارش کی تو حکم ہوا، ''عبید المصطفیٰ، عبید الرّسول''۔ چنانچہ عبید المصطفیٰ نام رکھا گیا۔ اس بیٹے سے ایک سال بعد (حسبِ اشارہ) ایک اور بیٹا عطا ہوا تو اس کا نام عبید الرّسول رکھا گیا۔

☆...... محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کی اہلیہ صاحبہ کی روایت دیکھیے:

باجوہ صاحب کے چچا زاد محمد اکرام صاحب جو کویت رہائش پذیر تھے، ایک مرتبہ ہمارے سیالکوٹ والے آبائی گھر میں آئے۔ انہوں نے کسی ولیِ کامل سے بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں رہنمائی کے طالب ہوئے۔ ہم نے حضور مفکرِ اسلام کے احوال سنائے تو فوراً بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اگلی صبح نہا دھو کر مٹھائی لے کر آ گئے تو ہم انہیں لے کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرما لیا۔ بیعت ہوتے ہی وہ عرض گذار ہوئے کہ جناب میری چھ بیٹیاں ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اب تمہیں بیٹے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ آپ نے فقط اتنا فرمایا،

''اچھا؟''۔ پھر ٹھیک نو ماہ بعد اللہ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا۔ انہوں نے خوشی خوشی آپ کو

خبر دی۔ پھر چند دن بعد اکرام صاحب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے اور کہا کہ جناب اپنی دو بیٹیوں اور اس ایک بیٹے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا، 'ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا ابھی کر لو، اور ایک بیٹی اور دوسرے بیٹے کا اگلے سال کر لینا۔ یہ حیران ہوئے کہ میرا تو ایک ہی بیٹا ہے، پھر یہ دوسرے بیٹے کا ذکر کیسے؟ اس سے سال بھر بعد یہ عقدہ کھلا، جب ان کے ہاں دوسرا بیٹا تولّد ہوا۔

دراصل آپ نے اپنے مخصوص طرزِ عمل (اچھا؟) اور نگاہ سے یہی سمجھایا کہ لوگ کون ہوتے ہیں اپنے تئیں باتیں فرض کرنے والے۔ اللہ قادرِ مطلق کی رحمتوں سے کبھی

مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ہے وہ اسلوب جس سے ایک ولیِ کامل اپنے پیروکاروں کو اصل 'توحید' کی روح سے آشنا کرتا ہے۔

ناراضی کا وبال

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں اولیاء اللہ کی اطاعت و خدمت پہ اللہ کی طرف سے ڈھیروں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، وہاں ان کی ناراضی خدائے بزرگ و برتر کی ناراضی کا موجب بھی بنتی ہے۔ ان کے ماتھے کی ایک شکن مرید کی محرومی کا سبب اور ان کے ہونٹوں کا ایک تبسّم اس کے لیے باعثِ صد کامیابی ہے۔ لہٰذا بامراد ہوا وہ جو ان کے چہرے کی لکیریں دیکھ کر اپنے احوال کی اصلاح کرتا ہے۔ اور ہرگز اپنے پیر کی حکم عدولی کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ جب مرید بتقاضائے بشریت لاپرواہی کر جاتا ہے تو درستیٔ احوال یا تنبیہہ کے لیے اس 'لاپرواہی' کے نقصانات اس پر وارد کیے جاتے

ہیں۔اگر وہ سنبھل جائے تو اس کی خوش بختی ہے، وگرنہ (حسبِ حال) محرومیاں اسے شکار کرلیتی ہیں۔یاد رہے کہ یہ طبقۂ اولیا نہایت مہربان اور لجپال ہوتا ہے اور لاپرواہی یا بتقاضائے بشریّت ہونے والی خطاؤں سے آخری حد تک درگذر کرتا ہے تاہم اصلاح کے لیے کبھی دوسرا انداز بھی اختیار کیا جاتا ہے (اگرچہ اس انداز میں بھی شفقت ورحمت کا عنصر کارفرما ہوتا ہے)۔ذیل میں ایسے ہی چند واقعات رقم کیے جاتے ہیں۔

☆......ایک صاحب (جن کا نام یہاں درج کرنا مناسب نہیں۔اس سے اگلے دو واقعات میں بھی یہی اہتمام ہے) کچھ عرصہ جامعہ انوار لاثانی میں قیام پذیر رہے۔پھر غلط صحبت کا شکار ہوگئے اور بعض خلافِ شرع حرکات بھی سرزد ہونے لگیں۔حضور اس جوان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور ہر چند کہ بہتیرا سمجھایا مگر 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'۔رات کو بھی دیر سے آنے لگے۔پوچھنے پر سو بہانے ان کے پاس ہوتے۔ ایک دن آپ سخت جلال میں آگئے اور فرمایا 'اس کو صاف صاف بتادو کہ تم نے بہت تنگ کر رکھا ہے، دھوکے باز ہو، رب کا قہر تم پر نازل ہوگا'۔

اگلی ہی رات موصوف حسبِ معمول دیر سے واپس آرہے تھے کہ دو ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔انہوں نے چہرے کپڑوں سے چھپا رکھے تھے۔ان ڈاکوؤں نے ان صاحب کو خوب مارا اور شدید زخمی کر دیا۔یہاں تک کہ تشدّد اور خوف ودہشت سے یہ بیمار ہوگئے اور ہسپتال جانا پڑا۔یوں قدرت کے اس ''حُسنِ اہتمام'' سے ان کی کئی قبیح عادات ختم ہوگئیں۔

(۱)۔جب حدیثِ پاک کے مطابق باپ کی رضا میں اللہ کی رضا اور باپ کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے تو کیا پیر جو روحانی باپ ہے، اس منصب سے محروم ہوگا؟

☆......ایک اور صاحب موضع 'چک قاضیاں' ایک محفل میں جانا چاہتے تھے، جبکہ حضور کی مرضی نہیں تھی کہ وہ جائیں۔انہوں نے ضد کی تو آپ خاموش ہوگئے، جسے انہوں نے رضامندی پر محمول کیا اور چلے گئے۔اب ہوا یوں کہ وہاں انہوں نے کچھ ایسی دال کھائی کہ پیٹ خراب ہوگیا اور اگلے دن ہیضہ کی شکل بن گئی۔تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

☆......عارفِ حقانی پیر سیّد عابد حسین شاہ صاحب نقشۂ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی صاحبزادی صاحبہ علیہا الرحمہ کے وصال (۱۴ مئی ۱۹۹۹ء۔بروز جمعۃ المبارک) کے بعد ختمِ قُل کے موقع پر حضور علی پور شریف جا رہے تھے۔آپ کے ہمراہ چند احباب اور صاحبزادہ عطاء الحق صاحب ایک کار میں آگے جا رہے تھے۔پچھلی گاڑی (ڈالہ) میں ممنون صاحب، ان کے والد مختار احمد صاحب، اعجاز حسین صاحب، بھائی محمد سرور صاحب، بابا شریف دین صاحب اور یہ عاجز سوار تھے جبکہ ایک صاحب ڈرائیور کو 'بے دخل' کر کے خود گاڑی چلانے لگے۔ایک جگہ اگلی کار رکی اور صاحبزادہ صاحب نے آکر حضرت صاحب کا یہ پیغام دیا کہ آپ پیچھے بیٹھیں اور ڈرائیور کو گاڑی چلانے دیں۔ان صاحب نے تعمیلِ ارشاد میں تساہل سے کام لیا اور جواباً عرض کیا کہ اچھا جناب نارووال پہنچ کر اتر جاؤں گا۔اس عاجز نے بھی ان صاحب سے یہ عرض کیا کہ جو حکم ملا ہے، فوراً اس کی تعمیل ہونی چاہئے، تاہم وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ چند گز بھی گاڑی آگے نہیں گئی تھی کہ رُک گئی۔ہر چند کہ اسے چلانے کے سو جتن کیے گئے مگر اس نے چلنے سے انکار کر دیا۔خود ڈرائیور جو اچھا بھلا مکینک بھی تھا، حیران تھا کہ آخر نقص کہاں ہے۔اب یہاں سے ہم گاڑیاں بدل بدل کر علی پور شریف پہنچے۔تب تک ان

صاحب کو اپنی غلطی کا مکمل احساس ہو چکا تھا۔

☆.......اس واقعہ کے راوی جناب غلام مرشد صاحب ہیں:

۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء بمطابق ۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز ہفتہ بعد نمازِ عشاء بمقام کنجروڑ (نارووال) شہادت کانفرنس تھی۔ جبکہ جامع مسجد خاتونِ جنّت نقشِ لاثانی نگر میں بھی علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے یومِ وصال کے سلسلہ میں تقریب تھی۔ چند محترم شخصیات اس عاجز کو اپنے ساتھ کنجروڑ لے جانے پر بضد تھیں۔ جبکہ حضور کی بھیجنے کی مرضی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ تاہم میں اپنی بے وقوفی سے آپ کی منشاء کو یقینی طور پہ بھانپ نہ سکا نیز ان حضرات کے اصرار پر اجازت لینے گیا (اور یہ میری غلطی تھی) اور عرض گذار ہوا کہ فلاں صاحب ساتھ چلنے کا کہہ رہے ہیں۔ ساتھ ہی دست بوسی کے لیے ہاتھ آگے کیے۔ حضور نے فرمایا، 'جاؤ'۔ تاہم میرے آگے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو نظر انداز کر دیا۔ کچھ دیر میں اسی کشمکش میں رہا کہ آپ کی مرضی کیا ہے، پھر اپنے تئیں 'جاؤ' کی تعمیل میں چل دیا اور گاڑی کے پاس آ کر سب سے کہہ دیا کہ حضور کی مرضی معلوم نہیں ہوتی۔ سب نے اسے میرا وہم قرار دیا، یوں ہم چل دیئے۔ پورا راستہ طبیعت پریشان رہی۔ پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اس کانفرنس کا نظم وضبط نہایت ناقص تھا۔ پروگرام کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ کسی بھی اور مقرّر کو خطاب کا وقت نہ مل سکا، کیونکہ ایک مولوی صاحب نے مائیک جو سنبھالا تو رات کا زیادہ تر حصّہ انہی کے خشک خطاب کی نذر ہو گیا۔ ہم نے بار بار میزبان سے جانے کی اجازت مانگی لیکن جانے بھی نہ دیا گیا۔ پونے تین گھنٹے کے خطاب کے بعد بھی جب ان صاحب کے مائیک چھوڑنے کے آثار نظر نہ آئے اور ہم میں سے کسی کی بھی باری آنے کی کوئی صورت نہ رہی (کیونکہ صبح ہونے والی

تھی) تو واپسی کی ٹھانی اور بمشکل وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ یوں نہایت بدمزگی اور پریشانی میں جملہ وفد واپس آ گیا۔ اب سب کو یقین آ چکا تھا کہ "نور اللہ" سے دیکھنے والے "بندۂ مومن" کی مرضی کے تابع رہنے میں ہی سہولت وکامیابی ہے۔

☆.......محترم المقام حاجی عبدالرزّاق صاحب (ڈسکہ) بیان فرماتے ہیں:

ایک شخص نے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کی گھڑی اُٹھا لی۔ پھر دس بارہ سال کے بعد اس حال میں ملا کہ اس کے گھر بار تک بک چکے تھے۔ معافی کا خواستگار ہوا اور گھڑی واپس کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، رکھ لو، یہ میں نے تمہیں دی، اب یہ تمہارے لیے حلال ہے۔ وہ شخص تا دیر منت وزاری کرتا رہا کہ جناب اپنے اس عمل کی وجہ سے میں آج یہاں تک پہنچا ہوں۔

چند مزید کرامات وبرکات

سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت: جناب محمد اسلام باجوہ صاحب (اسلام آباد) کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا بیان ہے:

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز سیالکوٹ میں رہتے ہوئے ہر سال ماہِ ربیع الاوّل شریف کے پہلے بارہ دن مسلسل میلاد شریف کی محافل سجاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہمارا گھر وقف تھا۔ یہ محافل نہایت ایمان افروز، روح پرور اور وجد آفریں ہوتیں۔ ایک مرتبہ عین عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پُرسحر صبح کو یہ نورانی محفل جاری تھی، اور لاہور کے ایک بہترین نعت خوان اپنی آواز کا جادو جگا رہے تھے۔ مجھے اس سارے پُرکیف منظر نے سرور وانبساط سے بھر دیا تھا۔ اور اس کے سحر نے میرے اندر

مستی سی بھر کے بے خود کر رکھا تھا۔ پھر اسی بے خودی میں مجھے آسمان سے روئی کے گالے اترتے نظر آئے۔ پھر ایک آواز سنائی دی، کوئی پکار پکار کے کہہ رہا تھا، ’’ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، سب راستہ چھوڑ دو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لا رہے ہیں‘‘۔ پھر مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قدمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ (آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پورے مبارک سراپا کو دیکھنے سے میں قاصر رہی)۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اندر تشریف لائے اور صوفے پر متمکن ہوئے۔ باجوہ صاحب نے یہ واقعہ آپ سے عرض کیا تو فرمایا، ’’یہی میں چاہتا تھا‘‘۔ یوں عین حالتِ بیداری میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز نے مجھے زیارتِ سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مشرّف کرایا۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز کی خواب میں زیارت اور اس کی برکات

اسلام میں سچے خوابوں کی اہمیّت مسلّمہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے متصل پہلے چھ مہینے کا دور، رویاءِ صادقہ (یعنی سچے خوابوں) کا زمانہ ہے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ...... (بخاری شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی۔ جو خواب بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دیکھتے، اس کی تعبیر صبحِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ...... (بخاری شریف)

ترجمہ: نیک آدمی کا اچھا خواب نبوّت کے چھیالیس حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے۔

متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان خواب کی رہنمائی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں نمایاں ترین سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ’اذان‘ کی ابتداء بھی چند صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے متفقہ خوابوں ہی سے ہوئی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبوبانِ خدا کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی سے کسی کے خواب میں تشریف لا کر اسے نوازیں۔ جواب یہ ہے کہ جب شیطان اپنی مرضی سے لوگوں کے خوابوں میں گمراہ کرنے کے لیے آسکتا ہے تو محبوبانِ خدا لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے اور ان کے کام سنوارنے کے لیے ان کے خوابوں میں کیوں نہیں آسکتے۔ معترضین شیطانی طاقتوں اور اختیارات کے تو قائل ہیں، رحمانی قوتوں کے مظہر، اللہ کے ان مطیع و فرمانبردار بندوں کے اختیارات سے انکاری کیوں؟ حالانکہ شیطان ملعون کو ان پاک بندوں کی قوّت وطاقت سے نسبت ہی کوئی نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ خواب میں کسی خوش نصیب کو اپنے شیخ کی زیارت ہو تو بغیر شک وشبہہ کے اسے شیخ ہی سمجھے۔ شیطان ہرگز ان نورانی شخصیات کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ محبوبِ سبحانی، غوثِ صمدانی، حضور شہنشاہِ اولیاء سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب مستطاب ’’سرّ الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار‘‘ میں تصریح

فرماتے ہیں:

"(حدیثِ پاک کے مطابق) شیطان صرف حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمثل اختیار کرنے ہی سے عاجز نہیں (بحوالہ بخاری ومسلم) بلکہ شیخِ کامل کی شکل مبارک میں بھی نہیں آسکتا کیونکہ شیخِ کامل مظہرِ رحمت وشفقت ولطف وہدایت ہے اور شیطان ظلمت وقہر۔ لہٰذا خواب میں اپنے مرشدِ عالی کی زیارت کرنے والا بھی بغیر کسی شک وشبہہ کے اسے مرشدِ

عالی ہی سمجھے۔ (بلکہ سیّدنا غوثِ پاک کی تصریح کے مطابق انبیاؑ واولیاؑ کے علاوہ ملائکہ، کعبہ، شمس وقمر، ابرِ سفید اور قرآنِ مجید کی شکل میں بھی نہیں آسکتا)"۔

بہر حال اولیاءِ کرام علیہم الرحمہ اپنے عظیم رسول، حضور ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ومظہر ہوتے ہیں، اور اپنے پروگرام سے غلاموں کے خواب میں آتے ہیں اور انہیں طرح طرح سے نوازتے، ہدایات دیتے، تنبیہہ فرماتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مِلّتِ اسلامیہ کی چودہ سوسالہ تاریخ میں اس کے اَن گنت شواہد موجود ہیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا، اس کی مزید وضاحت کے لیے حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ القوی سے متعلق چند ایسے ہی واقعات ذیل میں بیان کیے جارہے ہیں۔ (خیال رہے کہ اس مضمون کے کتنے ہی واقعات اوراقِ گذشتہ میں بیان ہو چکے ہیں)۔ انہیں بغور پڑھیئے اور اندازہ کیجئے کہ اس "دَورِ بغاوت" میں اسلام کے نُور سے منوّر ہونے والے کیسی کیسی کرامات اور کیسے کیسے تصرّفات سے ممتاز کیے گئے۔

☆...... صوفی تنویر احمد صاحب کا بیان ہے:

اکثر دِل میں یہ خیال آتا تھا کہ "نقشِ لاثانی نگر" کوئی پلاٹ خرید کر مکان تعمیر

کروں تاکہ اپنے پیر کی زیادہ سے زیادہ قربت نصیب ہو۔ تاہم مالی مسائل اور کسی حد تک سستی کے سبب تاخیر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز حضور خواب میں تشریف لائے اور جلالی انداز میں ارشاد فرمایا، 'توں ساڈے لاگے جگہ لیندا کیوں نئیں؟'۔ عرض کیا، حضور اتنی رقم نہیں ہے۔ فرمایا، 'دس ہزار وی نئیں؟'۔ پھر آنکھ کھُل گئی۔ دِل میں یہ یقین جاگزیں ہو چکا تھا کہ آپ کی مرضی ہے تو اب بات بن جائے گی۔ اور پھر ہوا بھی ایسا ہی، اسی دن دس ہزار روپے کی پیشگی ادائیگی پر آستانۂ عالیہ کے قریب ایک پلاٹ کا سودا ہوگیا اور باقی رقم نہایت آسان اقساط میں دینی قرار پائی۔ پھر اللہ نے میرے حضرت کے طفیل تمام اسباب پیدا کردیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں بہترین مکان کھڑا ہوگیا۔

☆...... محمد فیصل صاحب (جموال۔ شکرگڑھ) نے ایک مرتبہ بیان کیا (۱۹۹۹ء):

میں کسی پیر کی تلاش میں تھا تاکہ اس کی بیعت کرسکوں۔ بہت سی جگہوں پر گیا مگر دل مطمئن نہ ہوتا تھا۔ ایک رات حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، 'ہمارے پاس آکر تو دیکھو'۔ چنانچہ آپ کے درِ اقدس پہ حاضری کا آغاز ہوگیا۔ اور بالآخر آپ کی شخصیت اور سیرت وکردار سے متاثر ہوکر ایک روز بیعت بھی کرلی۔

☆...... محمد زاہد صاحب (گلی ڈاکخانہ، شکرگڑھ) کا بیان ملاحظہ کیجیے:

مجھے ایک روز خواب میں آپ کی زیارت ہوئی۔ اس سے پہلے میں نے ظاہری طور پر آپ کی زیارت نہیں کی تھی۔ آپ کے سراپائے اقدس کی نورانیت نے مجھے حیرت کدہ میں لاکھڑا کیا۔ خواب ہی میں مجھے آپ نے اپنے پاس حاضری کا حکم ارشاد فرمایا۔ اگلے ہی دن میں حسبِ حکم آپ کے بتائے ہوئے مقام پر حاضر ہوا تو حیرت بالائے حیرت کہ وہی نورانی سراپا میرے سامنے موجود تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دیا اور حلقۂ

ارادت میں داخل ہو گیا۔

☆...... فرزند علی صاحب (موضع ہریال) کی داستان سنئے:

میں نے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کی خواب میں زیارت کی جبکہ ظاہری طور پر زیارت سے ابھی مستفید نہیں ہوا تھا۔ میں نے جامع مسجد گلزارِ مدینہ میں آپ کو خطاب فرماتے دیکھا۔ پھر تقریباً چھ ماہ بعد مجھے ایک پیچیدہ دینی مسئلہ (۱۲ سالہ بچی کے نکاح کے حوالے سے) معلوم کرنا تھا، جس کے لیے میں مختلف علماء کے پاس گیا۔ جس کے پاس بھی گیا اس نے مجھے آپ کے پاس حاضری کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ کے پاس حاضر ہو کر چہرۂ پُرنُور کی زیارت کی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے آپ کو بعینہٖ مثلِ خواب پایا۔ قدرت کی اس کرشمہ سازی پر میں حیران تھا، پھر آپ نے مسئلہ بھی یوں سمجھایا کہ میری تسلّی ہو گئی۔

☆...... محمد عاصم صاحب (شکر گڑھ) کا ایمان افروز ماجرا ملاحظہ کیجئے:

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز سے بیعت ہونے کے جلد بعد ایک رات آپ خواب میں تشریف لائے۔ آپ چارپائی پر بیٹھے قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ پھر دوسرے منظر میں میں آپ کے ہمراہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضر تھا۔ جی بھر کر قبرِ انور کی زیارت کی۔ پھر آپ نے سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرِ مبارک کی بھی زیارت کروائی۔ اس بابرکت خواب کا سحر کئی دن مجھ پر طاری رہا۔

☆...... ضلع سیالکوٹ سے ایک بچی حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز کے حلقۂ ارادت سے متعلق تھیں۔ ان کی آنکھ کے ڈیلے میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ میو ہسپتال لاہور کے سرجن ڈاکٹر خالد صاحب سے چیک اپ کرایا تو انہوں نے اپریشن تجویز کر دیا۔ ساتھ

ہی یہ افسوسناک خبر سنائی کہ اپریشن کے بعد ہر چیز دو دو نظر آئے گی۔ بچی کے والد نے آپ کو فون کر کے ساری صورتحال گوش گذار کی۔ آپ نے فرمایا، ’کرواؤ اپریشن، دو دو نظر نہیں آئیں گے‘۔ تاہم بچی اپریشن کروانے پر کسی صورت تیار نہیں تھی۔ تب ایک رات اس کے خواب میں آپ تشریف لائے اور فرمایا، ’کرواؤ اپریشن، میں جو کہہ رہا کہ ایک کی بجائے دو نظر نہیں آئیں گے‘۔ اب بچی مان گئی۔ اپریشن کیا گیا اور اس وقت ڈاکٹروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہیں معائنے کے بعد معلوم ہوا کہ بچی کو بالکل ٹھیک یعنی ایک چیز ایک ہی دکھائی دے رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس قدر کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب 13

وصال اور مابعد وصال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت کا اسلامی تصوّر

اِذَا الْمَنِيَّةُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَهَا
اَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيْمَةٍ لَّا تَنْفَعُ

(یعنی جب موت اپنے ناخنوں کو چبھو دیتی ہے تو اس وقت ہر تعویذ بے سود اور ہر منتر بے کار ہو جاتا ہے۔ اور مر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا)

ہر شے مُسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی (اقبال)

اس جہان کی ہر شے فانی اور تغیر و تبدّل کی زد میں ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ......(پ ۲۷۔ سورۂ رحمٰن۔ آیت ۲۷)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔ اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات، عظمت اور بزرگی والا۔ (کنزالایمان)

وقت کی تند و تیز آندھی نے مہکتے ہوئے گلزاروں کو آن کی آن میں سُلگتے ہوئے ریگزاروں میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور کبھی یوں بھی ہوا کہ تپتے ہوئے صحرا کے سینے سے آبِ رواں کے سوتے پھوٹے جو بیاباں کو رشکِ گلستاں بنا گئے۔ آج جہاں شہر ہیں کبھی ویرانے تھے اور جہاں عیش و نشاط کی محفلیں گرم ہوتی تھیں وہاں سناٹا طاری ہے۔ یہ انسان جو چاند کے بعد مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے، جو مہر و ماہ کو شکار کر رہا ہے، فطرت کے مظاہر جس کے تابع فرمان ہیں، کوہ و کمر اور بحر و بر میں جس کی حکمرانی ہے، "اَنَا وَلَا غَيْرِیْ" کا نعرہ لگانے والا یہ انسان موت کے سامنے آج بھی اتنا ہی عاجز ہے جتنا کل تھا۔

لَنَا مَلِكٌ يُّنَادِیْ كُلَّ يَوْمٍ
لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ

(یعنی روزانہ ہمیں ایک فرشتہ پکار پکار کر یہ اعلان سناتا ہے کہ دنیا والو! سن لو!، اس دنیا میں ہر بچہ اسی لیے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ایک دن مرجانا ہے اور ہر مکان اسی لیے بنتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک دن گرجانا ہے)

الغرض آج سے چودہ سو سال قبل قرآن نے جو اعلان کیا تھا، آج بھی اپنی

صداقت کے ساتھ کائنات میں گونج رہا ہے اور کبھی اسے چیلنج نہیں کیا جاسکے گا کہ

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط (النسآء۔ آیت ۷۸)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آلے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔ (کنزالایمان)

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (النحل۔ آیت ۶۱)

ترجمہ: پھر جب ان کا وعدہ آئے گا، نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں۔ (کنزالایمان)

لیکن اسلام بتاتا ہے کہ موت فنائے محض (یا مکمل فنا) نہیں، بلکہ زندگی کے ایک نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہے۔ یوں اس حیاتِ دنیوی کا اختتام دراصل حیاتِ برزخی کی ابتداء ہے۔ پھر ایک اور انقلاب آئے گا جب انسان پہلے کی طرح مکمل طور پر زندہ ہو کر اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہوگا:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝......(المطففین۔ آیت ۶)

ترجمہ: جس (قیامت کے) دن سب لوگ ربّ العٰلمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ (کنزالایمان)

یعنی وہ دن قریب ہے جب نہ کوئی بلندی ہوگی نہ پستی، نہ کوئی شہر ہوگا نہ کوئی بستی، نہ کوئی وجود ہوگا نہ ہستی، نہ خم ہوگا نہ مستی، نہ سوز ہوگا نہ ساز، نہ کوئی صبح کا سویرا ہوگا نہ

رات کا اندھیرا، نہ کلیوں کا تبسّم ہوگا نہ بلبل کا ترنّم، نہ چاند کی چمک ہوگی نہ کہکشاں کی دھمک، نہ سما ہوگا نہ سمک، نہ عرش ہوگا نہ فلک، نہ برگ وثمر ہوں گے نہ شجر وحجر، نہ دریاؤں کی روانی ہوگی نہ نہروں کی جولانی، نہ تاج وتخت ہوگا نہ سطوت وشوکتِ شاہی ہوگی، فقط ربّ العٰلمین کی بادشاہی ہوگی اور سب اس بادشاہِ حقیقی کے سامنے حاضر ہوں گے۔

پھر سب کے دنیاوی اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ نیک وبد اعمال میزانِ عمل پر تولے جائیں گے، بالآخر جزا یا سزا کے لیے جنّت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اور یہ حیاتِ اُخروی غیر مختتم ہوگی۔ (وَ اِنَّ الدَّا رَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۝)۔ یہ تمام حقائق قرآن میں جابجا موجود ہیں۔ مثلاً:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ... (الجمعہ۔ آیت ۸)

ترجمہ: تم فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے، پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم نے کیا تھا۔ (کنز الایمان)

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ط وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝...... (یٰس۔ آیت ۱۲)

ترجمہ: بے شک ہم مُردوں کو جلائیں گے اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر چیز ہم نے گِن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔ (کنز الایمان)

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝...... (الاعراف۔ آیت ۲۹)

ترجمہ: جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔ (کنز الایمان)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ۔ آیت ۵۵)

ترجمہ: ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ (کنز الایمان)

یاد رہے! 'موت وحیات' کا یہ تصور اسلام کا معجزہ بھی ہے اور دُنیا پر احسانِ عظیم بھی کہ نیکی کی بقا اور فروغ کے لیے عقیدۂ آخرت بنیاد ہے۔ یعنی اگر وہ موت اور مابعد الموت کا نقشہ ذہن میں رکھتے ہوئے زندگی کے دن گذارتا ہے تو اس کی زندگی کا نقشہ بھی دوسروں سے مختلف اور بہتر ہوگا۔ اس کا لمحہ لمحہ نیکی وامن کا علمبردار اور رُواں رُواں ذکرِ خدا سے سرشار ہوگا۔ وہ حرص وہوا کے فریب میں آئے گا نہ عیش وطرب کا دلدادہ ہوگا۔ تخت وتاج میں اس کے لیے کوئی کشش ہوگی نہ تختۂ دار میں خوف وہراس۔ موت کی یاد اسے ہر لذّت سے بے نیاز کردے گی۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے:

فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ ...... (ترمذی شریف)

ترجمہ: لذّتوں کو ختم کرنے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔

نیز اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا شہداء کے مقام پر کوئی اور بھی ہوگا؟ فرمایا:

نَعَمْ مَنْ یَّذْكُرُ الْمَوْتَ فِی الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَةِ عِشْرِیْنَ مَرَّةً (شرح الصدور۔ ص ۸)

ترجمہ: ہاں جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔

اس فضیلت کا سبب یہی ہے کہ موت کے ذکر کے باعث انسان اس دنیائے فریب سے دور اور آخرت کی تیاری میں منہمک رہتا ہے جبکہ موت سے غفلت انسان کو شہواتِ دُنیا میں مستغرق رہنے کی دعوت دیتی ہے۔

خیال رہے! کہ انسان کے اعمال کا احتساب روزِ حشر کے ساتھ ہی وابستہ نہیں بلکہ موت کے ساتھ ہی کچھ نہ کچھ شروع ہو جائے گا۔ اسلام نے نکیرین کے ساتھ سوال وجواب میں کامیابی وناکامی کا تصوّر دے کر جہاں احساسِ ذِمّہ داری میں شِدّت پیدا کرنے کی سعی فرمائی ہے وہاں اس سے زندگی کا تسلسل بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر دیگر اقوام کی مانند انسان کے لیے 'فنائے محض' کو تسلیم کرلیا جائے تو نیکی وبدی کا امتیاز بے جان سا ہو جاتا ہے۔ نہ تو نیکی کرنے کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے، نہ بدی کرنے پر وبال معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فرمایئے! کون سا فعل ایسا ہے جو اِتّباعِ نفس اور حرص وہوا کے جذبات سے مغلوب ہو کر انسان نہ کرے گا، یوں پوری دُنیا ظلم وتشدّد اور انتشار واضطراب سے بھر جائے گی۔

یہاں اس بات کو بھی اچھی طرح سے جان لیجئے کہ مومن اور کافر کی برزخی زندگی میں بھی فرق ہے۔ صرف ایک بات ایسی ہے جو مومن وکافر میں کسی حد تک مشترک ہے اور وہ ہے ان کی سماعت یعنی سننے کی قوّت۔ یعنی برزخی زندگی میں مومن ہو یا کافر، بہر حال سنتا ہے۔ چنانچہ مومن کے متعلّق فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم موجود ہے کہ دفن کرنے والے جب اسے قبر میں لٹا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہے۔ (اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ۔ بخاری شریف)۔ جبکہ کافر کی سماعت بعد

از موت کے متعلّق جنگِ بدر کا واقعہ روشن دلیل ہے۔ ہوا یہ کہ جنگ کے بعد جب مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر اُنہیں مخاطب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سننے پر تعجب ظاہر کیا تو فرمایا: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ (بخاری شریف)۔ یعنی تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔

یہ تو تھی قدرِ مشترک، جو محض نفسِ 'سماعت' میں ہے (حقیقتاً کیفیت وقوّتِ سماعت میں بھی بہت فرق ہے) جبکہ مجموعی طور پر مومن اور کافر کی برزخی زندگی میں زمین وآسمان سا بُعد ہے۔ اس حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر غور کیجئے:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ ...... (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنّت۔

نیز فرمایا:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ "مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ" مِّنْ حُفْرَةِ النَّارِ. (ترمذی شریف)

ترجمہ: بے شک قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

یعنی مومن اپنی ایمانی وآئینی پابندیوں کی بنا پر گویا قید خانے میں ہے مگر جونہی جان نکلی، پابندیاں ختم ہوئیں۔ ارض وسما کی پہنائیاں اُس کی توانائیوں کی جولانگاہیں بن گئیں۔ اب وہ قفس کا پنچھی نہیں طائرِ لاہُوتی ہے، جہاں کی چاہے سیر کرے اور جو من چاہے کرے۔ اس کی قبر بھی جنت کا ایک باغ بن گئی۔ حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کا قول

ہے کہ ''مومنِ کامل دُنیا میں ایسی تلوار کی مانند ہے جو نیام میں ہو مگر وفات کے بعد وہ اپنی غیر محدود قوتوں کے باعث گویا تیغِ بے نیام بن جاتا ہے''۔ اس کے برعکس کافر خود کو ربانی ہدایت سے آزاد سمجھتا ہے۔ وہ اپنی مَن مانی کرتا ہے اور یہ زندگی اس کے لیے گویا جنّت ہے۔ مگر جونہی دُنیا سے نکلا، لعنت وحزیمت کا طوق اس کے گلے میں اور اس کی قبر دوزخ کا گڑھا بن گئی۔

پھر تمام مومنین بھی اپنی اپنی برزخی زندگی میں یکساں شان کے حامل نہیں۔ ان کی شان ان کے تقرّب الی اللہ کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔ ہم خطا کار مومن کہلانے کے باوجود چونکہ یقینِ محکم سے پوری طرح مستنیر نہیں ہوتے، اس لیے ہماری حیات وموت کو مومنِ کامل کی مثالی زندگی وموت کے رنگ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہم خود ہی قبر وحشر میں محفوظ رہیں تو غنیمت ہے اور محض ان کا صدقہ، مگر وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی کامیابی کے ضامن ہیں۔

مومنِ کامل یا ولی اللہ کی اس شان کا اندازہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس طبقے کی وفات کو 'انتقال' یا 'وصال' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ 'انتقال' کا تصوّر اس حدیثِ پاک سے ملا:

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ.....(تفسیر کبیر)

ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

اور لفظ 'وصال' کا ماخذ حضرت حبان بن الاسود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ.....(شرح الصدور)

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

چنانچہ جب سیّد العشاق، مؤذنِ رسول سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو وقتِ وصال آیا، بقول مولائے روم:

؎ چوں بلال از ضعف شد ہمچوں ہلال
رنگ مرگ افتاد بروئے بلال

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب کمزوری ونقاہت سے پہلی رات کے چاند ہلال کی طرح لاغر اور دُبلے ہوگئے اور ان کے چہرے پہ موت کا رنگ اور وفات کے آثار نمودار ہوگئے تو بقول مولائے روم:

؎ گفت زوجہ اَلْفِرَاقُ اَلْفِرَاق
گفت نَے نَے اَلْوِفَاقُ اَلْوِفَاقْ

(اُن کی) اہلیہ نے کہا ہائے ہائے جُدائی پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا، نہیں یہ تو وصال (یا ملنے) کا وقت ہے۔

یونہی ملک الموت علیہ السلام سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے حاضر ہوئے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، کبھی تم نے ایک دوست کو دوسرے دوست کی روح نکالتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر ملک الموت بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور آپ کا پیغام سنایا۔ اللہ تعالی نے فرمایا، جاؤ ابراہیم علیہ السلام سے کہو:

هَلْ رَءَیْتَ خَلِیْلاً یَّکْرَهُ لِقَآءَ خَلِیْلِهٖ فَرَجَعَ قَالَ فَاقْبِضْ رُوْحِی السَّاعَةَ.....(شرح الصدور۔ ص ۷)

ترجمہ:۔ کیا تم نے ایک دوست کو دوسرے دوست کی ملاقات کو برا جانتے ہوئے دیکھا ہے۔ (پس ملک الموت لوٹے اور ابراہیم علیہ السلام کو جب قبضِ روح پر لقائے خداوندی کی نوید سنائی تو) آپ نے فرمایا، میری روح ابھی قبض کرو۔

مرزا غالب نے اسی کیفیت کی مصوّری کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ:

عشرتِ قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

دورِ حاضر میں ایک ایسی ہی درخشندہ مثال ہمیں پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشۂ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی ملتی ہے۔ آپ اپنی عمرِ عزیز کے آخری چند ماہ صاحبِ فراش رہے۔ اگر کوئی صحت کی دعا کر بیٹھتا تو ناراض ہو کر فرماتے، ”کیا مرنا نہیں ہے، کیا دنیا سے جانا نہیں ہے“۔ آپ اس حدیثِ پاک کا مصداق تھے:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ..... (بخاری شریف)

ترجمہ:۔ جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

دیکھا وہ موت جس کے آگے انسان بے بس نظر آتا ہے، انسانِ کامل نے خود اسے کتنا بے بس کر دیا۔ الغرض خدا کے نیک بندے موت سے گھبراتے نہیں بلکہ کمالِ اشتیاق کے ساتھ موت کی آمد آمد کا پُر شوق انتظار کرتے ہیں کہ یہ موت دراصل ’وصلِ جاناں‘ کا پیش خیمہ ہے۔ بقول اقبال:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی مردِ مومن کی ایک خاص نشانی میں تجھ کو بتاتا ہوں کہ جب اس کو موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے اور وہ ہنستے ہوئے موت کا استقبال کرتا ہے۔

یہ ہے فیضان بنی نوعِ انسان کے اس محسنِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا جن کی اطاعت کا نور فنا کی ظلمتوں کا علاج اور جن کی الفت کی شیرینی موت کی تلخیوں کا زیاق ہے۔

یہ اہم ترین بات خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر نفس موت چکھنے والا ہے) سے دوامِ موت کا مفہوم نہیں نکلتا جیسا کہ بہت سے مردہ دلوں کو غلط فہمی ہے۔ اگر اس سے وہی فنائے محض مراد لی جائے تو شہداء کو زندہ ماننا محال ہے جبکہ حیاتِ شہداء نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ اور جب شہداء کی حیات برحق ہے تو صدیقین یعنی وہ اولیاء جنہوں نے نفس سے جہاد کیا کی زندگی تو بدرجۂ کمال ثابت ہوئی۔ پھر انبیاءِ کرام علیہم السلام جن کے صدقے شہداء اور صدیقین کو زندگی ملی، کی حیات کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ درحقیقت ان سب کے موت چکھنے کا اصل مفہوم وہی ہے جو حضرتِ اقبال نے بیان کیا ہے:

لحد میں بھی وہی کیف وحضور رہتا ہے — اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا — تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

المختصر! مردانِ کامل اپنی قبور میں حیات سے متصف اور دنیوی زندگی سے بڑھ کر خدا کے فضل و کرم سے متصرف و مختار ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْت ..... (جامع صغیر) یعنی مومن کے لیے موت

ایک تحفہ ہے۔

یہ مردانِ کامل بعداز وصال کرتے کیا ہیں؟ اس کے جوابات کتبِ احادیث و تفاسیر نیز عقائد و تاریخ کی کتابوں میں جابجا ہیں۔ یہاں ان کو خود حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

1۔ اولیاءِ کرام اپنی قبروں میں نماز و تلاوت اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوتے ہیں، حصولِ ثواب کے لیے نہیں بلکہ طبعی تقاضے کے طور پر۔

2۔ حسبِ ضرورت جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور غازیانِ اسلام کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

3۔ زائرین و متوسلین کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں دعائیں کرتے ہیں اور خداداد تصرّف سے اُن کا کام بناتے ہیں۔

4۔ خواب میں آ کر اپنے غلاموں کو ہدایت و بشارات دیتے ہیں اور بعض اوقات حسبِ ضرورت سرزنش بھی کرتے ہیں۔

5۔ جن میں طلبِ صادق ہو، انہیں ظاہری آنکھوں سے اپنا جلوہ و جمال بھی دکھاتے ہیں

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا سانحۂ وصال

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ مردانِ کامل جن کی نگاہ لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے، اپنے وقتِ وصال سے باخبر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا اشتیاق انتظار کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور وہ بڑے اہتمام سے 'وصلِ یار' کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز نے اپنے وصال سے قبل ہی متعدد افراد کو اپنی خبرِ وصال

اشارتاً دے دی تھی بلکہ ایک مرتبہ تو صراحتاً یوں بھی فرمایا کہ ۱۹۵۶ء میں میرے والدِ گرامی کا وصال ہوا، ۱۹۸۶ء میں والدہ ماجدہ کا اور شاید ۲۰۰۶ء میں میرا انتقال ہو۔ آپ کے مخلص خادم خان عبدالرؤف خان صاحب کا بیان ہے کہ وصال سے پانچ چھ دن قبل ہم حضور کے کمرے میں حاضرِ بارگاہ تھے کہ یکایک فرمانے لگے کہ اب چلنا چاہیے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے۔ فرمایا: 'نہیں اب چلنا چاہیے'۔

علاوہ ازیں آپ وصال سے ایک مدت پہلے ہی اُن اہلِ محبت کو اپنی الوداعی ملاقات کا (اشارتاً) احساس دلا دیتے تھے جنہیں اس کے بعد ظاہری زیارت سے محروم رہنا تھا۔ مثال کے طور پر ۴ اگست ۲۰۰۶ء بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر آپ نے اس سگِ بارگاہ کو پاس بٹھا کر طویل نصیحتیں کیں۔ پھر علامہ مفتی محمد شاہد صاحب بھی حاضرِ بارگاہ ہوئے اور سلسلۂ پند و نصائح جاری رہا۔ اس موقعہ پر جامعہ کے طلباء اور دیگر احباب کثیر تعداد میں موجود تھے۔ نمازِ مغرب تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد آپ اپنے مخصوص کمرے میں تنہا تشریف فرما تھے، جب یہ سگِ بارگاہ اجازت لینے حاضر ہوا۔ آپ نے پھر بعض نصیحتیں کیں اور احکامات صادر فرمائے جو تبلیغِ دین کے لیے تھے۔ کیا معلوم تھا کہ یہ سب دراصل وصیتیں ہیں۔ بہرحال آپ نے کچھ نہایت خاص باتیں ارشاد فرمائیں جنہوں نے رگ و پے میں بجلیاں سی بھر دیں۔ ان میں سے چند محترم المقام جناب حاجی عبدالرزاق صاحب (ڈسکوی) نے بھی سنیں۔ بہرحال یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ دراصل سفرِ آخرت کے لیے تیار شیخِ کامل کے یہ الوداعی کلمات تھے (کیونکہ علی الصبح ۱۵ اگست کو آپ راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے)۔

حضور اپنی حیاتِ مقدّسہ کے آخری عرصہ میں ناسازیٔ طبع کا شکار رہے۔ اس

کے باوجود آپ مکمّل طور پر صاحبِ فراش نہیں ہوئے، البتہ محض سال بھر کہیں آنا جانا محدود رہا۔ یا چند دن صاحبِ فراش رہے۔ (آپ کے ان دنوں کے احوال نہایت عجیب تھے۔ آپ بظاہر کسی کو پہچانتے نہیں تھے)۔ ورنہ آپ کا ہر آنے والا سال، سالِ گذشتہ کی نسبت دینی مساعی اور تلقین وارشاد کے معاملے میں مصروف تر تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے تبلیغ واشاعتِ دین کا عظیم کام جو آپ کے ذمّہ قدرت کی طرف سے لگایا گیا تھا اسے سمیٹ رہے ہیں۔ صحت روز بروز کمزور تر ہونے کے باوجود نہ تو اوراد و وظائف میں کوئی کمی آنے پائی اور نہ ہی دیگر مصروفیات میں کوئی حرج رونما ہوا۔

۵ اگست ۲۰۰۶ء بروز ہفتہ شمس العارفین، بدر الکاملین حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی بغرضِ علاج راولپنڈی اسلام آباد پہنچے۔ تاہم مزاج شناس احباب کے مطابق یہ تشریف آوری برائے علاج کم اور تبلیغی مذہبی سرگرمیوں کو ملاحظہ فرمانے اور ان کی سرپرستی کے لیے زیادہ تھی۔ شفا ہسپتال سے تین روز علاج معالجہ ہوتا رہا، لیکن قیام جناب اسلام باجوہ صاحب کی رہائش گاہ پہ تھا۔ ان تین ایّام میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں اور علم وعرفان کے اس سرچشمۂ شیریں سے سیراب ہو کر جا رہے ہیں۔ کالجوں یونیورسٹیوں کے طلباء کو پند و نصائح، علماء سے قوم کی زبوں حالی پہ مذاکرات، صوفیاء سے ملّت کی فکری و اخلاقی آوارگی پر تبادلۂ خیالات نیز امتِ مسلمہ کے مجموعی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی مسائل کے حل کی ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے۔

کیسی ایمان افروز صورتحال ہے کہ ڈاکٹر حضرات آپ کی زندگی بچانے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور آپ خود قوم کو ایمانی وروحانی موت سے بچانے کے لیے مسلسل جتے ہوئے ہیں۔ بالخصوص نامور علمی وروحانی شخصیت پیر سید صابر حسین شاہ

صاحب مدظلہ سے بروز پیر ملاقات نہایت قابلِ ذکر ہے جس میں انہیں تاریخِ اسلام بالخصوص پاکستان کی صحیح ومستند تاریخ رقم کرنے کے حوالے سے کام کرنے کو کہا۔

پھر ۸ اگست ۲۰۰۶ء (بمطابق ۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ، ۲۴ ساون، بروز منگل) کا سوگوار دن آ گیا۔ یہ سچے عاشقِ رسول جنہوں نے ساری زندگی اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شان وعظمت کے لیے کام کیا تھا، جن کی تمام عمر اسلام کے خلاف رکیک حملوں کا جواب دیتے گزری تھی، جن کا جذبۂ اتباعِ رسول اور جذبۂ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم گویا ضرب المثل بن چکا تھا، اپنے پورے جاہ وجلال اور حسن و جمال کے ساتھ (باجوہ صاحب کی رہائشگاہ کے) ایک کمرے میں موجود تھے۔ ان کے سراپا سے نکلنے والی نورانی کرنیں کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ ان کے بدن کی مہکتی خوشبو ماحول کو معطّر کر رہی تھی۔ صاحبزادہ عطاء الحق صاحب نقشبندی، افتخار احمد ممنون صاحب، عبدالرشید صاحب، انیس خان صاحب اور متعدد احباب پاس موجود تھے کہ مشیتِ ایزدی آ پہنچی اور خدائے وحدہٗ کی عظمتوں اور محبّت وغیرتِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی برکتوں کے عمر بھر گیت گانے والے اس شیخِ طریقت نے نہایت پرسکون انداز میں سر جھکا دیا اور حریمِ جاناں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ تمام حاضرین کے متفقہ قول کے مطابق بروقتِ وصال کسی قسم کی تکلیف کے آثار آپ پر نہ تھے۔ معمولی سا بھی نہیں تڑپے بلکہ محض سرِ اقدس جھکا دیا، گویا نیند آ گئی ہے۔

بزمِ فقر و ورع کا روحِ رواں جاتا رہا
رہنمائے شاہراہِ سالکاں جاتا رہا
عالمِ علمِ لدنّی ، واقفِ سرِّ نہاں

روشناسِ عالمِ کون و مکاں جاتا رہا
با یزیدِ وقت و سلمانِ ثانی و ذوالنونِ عصر
وہ فرید الدہر و جنیدِ زماں جاتا رہا
دستگیرِ بیکساں ، پیرِ ہدائے ناکساں
نقشبندی سلسلے کا پاسباں جاتا رہا
جس سے اہلِ معرفت کرتے رہے نور اقتباس
حسرتا وہ قبلۂ روحانیاں جاتا رہا

جب یہ خبرِ جاں گداز ملی تو ایک لمحہ کو یوں محسوس ہوا جیسے ہوائیں رُک گئیں۔۔۔ گردشِ وقت ٹھہر گئی ۔۔۔ درودیوار لرز اٹھے۔۔۔ پہلے آنکھیں اشک بار ہوئیں۔۔۔ پھر جگر گداز سسکیاں سنائی دیں۔۔۔ اور بالآخر زبانوں نے دل وجگر سے نکلنے والی آہوں کا شور بلند کیا۔

آہ! آج ہم اپنی جائے سکوں بلکہ جائے اماں کھو بیٹھے۔۔۔ شفقت ورحمت کے شجرِ سایہ دار سے محروم ہو گئے۔۔۔ ہمیں توبہ کرانے والے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت کا درس دینے والے، ماں باپ سے بڑھ کر پیار دینے والے، ہماری فریادیں سننے والے غمگسار، شفیق، غریب پرور آقا دنیا سے پردہ فرما گئے۔

افسوس! آج ہم ان نگاہوں سے محروم ہو گئے جن سے عشاق معرفت والفت کے جام پیا کرتے تھے۔۔۔ وہ زبان حجاب میں چلی گئی جس کی تاثیر اور مٹھاس نے ہمارے قلب ونگاہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔۔۔ رحمت وشفقت بھرے ان ہاتھوں کا مَس جاتا رہا

جس سے آپ ہمارے سروں اور پشتوں کو نوازا کرتے تھے۔۔۔ اور وہ چہرۂ تاباں ہم سے روپوش ہو گیا جس کا نور ہمارے قلب وروح کو خیرہ کیا کرتا تھا۔

اس سے زیادہ آسان موت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وصال سے چند ہی روز پہلے کی بات ہے، اس عاجز نے آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور! موت سے بہت ڈر لگتا ہے، دعا فرمائیے کہ آسان موت آئے۔ تب آپ نے فرمایا تھا کہ

"تم کیا سمجھتے ہو کہ نقشِ لاثانی (علیہ الرحمہ) کے غلاموں کو مشکل موت آئے گی؟"

اور آپ تو حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے محبوب ومراد اور خلیفۂ اعظم تھے۔ چنانچہ اپنے شیخ پر آپ کا یہ اعتقاد رنگ لایا اور آپ کو وفات بھی ایسی نصیب ہوئی جو ایک مردِ حق، خدا کے مطیع، نبی کے محبّ اور اولیاء کے محبوبِ نظر کی شایانِ شان ہے۔

یہاں سے آپ کے جسدِ اطہر کو آستانہ عالیہ علی پور شریف لایا گیا۔ انیس خان صاحب کا بیان ہے کہ راستے میں آپ کے پائے اقدس کی طرف ہو کر نعت شریف پڑھنے لگا تو یوں محسوس ہوا کہ حضور مجھے دھکیل کر فرماتے ہیں کہ "سر کی طرف ہو"۔ یہ کہتے ہیں کہ پہلے میں سمجھا کہ وہم ہے۔ تاہم دوبارہ جب حضور نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا "تمہیں سمجھ نہیں آتی کہ نعت شریف پڑھنی ہے تو سر کی طرف ہو"، تب میں اس طرف ہوا۔ (آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے والے جانتے ہیں کہ آپ نعت شریف، قرآنِ پاک، سادات، علماء اور صوفیا کا کس قدر احترام کرتے تھے)۔

ممنون صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب دربار شریف کی سڑک شروع ہوئی تو ایک واضح تبسّمِ جانفزا آپ کے لب ہائے مبارکہ پہ رقص کر رہا تھا۔ دربار شریف بھی یہی کیفیت رہی۔ لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ یہ دیکھو! اللہ کے ولی کی نشانی، کسی قسم

کے حزن وملال کی بجائے دل موہ لینے والی مسکراہٹ چہرۂ اقدس پہ سجی ہے۔ پھر غسل کا اہتمام کیا گیا۔ بعد ازاں پہلی نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس کی امامت پیر سید سعادت علی حسین شاہ صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ اس نمازِ جنازہ میں صرف ساداتِ کرام اور مشائخِ عظام نے شرکت کی۔

دنیا بھر میں آپ کے سانحۂ وصال کی خبر آناً فاناً پھیل چکی تھی۔ آپ کے لاکھوں عقیدتمند شدّتِ غم سے چور تھے۔ بالخصوص نقشِ لاثانی نگر میں تو قیامت کا سماں تھا جہاں سب سے پہلے یہ زلزلہ خیز اطلاع پہنچی تھی۔ یہاں کا ماحول انتہائی سوگوار تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کے جسدِ اطہر ومطہر کا انتظار ہو رہا تھا۔

کیوں ارادتمند ہیں آتے نظر سب بیقرار
کیوں وہ دوڑے جاتے ہیں سب کے سب باحالِ زار
لب پہ مہرِ خامشی ، آنکھوں سے جاری سیلِ اشک
کس کی فرقت نے کیا ہے ان کی حالت کو نزار
سرد آہیں بھر رہے ہیں ، چہرہ ہے اترا ہوا
پپڑیاں ہونٹوں پہ ہیں ،بھولے ہیں سارا کاروبار
ہے خبر آئی ، ہوا شاہِ ولایت کا وصال
جن کے دم سے تھی جماعت شادکام و کامگار

رات کے دس بج چکے تھے، رات کی بھیانک سیاہی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ عقیدتمندوں کا ہجوم لبِ سڑک نہایت بے چینی کے ساتھ اپنے محبوب آقا کے جسدِ مبارک کا انتظار کر رہا تھا۔ جذبات کے سمندر میں طوفان کا تلاطم بڑھتا جاتا تھا۔ بالآخر

وہ لمحہ آن پہنچا۔ دور سے ایمبولینس کا چیختا سائرن اور گاڑیوں کا بے ہنگم شور سنائی دیا تو ایک ہلچل مچ گئی۔ جوں جوں یہ گاڑیاں قریب آتی گئیں، کیفیتِ اضطراب اور شدّتِ غم اپنے عروج کو پہنچتے گئے۔ اور جب ان کے سامنے گویا یہ تاراج قافلہ آ کر رکا تو یوں محسوس ہوا کہ لمحہ بھر کو پوری کائنات دم بخود رہ گئی۔ لوگوں کے صبر وشکیب کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ کلیجہ توڑ کر آہوں کا دھواں نکلا اور ساری فضا پہ چھا گیا۔ شورشِ غم کی قیامت ٹوٹ پڑی۔ آسمانوں میں بھی ہلچل مچ گئی ہو گی کہ اقوالِ بزرگانِ دین کے مطابق اللہ کا ولی وصال کر جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے، وہ جگہ بھی روتی ہے جہاں وہ ولی بیٹھا کرتا تھا اور وہ اشیاء بھی چیختی ہیں جو اس کے استعمال میں رہا کرتی تھیں۔

اٹھ گیا ساقی، ہے بے دل بزمِ عرفان و یقیں
چشمِ تر ساغر کہیں ہے ، سرنگوں مینا کہیں
ہو گئے افسوس اب وہ راہیِ ملکِ بقا
جن کی فرقت میں ہے اشک افشاں گروہِ مومنیں
مادرِ گیتی کا غم سے ہو گیا دل پاش پاش
چھوڑ کر رخصت ہوا جب اس کا فرزندِ حسیں
کون پھونکے گا دلوں میں پھر سے روحِ زندگی
چھیڑ کر اک گوشۂ عزلت میں سازِ دلنشیں
ایسا ہادی اور مرشد بن کے اب آئے گا کون؟
سادگی سے بزمِ معنیٰ ہم کو سمجھائے گا کون؟

اف! یہ کالی گھٹاؤں میں چھپی ہوئی رات۔ ہر طرف خوفناک سیاہی اور زخمی دلوں کی

سسکیاں۔کوئی اس کونے میں پڑا آنسو بہا رہا ہے تو کوئی اس کونے میں اپنے دل پہ قابو پانے کی کوشش کررہا ہے۔یہ رات کٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔اور کٹتی بھی کیسے،ایسے مہربان اور شفیق شیخ کی سفید کفن میں لپٹی میت جو سامنے تھی۔اضطراب تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ساری رات یونہی گزری۔

کبھی روئے ، کبھی تجھ کو پکارا
شبِ فرقت بڑی مشکل سے گزری

بالآخر جذبات کے خون کی سرخیاں لیے لرزتی کانپتی صبح طلوع ہوئی،گھنے بادلوں کی اوٹ میں منہ چھپائے سورج نکلا۔پہلے خواتین نے آپ کی آخری زیارت کی ،پھر جسدِ نورانی نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی میں لایا گیا،جہاں عاشقین ومعتقدین کا ایک سیلابِ عظیم تھا جس نے ہرطرف سے آپ کو گھیر لیا۔اور علما وصوفیا کا ایک جمِ غفیر تھا جو وہاں جمع تھا۔ایسا کیوں نہ ہوتا:

آفتابِ معرفت روپوش ہو جانے کو ہے
گویا شمعِ زندگی خاموش ہو جانے کو ہے
جس کے قدموں میں میسر تھا سکونِ جان و دل
اس کی فرقت کر رہی ہے آج سب کو مضمحل
جس کے جلووں سے منور تھا شبستانِ کرم
عازمِ خُلدِ بریں ہے آج وہ جانِ کرم
جس کی خاکِ پا کا ذرّہ رشکِ مہروماہ تھا
ہے رواں ، وہ نور والا سوئے اقلیمِ بقا

جس کا ہلکا سا تبسّم ، چارۂ رنج و محن
اپنی فرقت میں رُلائے ہے وہ جانِ انجمن
جس کا نظارہ فروغِ دیدۂ بیدار ہے
ہاں اسی محبوب کا یہ آخری دیدار ہے

اپنے محبوب آقا کی میت دیکھ کر ایک مرتبہ پھر لوگ بے قابو ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔متعدد عقیدتمند بے ہوش ہو گئے۔جس کی طرف دیکھو آنکھیں اشکبار۔۔۔جسے دیکھو سینہ فگار۔۔۔جسے دیکھو غم واندوہ میں ڈوبا ہوا۔۔۔جسے دیکھو حال سے بے حال:

کون ہے جس کو نہیں یاں ان کی فرقت کا ملال
کون ہے جوان کے احساں سے نہیں ہے زیرِ بار

اس وقت کا دلگداز اور روح فرسا منظر احاطۂ تحریر و بیاں سے باہر ہے۔قلم کو یارا نہیں کہ دردوالم کی وہ تصویر کھینچ سکے اور زبان کی کیا مجال کہ اس منظر کو بیان کر سکے۔بالخصوص وہ منظر تو بھولتا ہی نہیں جب آپ کا جسدِ اطہر اٹھایا گیا اور جنازگاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔بس اتنا سمجھ لیں کہ یوں لگتا تھا

جیسے زندگی اپنی حرارت کھو چکی ہو
جیسے آرزوؤں اور ارمانوں کی بستی لٹ گئی ہو
جیسے عیش وآرام اپنی ساری لذّت کھو چکا ہو

یوں لگتا تھا گویا:

علم وعرفان ماتم کناں ہے۔۔۔زہدوتقویٰ آنسو بہا رہا ہے۔۔۔لطفِ حیات نے

ہم سے منہ پھیرلیا ہے۔۔۔مہر و مروّت کو نیند آ گئی ہے۔۔۔

ایسے احساسات کیوں نہ ہوتے، رخصت ہونے والا یہ شخص کوئی عام انسان نہیں تھا:

اس نے تو نورِ عرفان سے ہزاروں دل منوّر کیے تھے۔۔۔لاکھوں دلوں کو عشقِ نبی ﷺ کی حلاوت عطا کی تھی۔۔۔سالکانِ طریقت کو مقصود و مراد تک پہنچایا تھا۔۔۔زہد و تقویٰ کی عملی تفسیر پیش کی تھی۔

آج بزمِ دنیا سے وہ رخصت ہو رہا ہے جو:

☆......بے آسروں کا آسرا۔۔۔ضعیفوں کا مددگار۔۔۔غریبوں کا والی۔۔۔اور اسیرانِ غم کے لیے پیغامِ رستگاری تھا۔

☆......وہ معرفتِ خداوندی کا دریا تھا اور ہزاروں تشنہ کام اس کی ایک ایک بوند سے سیراب ہوتے تھے

☆......وہ رسولِ خدا ﷺ کا وارث و مظہر تھا اور اس کی زندگی اپنے آقا و مولا ﷺ کی عظمت و شوکت کے سامنے لوگوں کے سر جھکانے کے لیے وقف تھی

☆......وہ فقر کا شہسوار تھا جو زمانے کے بادشاہوں سے ہمیشہ بے نیاز رہا

☆......وہ نگاہ کا مشاق تھا، جسے دیکھا بدل کے رکھ دیتا تھا

☆......وہ خدا آگاہ بھی تھا، خود آگاہ بھی اور جو خدا آگاہ تھے نہ خود آگاہ، انہیں اس نے خدا آگاہ بھی کیا اور خود آگاہ بھی

ہاں ہاں! ان رونے والوں سے پوچھو، اس کا دامانِ کرم کتنا وسیع اور اس کا اندازِ عطا کس کس کے لیے زندگی کا سرمایہ تھا

دیکھنے والو! دیکھو۔ خوب اچھی طرح دیکھ لو۔۔۔ان کے چہرۂ پُرنور کے گرد نورانی ہالے کو

دیکھو۔۔۔اس محبوب کے رُخِ روشن سے دیدہ و دل کا دامن بھر لو۔۔۔آج کے بعد یہ موقع کہاں نصیب ہوگا۔

قصیدہ بُردہ شریف جو آپ کو نہایت پسند تھا، اس موقع پر مسلسل پڑھا جاتا رہا۔

دوسری نمازِ جنازہ وارثِ فیوضاتِ حضور نقشِ لاثانی پیر سید کرامت علی حسین شاہ مدظلہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ علی پور شریف نے پڑھائی۔ امیرِ شیرانِ اسلام شجاعت علی مجاہد صاحب کے بقول ایک لاکھ سے زائد افراد جنازے میں شریک تھے۔ جن میں بڑی تعداد میں علماءِ کرام اور مشائخِ عظام نے شرکت کی۔ بعد ازاں نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی کے سامنے کے حِصّہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہاں قیومِ زمانی، قطبِ ربانی اعلیٰحضرت پروفیسر محمد حسین آسی رضی اللہ عنہ کے جسدِ نورانی کی تدفین ہوئی۔ پھر تادیر سلسلۂ نعت خوانی جاری رہا۔

میں کہتا ہوں جب ایک عالم کی موت کو عالَم کی موت قرار دیا گیا ہے تو اس ذات کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو عالمِ برحق بھی ہے اور عارفِ حقانی بھی۔

وہ جو رُخ چھپا کے چلے گئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل رہا نہ وہ دلرُبا، رہی زندگی سو وہ بار ہے

☆☆☆☆☆☆☆

گلہائے عقیدت

یہاں چند شعرائے کرام کا مدحیہ کلام پیش کیا جا رہا ہے جو حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے سانحۂ وصال پر اظہارِ عقیدت کے طور پر لکھا گیا۔ (پورا پورا کلام نہیں، محض چند اشعار ہر نظم میں سے)

صاحبِ صدق وصفا سرچشمۂ جود وسخا
حضرت آسی حدی خوان نظامِ مصطفیٰ

عشقِ حبیب خدا میں کیا گزاری زندگی
ہر زبان شوق پر ہے مرحبا صد مرحبا

آج بھی جلوہ نما ہیں میری بزمِ شوق میں
وہ نہیں مجھ سے جدا اور میں نہیں ان سے جدا

آج بھی ساقی کی چشمِ ناز میں برپا نشے
آج بھی آباد ہے رندان غم سے میکدا

اس غلامِ مصطفیٰ پر کیا نگاہِ لطف ہے
آج بھی لکھتا ہے خونِ دل سے جو حرفِ ثنا

(علامہ غلام مصطفیٰ مجددی)

....

تا انجام بزمِ آب وگل سے | ہوا اک مردِ حق آگاہ رخصت
اچانک یہ خبر دل دوز سن کر | ہوئے دل ریش غم خوارانِ ملّت
جن احوالِ زبوں سے ہم ہیں دوچار | نہایت تھی ہمیں اس کی ضرورت
ہماری رہنما اس دور میں تھی | اس عالی جاہ کی فکرو بصیرت
خلوصِ تام سے دینِ نبی کی | زبان وخامہ سے کی اس نے خدمت
دلوں، ذہنوں پہ حاوی ہونے والی | رقم کی مردِ حق نے شانِ وحدت
دلیری، حق پرستی کا وہ پیکر | دیا اس نے سدا درسِ شجاعت
جہادو جرأت و غیرت کی تصویر | اولوالعزمی کا نقش خوبصورت
وہ مخلص صاحبانِ معرفت کا | وہ شیدائے بزرگانِ شریعت
نقیبِ کاروانِ عشق و مستی | سراپا سوز وہ محمود فطرت
مکرم محفلِ صدق و صفا کا | عزیزِ مجلسِ سید جماعت
خدا کا برگزیدہ بندہ تھا وہ | ہوئی اس عارفِ دوراں کی رحلت
سنِ وصل ''اوجِ دین النبی'' سے | وہ ''خورشید جہان الحقیقت''

۱۶۷ + ۱۸۳۹
= ۲۰۰۶ء

خوشا ذوق اس کا تعمیر حرم کا | زہے ''شوقِ جہادو استقامت''

(۱۴۲۷ھ)

(محمد عبدالقیوم سلطان پوری۔ ضلع اٹک)

....

رحم وکرم پہ غم کے ہے آہ زندگانی
ہاتھوں میں ہے قضا کے اپنی زمام، کہیے
نزدیک ہو رہا ہے ہر آن روزِ محشر
دارِ فانی کی گاڑی ہے تیز گام، کہیے
دنیا سے اٹھ گیا ہے یاروادیبِ ملت
برہم ہوا ہے بزمِ دیں کا نظام، کہیے
پرنم ہیں اس کے غم میں یارانِ اہلِ سنّت
فرقت نے اس کی بخشے اشکوں کے جام، کہیے
شائستگی سے ہر اک تحریر تھی عبارت
مملو تھا عمدگی سے اس کا کلام، کہیے
حمد وثنا میں اس کو حاصل تھا ایسا لہجہ
بخشا ہے جس نے اس کو اعلیٰ مقام، کہیے
میخانۂ حسینی سے فیضیاب ہو کر
فیضان بانٹتا تھا وہ صبح و شام، کہیے
تربت پہ اس کی برسے دن رات ابرِ رحمت
بخشش کا ہو میسّر بھرپور جام، کہیے

(سیّد عارف مہجور رضوی۔ گجرات)

....

جہاں سے اٹھا ایک مردِ مسلمان — محمد حسین اختر اہلِ ایماں
علوم ومعارف کا تھا وہ سمندر — محقق مفکر مؤرخ سخنداں
وہ حق وصداقت کا تھا ایک داعی — خلوص ووفا اس کا وصف نمایاں
متاع اس کی تھی عشقِ محبوبِ داور — رہا نہ کبھی مال وزر کا وہ خواہاں
یگانہ تھا وہ مادحِ شاہِ کوثر — بجا گر کہیں اس کو حسانِ دوراں
کبھی بھول پائے گی اس کو نہ دنیا — رہے گا سدا نام اس کا فروزاں
رہے اس کی مرقد منوّر ہمیشہ — ملے اس کو فردوس میں آبِ یزداں
کہا سال رحلت بدن فیض الامیں نے — ''محمد حسین آہ ماہِ درخشاں''

(۱۴۲۷ھ)

(صاحبزادہ فیض الامین فاروقی سیالوی۔ گجرات)

....

مزارات کی زیارت وحاضری، طریقۂ اسلاف

مزارات کی زیارت وحاضری، ابتدائے اسلام ہی سے جاری ہے۔ خود سرکارِ دو جہاں، حاصلِ کن فکاں، پیغمبرِ انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہی معمول خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کا تھا۔

بیہقی نے واقدی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے۔ جب گھاٹی پر پہنچتے تھے تو باآواز بلند

فرماتے: سَلام" عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْ تُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ (یعنی تم پر سلام ہو کہ تم نے مصائب پر صبر کیا اور دارِ آخرت انجامِ کار کے اعتبار سے بہتر ہے)۔ یہی معمول ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کا رہا اور حضرت سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا بھی تشریف لاکر دعا کرتی تھیں۔ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آکر سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ ان حضرات کو سلام کرو جو تمہارے سلام (اور سوال) کا جواب دیتے ہیں۔ (شرح الصدور)

ایک حدیثِ پاک میں ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَ تُذَكِّرُ لِلْاٰخِرَةِ..... (ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ (عمل) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد دلانے کا سبب ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیثِ پاک میں ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ جس کے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان کے پاس سے گذرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ..... (الترمذی۔ مشکوٰۃ جلد اوّل۔ باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: اے قبروالو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہم پر سبقت کر گئے۔ ہم بعد میں آنے والوں میں سے ہیں۔

یونہی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم زیارتِ قبور کے وقت کیا کہوں تو فرمایا:

قُوْلِي اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَ الْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَ اِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ..... (مسلم)

ترجمہ: (اے عائشہ) یوں کہا کرو کہ بستی کے مسلمان اور مومن رہنے والوں کو سلام۔ اللہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور (اے اہلِ قبور) ہم عنقریب تم سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

مانعینِ زیارتِ قبور ایک حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ تین مسجدوں کے علاوہ کہیں سفر نہ کرو۔ مسجدِ حرام، مسجدِ رسول، مسجدِ اقصیٰ۔ حالانکہ اس میں مزارات کے سفر کی مخالفت کہیں بھی نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ان مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف زیادتی ثواب کی نیت سے سفر نہ کیجیے گا۔ اس کی مزید وضاحت ایک اور حدیثِ پاک میں یوں ہے:

کسی نمازی کو کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر نہیں کرنا چاہیے سوائے مسجدِ حرام، مسجدِ اقصی اور میری مسجد کے۔ (مسند احمد)

غور فرمایئے! اگر منکرینِ زیارت کی یہ دلیل درست ہو تو طلبِ علم، وعظ و تبلیغ اور تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرنا بھی ناجائز ہو جائے گا۔

کسبِ فیضان کے لیے اولیاء اللہ کا اولیاء اللہ کے مزرات پر حاضر ہونا بھی ان گنت روایات سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت امام شافعی حضرت امام اعظم کے مزار پر

حضرت ابوالحسن خرقانی، حضرت بایزید بسطامی کے ہاں، حضرت خواجہ اجمیری داتا گنج بخش کے حضور، حضرت مجدد پاک کا خواجہ اجمیری کی تربت پر وغیرھم۔ ذرا سوچیے! زیارتِ قبور کو شرک یا بدعت قرار دے کر کس کس کی عظمت پر چھری چلائی جاتی ہے۔

رہ گیا ان سے مدد مانگنا تو اگر انہیں رب تعالیٰ کی امداد کا مظہر سمجھ کر مدد مانگی جائے تو بالکل جائز ہے۔ یہ بات جا بجا گذر چکی۔ مثلاً حدیث مقدسہ کے مطابق بندہ مقرب خدا کے نور سے بولتا، سنتا، دیکھتا اور پکڑتا ہے (حدیثِ قدسی، مشکوٰۃ شریف)۔ پھر یہ طاقت چونکہ خدا کے نور پر منحصر ہوتی ہے اس لیے دنیا سے جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ حدیثِ پاک کی رو سے آزاد ہونے کی بنا پر اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس طرح ہم بزرگوں کے ہاں ان کی دعا، توجہ اور برکت کے لیے ان کی ظاہری زندگی میں درخواست کرتے ہیں ویسے ہی قبر پر حاضر ہو کر بھی عرض کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ زندہ اور مزید قوتوں سے آراستہ ہیں۔

فتاویٰ سیدی جمال مکی قدس سرہ، میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب رملی علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ عوام جو مصیبتوں میں انبیاء و مرسلین اور اولیاء سے مدد مانگنے کے لیے پکارتے ہیں، 'یا شیخ فلاں' یہ جائز ہے کہ نہیں؟ تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا اَلْاِسْتِغَاثَةُ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْاَوْلِیَاءِ الصّٰلِحِیْنَ جَائِزَةٌ " بَعْدَ مَوْتِهِمْ. یعنی انبیاء و مرسلین اور اولیاء سے ان کے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے۔

بہر حال مزارات پہ جانا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہی نہیں، ہر دور کے صالحینِ امت اس سنتِ مطہرہ پہ عامل رہے

ہیں۔

ہمارے حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ نے برصغیر پاک و ہند کے اولیاءِ کبار کے مزارات کی زیارت کے لیے کئی سفر کیے اور روحانی برکات و فوائد حاصل کیے۔ مثلاً امامِ ربانی قیومِ زمانی حضرت شیخ مجددّ الف ثانی قدس سرہ الصمدانی کے مزارِ پرانوار پر آپ ہر سال باقاعدگی سے حاضر ہوتے تھے۔ نیز ان کے پوتے اور قیومِ ثالث خواجہ محمد نقشبند رحمۃ اللہ پر بھی حاضری ہوتی۔ وہاں سے اجمیر شریف روانہ ہوتے۔ راستے میں 'پانی پت' ہے۔ یہاں حضرت بوعلی قلندر، وزیر خان مقرب، قاضی ثناء اللہ، حضرت سراج الحق، حضرت شمس الدین، حضرت جلال الدین، حضرت امام اکبر علی، بدرالدین شہید (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ حضرت بدرالدین شہید (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ حضرت بدرالدین شہید کے مزار پر ایک طویل مراقبہ کیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ اس مردِ خدا کا درجہ حضرت بوعلی قلندر سے بھی زیادہ عروج پر نظر آتا ہے۔

دہلی میں حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ (جو اودھ کے وزیر اور کامل درویش ہوئے ہیں) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء اور خواجہُ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے مزارات پر خصوصیت سے حاضری دی جاتی۔ دہلی سے اجمیر شریف کا قصد فرماتے۔ یہاں سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے آستانے پر حاضری ہوتی۔ پھر واپسی پر دہلی سے گذرتے۔ شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز نیز دوسرے محدثین علیہم الرحمہ کے مزارات کی زیارت کی جاتی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"محدثین کے مزارات پر انوار کی بارش ہو رہی ہے"۔ دہلی میں ہی حضرت شیخ کلیم اللہ علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں بھی تشریف فرما ہوئے۔

ان کے علاوہ کلیر شریف میں خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر (جو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ کے بھانجے اور خلیفہ تھے) کے مزار پر انوار نیز پاکستان کے دیگر بڑے مزارات پر حاضری بھی آپ گاہے بگاہے دیتے تھے۔

یونہی حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ نے بھی سرہند شریف کے علاوہ حضرت خواجہ علاؤ الدین احمد صابر کلیری، خواجہ باقی باللہ، خواجہ بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے دیگر محدثین، خواجہ سلیم چشتی، خواجہ غریب نواز جبکہ پاکستان میں بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ بہاؤ الحق زکریا، حضرت شاہ رکنِ عالم، حضرت موسیٰ پاک شہید قادری، حافظ جمال اللہ صاحب چشتی، حضرت سید بلھے شاہ، حضرت داتا گنج بخش، میاں میر قادری، شاہ حسین زنجانی، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات پر بارہا حاضری دی۔

اپنے اسلاف کی طرح حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز بھی مزاراتِ اولیاء پر حاضری کو ذریعہ حصول برکات و فیوضات گردانتے تھے۔ چنانچہ ملکِ عزیز کے متعدد مزارات پر آپ نے حاضری دی۔ بالخصوص سال میں ایک مرتبہ ملتان شریف، اُچ شریف اور چورہ شریف کے مزارات پر جانا آپ کو محبوب تھا (جیسا کہ عنوان "زیارتِ قبور" میں بیان ہوا)۔ پاکپتن شریف کے ساتھ بھی گہرا انس تھا۔ زمانۂ طالبعلمی میں لاہور ہاسٹل میں قیام کے دوران داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار (لاہور) پر روزانہ حاضری ہوتی رہی۔ پھر دورانِ ملازمت سالہا سال تک داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ

کے مزار پر ماہوار حاضری بالخصوص علی پور چٹھہ قیام کے دوران مزارِ داتا کی ہفتہ وار جمعرات کی حاضری کا التزام رہا۔ بالآخر جب شکر گڑھ میں رہائش اختیار کی تو جب بھی لاہور جانا ہوتا، وہاں حاضری کو ضرور جاتے۔ داتا صاحب کے ساتھ آپ کا ایک خاص روحانی تعلق تھا اور انہوں نے آپ کو اپنے خصوصی فیضان سے نوازا۔

سیالکوٹ سکونت کے دوران اور بعد ازاں گاہے بگاہے سیالکوٹ آمد پر حضرت امام علی الحق رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار پر حاضری بھی پُر سعادت سمجھتے تھے۔

آپ کا ایک اہم ترین سفر سرہند شریف کا بھی تھا۔ نومبر ۱۹۸۶ء میں اپنے شیخِ کریم قدس سرہٗ کی معیت میں امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزارِ پُر انوار پر سالانہ عرسِ مقدس (۲۸ صفر) میں شمولیت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ اس سفر میں حاجی مقبول احمد صاحب (وزیرِ اعظم دربارِ عالیہ)، صوفی محمد ادریس، حاجی محمد یوسف، بابو احسان الٰہی، اعجاز حسین صاحبان بھی ہمراہ تھے۔ قریباً ڈیڑھ بجے دربارِ مجدّد پاک پہنچے۔ اس قافلے کو دربارِ لاثانی کی نسبت سے تمام مزارات کی چابیاں دے دی گئیں اور انہیں دوسرے زائرین کے لیے کھلا رکھنے کی تلقین بھی ہوئی۔ اس وقت کے خلیفہ صاحب کے بھائی جناب امیر محمد صاحب علیہ الرحمہ حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق تھے۔ (ان کا مزار بھی دربارِ لاثانی میں مزارِ شاہِ لاثانی کے قدموں کی طرف ہے)۔

شکر گڑھ میں دیگر مزارات کے علاوہ بابا قطب شاہ ولی علیہ الرحمہ کے مزار پر بھی بارہا آمد ہوئی۔ یہ سگِ بارگاہ چند روز لگاتار اس مزار پر حاضری دیتا رہا۔ ایک مرتبہ بوقتِ صبح وہاں سے باہر نکلا تھا کہ حضور پاس سے سڑک سے تشریف لے جا رہے تھے۔ خادم نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مزار پر حاضری دے

کر آیا ہے تو اس عمل کو پسند فرمایا اور فرمانے لگے: 'صرف دو ماہ حاضری دو، پھر دیکھنا کیسی عنایات ہوتی ہیں'۔ یہاں محض چند مزارات کا ذکر ہوا وگرنہ آپ نے ملک کے طول و عرض میں لاتعداد مزارات کی زیارت اور استفادہ کیا۔

لیکن وہ حاضری جس کا آغاز اوائلِ عمر ہی میں ہو چکا تھا اور تاحیات جس پر مداومت رہی، اپنے شیوخ حضور نقشِ لاثانی اور حضور شاہِ لاثانی علیہما الرحمہ کے مزارات با برکات کی تھی۔ اس حاضری کا ذوق جداگانہ تھا اور جنون کی حد تک تھا۔ سیالکوٹ رہائش کے دوران بلاناغہ علی پور سیداں شریف (۶۰ کلومیٹر تقریباً) حاضری ہوتی اور جب عمرِ عزیز کے آخری حصے میں شکر گڑھ تشریف لے آئے اور صحت کے مسائل نے جنم لیا تو ہفتہ وار حاضری (یہ فاصلہ بھی ۶۰ کلومیٹر بنتا تھا) پر استقامت رہی۔ متوسلین کو بھی کسی بھی مسئلے کی صورت میں علی پور شریف کی حاضری کی تلقین کی جاتی تھی۔ آپ کو علی پور شریف کی مقدس سرزمین سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اسے دیوانگی کی حد تک کہا جائے، تو بھی درست ہوگا۔ ہر پریشانی کا حل، ہر بیماری کی شفا اور ہر آفت کا ٹلنا آپ کے نزدیک علی پور سیداں شریف کی حاضری تھی۔

ایک مرتبہ جبکہ پیر سید عابد حسین شاہ صاحب یعنی لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کسی وجہ سے مسجد کے ایک امام سے ناراض تھے اور ان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ امام صاحب چاہتے تھے کہ آپ ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ حضور نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے روضہ پاک پر حاضر ہوں۔ چنانچہ امام صاحب نے نمازِ عصر کے بعد حاضری دی۔ معافی مانگی اور عرضِ احوال کی۔ پھر اس حاضری کی برکت یوں ظاہر ہوئی کہ نمازِ مغرب لالہ جی نے ان کے ساتھ پڑھی۔

یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے ورنہ ایسے صدہا واقعات ہیں کہ حضور نے حلِ مشکلات کے لیے علی پور شریف اپنے بادشاہوں کا رستہ دکھایا اور حاضری دینے والوں کی باذنِ اللہ مشکل کشائی ہوئی۔ حضور اپنے انہی بادشاہوں کے فیوض و برکات کے امین و قاسم تھے اور از خود متوسلین کے مسائل کے حل کے لیے نافع تھے۔ تاہم کبھی مزارات کی حاضری کی افادیت اجاگر کرنے، عاجزی و انکساری کا درس ازبر کرانے نیز مزارات پہ حاضری کے آداب سکھلانے سمیت متعدد وجوہات کے سبب انہیں وہاں بھیجتے یا ساتھ لے کر جاتے تھے۔

خیال رہے کہ اپنے شیخ اور شیخ الشیخ کے مزارات کی حاضری کے دوران ان کی طرف پشت نہیں کرتے تھے۔ مزارات پر باآوازِ بلند واویلا کرنے، اوپر لیٹنے، ماتھا قبر سے لگانے سے آپ سختی سے روکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ محمد افضل (کالا چیچی۔ شکر گڑھ) کو مزارِ حضور نقشِ لاثانی پر سر ٹکا کر باآوازِ بلند روتے دیکھا تو مناسب انداز سے سمجھایا۔ پھر علیٰحدہ بلا کر بھی تنبیہ فرمائی۔ درود شریف اور قرآنِ پاک کچھ پڑھ کر جاتے اور وہاں بیٹھ کر پھر سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، درود شریف وغیرہم پڑھ کر صاحبِ مزار کے سپرد (نذر) کر دیتے۔ آپ قبر کے پاس کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا سپرد (مِلک) کرنا ضروری سمجھتے۔ فرماتے کہ یہ ان کے لیے تحفہ ہوتا ہے۔ پھر مراقب ہو جاتے نیز بغیر مراقبے کے بھی کافی دیر بیٹھتے۔ اس اثنا میں مجھ جیسے معمولی عقل و فہم والے کو بھی واضحاً محسوس ہوتا کہ آپ صاحبِ مزار کے ساتھ باہم گفتگو میں محو ہیں۔ سالانہ عرسِ مقدس کے موقع پر مزارِ حضور نقشِ لاثانی کے قریب جس حجرے میں آپ قیام پذیر ہوتے (اور آپ عرسِ مقدّس یکم اکتوبر سے ایک دو روز پہلے آتے تھے)، وہاں بھی یہ

التزام تھا کہ لیٹتے وقت پاؤں کا رخ یا پشت مزار کی طرف نہ ہو۔ جو آپ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے انہیں بھی پشت اس طرف کرنے کی اجازت نہ تھی۔ نیز ان دنوں میں آپ پر محویت و وجدان کی ایک عجیب حالت طاری ہوتی تھی۔

جو لنگر شریف آپ کو اپنے پیر کے آستانے سے ملتا اسے کمالِ رغبت سے تناول فرماتے تھے۔ اس کا کوئی ذرّہ زمین پر گرنے نہ دیتے۔ ایک مرتبہ یہ عاجز وہاں آپ کے پاس بیٹھا لنگرِ لاثانی کے مزے اڑا رہا تھا۔ آپ کے پاس حاضری کے آغاز کا زمانہ تھا اور آدابِ بارگاہ سے یکسر غافل۔ ایک روٹی کچھ جلی ہوئی دیکھ کر ایک طرف کر کے نیچے والی اٹھانے لگا تو آپ نے فوراً اس جلی روٹی کو ہاتھ میں لے کر خود تناول فرمانا شروع کر دیا۔ ناپسندیدگی کے آثار چہرہ مبارک پر نمایاں تھے۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اس سگِ بارگاہ کو ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء میں کثرت کے ساتھ (اور بعد میں بھی بالعموم) علی پور شریف کی حاضری کا اعزاز ملا ہے۔ اور اسے یہ کہنے میں ہرگز کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ اپنے شیخ سے اسقدر محبت، ان کے مزار پر حاضری کا یہ ذوق اور دورانِ حاضری بیخودی کی کیفیتِ مجنونانہ ہمیں بھی بے خود سا کر دیتی تھی اور سفر کے دوران (جو عموماً طلوعِ فجر کے وقت شروع ہوتا تھا جب کہ خاصا اندھیرا ہوتا تھا) بہت سی کرامات کا مشاہدہ کرنے کی دولت بھی نصیب ہوئی جو بذاتِ خود ایک علیحدہ مکمل موضوع ہے۔ کاش ربِّ کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صدقہ حضور کے اس ذوقِ حاضری میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

بعد از وصال۔ زیارات و تصرّفات

اس تصنیف میں جا بجا مذکور ہو چکا کہ اللہ والے اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے خداداد کمالات و اختیارات میں ہر آن اضافہ ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (پارہ ۳۰۔ سورۃ الضحیٰ)۔ یعنی "اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے، کا اعلان کیا ہے اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تابعدار، اطاعت شعار اور باوفا غلام کو بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اس انعامِ خداوندی سے اپنے مقام کے مطابق عطا ہوتا رہتا ہے۔ اور حدیثِ پاک کے اس جزو (جس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں) اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ (تحقیق اللہ صالح بندے کا جنت میں درجہ بلند کرتا ہے) سے بھی ہمارے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے مومن بندوں کے وصال کے بعد ان کے درجات بلند اور یونہی اختیارات میں اضافہ فرما تا رہا ہے۔ اقبال نے اسی قرآنی و نبوی فکر کو اس انداز سے پیش کیا ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ خدا و مصطفیٰ جل وعلا و صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے ودیعت کردہ اختیارات و تصرفات ہی کا تو کمال ہے کہ اولیاء اللہ بعد وصال ایک نئی زندگی سے متصف کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ عین ظاہری حیات کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر زائرین کی نیت و غرض

کو پہچانتے ہیں۔ان کی فریاد وفغاں سنتے ہیں۔اپنی دعا، کبھی اپنی توجہ یا تصرّف سے ان کی امداد فرماتے ہیں۔انہیں دنیا سے سدھارے صدیاں بھی بیت جائیں، ان کی قبریں زندہ بلکہ زندگی بخش رہتی ہیں۔ایسے ہی تو خواجہ اجمیری نے داتا سید علی ہجویری علیہ الرحمہ کو 'گنج بخش' اور 'فیضِ عالم' نہیں کہہ دیا تھا۔اور خود خواجہ اجمیری کی اپنی قبر مبارک کی یہ صورتحال ہے کہ ایک انگریز مستشرق کو کہنا پڑا تھا کہ 'میں نے ہندوستان پر ایک قبر کو حکومت کرتے دیکھا ہے'۔مزاراتِ اولیاء پر خلقِ خدا (جس میں امیر غریب، پڑھے لکھے اور کم پڑھے، سیاستدان وریڑھی بان غرضیکہ ہر طبقۂ فکر کے لوگوں) کا اژدہام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ یہ لوگوں کی حاجات ومشکلات میں نافع ہیں۔ورنہ کوئی فضول میں وقت اور پیسہ برباد نہیں کرتا۔صاحبِ دلائل الخیرات شریف جناب محمد بن سلیمان شاذلی جزولی علیہ الرحمہ کو، جن کے چھ لاکھ بارہ ہزار پینسٹھ مرید تھے، کسی بدبخت نے زہر کھلا دیا اور آپ نے نمازِ فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں یا دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں وفات پائی۔آپ کو شہر ''سوس'' کی مسجد میں دفن کر دیا گیا۔پھر ستہتر برس کے بعد لوگ انہیں کسی سبب قبر سے نکال کر ''مراکش'' لائے تو آپ کا کفن بالکل صحیح و سلامت اور بدن زندوں کی طرح نرم اور تروتازہ تھا۔لوگوں نے آپ کے رخسار پر انگلی رکھ کر دبایا تو زندوں کی مانند خون کی سرخی رخسار پر نمودار ہوگئی اور آپ کے سر اور چہرے پر اس خط بنوانے کا نشان بھی باقی اور ظاہر تھا جو وفات سے قبل آپ نے بنوایا تھا۔آج بھی آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔(مطالع المسرات۔ص ۳)

اسی طرح ابوالحسن ذاغونی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کے پہلو میں ابوجعفر بن ابوموسیٰ کے لیے قبر کھودی

گئی تو اتفاق سے آپ کی قبر مبارک کھل گئی۔لوگوں نے دیکھا کہ اتنی مدتِ دراز گذر جانے کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کفن صحیح وسالم اور آپ کا جسم تروتازہ تھا۔(تہذیب التہذیب وطبقاتِ شعرانی)

ایسے لاتعداد واقعات ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔تصرفات کی جھلک بھی ملاحظہ کیجیے جو کہ اس دورِ آخر سے متعلق ہیں۔

شاہ محمد خان صاحب فیصل آبادی اپنی روداد سناتے ہیں:

"مجھے برص (پھلبہری) کی بیماری نے آلیا اور چہرے پر برص کے سفید داغ میرے لیے خاصی پریشانی کا سبب بن رہے تھے۔آخر مزارِ حضور شاہ لاثانی پہ حاضری دی اور آپ کے توسل سے بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا کی۔کچھ دن بعد سرکارِ لاثانی خواب میں رونق افروز ہوئے۔آپ کے ساتھ سیدی ومرشدی حضور نقشِ لاثانی (قدس سرہٗ العزیز) بھی تھے۔سرکار لاثانی نے میری طرف اشارہ کر کے حضور نقشِ لاثانی سے فرمایا: 'علی حسین بیٹا! اس کا علاج کرو۔چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں داغ غائب ہوگئے"۔

یونہی خطیبِ پاکستان مولانا افتخار الحسن فیصل آبادی فرماتے ہیں:

"اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صوبائی اسمبلی نے ۱۹۶۳ء میں ایک غیر اسلامی بل پاس کیا۔میں نے اس کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنے کی کوشش کی۔حکومت نے میری تقریر کو باغیانہ قرار دے کر گرفتار کر لیا اور شاہی قلعہ لاہور میں بھیج دیا۔تفتیش ہوتی رہی حتّٰی کہ رہائی کے تمام راستے مسدود نظر آنے لگے۔امیدوں کا رشتہ کٹ گیا تو ایک دن، آدھی رات کے وقت قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جگا رہا ہے۔گھبرا کر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں، میرے مرشدِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ عصا مبارک کی ٹیک لگائے

سامنے تشریف فرما ہیں اور دائیں جانب آپ کے لختِ جگر غوثِ زماں قطبِ جہاں سیدی ومولائی حضرت الحاج پیر سید علی حسین شاہ صاحب رونق افروز ہیں (یوں عین بیداری میں دونوں بادشاہوں کی زیارت نصیب ہوئی)۔ میں نے آدابِ غلامانہ کے ساتھ سلام عرض کیا تو حضرت والا نے رہائی کا مژدہ سنایا۔ چنانچہ اگلے روز گیارہ بجے تک رہائی کا باقاعدہ آرڈر بھی مل گیا"۔

ہمارے ولیِ نعمت، محسن ومربّی، آقا ومولا حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام قدس سرہٗ بھی ایسی ہی برکات اور کمالات سے ممیّز تھے اور اس دَور میں اسلاف کے اوصاف کا حسین مرقع بھی۔ ان تمام برکات، تصرفات یا اوصاف کا بیان اس حقیر، فقیر، پُر تقصیر کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ بلکہ کون ہے جو ان کی حیات واختیارات کی وسعتوں کا ادراک حاصل کر سکے۔ جو کچھ ابھی رقم کیا جائے گا اسے بحرِ ناپیدا کنار سے محض ایک بوند سمجھئے یا مہرِ نیم روز کی محض ایک شعاع۔

'وصالِ حضور مفکرِ اسلام' کے تحت واقعہ گذر چکا کہ جب راولپنڈی سے آپ کے وصال کے بعد جسدِ اطہر لایا جا رہا تھا تو دورانِ سفر انیس خان صاحب آپ کے پائے اقدس کی طرف نعت شریف پڑھنے لگے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حضور انہیں فرماتے ہیں کہ 'سر کی طرف ہو'۔ یہ وہم سمجھے۔ تاہم دوبارہ جب حضور نے واضح اور قدرے سخت الفاظ میں فرمایا کہ 'تمہیں سمجھ نہیں آتی ؟ نعت شریف پڑھنا ہے تو سر کی طرف ہو' تب یہ اس طرف ہوئے۔ یہ واقعہ آپ کی حیات بعد وصال کی پکار پکار کر گواہی دے رہا ہے۔ اب آگے کی سنئے !

ایک اہلِ نظر کا بیان:

جب حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی تدفین عمل میں لائی جا رہی تھی تو پیر علامہ خالد محمود صاحب (گوجرانوالہ) جو 'اگوکی' میں ایک عظیم الشان مدرسے کے مہتمم بھی ہیں اور رب تعالیٰ نے ان کے قلب کو 'صفا' جیسی دولت سے بھی نوازا ہے، بے ساختہ بول اٹھے:

"میں پہلی دفعہ کسی زندہ کو قبر میں اتارتے ہوئے دیکھ رہا ہوں"۔

ایک روحانی شخصیت کا اعتراف عظمت:۔ جناب محمد نواز صاحب نارووال کی ایک ممتاز روحانی شخصیت ہیں۔ ان کی ان جیسی ہی ایک پاکباز شخصیت صوفی امجد صاحب (جو حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کے مرید صادق بھی ہیں) سے حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے مقام کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ صوفی امجد صاحب کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے قبلہ آسی صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت نہیں کی، تاہم جب میں یہاں سے (نارووال سے، ۴۰ کلومیٹر دور شکر گڑھ کی طرف) دیکھتا ہوں تو ان کے مزارِ پر انوار سے آسمان کی طرف نور ہی نور دیکھتا ہوں جس کی انتہا مجھے معلوم نہیں ہوتی۔ راقم کو یہ واقعہ قبلہ امجد علی صاحب (منظورِ نظر حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ القوی) نے سنایا تھا۔ بعد ازاں قاری محمد نواز صاحب سے ملاقات کر کے خود بھی سماعت کیا۔

جب دم توڑ گئیں سب تدبیریں:

☆..... جناب محمد ارشاد صاحب (ڈسکہ) بیان کرتے ہیں: "میں حضور کے مزار کے پاس کھڑا تھا کہ ڈاکٹر یٰسین صاحب نے لاہور سے فون پر بتایا کہ ان کا نواسہ سخت بیمار ہے اور ہنوز ڈاکٹرز اس کی صحت کی بحالی میں ناکام رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف

نے اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے حضور کے مزارِ پُر انوار پر صورتِ حال عرض کرنے کا کہا۔ جب حضور کی طرف متوجہ ہوا تو آپ مسکراتے ہوئے نظر آئے اور فرمایا ’سب ٹھیک ہے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا‘ چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنے نواسے کی صحت کی بحالی کی نوید سنائی"۔

☆..... محمد اقبال صاحب (چھجوال۔ شکر گڑھ) کا یہ واقعہ جناب محمد سہیل انجم صاحب کی زبانی راقم تک پہنچا کہ میری بیٹی کسی عجیب وغریب مرض میں مبتلا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق میری بیٹی کو کینسر تھا۔ ڈیڑھ سال لاہور کے ہسپتالوں میں خوار ہوتا رہا۔ میری مایوسی اور مفلسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ڈاکٹرز نے بچی کی ران کی ہڈی میں ڈرل مشین سے سوراخ کر کے کچھ حصہ ٹیسٹ کے لیے کراچی بھیج رکھا تھا۔ ایک دن میں نے سہیل صاحب کی تحریک پر اپنے حضور جو کہ میرے استاد بھی تھے، کے مزار پر حاضری دی۔ خوب رویا۔ اس وقت تصور میں میں نے خود کو یونیفارم میں ملبوس آپ کی بارگاہ میں اسی طرح پایا جس طرح طالبعلمی کے زمانے میں آپ کے زیرِ سایہ بیٹھا ہوتا تھا۔ بہت سکون ملا۔ یہاں سے صاحبزادہ عطاء الحق نقشبندی صاحب کی خدمت میں حاضری دے کر حالِ دل سنایا۔ انہوں نے مدینہ شریف ڈاکٹر عاشق حسین شاہ صاحب سے رات 11 بجے فون پر رابطہ اور دعا کے لیے درخواست کرنے کا ارشاد فرمایا۔

(ڈاکٹر صاحب موصوف اس وقت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ حاضر ہوتے تھے۔ ساری رات وہیں گزارتے۔ حضور مفکرِ اسلام سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ حضور جب مدینہ شریف سے واپس تشریف لائے تو ان کے اَخلاق اور حسنِ سلوک کی خاصی تعریف

فرمائی)۔ وہ بھی ایک باکمال شخصیت تھے۔ جب رات کو مقررہ وقت پر فون کیا تو ابھی تعارف کرایا ہی تھا کہ بولے، بھئی ہاں ہاں! وہ آپ کی بیٹی کا کیا مسئلہ ہے (بعد میں معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کسی نے بھی ان سے ذکر نہیں کیا تھا)۔ تفصیل جاننے کے بعد انہوں نے دعا فرمائی۔

اقبال صاحب کے بقول میں لاہور گیا۔ ۴۲ ڈاکٹرز کا پینل بیٹھا تھا۔ میری بچی کے اس پُراسرار مرض پر خاصی بحث ہوئی۔ میڈیکل رپورٹس ان کے سامنے تھیں۔ ایک پاکستانی ڈاکٹر صاحب لندن سے آئے تھے۔ دیگر ڈاکٹروں کی رائے سے وہ متفق نہیں تھے۔ رات بارہ بجے کی فلائٹ سے واپسی تھی۔ تاہم انہوں نے بچی کا آپریشن خود کرنے کی ٹھانی اور فلائٹ کینسل کروا دی۔ تین چار گھنٹے آپریشن کیا۔ ران سے خاصی مقدار میں پیپ نکالی۔ اس آپریشن سے چند دن بعد بچی روبصحت ہونے لگی، یہاں تک کہ چلنے پھرنے لگی اور اب تیزی سے بہتری کے آثار واضح ہوتے جا رہے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی نگاہ وتوجہ ہی تمام اسباب بناتی گئی۔ یہاں تک کہ میری بچی شفایاب ہو گئی اور میں گویا ایک مرتبہ پھر جی اٹھا۔

وہ زندہ ہیں:

☆..... مولانا محمد عطا صاحب (بہاولپور) بیان کرتے ہیں کہ حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے وصال کے بعد میرے والدِ گرامی (جناب محمد رفیق احمد صاحب) روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور بند آنکھوں سے زار وقطار روتے ہوئے عرض کیا کہ حضور! عطا کو یہاں آپ کے پاس چھوڑا تھا اور آپ چلے گئے۔ اسی لمحے حضور تشریف لے آئے اور

آواز دی، 'کون کہتا ہے میں چلا گیا، میں تم لوگوں کے سامنے ہوں'۔

☆..... جناب ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب (لاہور) حضور کے وصال کے بعد قدرے تاخیر سے مزار شریف کی حاضری کے لیے آئے۔ آتے ہی کھڑے ہو کر رونے لگے تو حضور کی آواز آئی، 'بیٹھ جائیں'۔

☆..... یہی ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس حالت میں مدینہ شریف بارگاہِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوا کہ خاصا بیمار تھا۔ وہاں مقدّس جالیوں کے سامنے ایک پیر صاحب حلقۂ احباب میں سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر کر رہے تھے۔ میرا دل مچلا اور یکا یک میں نے کھڑے ہو کر نہایت جوش وخروش کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی شروع کر دی۔ معاً میں پریشان ہو گیا کہ یہ تو ادب کی جگہ ہے اور میری آواز بلند ہو گئی ہے۔ پیچھے مڑا تو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی نظر آئے اور دل نے گواہی دی کہ آپ ہی یہ سب کہلوا رہے تھے۔ چنانچہ دل کو اطمینان ہوا اور ساتھ ہی شفا بھی مل گئی۔ (یہ واقعہ حضور کے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں قرب پر دال ہے)۔

☆..... غلام مرشد صاحب راوی ہیں کہ میں نقشِ لاثانی نگر میں جامع مسجد خاتونِ جنت (سلام اللہ علیٰ ابیہا وعلیہا) سے ملحقہ کمرے میں جناب ڈاکٹر یٰسین صاحب کے ساتھ موجود تھا اور اپنی ایک پریشانی کا تذکرہ ان سے کر رہا تھا۔ وہ فرمانے لگے کہ مزار شریف پہ حاضری دو اور عرض کرو۔ چنانچہ میں مزارِ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ پر حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کی۔ واپس ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا، کیا جواب ملا؟ میں نے کہا، جناب مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے کہ میں نے تو یہاں سے ان کا

جواب سن لیا ہے، تم نے نہیں سنا؟ پھر انہوں نے بتایا کہ یہ جواب ملا ہے۔ یہ بھی فرمایا، جو بھی حضور کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر عرض گزار ہو، حضور اسے جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ سنتے صرف 'طیب دل والے' ہی ہیں۔

☆..... صوفی تنویر احمد صاحب (شکر گڑھ) کا بیان ہے کہ جامع مسجد خاتونِ جنت (سلام اللہ علیٰ ابیہا وعلیہا) میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد سلام پڑھے بغیر میں مزار شریف پر حاضر ہوا۔ ابھی اندر داخل ہوا ہی تھا کہ آپ کی آواز مبارک آئی، 'تینوں سلام پڑھنا منع اے؟'۔

☆..... حضور سے عقیدت رکھنے والی ایک خاتون کا بیان ہے کہ نماز کے معاملے میں سستی کا شکار تھی۔ حضور کے وصال کے بعد میں مزار شریف حاضری دینے آئی۔ ابھی دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی کہ آپ کی آواز سنائی دی، ''پہلے نماز کی پابندی کرو، پھر آنا''۔ (سبحان اللہ! قربان جاؤں ایسے پیر طریقت پر کہ اپنے مزارِ پر انوار کے اندر سے بھی لوگوں کو اپنے سوہنے رب کی عبادت کا درس دے رہے ہیں)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 14

ملفوظات وارشادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولیاء اللہ کا کلام اَوروں کے کلام سے نمایاں فوقیت رکھتا ہے۔اس کے تین اسباب نمایاں ہیں۔ ا۔کلام میں بے پناہ تاثیر کا ہونا۲۔کلام کی حتمیت اور واقعیت ۳۔بہترین دستور العمل ہونا

بے پناہ تاثیر: پہلا سبب کلام میں بے پناہ تاثیر کا ہونا ہے۔واعظین کے لمبے لمبے وعظ کسی کی طبیعت پر ایسا اثر نہیں ڈالتے ،جیسا اولیاء اللہ کے ایک دو لفظ بلکہ اشارۂ چشم ہی دل کی دنیا کو انقلاب آشنا کرسکتا ہے۔اس تاثیر کی وجوہات بھی تین ہیں:

ا۔قلّتِ کلام　　　۲۔رضائے خدااور سول کے تحت بولنا　　　۳۔حسنِ عمل

ا۔قلّتِ کلام: اولیاء اللہ جن کے دل نورِ عشق سے روشن و زندہ ہیں، اپنے اندر کے عجائبات کی سیر ہی سے فارغ نہیں ہوتے انہیں بولنے کی فرصت کہاں۔سیدنا جنید

بغدادی فرماتے ہیں: مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ یعنی جس نے اللہ کو پہچان لیا، اس کی زبان گنگ ہوگئی۔

برزباں قفل است ودردل رازہا
لب خموش ودل پُر از آوازہا!

ترجمہ: ان کی زبان پر قفل ہوتا ہے مگر دل میں راز ہی راز ہوتے ہیں،
اورلب خاموش ہوتے ہیں مگر دل میں آوازیں بھری ہوتی ہیں۔

یہ ایک عام تجربہ ہے کہ زیادہ گو حضرات اپنی گفتگو کا اثر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔
حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: ’خاموشی جاہل کے لیے پردہ ہے اور عالم کے لیے زینت۔ نیز فرمایا: مَنْ كَثُرَ كَلَامُهٗ كَثُرَ خَطَاؤُهٗ یعنی جو زیادہ باتیں کرتا ہے وہ خطائیں بھی زیادہ کرتا ہے۔ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِى اللِّسَانُ. یعنی امت کے بارے میں مجھے جس چیز کا زیادہ خدشہ ہے وہ زبان ہے۔ چنانچہ ایک صحابی کو ضروری باتیں ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: كُفَّ لِسَانَكَ (اپنی زبان بند رکھ)۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا: مَنْ صَمَتَ نَجَا. (جو چپ ہوا، نجات پا گیا)۔ زیادہ باتیں کرنے والا لطافتِ احساس اور پختگیٔ شعور سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دل زپر گفتن بمیرد دربدن   گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن!

یعنی دل زیادہ گفتگو سے مرجاتا ہے اگر چہ باتیں عدن کے موتیوں جیسی قیمتی ہوں۔ اولیاء اللہ زبانِ ظاہر کے بجائے زبانِ حال سے بولتے ہیں۔ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ مختصر مگر

جامع گفتگو کے حامی تھے۔ چنانچہ اکثر یہ بات دہراتے کہ کلام وہ ہے مَاقَلَّ وَ دَلَّ جو قلیل مگر بہت سے مفہوم پر دلالت کرے۔ حضور جب کلام فرماتے تو وہ تبلیغی واصلاحی مواد پر مبنی، تاہم بے جا طوالت سے پاک ہوتا تھا۔ جب آپ خاموش ہوتے تو محفل پر سکوت چھا جاتا تھا۔ حاضرین مہر بلب ہو جاتے۔ کبھی آپ محض اشارے سے کچھ فرماتے۔ حاضرین میں سے کوئی اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے بات کو طول دیتا تو خود ہی خلاصہ بیان کر کے جواب بھی ارشاد فرما دیتے۔ آپ کی مجلس میں بے جا اور بے وقت گفتگو ناپسندیدہ امر تھی۔ فارغ نوجوانوں کو بے مقصد باتوں کی بجائے کوئی کتاب پڑھنے یا کسی کونے میں بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کا حکم ہوتا۔ نہ خود بے مقصد بات کرتے نہ کسی اور کو اجازت تھی۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

المختصر! اولیاء کے کلام کی تاثیر کا ایک سبب ان کی کم گوئی ہے۔

رضائے خدا ورسول کے تحت بولنا: ولی اس نبیٔ امّی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سچی متابعت سے بنتا ہے جن کی ایک صفت ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى " یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اللہ کے حکم سے کہتے ہیں۔

ولی اپنے آقا و مولا، ملجا و ماویٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس صفت ’رضائے حق کی خاطر بولنا‘ پر پوری طرح کاربند ہوتا ہے۔ تو جب اس کا کلام الہام ربانی اور رضائے الٰہی کے ماتحت ہے تو پھر اس میں اثر کیوں نہ ہو۔

یاد رہے کہ خاموشی ہمیشہ کلام سے افضل نہیں ہوتی ورنہ منہ میں زبان پیدا کرنے کی حکمت ہی فوت ہو جائے۔ بلکہ کبھی تو 'کلام' اتنا ضروری ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسُ. یعنی حق بیانی سے اپنی زبان روکنے والا گونگا شیطان ہے۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ایک ہے خدا کی رضا کے لیے بولنا، اور ایک ہے خدا کے حکم سے یعنی الہامِ ربانی سے بولنا۔ پہلی صورت انسان کے اپنے اختیار کی طرف اور دوسری ترکِ اختیار اور فنا کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اولیاء اللہ پہلی منزل عبور کر کے دوسری پر فائز ہوتے ہیں۔

یہ دنیا فانی ہے اور اس کے 'اغراض' بھی فانی، لہٰذا ان کے لیے بولنے والا بھی فانی اور اس کی تاثیر بھی فانی۔ مگر خدا باقی ہے، اس کی رضا بھی 'باقی' ہے۔ اس لیے اس کا رضا جو بھی باقی ہے، جو کلام اس کی رضا کے لیے ہو گا وہ بھی 'باقی' اور اس کی تاثیر بھی 'باقی'

عنادل کا ترنم نغمہ ہائے رنگ و بو تک ہے
مفتی کی حیاتِ صوت اثباتِ گلو تک ہے
تو اے شوریدہ سر واعظ مقامِ گفتگو تک ہے
کلام عَبْدُہٗ لیکن نظام وحدہٗ تک ہے

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات میں بے پایاں اثر کیوں؟ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے وعظ کہنے کا باقاعدہ اور واضح حکم دیا تھا۔ نیز آپ کے خطبات رضائے خدا و مصطفیٰ کے لیے تھے۔ ایسا ہی معاملہ سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات کی ایک ایک سطر میں ہمیں

نظر آتا ہے۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اپنے حضور نقشِ لاثانی کے ارشاد و اجازت سے وعظ شروع کیا تو ہمیشہ اس حکم و اجازت کی برکات کو بے پناہ پایا۔ بالخصوص جب وہ خود مجلس میں اپنے سامنے کھڑا کرتے تو دل و دماغ و زبان میں بجلی سی بھر دیتے تھے۔ نہ اجتماعِ خیالات کے لیے تکلف کرنا پڑتا اور نہ ہی زبان پر موزوں الفاظ لانے کا کوئی اہتمام کرنا پڑتا۔ ان کے حکم و اجازت کی برکت سے تمام معاملہ خود ہی انجام پاتا اور تاثیر بھی کمال درجے کی ہوتی۔ یہ آغازِ خطابت کی باتیں ہیں وگرنہ بعد میں تو تا حیات یہ معاملہ ظاہر و غائب میں روز افزوں رہا۔

حسنِ عمل: اولیاءِ کرام کے کلام میں تاثیر کا ایک اہم سبب ان کا اپنا حسنِ عمل بھی ہے۔ دورِ حاضر کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ کہنے والا خود عمل سے لاتعلق ہے۔ جب وعظ و نصیحت کرنے والا خود جھوٹ بھی بولے گا اور اس کی دیگر حرکات اس کے مواعظ کی نفی بھی کریں گی تو کون اس کی مانے گا۔ ہم سب کو قابلِ اصلاح سمجھتے ہیں سوائے اپنے۔ مگر اولیاء اللہ میں یہ بات نہیں۔ یہ لوگ پیکرِ حسنِ عمل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود بہت زیادہ کرتے ہیں جبکہ کہتے بہت کم ہیں۔ یعنی گفتار کے نہیں کردار کے غازی ہیں۔

میرے حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ اس دور میں اسلاف کی یادگار تھے۔ آپ سے کبھی ایسی بات نہیں سنی گئی جس پر خود عامل نہ تھے۔ کبھی جھوٹ آپ کی زبان سے ازراہِ مزاح بھی نہیں سنا گیا۔ فی زمانہ، دورانِ گفتگو یا 'گپ شپ' میں جھوٹ سچ کی پہچان جو کم ہوتی جا رہی ہے آپ اس پر گرفت فرماتے تھے۔ جلوت و خلوت میں آپ کا طرزِ عمل ایک سا ہوتا تھا۔ چنانچہ جسے نصیحت فرماتے، قبول کرتا تھا اور دل و جان سے اس پر کاربند

رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہی تو وہ کردار کی عظمت ہے جو ہر چھوٹے بڑے اور خاص و عام سے اپنا لوہا منواتی ہے۔

۲۔ **کلام کی حتمیت وواقعیت:** سائنسدانوں کو کسی بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے تین مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

۱۔ مفروضہ ۲۔ مشاہدہ ۳۔ تصدیق

لیکن گلیم پوش صوفیاء جو اپنی آستینوں میں یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں، ان کا اوّل کلام ہی 'تصدیق' ہے۔ یہ جو کچھ مانتے، دیکھتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں کہتے ہیں۔ انہی صوفیاء کے سرخیل جناب سیدنا غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کی سنئے، فرما گئے ہیں:

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھا، جس طرح
ہاتھ پر رائی کے دانے رکھے ہوں۔

دنیا کے شہر نہیں فرمایا جو چھ برِّ اعظموں میں ہیں بلکہ اللہ کے شہر فرمایا جو کائنات کی دور دراز وسعتوں میں موجود ہیں۔

اولیاء اللہ کو حقائق اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ یہ اس خلافتِ الٰہیہ کی نمائندگی کرتے ہیں جس کا اوّلین تقاضا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (اللہ نے آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے سب نام سکھا دیئے) سے ظاہر ہے۔ اولیاء کے علم کا دار و مدار قرآنِ حکیم پر ہے۔ بہت لوگ قرآن فہمی کے مدعی ہیں مگر اس کے لیے جو روحانی استعداد درکار ہے وہ

اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ بقولِ اقبال:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحبِ کشاف

اللہ کی بارگاہ کے مقرّب، قرآن کے آئینے میں اقوام کے عروج و زوال اور افراد کے ماضی و حال کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ زائرانِ حریمِ مغرب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بہرحال اولیاء اللہ کے کلام کی دوسری خوبی اس کی حتمیت و واقعیت ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں کرامات کے باب میں آچکی ہیں۔

۳۔ **دستور العمل:** اولیاء اللہ سے جن خوش نصیبوں کو محبت ہوتی ہے، وہ بھی انہی کے نقشِ قدم کو نشانِ راہ اور انہی کی خاکِ پا کو سرمۂ چشم سمجھتے ہیں۔ فاسق و بدکار لوگ ان کی مجلس اختیار کر کے زاہد و متقی کیونکر بنتے ہیں؟ یہ سب محبت کے باعث ہے۔ اولیاء کے کلام کی تاثیر و صداقت اور مریدوں کی محبت و عقیدت ان کے ارشادات کو ایک دستور العمل کی حیثیت دے دیتی ہے۔ مولانا نور بخش صاحب توکلی 'تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ' کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

"امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تفسیر و حدیث کے بعد صوفیاءِ کرام کے ارشادات بہترین کلام ہیں اور ان کا پڑھنا یا سننا صحبتِ معنوی کا حکم رکھتا ہے"۔

ان ارشادات کی روشنی میں جب مرید اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے تو اسے جا بجا نقائص اور خامیاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ غرور و تکبر کے جال سے نکل کر خود شناسی کی طرف

بڑھتا ہے۔

اس قدر تحریر کے بعد اب حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے ملفوظات نقل کیے جا رہے ہیں۔حضور کے بہت سے ارشادات پنجابی میں ہیں۔ان روحانی والہامی شہ پاروں کو بھی اردو کا قالب دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ حضور کا کلام سادہ مگر آپ کے مختصر کلمات کی تہ میں معانی کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ان کا مطالعہ کرنے والے یقیناً اس بات کا اپنے اپنے ذوق واستعداد کے مطابق ادراک حاصل کرلیں گے۔

ملفوظاتِ حضور مفکرِ اسلام

حضور کے بہت سے ملفوظات زیرِ نظر کتاب کے مختلف ابواب میں جا بجا موجود ہیں۔ یہاں انہی ارشادات کو قلمبند کیا جائے گا جو اس سے قبل احاطۂ تحریر میں نہیں لائے گئے۔

توحید: فرمایا:

"توحید اللہ پر ایمان اور اس کے عرفان کا نام ہے۔ جوں جوں توحید مضبوط ہو گی، اللہ پر ایمان بھی مضبوط ہوگا اور اس کا عرفان بھی زیادہ ہوگا۔اور جوں جوں یہ عرفان زیادہ ہوگا، اللہ کا خوف زیادہ ہوگا۔اور جوں جوں یہ خوف زیادہ ہوگا، انسان کا فکر وعمل نکھرتا جائے گا۔ واضح رہے فکر سے مراد ہے عقیدہ اور عمل سے مراد ہے عملِ صالح۔ یہ توحید ہی ہے جو انسان کے دل ودماغ کو روشن کرتی ہے۔اسے خوفِ خدا سے آراستہ کردیتی ہے۔اور پھر یہی خوفِ خدا ہے جس سے انسان اتنا ارفع واعلیٰ ہوجاتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گردِ راہ کو نہیں پہنچ پاتے۔اسی خوفِ خدا کو حدیثِ پاک میں بہترین

'دانائی' فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ عالی ہے:

رَاسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ

ترجمہ:۔ بہترین دانائی اللہ کا خوف ہے۔

☆..... یہ توحید ہے جو انسان کو اللہ کا ایسا بندہ بنا دیتی ہے جو مہر و ماہ کا شکار کرتا ہے، دشت وجبل جس کو سلامی دیتے ہیں، کوہ وکمر جس کا حکم مانتے ہیں، جن وملک جس کے نوکر چاکر بن جاتے ہیں، اسی توحید سے نارِ نمرود گلزار بنتی ہے، اسی سے لوہا موم ہوتا ہے اور یہی مُردوں کو زندہ کرنے کا فارمولا ہے۔اسی توحید کے زور سے مسلمانوں نے مشرق ومغرب سے اوہام کے اندھیرے چھانٹے۔ بقولِ اقبال:

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی
اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام

رسالت:

☆..... حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم دلیلِ توحید واصلِ ایمان ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بغیر خداشناسی کا دعویٰ باطل وبے بنیاد ہے۔خداوندِ کریم فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَان" مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝

ترجمہ: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے شاندار دلیل آئی ہے اور بے شک ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین اتارا۔

اس آیہ کریمہ میں برہان (یا دلیل) سے مراد حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات

ستودہ صفات ہے..... جن کی ذات، ذاتِ خدا کی مظہر اور صفات، صفاتِ خدا کی مظہر ہیں..... جو جامعِ کمالاتِ نبوّت ہیں..... اور جن کی اِک اِک ادا آئینۂ حق نما ہے۔

☆..... حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود ہے۔ حکم چاہے سیاسی امور سے متعلّق ہو چاہے تکوینی امور سے، حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے۔

عظمتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم: فرمایا:

☆..... اہلِ بیت کے بارے میں خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) کا یہی فیصلہ ہے کہ امت ان سے محبت کرے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے منافق، یہودی، جہنمی اور مغضوب علیہ ہے۔

☆..... جس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت نہیں، اس کے دل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی محبت نہیں اور جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتا ہے وہ دراصل محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء سے بغض رکھتا ہے۔

ذکرِ خدا: فرمایا:

☆..... نگاہیں نیچی رکھو اور چلتے پھرتے اللہ اللہ کہو۔

☆..... چاہیئے کہ رات کے کسی حصے میں بندہ تمام دنیا سے کٹ کر اپنے اللہ کریم کی طرف متوجہ ہو کر تہِ دل سے کہے، 'یا اللہ اب میں تیرا اور تو میرا'۔ (حضور قبلۂ عالم اس مخصوص وقت میں خوب مناجات کیا کرتے تھے)

☆..... اصل کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے، وہ تو ظاہر ہے کہ ذکرِ خدا پر ہی منحصر

ہے۔ مگر اس کی برکات سے دنیوی امور میں بھی کشودِ کار ہو جاتی ہے۔

☆..... وہ لوگ جنہیں یہ شرفِ ذکر نصیب ہے، ان کے دل سخت نہیں ہوتے اور جوں جوں وہ ذکرِ حق میں محو ہوتے ہیں، سینہ زیادہ کھلتا جاتا ہے اور نورِ ہدایت اسے مزید منوّر کرتا جاتا ہے۔

☆..... 'ذکرِ حق' ذاکر کے رگ و ریشے میں یوں سما جائے کہ اسے ذکر کا بھی احساس نہ ہو۔

☆..... خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے اس کا ذکر بہت بڑا ذریعہ ہے۔

مراقبہ: فرمایا:

☆..... ہر نماز کے بعد دعا مانگنے سے پہلے مراقبہ کیا کرو (اور مراقبے کا طریقہ یہ بتایا کہ بائیں طرف سر جھکا کر، دل کی طرف توجہ کر کے اسمِ ذات 'اللہ'، 'اللہ' کا ورد کیا جائے، سانس کے ساتھ نہ کہ آواز کے ساتھ)۔

☆..... مراقبے کے مختلف درجات ہیں اور جوں جوں طالب ترقی کرتا جائے شیخِ کامل کی رہنمائی میں سب منزلیں طے کرتا جاتا ہے۔

☆..... حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ مراقبے میں کم از کم اتنا وقت ضرور لگنا چاہیئے جتنا پانی کا پیالہ پینے میں لگتا ہے۔

درود شریف: فرمایا:

☆..... درودِ ہزارہ نمازِ تہجد کے بعد کم از کم ایک سو گیارہ بار پڑھ لیا کرو۔

☆..... جو تمام دعاؤں اور وظیفوں کی جگہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو اسے

بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی۔

☆..... درود شریف قربِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ ہے، ہر غم کا علاج ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، منافقت دور ہوتی ہے۔

☆..... جس طرح ہم درود و سلام کے ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی وفا کا اظہار کرتے ہیں اور اس درود و سلام کا صدقہ وہ کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی توجہات فرماتا ہے تو جب ہم اس سلسلہ کو تیز کریں، درود و سلام کے ساتھ ساتھ جو نظام صلوٰۃ اس محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں، پانچ وقت کی نماز ادا کریں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں تو پھر اس محبوبِ دلنواز صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیا رحمتیں میسر نہ ہوں گی۔

اتباعِ شریعت: فرمایا:

☆..... جو شخص شریعت و سنت کے خلاف ہے وہ 'ولی' نہیں کچھ اور ہے۔

☆..... حدیثِ پاک میں بنی اسرائیل کی ایک بستی کا ذکر آیا ہے جس کے باشندے تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ خود بھی شرع کا پابند تھا اور دوسروں کو خدا کی نافرمانی سے روکتا بھی تھا۔ دوسرا خود تو عمل کرتا تھا مگر دوسروں کو نافرمانی سے روکنا ضروری نہیں سمجھتا تھا، تیسرا ڈٹ کر نافرمانی کرتا تھا۔ جب عذاب آیا تو صرف پہلا گروہ محفوظ رہا باقی دونوں گروہ اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایک شرعی بے حسی کی بنا پر، دوسرا نافرمانی کی وجہ سے (یعنی خود بھی احکامِ شرع کی پابندی کرو، اوروں کو بھی ترغیب دو، ورنہ عتابِ الٰہی کا شکار ہو جاؤ گے)۔

آدابِ طریقت: فرمایا:

☆..... شیخ کے دربار میں غلامانہ حیثیت سے رہنا ہی مفید ہے۔ وہاں بیکار بیٹھنا تکبر کی علامت ہے۔ وہاں دنیوی خواہش لے کر جانا رشتۂ ارادت کی توہین ہے۔ نیز مردِ کامل تو بہت کچھ دے سکتا ہے، پھر صرف دنیا پر اکتفا کیوں کی جائے۔

☆..... یہاں (بارگاہِ شیخ میں) اَخلاص ہی کی قدر ہے۔ خداوندِ کریم اور حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے وہ ہر چیز جانتے ہیں، للہذا نفاق (سے بچو کہ اس) سے الٹا نقصان ہی ہوگا۔

☆..... شیخ ایک ہی بہتر ہے۔ حضرت عبدالوہاب شعرانی نے اس سلسلے میں اس حدیثِ پاک سے استدلال کیا ہے مَنْ رُزِقَ فِیْ شَیْءٍ فَلْیَلْزِمْهُ (جو کسی شے سے رزق دیا جائے، اسے چاہیئے کہ اسے لازم پکڑے)..... (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

☆..... شیخ کے پاس خالی ہاتھ جانا محرومی کی دلیل ہے۔

☆..... اگر معلوم ہو کہ فلاں سمت میرا شیخ ہے تو اس طرف پشت نہ کرے، نہ تھوکے اور نہ پیشاب وغیرہ کرے۔

☆..... مرید کو چاہیئے کہ اپنے شیخ سے (تاحیات) وفادار رہے۔

☆..... مرید کو فائدہ اس محبت سے ہوتا ہے جو اسے اپنے مرشد سے ہوتی ہے، جب کہ مرشد کی محبت مرید کو اتنا زیادہ (روحانی) فائدہ نہیں پہنچاتی۔

☆..... اپنے شیخ کی غیرت کا بر موقع اظہار 'منزل' کے حصول کا مختصر ترین راستہ ہے۔

☆..... جب بادشاہوں کے در پر آ جائیں تو پریشان نہیں رہنا چاہیئے، اور ہمارے

بادشاہ تو بہت نوازنے والے اور جھولیاں بھرنے والے ہیں (۱۸ اکتوبر ۱۹۹۷ء)۔ (آپ اپنے دَر کو اپنا نہیں بلکہ حضور شاہِ لاثانی ونقشِ لاثانی علیہما الرحمہ کا دَر سمجھتے تھے اور خود کو ان کا خادم)۔

☆..... مرید کا یقین پکا ہو کہ میرے شیخ میرے ساتھ ہیں تو پھر کوئی جادو، غم، پریشانی یا مصیبت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ (۷ نومبر ۱۹۹۹ء)

☆..... اگر مرید اپنے آپ کو شیخ کا محتاج سمجھے تو پھر وہ ضرور مدد کرتا ہے۔ (۱۰ نومبر ۲۰۰۰ء)

☆..... جب (مرید نے) خود کو کسی (شیخ) کے سپرد جو کر دیا تو پھر اس کی مرضی ہے، جو چاہے کرے، اب اس (مرید) کی فکر کیسی؟ (۲۵ نومبر ۲۰۰۱ء)

فقر و درویشی:

☆..... اگر آج کوئی شخص غربت کی وجہ سے اسلام پہ قائم ہے (جیسا کہ بعض لوگ امیری میں خدا کو بھول جاتے ہیں)، تو یہ غریبی لاکھوں امیریوں سے بڑھ کر ہے۔

☆..... اکثر درویشوں سے فرماتے، ’کھانا اور سونا جتنا بڑھانا چاہیں، بڑھ جاتے ہیں اور جتنا کم کرنا چاہیں کم ہو جاتے ہیں۔

☆..... ایک درویش کو گھڑی سے تادیر چھیڑ چھاڑ کرتے اور اس میں الجھا ہوا دیکھ کر فرمایا، ’جو ایک گھڑی میں اس حد تک مگن (اور رب سے غافل) ہو، اس کی درویشی کیا ہوئی۔ (۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء)

☆..... شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے مرشد نے انہیں دو نصیحتیں کیں:

۱۔ اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ سمجھیں۔ ۲۔ کسی کو اپنے آپ سے حقیر نہ جانیں۔

☆..... ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر وقت دل پر پہرہ رکھا جائے اور خیالاتِ فاسدہ سے باز رکھتے ہوئے منزل کی طرف توجہ رہے۔ (۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء)

☆..... فقیری بہت مشکل ہے، حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کانوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ فقیری اس قدر مشکل ہے تو شاید میں ادھر رجوع نہ کرتا۔

☆..... (آپ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کمال درجہ متابعت اور غلامی کو ’فقیری‘ قرار دیتے۔ اسی تناظر میں فرمایا) نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی غلامی میں آئیں، پہاڑ آپ کا حکم مانیں گے، سمندر آپ کو رستے دیں گے، آسمانوں سے نورانی تاج آپ کے سر پر رکھے جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کے مقابلے میں نہیں آسکے گی، لیکن وفا کر کے تو دیکھیں۔

دنیا:

☆..... اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا (کیا) کرو، رب تعالیٰ قلبِ سلیم عطا فرمائے۔ عقل بیدار بخشے۔ دین کا ذوق وشوق ہمارے اندر پیدا کرے اور یہ جذبہ پیدا کرے کہ ہم نے اس دنیا میں نبی پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے غلاموں کی طرح رہنا ہے۔ ہم نے کسی تارا سنگھ کی طرح نہیں رہنا، کسی چرچل والی زندگی بسر نہیں کرنی۔ ہم نے صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) کے غلاموں والی زندگی بسر کرنی ہے، غوثِ پاک (رضی اللہ عنہ) کے ماننے والوں کی طرح، داتا صاحب علی ہجویری (علیہ الرحمہ) کا نام لینے والوں کی طرح اس دنیا میں رہنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب 15

شیوخ وسلاسل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسبت کی برکات:

شنیدم کہ در روزِ امید وبیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم (شیخ سعدی)

(میں نے سنا ہے کہ امید وبیم کے دن، وہ کریم بروں کو نیکوں کے صدقے بخش دے گا)

اولیاء اللہ کے ساتھ نسبت فلاحِ دنیوی واخروی کا سبب اور ان کی محبت بہترین نیکی اور کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیثِ پاک سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ملا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ نے 'نفحات الانس' میں درج کیا ہے کہ "قیامت کے دن ایک شخص گنہگاری و بدکرداری کے سبب سے نا امید ہو جائے گا۔ حق سبحانہ'

فرمائے گا:

''اے میرے بندے! کیا تو فلاں محلے میں فلاں عارف کو پہچانتا تھا''۔

وہ جواب دے گا،'ہاں میں پہچانتا تھا'۔اللہ تعالی فرمائے گا،''جا میں نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا''۔

فرمایئے! یہ تو ادنیٰ درجے کی نسبت (عارف کی محض شناسائی) کا کمال ہے کہ سامانِ نجات بن رہی ہے، تو جو لوگ ان پاکباز بندوں سے دنیا میں باقاعدہ میل ملاپ رکھتے ہیں اور پھر جنہیں شرفِ غلامی یا بیعت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔وہ کیونکر محروم رہ سکتے ہیں اور کیوں نہ وہ عظیم ترنفع سے سرفراز ہوں گے۔نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے محبت و تعلق کو ''اَحَبُّ الاَعمال'' اور ''اَفضلُ الاَعمال'' کا درجہ دیا ہے تو کہیں تکمیلِ ایمان کے لیے بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ملاحظہ فرمایئے، یہ تین احادیث:

(۱). عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی قَالَ قَائِلٌ نِ الصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَ قَالَ قَائِلٌ نِ الْجِهَادُ.قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی الْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ..... (احمد۔ابوداؤد۔مشکوٰۃ دوم، باب الحبّ فی اللہ ومن اللہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو اللہ تعالی کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے؟ کسی نے کہا نماز اور زکوٰۃ۔کسی نے کہا جہاد۔حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا،

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل ہے، خدا ہی کے لیے کسی سے محبت کرنا اور خدا ہی کے لیے کسی سے بیزار رہنا۔

(۲). اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ

ترجمہ: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لیے محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے بغض ہو۔

(۳). مَنْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ.

ترجمہ: جس نے محبت رکھی تو اللہ کے لیے، اور بغض رکھا تو اللہ کے لیے اور کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور نہ دیا تو (بھی) اللہ کے لیے ،اس نے ایمان مکمل کرلیا۔

گویا اولیاء اللہ کے ساتھ ربط و تعلق، اللہ کے ساتھ محبت کا لازمی تقاضا ہے۔

اب سمجھیے، ان نفوسِ قدسیہ سے وابستہ ہونے کا بہترین فائدہ کیا ہے۔اس کا جواب بخاری و مسلم کی اس حدیثِ پاک سے ظاہر و مترشح ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَّ لَمْ یَلْحَقْ بِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا۔اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس آدمی کے متعلق

کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں۔

فَقَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہے۔

ایسی ہی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک صحابی سے بھی ارشاد فرمائی تھی۔ تو انس فرماتے ہیں کہ

فَمَارَأَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا.

میں نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس قدر خوش نہیں دیکھا جس قدر یہ بات سن کر وہ خوش ہوئے۔

ایک اور حدیثِ پاک دیکھئے اور سر دھنئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَکْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ شَفَاعَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

(رواہ البخاری فی تاریخہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے تعلق ومحبت کرو کہ قیامت میں ہر مسلمانِ کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے تعلق والوں کی سفارش کرے۔

یہاں اعلیحضرت "نقاء السلافہ فی البیعت والخلافہ" میں نہایت خوبصورت بات ارشاد فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "بالفرض معاذ اللہ اور کچھ نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اتصالِ سلسلہ کی برکت ہی کیا تھوڑی تھی جس کے لیے علمائے کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں"۔

ایسا ہی مضمون امام عبدالوہاب شعرانی سے بھی منقول ہے۔ "میزان الشریعہ" میں ارشاد فرمایا:

"ائمہ، فقہا اور صوفیاء سب اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے۔ اور وہ انہیں قبضِ روح، سوالِ نکیرین، حشر ونشر، حساب ومیزان اور پلِ صراط کے عبور کے وقت انہیں ملاحظہ فرماتے ہیں (اور فرمائیں گے) اور کسی مقام پر بھی ان سے غافل نہیں ہوتے"۔

اب سنئے! محبوبِ سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العرفانی کی نوازشات کی کہانی، آپ کی اپنی زبانی، فرماتے ہیں:

"میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے زمین پر آسمان"

فرمایا:

"اگر میرے مرید کا پاؤں پھسلے گا میں ہاتھ پکڑ لوں گا"۔

(تبھی آپ کو دستگیر یعنی ہاتھ پکڑنے والا کہتے ہیں)

نیز فرماتے ہیں:

"مجھے ایک دفتر دیا گیا حدِّ نگاہ تک کہ اس میں میرے مریدوں کے نام تھے، قیامت تک جو ہوں گے اور مجھ سے فرمایا گیا، وَهَبْتُهُمْ لَکَ (یہ سب ہم نے تمہیں دے ڈالے)۔ (نقاء السلافہ۔ ص ۱۴)

اب آیئے! امامِ ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کی برکات کی طرف۔ آپ فرماتے ہیں:

"یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارھویں سال) اپنے یاروں

کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا۔ اسی اثنا میں بحکم حدیث **مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ** (یعنی جس نے اللہ کے لیے تواضع کی، اللہ نے اسے بلند کیا) اس دور افتادہ کو مذلت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ ندا اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور ان کو جو بالواسطہ یا بلا واسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ بشارت دی گئی، حتیٰ کہ شک کی گنجائش نہ رہی۔ والحمد لله سبحانه على ذلك حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه مباركاً عليه كما يحب ربنا و يرضى والصلوٰة والسلام على رسوله سيدنا محمد و آله كمايجرى

بعدازاں اس واقعے کے اظہار کا حکم دے دیا گیا"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

"زن و مرد جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے یا قیامت تک ہوں گے وہ سب ہمیں دکھائے گئے ہیں اور ہر ایک کا نام ونسب اور مولد و مسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کردیں"۔

اب تک نسبت واردات کی برکات تحریر کی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ "حُبِّ درویشاں کلیدِ جنت است"۔ یعنی اولیاء کی محبت اور ان سے نسبت انسان کے

کردار کی اصلاح وتعمیر کر کے اسے جنت کا حقدار بنا دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب مرید محسوس کر لیتا ہے کہ اسے اللہ کے پاکباز بندوں سے نسبتِ غلامی حاصل ہوگئی ہے تو اس احساس کا سرور ہی اس کے کردار کی بنیاد کو مضبوط بنا کر اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اور پھر جوں جوں اہلِ ارادت محبت کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں، خود بخود پیرِ کامل کے اوصاف و اطوار کے سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ لباس، گفتار اور رفتار تک میں شیخ ہی کے انداز و اطوار کو اپناتے جاتے ہیں۔ کہنے سننے کی بھی بسا اوقات ضرورت پیش نہیں آتی۔ خود عشق ان کا استاد اور ربط ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحاً

ترجمہ: میں صالح تو نہیں مگر مجھے صالحین سے محبت ضرور ہے ،شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی صالح بنا دے۔

شیخِ کامل کو ناقصوں اور گنہگاروں کے حاضرِ دربار ہونے کی 'شرم' ہے۔ وہ دعا و توجہ میں مصروف رہتا ہے، حتیٰ کہ بدبخت، نیک بخت بن جاتے ہیں۔

شجرہ شریف پڑھنے کا بھی ایک بہت بڑا فائدہ یہی ہے کہ دل اس خوبصورت اور خوشبودار احساس سے معطر ہو جاتا ہے کہ ایک مردِ حق کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا تعلق کن عظیم ہستیوں سے قائم ہوا ہے۔ وہ روحانی مسرتوں میں ڈوب کر پکار اٹھتا ہے:

"گرچہ من ناپاک ہستم، دل بہ پاکاں بستہ ام"

شیخِ کامل سے تعلق قائم کر کے مرید کے ہاتھ میں نور کی ایک زنجیر آجاتی ہے۔ وہ زنجیر

جس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہے تو آخری جناب سیدنا صدیقِ اکبر یا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے دستِ مبارک میں ہے۔ اگر مرید اپنے شیخ کے ساتھ صحیح رابطہ رکھے گا تو گویا بارگاہِ صدیقی یا مرتضوی میں پہنچا کہ پہنچا۔ اور پھر دربارِ رسالت کب دور رہے گا۔ سو اس تعلق میں ''نور و حضور'' بھی ہے ، ''کیف و سرور'' بھی۔

حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام قدس سرہ کے متعلق یہ صراحت ہو چکی ہے کہ آپ چاروں سلاسل (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ نیز ذیلی سلاسل) میں 'صاحبِ اجازت' تھے تاہم آپ نے سب سے زیادہ رواج سلسلہ نقشبندیہ ہی کو دیا جب کہ کسی حد تک قادریہ کو بھی۔ یہاں دونوں سلسلوں کے شجرے درج کئے جا رہے ہیں۔ اور اد و وظائف سے فارغ ہو کر شجرہ شریف پڑھا جائے اور بزرگانِ سلسلہ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان کے فیض سے دعا کی قبولیت کا امکان بھی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ حضور قدس سرہٗ کی حیاتِ اقدس کے دَورِ آخر میں نمازِ جمعہ کے بعد 'عرسِ حضور نقشِ لاثانی' کی محفل اور لنگر شریف کے بعد جو ختمِ پاک پڑھا جاتا تھا، اس میں دعا سے قبل اوّلاً تحریر کردہ شجرہ شریف پڑھا جاتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ کے معمول کے بعد آخر میں تحریر کردہ شجرہ وسلام پڑھا جاتا رہا۔

شجرہ شریف نقشبندیہ (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا عمیم الفضل ذاتِ باِبقا کے واسطے — رحم کرنا مجھ پہ ختم الانبیاء کے واسطے
اس شفیع المذنبین اور رحمۃ للعٰلمین — صاحبِ عالی مناقب والضحیٰ کے واسطے

ہو عطا مسکین کو یارب ترکِ ماسوا — حضرتِ صدیقِ اکبر ذوالعطا کے واسطے
فارسی سلمان، قاسم، جعفرِ صادق امام — بایزید و بوالحسن ذوالاتقیا کے واسطے
نیشِ نفسِ سرکش بدکیش سے رکھنا مجھے — بوعلی اور یوسفِ صاحب صفا کے واسطے
اور خواجۂ عبدالخالق خواجۂ عارف بحق — خواجۂ محمود عزیز الاتقیا کے واسطے
یعنی آں حضرت عزیزانِ علی رامیتنی — عالم اکمل شہِ جود و سخا کے واسطے
حضرت باباسماسی خواجۂ امیر کلال — اور بہاؤالدین امیر خواجہا کے واسطے
خواجۂ اکبر بخاری یعنی شاہِ نقشبند — نور چشم اس شہیدِ کربلا کے واسطے
عشق اپنے میں ترقی بخش مجھ کو ربّنا — خواجۂ یعقوب چرخی بے ریا کے واسطے
دن بدن ہو یاالٰہی اتحاد و رابطہ — پیر سے خواجہ عبیداللہ ہما کے واسطے
خواجۂ زاہد محمد خواجہ درویشِ ولی — خواجہ امکنگی محمد مقتدا کے واسطے
حضرت باقی باللہ خواجہ ہمت بلند — اور مجدد الف ثانی بادشاہ کے واسطے
جو اولوالعزموں کے درجے پر ہوئے نائب مناب — یعنی سرہندی شہِ کشور کشا کے واسطے
آتشِ حرص و ہوا کو سرد کر دل سے میرے — خواجۂ معصوم تارکِ ماسوا کے واسطے
جملہ دشواری و خواری حشر کی آسان ہو — حجۃ اللہ اور زبیر اولیاء کے واسطے
شکر ہے لاکھوں کہ یہ ہر چار قیّومِ زماں — پیر بخشے ہیں خدا نے بےنوا کے واسطے
یعنی فاروقی و سرہندی یہ چاروں غوثِ حق — کان ہے فیضان کی خلقِ خدا کے واسطے
دولتِ صبر و قناعت ہو عنایت قادرا — خواجہ قطب الدین حیدر مقتدا کے واسطے
اے خدا تیری رضا کی التجا کرتا ہوں میں — شاہ جمال اللہ آں صاحب رضا کے واسطے
یہ دلِ مردہ ہو زندہ یا شہِ کون و مکاں — سیّد عیسیٰ جو عیسیٰ فی السّما کے واسطے

بہر باباجی ولی اللہ جو فیض اللہ تھے اور شہے نور محمّد پارسا کے واسطے
قبلۂ عالم جناب اور کعبۂ دنیاو دیں والئے تیراہ ذی نور وضیا کے واسطے
یعنی آنخضرت لحاظائے شہے عالی مقام شاہ بازِ اَوجِ عرفاں باوفا کے واسطے
جن کا اصلی نام ہے نام فقیر محمّدی اور حاجی گل بھی مردِ خدا کے واسطے
سرخروئی دو جہاں یارب ہووے میرے نصیب مالکِ ملکِ یقیں داعی ہدا کے واسطے
قبلۂ دیں کعبۂ ایماں شہِ ثانی لقب حضرت شاہِ جماعت مقتدا کے واسطے
قطبِ عالم غوثِ اعظم دستگیرِ بیکساں قبلۂ اہلِ یقیں اس رہنما کے واسطے
یاالٰہی ہے مبارک نام جن کا علی حسین سیّدِ والا نسب نورِ خدا کے واسطے
فاطمہ کے لعل، گُل از گلشنِ حضرت علی لختِ جگر حسنین نورِ مصطفیٰ کے واسطے
فیض سے جن کے ہوئے سرسبز اور تازہ قلوب ہو خاتمہ بالخیر اس نجمِ ہدا کے واسطے
پھر یہ عاصی پُر معاصی بھی کریما بخش لے حرمتِ حضراتِ شجرہ خواجہا کے واسطے
دل میرا کر پاک یارب الفتِ اغیار سے قبلہ و کعبہ ولیِ با خدا کے واسطے
اللھم اغفر جمیع المومنین والمومنات انبیاء و اولیاء و اصفیا کے واسطے

شجرہ شریف قادریہ (۲)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ہے ثنا و حمد ذاتِ کبریا کے واسطے
اور ذاتِ کبریا حمد و ثنا کے واسطے
گرچہ ہوں عاصی مگر شاہِ رُسُل کا ہوں غلام

ہاتھ اٹھاتا ہوں میرے مولا دعا کے واسطے
حشر میں رسوا نہ کیجو میری مشتِ خاک کو
یا رب اپنی رحمتِ بے انتہا کے واسطے
دل عطا کر سوختہ عشقِ شہِ ابرار میں
آنکھ روتی دے جمالِ مصطفیٰ کے واسطے
شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوّتِ پروردگار
حیدر و صفدر علی مشکل کشا کے واسطے
حضرتِ خاتونِ جنّت قُرّۃ العینِ رسول
یعنی بی بی فاطمہ خیر النساء کے واسطے
ہو گئے دونو منوّر نورِ سرور پاک سے
مرتضیٰ اور فاطمہ اہلِ ہدا کے واسطے
گلستانِ سیّدِ عالم کے دو گلہائے تر
کان ہیں فیضان کی خلقِ خدا کے واسطے
کشتۂ شمشیر تسلیم و رضا شاہ حسن
گنجِ نورِ معرفت بدر الدّجےٰ کے واسطے
مرتضیٰ خاتون سے ہو گئے منوّر شاہ حسن
صاحبِ اہلِ شفا ہیں ہر بلا کے واسطے
کر کرم کی اک نظر اور دیکھ میرا حالِ زار
یا خدا حسن مثنےٰ مجتبیٰ کے واسطے

محض عبداللہ کی برکت سے میرا دل شاد کر
اور موسیٰ الجون سیّد با خدا کے واسطے
بخش مجھ کو شاہِ عبداللہ موارث کی طفیل
اُس شہِ موسیٰ امامِ با صفا کے واسطے
کر عطا اپنی محبت بہر داؤد ولی
خواجۂ شاہ محمد مورثا کے واسطے
مشکلیں حل ہوں میری ہر اِغم سے ہو جائے نجات
سیّد یحیٰی کے زُہدِ بے ریا کے واسطے
دل میرے کو نورِ عرفاں سے منوّر رکھ سدا
شاہ عبداللہ جیلی پیشوا کے واسطے
بخش توفیقِ عبادت،دور ہوں دل کے حجاب
سیّدِ بُو صالح پیر ہُدا کے واسطے
قبلۂ اربابِ عرفاں،کعبۂ اہلِ یقیں
پیرِ پیراں،غوثِ اعظم، پیشوا کے واسطے
دستگیرِ بیکساں و پیشوائے انس و جاں
شاہِ محی الدین امام الاولیا کے واسطے
کر عطا صدقِ مقال اور رزق دے مجھ کو حلال
عبد رزّاقِ ولی صاحبِ عطا کے واسطے
از طفیلِ پاک خواجہ سیّد عبدالوہاب

صاحبِ فیضانِ کامل ذوالعطا کے واسطے
کر مشرّف مجھ کو تو دیدار پُر انوار سے
شاہِ شرف الدین امیت خواجہا کے واسطے
حشر میں زیرِ لوائے حمد ہو میرا مقام
خواجۂ شاہِ عقیل اہلِ ہدا کے واسطے
بہر شمس الدین صحرائی میرا دل شاد کر
اور گدا رحمٰن اوّل با صفا کے واسطے
کر عطا قلبِ سلیم از بہر شمس الدیں ولی
اور گدا رحمٰن ثانی باخدا کے واسطے
ہادی و سلطانِ عالم ،پیرِ کامل شاہ فضیل
اور کمالِ کیتھلی صاحبِ حیا کے واسطے
رحم کر مجھ پر طفیل شاہ سکندر قادری
اور مجدّد الف ثانی پادشاہ کے واسطے
حضرتِ قیّومِ ثانی خواجہ معصوم حق
حُجّۃ اللہ اور زبیر اولیا کے واسطے
از طفیلِ شاہِ اشرف یعنی قطب الدین ولی
شاہِ جمال اللہ آں صاحبِ رضا
دردِ دل کی تو دوا کر اے میرے مولا کریم
خواجۂ عیسیٰ ولی ذوالاتقا کے واسطے

بہرِ فیضِ اللہ پیرو پیشوائے کاملاں
اور شہِ نور محمد پارسا کے واسطے

قبلہ گاہِ جان و دل شاہِ فقیر محمدی
یعنی حاجی گل شہے مشکل کشا کے واسطے

بہر سلطانِ حقیقت ، سیّدِ عالی مقام
وارثِ تاج و سریرِ انبیاء کے واسطے

قبلۂ دیں کعبہ ایماں شہِ ثانی لقب
مالکِ اقلیمِ تسلیم ورضا کے واسطے

سایۂ حق بر زمیں ،فرزندِ ختم المرسلیں ﷺ
حضرتِ شاہِ جماعت مقتدا کے واسطے

یا الٰہی ہے مبارک نام جن کا علی حسین
سیّدِ والا نسب نورِ خدا کے واسطے

دین و دنیا میں ظفر کی ہو ظفر یا ربِّ کریم
اہلبیتِ مصطفٰے آلِ عبا کے واسطے

بخشدے ۔ حافظ گدا کو اور جو مومن تمام
برکتِ پیرانِ شجرہ با بقا کے واسطے

یا اللہ العالمین یہ عرض ہو میری قبول
رحمۃ للعٰلمیں خیر الوریٰ کے واسطے

☆☆☆☆☆☆☆

شجرہ شریف نقشبندیہ (بصورتِ سلام) (۳)

مصطفٰی شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام
نورِ انوارِ وحدت پہ لاکھوں سلام

اصلِ تکوین و سرِّ ظہورِ خدا
رازِ ایجاد وخلقت پہ لاکھوں سلام

وجہِ تخلیقِ ایمان و ایمانیاں
محورِ دین وملّت پہ لاکھوں سلام

سب کے مشکل کشا سب کے حاجت روا
مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

یارِ غارِ نبی شاہکارِ نبی
اوجِ صدقِ محبت پہ لاکھوں سلام

جن کو صِدّیق فرمایا سرکار نے
تاجدارِ صداقت پہ لاکھوں سلام

بالیقیں اونچا رتبہ ہے سلمان کا
ساقیِ عشقِ حضرت پہ لاکھوں سلام

نورِ چشمِ حبیبِ حبیبِ خدا
قاسمِ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

جعفرِ حق ادا صادقِ باخدا
فیضِ اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

پیکرِ بندگی ، خواجۂ بایزید
شاہبازِ ولایت پہ لاکھوں سلام

خواجۂ خرقاں ، حضرتِ بوالحسن
رازِ حُسنِ اجابت پہ لاکھوں سلام

سیّدِ فارمد ، خواجۂ بو علی
شمعِ بزمِ طریقت پہ لاکھوں سلام

نازشِ دوجہاں،غوث وقطبِ زماں
یوسفِ مصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

خواجۂ عبدِ خالق ، شہِ غجدواں
رازدارِ فتوت پہ لاکھوں سلام

وہ معارف پناہ عارفِ ریوگر
شاہِ اہلِ حقیقت پہ لاکھوں سلام

حضرتِ خواجہ محمود ، شاہِ ہدیٰ
دافعِ دردِ غفلت پہ لاکھوں سلام

پھر وہ خواجہ عزیزانِ رامیتنی
ان کے نورِ بصیرت پہ لاکھوں سلام

خواجہ سماسی و خواجہ میرِ کلال
دونوں شاہوں کی عظمت پہ لاکھوں سلام

خواجۂ خواجگاں ، خواجۂ نقشبند | مظہرِ فضلِ رحمت پہ لاکھوں سلام
خواجہ عطّار، یعقوب واحرار سب | پیکرانِ عزیمت پہ لاکھوں سلام
زاہد وخواجہ درویش امکنگی بھی | تینوں اہلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
باقی باللہ کی ہو بقا پہ درود | وصلِ مولا کی لذّت پہ لاکھوں سلام
شیخ احمد مجدّد امامِ ہُدیٰ | الف ثانی کی عظمت پہ لاکھوں سلام
جن کے خادم جہانگیر وشاہِ جہاں | ان کی اعلیٰ حکومت پہ لاکھوں سلام
خواجہ معصوم قیّومِ ثانی لقب | اولیاء کی امامت پہ لاکھوں سلام
حجۃ اللہ خواجہ محمّد زبیر | ہردو قیّومِ ملّت پہ لاکھوں سلام
اشرف مدنی و خواجہ سید جمال | کاشفانِ حقیقت پہ لاکھوں سلام
عیسیٰ یعنی مسیحائے قلب و نظر | فیض بخشِ طہارت پہ لاکھوں سلام
خواجہ نورِ محمّد ہیں نورِ خدا | ان کے انوارِ طلعت پہ لاکھوں سلام
ہر فقیرِ محمّد شہنشاہ ہے | باواجی کی امارت پہ لاکھوں سلام
شاہِ لاثانی مخدومِ اہلِ نظر | میرے شاہِ جماعت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مرتضیٰ بحرِ صدق وصفا | پیکرِ جودورحمت پہ لاکھوں سلام
نقشِ لاثانی حسنی حسینی کریم | ان کی دوہری سعادت پہ لاکھوں سلام
ان کی پاکیزہ سیرت پہ بے حد درود | ان کی لاثانی طینت پہ لاکھوں سلام
نقشۂ نقشِ لاثانی عابد حسین | چشمۂ فیض وبرکت پہ لاکھوں سلام
سب سلاسل پہ اللہ کی رحمتیں | بلکہ سب اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام
آسی بینوا ، اولیاء کا گدا [1] | اس کی لاثانی نسبت پہ لاکھوں سلام

(۱۔ یوں بھی کہا جا سکتا، ''آسی خوشنوا، اولیاء پہ فدا'')

مرید کے لیے یہ امر بھی از حد نافع ہے کہ ان بزرگوں سے زیادہ سے زیادہ تعارف حاصل کرے جن کے اسماءِ گرامی شجرہ شریف کی زینت ہیں۔کتاب کی گنجائش کے مطابق محض تبرکاً ان بزرگانِ نقشبند کے مختصر حالات رقم کیے جا رہے ہیں۔یہ التزام بھی کیا گیا ہے ان کے چند ملفوظات بھی شامل کر دیئے جائیں تا کہ عمل کرنے والوں کے لیے 'نشانِ راہ' کا کام دیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

سرخیلِ جملہ انبیاء، مظہرِ شانِ کبریا

محمد ﷺ جانِ عالَم ، فخرِ آدم ، ہادیٔ اکرم
امام الانبیاء ، خیر البشر ، پیغمبرِ اعظم
محمد ﷺ وہ جمالِ اوّلیں ، وہ پیکرِ نوری
محمد ﷺ کاشفِ سِرِّ ظہور و رمزِ مستوری
محمد ﷺ احمد و حامد جسے خالق نے فرمایا
ازل سے جس پہ قرباں ہے لواء الحمد کا سایہ

قبل اس سے کہ مشائخِ نقشبندیہ کے حالات نقل کیے جائیں، یہ حقیرِ پُرتقصیر ،اس تاجدارِ ہدایت، رازدارِ بدایت، سرِّ اسرارِ نہایت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے زمینِ ادب چومتا ہے

جو اللہ کے حبیبِ مکرم، کائنات کی بنائے محکم، اقلیمِ ہستی کے سلطانِ معظم اور بزمِ گیتی کے صدرِ محتشم ہیں۔

جو عرصۂ ایجاد کے شہسوارِ یکتا، اپنے لاشریک رب کے مظہرِ بے ہمتا، جانِ جہانِ اجتباء

اورشاہِ اقلیمِ اصطفاء ہیں

جونور،،علیٰ نور، اصلِ سرور، شافعِ یوم النشور، مالکِ حور وقصور اور دافعِ شرور ہیں

جو جامع الکمالات، مستجمع الصّفات، مطلعِ تجلّیات، مرجعِ ششجہات اور سید السادات ہیں

اور جن کی ہر ادا محبوبِ خدا، ہر نگاہ مرکزِ ہدیٰ، ہر عشوہ جانِ وفا، ہر جلوہ جہانِ سخا، ہر تیور کانِ حیا، ہر دَم دِل رُبا، ہر قدم دلکشا، ہر سخن جانفزا بلکہ سارا بدن معجزہ نما ہے

یعنی خواجۂ عرش آستاں، سرورِ کون ومکاں، شہنشاہِ رسالت، تاجدارِ نبوّت، امام المرسلین، خاتم النّبیین **احمد مجتبیٰ، محمّد مصطفی**

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ و اصحابہٖ و ازواجہٖ وآبائہٖ وامہاتہٖ وذریاتہٖ واتباعہٖ و بارک وسلم)

کون ہے جو اس وسیم وقسیم، مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عظمت بیان کر سکے جن کی تحسین وتزئین، تشکیل وتعمیر، تعلیم وتادیب اور حسنِ تخلیق میں مصوّرِ حقیقی نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جن کو خالقِ ہستی نے صورت وسیرت، حسن وجمال، جاہ وجلال، فضل وکمال اور جود ونوال کی جن عظمتوں اور بلندیوں پر فائز فرمایا، عالمِ ممکنات میں اس کی مثال ناممکن ہے۔ بقول امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی قدس سرہ العزیز ''در عالم امکاں مثل او متصور نیست''

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاک کا یہی راز ہے کہ مخلوقات اسی شہنشاہِ لولاک کے قدومِ پاک کی خیرات ہے۔ آیۃ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء) اسی امر کی غماز ہے کہ حسنِ کائنات اسی جانِ کائنات کے جمال کی زکوٰۃ ہے اور یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ شمس وقمر کی تابشوں کا ہر چمکارہ اور عرش وکرسی کی نازشوں کا ہر نظارہ اسی شاہدِ رعنا کے حسنِ تبسّم کی سوغات ہے۔۔۔۔۔۔اللہ کریم نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ

والہٖ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا (اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ۔ اللہ نے سب پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ حدیث مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)۔۔۔۔۔۔ پھر اسی نور کو واسطہ خلقِ عالم ٹھہرایا۔ (اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔ حدیث مدارج النبوۃ)۔۔۔۔۔۔ عالمِ ارواح ہی میں اُس نور کو خلعتِ نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ اسی عالم میں دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کی روحوں سے عہد لیا گیا کہ اگر وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے زمانہ کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ۔۔۔۔ الخ پارہ ۳۔ سورۃ آلِ عمران۔ رکوع ۹) یہی وجہ ہے کہ جملہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے رہے۔ (وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ ط ۔۔۔۔۔ صف ۶)۔۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خِلقت، خِلقتِ آدم سے بھی قبل کی ہے (وَکَانَ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ. اور میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کی حالت میں تھے۔۔۔۔ مکتوبات دفتر دوم)۔۔۔۔۔۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے نور کو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت میں رکھا جو کہ حضرت حوا علیہا السلام کے رحمِ پاک میں منتقل ہوا۔ پھر حضرت حوا سے حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ یوں یہ نورِ مقدّس پاک پشتوں سے پاک رِحموں میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں منتقل ہوا۔۔۔۔۔۔ یہی وہ نور ہے جس کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائک بنے۔ اور اسی نور کے وسیلے سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اِسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرق ہونے سے بچی۔ اِسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود گلزار ہوگئی۔ اِسی نور کی برکت سے حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب ختم ہوئے اور اِسی نور کی برکات سے

حضراتِ انبیائے سابقین علیہم السلام پر عنایاتِ الٰہیہ بصورتِ کمال ہوئیں۔...... حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ کے بطن مبارک میں ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدِ کریم حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تولّد شریف ۱۲ ربیع الاوّل شریف[۱]، عام الفیل، روز دوشنبہ (پیر) صبحِ صادق بمطابق ۳۶۷۵ھ طوفانِ نوح، ۲۵۵۸ھ ابراہیمی، ۸۸۲ھ سکندری، ۶۲۸ھ بکرمی شمسی، ۵۷۱ھ عیسوی میں ہوا۔ اصحابِ فیل کا قصہ بقولِ جمہور نصف ماہِ محرم میں تولد شریف سے ۵۵ روز پہلے وقوع میں آیا۔ مقامِ ولادت امّ القریٰ یعنی مکہ معظمہ ہے۔ تولد شریف کے وقت آپ کے ساتھ ایسا نور ظاہر ہوا کہ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو ملکِ شام کے قیصری محل نظر آ گئے اور لاتعداد خوارق وارہاصات وقوع میں آئے۔ مثلاً ایوانِ کسریٰ کے چودہ

....

[۱]: زرقانی علی المواہب جلد اوّل ص ۱۳۲۔ مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۱۴۔ البدایہ والنہایہ جلد سوم ص ۱۰۹۔ تاریخِ طبری جلد دوم ص ۱۲۵۔ تاریخِ ابنِ خلدون جلد دوم ص ۷۱۰۔ سیرتِ ابنِ ہشام جلد اوّل ص ۱۷۱۔ اعلام النبوۃ ص ۱۹۲۔ دلائل النبوۃ، سیرت کی قدیم مآخذ 'جامع معجزات' مطبوعہ مصر ص ۲۷۳۔ سیرۃ الحلبیہ جلد اوّل ص ۹۳۔ ماثبت من السنہ ص ۹۸۔ الفتح الربانی جلد ۲۰ ص ۱۸۹۔ المورالروی القاری طبع مکۃ المکرمۃ ص ۹۶۔ حجۃ اللہ علی العٰلمین للنبہانی جلد اوّل ص ۲۳۱۔ (اور متعدد کتب) ایک صحیح روایت جسے حافظ ابوبکر ابی شیبہ (المتوفی ۲۳۵ھ) نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت فرمایا، ملاحظہ ہو۔ جی ہاں صرف ایک روایت: عن عفان عن سعید بن مینا عن جابر وابنِ عباس انہما قالا ولد رسول اللہ عام الفیل الاثنین عشر من شہر ربیع الاوّل (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی جلد ۲ ص ۱۸۹ مطبوعہ بیروت)۔ ترجمہ: عفان سے روایت ہے، وہ سعید بن مینا سے راوی کہ جابر اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں سوموار کے روز ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ اس کی سند میں پہلے راوی کے بارے میں محدثین نے فرمایا کہ عفان بلند پایہ امام ثقہ اور صاحب ضبط و اتقان ہیں (خلاصۃ التہذیب۔ ۲۶۸۔ طبع بیروت)۔ دوسرے راوی سعید بن مینا بھی ثقہ ہیں (خلاصہ ص ۱۴۳۔ تقریب ص ۱۲۶)۔ آگے سیدنا جابر اور سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما دو جلیل القدر صحابی ہیں۔ لہٰذا بعد کے کسی بھی مؤرخ کا کوئی بھی قول یا ظن و تخمین اس کے مقابلے میں لائقِ التفات یا قابلِ قبول ہرگز نہیں ہوسکتا۔

کنگروں کا گر پڑنا (اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد فارس مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے گا)، آتشِ فارس کا بجھ جانا، بحیرہ ساوہ (ہمدان وقم کے درمیان چھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا) کا خشک ہو جانا، وادیٔ سماوہ (شام وکوفہ کے درمیان) کی ندی کا لبا لب بہنا، دنیا بھر کے بادشاہوں کے سروں سے تاج گر پڑنا، ان کے تختوں کا بادشاہوں سمیت کانپنے لگنا، اس روز دنیا بھر میں بیٹے ہی پیدا ہونا، تمام پھل دار درختوں کا پھلوں سے خوب جھک جانا، معطر ہوائیں چلنا وغیرہم۔ (مولد العروس ودیگر کتبِ میلاد)

اوّلاً آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ نے چند روز یہ شرف حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اس خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے قبیلے میں لے گئیں۔ وہیں پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا شقِ صدر ہوا۔ دوسرا شقِ صدر دس برس کی عمر شریف میں، تیسرا غارِ حراء میں بعثت کے وقت اور چوتھا شبِ معراج میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال تھی جب مشہور روایت کے مطابق سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت سے واپس آ رہی تھیں تو راستے میں مقامِ ابواء میں انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ اس سفر میں اُمّ ایمن ساتھ تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مکہ میں لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آٹھ برس کے تھے جب دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے چچا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے زیارت کی اور بے اختیار پکار اٹھا، "یہ

رسولِ ربّ العٰلمین ہیں''۔ چودہ برس کی عمر میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حربِ فجار میں شرکت فرمائی۔ ۲۵ سال کی عمر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بغرضِ تجارت شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں نسطورا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی شہادت دی۔ اس سفر سے واپسی کے قریباً تین ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکاح حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو قریش نے عمارتِ کعبہ کو از سرِ نو بنایا۔ اس تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجرِ اسود اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا۔

چالیس سال کی مبارک عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نبوّت کا اعلان کیا۔ ابتداءً خفیہ طور پر بعضے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے۔ اس دعوت پر کئی مرد وزن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، لڑکوں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، عورتوں میں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، آزاد کردہ غلاموں میں حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

خفیہ دعوت کا سلسلہ تین سال چلتا رہا، پھر اعلانیہ دعوتِ اسلام دینے کا حکم آیا۔ اس پر قریش برافروختہ ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کو اذیتیں دینے اور مصائب کھڑے کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نبوّت کے پانچویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو چاہیں ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ اس حکم پر سب سے پہلے گیارہ مرد اور

چار عورتوں نے ہجرت کی۔ نبوّت کے چھٹے سال حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ان کے تین دن بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی مشرّف باسلام ہوئے۔ اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھ کر قریش مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے ستاتے رہے۔ چنانچہ دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی۔ قریش نے نجاشی کے پاس اپنی سفارت بھیجی کہ مہاجرین کو واپس کر دو۔ مگر نجاشی نے صاف جواب دے دیا۔ اب قریش نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علانیہ شہید کر دیا جائے۔ بنو ہاشم و بنو مطلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بغرضِ حفاظت شعبِ ابنِ طالب میں لے گئے۔ اس پر قریش نے ان سے مقاطعہ کر دیا اور ایک تحریری معاہدہ اس بارے میں لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ تین سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی کہ اس معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور سوائے اللہ کے نام کے کچھ نہیں چھوڑا۔ جب دیکھا گیا تو ارشادِ عالی درست نکلا۔ ماہِ رمضان ۱۰ھ نبوت میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تین دن بعد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہوگیا۔ یہ سال عامِ الحزن کہلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف کا سفر کیا مگر ثقیف والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کا مثبت جواب نہیں دیا بلکہ واپسی پر اسقدر پتھر برسائے کہ نعلین شریفین خون آلود ہوگئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ ہر سال موسمِ حج میں تمام قبائلِ عرب کو جو مکہ اور اس کے نواح میں موجود ہوتے، دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے۔ دیگر عوامی اجتماعات میں بھی اسی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نبوّت کے گیارہویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسبِ عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں

اب مسجدِ عقبہ ہے، قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں اپنے بھائیوں کو دعوتِ اسلام دی۔ اس لیے آئندہ سال بارہ مرد ایامِ حج میں مکہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ اسی سال ماہِ رجب کی ستائیسویں شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حالتِ بیداری میں جسمِ ظاہری کے ساتھ معراج ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ نبوت کے تیرھویں سال انصار میں سے ۷۳ مرد اور دو عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیعت کی۔

جب قریش کے مظالم انتہا کو پہنچے اور ختم ہونے کے امکان بھی نہ رہے تو مسلمانوں کا مکہ میں قیام دشوار ہو گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ شریف ہجرت کرتے گئے۔ یہاں تک کے مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔

قریش نے جب دیکھا کہ اسلام مدینہ شریف میں بھی پھیلنے لگا ہے تو وہ ڈرے کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوج بنانے میں کامیاب ہو کر مکہ پر حملہ آور نہ ہوں۔ اس لیے انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر شیخ نجد کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دولتخانے میں اپنے بستر پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا تا کہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آئیں اور ایک مشتِ خاک لے کر سورۂ یٰسٓ شریف کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار پر پھینک دی۔ کفار اندھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے نکلے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ تین

رات غارِ ثور میں رہے۔

'قدید' کے قریب سراقہ بن جعشم تعاقب میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبا میں ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن پہنچے۔ یہی تاریخِ اسلامی کی ابتداء ہے۔ یہاں مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ مدینہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری پر اتنے خوش تھے کہ الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اسی سال مسجدِ نبوی، ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے اور مہاجرین کے لیے مکانات تیار کئے گئے اور مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات قائم کی گئی۔

ہجرت کے دوسرے سال قبلۂ نماز بیت المقدس کے بجائے کعبہ شریف قرار پایا۔ اذان کا طریقہ جاری ہوا۔ رمضان شریف کے روزے فرض ہو گئے۔ اور غزوات و سرایا کا آغاز ہوا۔ غزوات کی تعداد ۲۷ ہے جبکہ سرایا کی ۴۷۔ بڑے بڑے غزوات جن کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے، سات ہیں۔ بدر، اُحد، خندق، خیبر، فتحِ مکہ، حنین، تبوک۔ جن غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قتال فرمایا، وہ یہ ہیں۔ بدر، اُحد، خندق، مصطلق، خیبر، فتحِ مکہ، حنین، طائف۔ غزوات میں سب سے اخیر غزوہ تبوک ماہِ رجب ۹ھ میں ہوا۔

ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختلف ملکوں کے بادشاہوں (قیصر و کسریٰ، نجاشی وغیرہم) کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

۹ھ میں غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار جو منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے جلا دی گئی۔ اسی سال وفودِ عرب دربارِ رسالت میں اس کثرت سے حاضر ہوئے کہ اسے سالِ وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ ۱۰ھ میں وفودِ عرب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔ پوری دنیا میں اسلام پھیلتا گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی سے تعلّم و تلمذ نہ کیا اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتعلیم الٰہی اپنے اصحابِ کرام کو وہ تعلیمِ روحانی دی کہ وہ معارفِ ربانی کے عارف اور اسرارِ فرقانی کے ماہر بن گئے۔ جو کوئی بھی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر کچھ وقت بھی خدمتِ اقدس میں رہا، وہی عالمِ ربانی اور عارفِ حقانی بن گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت میں صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو نسبتِ خاصہ اور قوتِ قدسیہ مبدأ فیاض سے عطا ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسلام و ایمان اور احسان سے مالا مال کر کے اور سچے دین کے ظاہری و باطنی علوم سکھا کر ماہِ ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن الرفیق الاعلیٰ پکارتے ہوئے اعلیٰ علیین قرب العالمین میں جا سدھارے۔ لیکن یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم 'رحمۃ اللعالمین' ہیں اور باذنِ الٰہی حیاتِ دائمی سے سرفراز بھی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے رحمت ہیں۔ لہٰذا رحمتِ عالم ہونا بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات پر دال [1] ہے کہ رحمت کرنے کے لیے زندہ ہونا ضروری ہے۔

---

[1] احادیثِ شریفہ کی صراحت کے تحت تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ مثلاً فرمایا:

اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَاء" فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ. (شرح الصدور)۔ یعنی انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ (ابنِ ماجہ)۔ یعنی بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کو کھائے۔ اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو جانِ حیات اور مدارِ حیات ہیں۔

مقامِ غور ہے کہ قرآن کی رو سے شہید زندہ ہیں: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَات" بَلْ اَحْیَآء" وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ۔۱۵۴)۔ اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں شعور نہیں۔ بلکہ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْیَآء" عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○. اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

جب شہداء کی زندگی قرآن کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء اور صالحین کی زندگی میں کیونکر شبہہ کیا جا سکتا ہے جو بالاتفاق درجہ و مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ اب سنئے! حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کی خبر: امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: كَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه واله وسلم یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْتُ بِخَیْبَرَ فَهٰذَا اَوَان" اِنْقَطَعَ اَبْهَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ. (انبیاء الاذکیا۔ ص۱۴۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود لقمہ کھایا تھا (ایک یہودی عورت نے کھانے میں ملا دیا تھا۔ اس زہر کا اثر کئی دفعہ لوٹ آتا اور تکلیف دیتا۔ پھر تین سال کے بعد اس سے وصال ہوا۔ زرقانی ج۸ ص۳۱۳) میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ پس اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگِ جاں منقطع ہوئی جاتی ہے۔

اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شہادت ثابت ہوتی ہے اور قرآن شہید کو زندہ کہہ رہا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بدرجۂ اولیٰ زندگی کی صفات سے متصف۔ انباء الاذکیا (از امام سیوطی) ص۱۴۸ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کیجئے:

امام احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی اور مستدرک میں حاکم نے اور دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

لَاَنْ اَحْلِفَ تِسْعًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه واله وسلم قُتِلَ قَتْلًا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ وَاحِدَةً اَنَّهٗ لَمْ یُقْتَلْ وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اتَّخَذَهٗ نَبِیًّا وَّ اتَّخَذَهٗ شَهِیْدًا.

ترجمہ: اگر میں نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قتل کیے گئے ہیں، یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک مرتبہ قسم کھا کر یہ کہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قتل نہیں کیے گئے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم "مَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا زندہ ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے۔

اب یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم زندہ ہیں تو قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی امتِ مرحومہ کو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے وہی فیضان بواسطۂ خواصِ امّت، علماءِ کرام وصوفیاءِ عظام پہنچتا رہے گا جو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ظاہری زندگی میں پہنچتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی امت میں وقتاً فوقتاً اولیاء وصلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جو امتِ محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ کو علومِ ظاہری و باطنی کے فیضان سے مالا مال کرتے رہیں گے۔ اور ان اولیاءِ کرام کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی نبوّت کی تصدیق ہوتی رہے گی۔ چنانچہ داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ 'کشف المحجوب' میں فرماتے ہیں:

''حقیقتِ محمدیہ کا تعلق جس طرح ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہٖ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اور جس طرح حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حیات میں آپ کے تصرّفات جاری تھے، ویسے ہی اب بھی جاری ہیں۔ یہی معنیٰ ہیں حیات النّبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے۔ اور اسی وجہ سے قطب، غوث، ابدال، اوتاد وغیرہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی امت میں ہوتے رہیں گے''۔ (ذکرِ خیر)

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن: ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور تعداد گیارہ ہے۔

نمبر شمار	نام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن	سنہ نکاح	ام المومنین کی عمر بوقتِ نکاح	سنہ وفات	مقبرہ	حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رہنے کی مدت	حضور ﷺ کی عمر بوقتِ نکاح
۱	سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	سنہ ۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۱۰ نبوت	مکہ معظمہ	تقریباً ۲۵ سال	۲۵ سال
۲	سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۱۰ نبوت	۵۰ سال	۱۹ ہجرت	مدینہ منورہ	۱۴ سال	۵۰ سال
۳	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	نکاح ۱۱ نبوت۔ رخصتی شوال سنہ ۱ھ	۹ سال	۱۷ رمضان المبارک سنہ ۵۷ھ	مدینہ منورہ	۹ سال	۵۴ سال
۴	سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا	شعبان سنہ ۳ھ	۲۲ سال	سنہ ۴۱ھ۔ جمادی الاول	مدینہ منورہ	۸ سال	۵۵ سال
۵	سیدہ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۳ھ	تقریباً ۳۰ سال	سنہ ۳۰ھ	مدینہ منورہ	۳ ماہ	۵۵ سال
۶	سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۴ھ	۲۶ سال	سنہ ۶۰ھ	مدینہ منورہ	۷ سال	۵۶ سال
۷	زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا	سنہ ۵ھ	۳۶ سال	سنہ ۲۰ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۸	سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا	شعبان سنہ ۵ھ	۲۰ سال	ربیع الاول سنہ ۵۶ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۹	سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۶ھ	۳۶ سال	سنہ ۴۴ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۸ سال

۱۰	سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا	جمادی الآخر ۷ھ	۱۷سال	رمضان المبارک ۵۰ھ	مدینہ منورہ	سوا تین سال	۵۹سال
۱۱	سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا	ذی قعد ۷ھ	۳۶سال	۵۱ھ	سرف قریب مکہ معظمہ	پونے چار سال	۵۹سال

ان کے علاوہ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن سے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تولد ہوئے۔

صاحبزادے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تین صاحبزادے ہیں۔

۱۔ حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ: پہلے مولود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھر میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ قبل بعثت پیدا ہوئے اور پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ قبلِ بعثت ہی راہ گرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔

۲۔ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ: مکہ معظمہ میں بعثتِ نبوّت کے بعد پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مبارک بطن سے تھے۔ انہی کا لقب طیب و طاہر ہے۔ مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ سورۂ کوثر آپ ہی کی وفات پرنازل ہوئی تھی۔

۳۔ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ: مدینہ منورہ میں ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تھے۔ ابھی ایامِ رضاعت باقی تھے کہ خلدِ بریں جاسدھارے۔ آپ کی وفات کے دن سورج میں گہن لگا تھا۔

صاحبزادیاں: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چار صاحبزادیاں رضی اللہ عنہن ہیں۔ تمام سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے تھیں۔

۱۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا: جب آپ پیدا ہوئیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی۔ آپ حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ سے چھوٹی اور دیگر اولادالنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بڑی ہیں۔ آپ کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

۲۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دوسری صاحبزادی صاحبہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ۳۳ سالہ عمر مبارک میں پیدا ہوئیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں فتح کی خبر لے کر مدینہ میں آئے اسی روز سیدہ نے بیس سال کی عمر میں (۲ھ میں) مرضِ چیچک میں وصال فرمایا۔

۳۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا: آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری صاحبزادی صاحبہ ہیں۔ ۳ھ میں (سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد) آپ کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۴۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ ہیں۔ ولادت غالباً حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ آپ کا وصال شریف سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ میں ہوا۔

چند ارشادات عالیہ

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاداتِ قدسیہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاداتِ قدسیہ نہ ملتے ہوں۔ حصولِ برکت کے لیے محض چند احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بندوں میں سے کون بندہ زیادہ فضیلت والا اور زیادہ بلند مرتبہ ہوگا؟ فرمایا کہ مرد وعورت جو خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے ہیں۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیک والک وسلم! کیا خدا کا زیادہ ذکر کرنے والے راہِ خدا میں غزا کرنے والے سے زیادہ فضیلت اور بلند مرتبے والے ہوں گے؟ فرمایا کہ غازی اگر اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں میں مارے، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ خون آلود ہو جائے، خدا کا ذکر کرنے والا درجہ میں اس سے بڑھ کر ہوگا۔ (ترمذی وامام احمد)

(۲)۔ افضل ذکر لا اِلٰہ الا اللّٰہ ہے اور افضل دعا الحمد لِلّٰہ ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(۳)۔ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ (مسلم)

(۴)۔ جب تو نماز مغرب سے لوٹے (سلام پھیرے) تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار کہہ لیا کر: اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔ کیونکہ اگر تو یہ کہہ لے اور پھر اُسی رات مر جائے تو تیرے واسطے آتشِ دوزخ سے گذر جانا (چھٹکارا) لکھا جاتا ہے اور جب تو نمازِ صبح ادا کرے تو اِن ہی کلمات کو سات مرتبہ کہہ لیا کر۔ اگر تو اُسی دن مر جائے تو تیرے واسطے آتشِ دوزخ سے گذر جانا لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۵)۔ کسی نے کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی طعام نہیں کھایا۔ پیغمبرِ خدا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ (بخاری)

(۶)۔ ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی ہوتا ہے، پہلے آسمان کی طرف اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: "کون ہے جو مجھے پکارے تاکہ میں

اُس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اُسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں۔ (بخاری ومسلم)

(۷)۔ خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں استغفار بہت پائی۔ (ابن ماجہ ونسائی)

(۸)۔ آدم زاد کو اِن چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں (یعنی قیامت کے دن اِن چیزوں پر پرسش نہ ہوگی) مکان رہنے کے لیے، کپڑا سترِ عورت کے لیے، پارۂ نان اور پانی۔ (ترمذی)

(۹)۔ ہر ایک آدمی کو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں کھڑا رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کی بابت سوال کیا جائے۔ اس کی عمر کی بابت کہ کس کام میں بسر کی، اس کی جوانی کی بابت کہ کس کام میں بوسیدہ کی، اس کے مال کی بابت کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں اسے خرچ کیا اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔ (ترمذی)

(۱۰)۔ فقراء تونگروں (مالداروں) سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے جو نصف دن ہے (اُس دن سے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے)۔ (ترمذی)

☆☆☆☆☆☆☆

۲۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا اسمِ گرامی عبداللہ اور لقب صدیق وعتیق ہیں۔ آپ کے والدِ بزرگوار کا نام ابوقحافہ عثمان تھا۔ آپ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے تولد شریف سے دو سال اور کچھ مہینے بعد ہوئی۔ سلسلۂ نسب ساتویں پشت یعنی حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ

عنہ میں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے ملتا ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے والد، آپ کی تمام اولاد اور پوتا ابو عتیق محمد بن عبدالرحمٰن سب صحابی ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے سیدنا عثمانِ غنی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم (عشرۂ مبشرہ سے) اور بلالِ حبشی، عامر بن فہیرہ سمیت متعدد جلیل القدر صحابی ایمان لائے۔ اپنا تمام مال حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا سمجھتے تھے۔ سفرِ ہجرت بالخصوص غارِ ثور یونہی سفر وحضر میں ہمیشہ سرکار صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں رہنا آپ کے بہترین فضائل میں سے ہے۔ آپ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے پہلے خلیفۂ برحق، مبشر بالجنۃ اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ بے شمار آیات اور احادیث آپ کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کی شان کیا ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دے دیا ہے مگر ابو بکر کا احسان ایسا ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا'۔ اور فرمایا: 'میرے نزدیک ابو بکر مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں'۔ نیز فرمایا:

مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ (مکتوباتِ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ) یعنی حقائق ومعارف میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے، وہی میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا جذبہ تمام صحابہ سے زیادہ تھا۔ یہاں تک کہ فرماتے، ''جس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم عمل کیا کرتے تھے، میں اسے کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ سنت سے

منحرف ہو جاؤں گا''..... (نسیم الریاض بحوالہ ابوداؤد و بخاری)

آپ سے بہت سی کرامات کا صدور ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے صحابہ سے حسبِ استطاعت اصحابِ صفہ کو اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلانے کا حکم دیا تو صدیق اکبر تین کو ساتھ لے گئے۔ کھانے میں اولاً آپ نے ایک لقمہ اُٹھایا، بعد ازاں دیگر نے کھایا مگر کھانا بڑھتا گیا۔ پھر اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ہاں بھیجا گیا اور پورے لشکر نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ تکثیرِ طعام حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت اور رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا معجزہ تھا۔ (بالاختصار)

(صحیح بخاری: کتاب الادب، کتاب المناقب، کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

اسی طرح بروقتِ وصال اپنی بیٹی کی ولادت کی قبل از وقت خبر دینا (مؤطا امام محمد، باب النحلی)، مزارِ رسول کے قریب تدفین کے لیے دروازہ کھلنا (نفحات الانس، خصائصِ کبریٰ)، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام حاضرین کو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے مزارِ پرانوار کے قریب تدفین کے لیے غیبی حکم سنائی دینا (شواہد النبوۃ از ملا جامی) اور لاتعداد افراد کو خرقۂ خلافت عطا فرمانا (بہجۃ الاسرار) آپ کی مشہور کرامات وخوارق میں سے ہیں۔

وفات: وفات کے وقت صحابہ عیادت کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم کسی طبیب کو بلاتے ہیں جو آپ کو دیکھے۔ فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اُس نے کیا کہا؟ فرمایا کہ اس نے یوں کہا: اِنِّیْ فَعَّالٌ '' لِّمَا اُرِیْدُ (میں کرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں)۔ آپ نے سہ شنبہ کی رات مغرب وعشاء کے درمیان ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور صبح ہونے سے پہلے پیشتر سیدہ عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔آپ کی خلافت دو سال تین مہینے اور آٹھ دن رہی۔اس قلیل عرصہ میں یمامہ، اطرافِ عراق اور ملکِ شام کے بعض شہر فتح ہوئے۔مسیلمہ کذّاب مارا گیا اور قرآنِ مجید ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ادراک کے حاصل کرنے سے عاجز آنا ادراک ہے۔

(۲)۔ہم ایک حرام میں پڑنے کے خوف سے ستر حلال چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(۳)۔جب آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مرتدین کی طرف جہاد کرنے کے لیے بھیجا تو فرمایا:'موت کا حریص بن، تجھے حیات عطا ہوگی'۔

(۴)۔آپ رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا:''اے پرندے! خوش رہو۔اللہ کی قسم، کاش میں تیری مانند ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھتا ہے، پھل کھاتا ہے پھر اُڑ جاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب وعذاب نہیں۔خدا کی قسم، کاش میں بجائے انسان ہونے کے راستے کی ایک طرف کا درخت ہوتا۔کوئی اونٹ میرے پاس سے گزرتا، وہ پکڑ کر مجھے اپنے منہ میں ٹھونس لیتا، پھر چبا کر نگل جاتا، بعدازاں مینگنیوں کی شکل میں نکال دیتا۔

(۵)۔جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔توبہ کرنے والے سے خوش ہو، گنہگار کے لیے مغفرت طلب کرے، مصیبت زدہ کے لیے دعا کرے، احسان کرنے والے کی مدد کرے۔

۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔آپ فارسی الاصل ہیں۔آپ کا والد آتش پرست تھا۔والد کے دین سے آپ بیزار تھے۔چنانچہ دینِ موسوی میں داخل ہوگئے۔بعدازاں دینِ نصاریٰ قبول کیا اور شام وروم میں رہبانِ نصاریٰ کی خدمت میں رہے۔تقریباً دس مرتبہ فروخت ہوئے۔اخیر راہب جس کے پاس آپ تھے، مرنے لگا تو اس نے آپ کو بشارت دی کہ مدینہ شریف میں نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔تو ان کا دین اختیار کرنا۔اس راہب کے مرنے پر آپ نے مدینے کی راہ لی۔راستے میں ایک شخص نے آپ کو غلامی کی تہمت میں گرفتار کر لیا اور آپ بنوقریظہ کے ایک یہودی عثمان بن سہل کے ہاتھ فروخت ہوئے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینے میں وارد ہوئے تو ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے دینِ اسلام قبول کرلیا۔۵ھ میں سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی برکت سے یہودی کی غلامی سے بھی آزادی مل گئی۔

فضائل: ☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:''سابقین چار ہیں۔میں سابقِ عرب ہوں، صہیب سابقِ روم ہیں، سلمان سابقِ فُرس اور بلال سابقِ حبشہ۔

☆.....جنگِ خندق کے موقعے پر انصار ومہاجرین انہیں اپنے اپنے ٹولے میں گننے لگے تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:''سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ''، یعنی سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہیں۔

☆..... آپ نجبائے صحابہ کرام اور اصحابِ صفہ میں سے ہیں۔

☆..... آپ ان چار بزرگوں میں سے ہیں جن کی نسبت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ اُن کے پاس علم تلاش کرنا۔

زُہد و معیشت: خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر بنایا اور سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم مقرر کیا جسے آپ خیرات کر کے خود بوریا بافی پر گذارہ کرتے۔ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ دیواروں اور درختوں کے سایہ میں رہا کرتے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کی سکونت کے لیے گھر بنا دیتا ہوں۔ فرمایا: ’’مجھے گھر کی ضرورت نہیں‘‘۔ اس نے اصرار کیا اور کہا کہ جس قسم کا گھر آپ کی طبیعت کے موافق ہے، وہ مجھے معلوم ہے۔ فرمایا کہ بیان کر۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے لیے ایسا گھر بنا دیتا ہوں کہ جب آپ اس میں کھڑے ہوں تو سر مبارک اس کی چھت سے لگے اور جب پاؤں پھیلائیں تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے جا لگیں۔ فرمایا درست ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی گھر تیار کر دیا۔

آپ کے پاس ایک دھاری دار کملی تھی جس کا کچھ حصہ آپ اوڑھ لیتے اور کچھ نیچے بچھا لیتے۔ گورنری کی حالت میں بھی یہی کملی آپ کے پاس رہتی۔ بعض ناواقف آپ کی ظاہری حالت دیکھ کر آپ سے بطور مزدور اپنا اسباب اٹھواتے۔ جب راستے میں ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ امیرِ شہر ہیں تو عذر کرتے مگر آپ فرماتے کہ حسب وعدہ منزل تک پہنچا کر آؤں گا۔

وفات: جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنی بیوی سے فرمایا کہ کچھ کستوری جو تمہارے پاس ہے، اسے پانی میں گھول کر میرے سر کے گرد چھڑک دو کیونکہ اب ایک قوم آنے والی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن۔ آپ کی زوجہ کا بیان ہے کہ میں آپ کا ارشاد بجالائی۔ گھر سے باہر نکلی، آواز آئی السلام علیک یا ولی اللہ۔ السلام علیک یا صاحب رسول اللہ. جب میں اندر آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ کی روح مبارک

پرواز کر گئی ہے۔ بروقتِ وفات (۱۰ رجب ۳۳ھ۔ مدائن) عمر مبارک اڑھائی سو سال تھی۔

کلمات قدسیہ: (۱)۔ مومن کا حال دنیا میں مثل اس بیمار کے ہے جس کے ساتھ اس کا طبیب ہو۔ جو اس کی بیماری اور دوا کو جانتا ہے۔ جب مریض کسی مضر چیز کو چاہتا ہے تو وہ اسے منع کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ اگر تم اسے کھاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح مومن بہت سی چیزوں کو چاہتا ہے۔ پس اللہ عزوجل اس کو ان سے روک دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ تعجب ہے طالب دنیا پر جس کو موت طلب کر رہی ہے، اور تعجب ہے اس غافل پر جس کو فراموش نہیں کیا گیا اور تعجب ہے اس ہنسنے والے پر جو یہ نہیں جانتا کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہے یا ناخوش۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا کہ تمہارا روزینہ مثل توشۂ سوار کے ہو۔

(۴)۔ آپ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیرے رب کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل کا تجھ پر حق ہے۔ پس ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا کر۔ پھر وہ دونوں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور یہ سب ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۵)۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا، پیارے بھائی! ہم میں سے جو پہلے وفات پائے، وہ

دوسرے کوخواب میں دکھائی دے۔حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت سلمان نے فرمایا کہ ہاں، مومن بندے کی روح آزاد ہوتی ہے۔زمین میں جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔اور کافر کی روح قید خانے میں ہوتی ہے۔پس حضرت سلمان نے پہلے وفات پائی۔حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر قیولہ کر رہا تھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلمان آئے ہیں۔انہوں نے کہا ،السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔میں نے جواب میں کہا، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔اے ابوعبداللہ !تونے اپنا مقام کیسا پایا؟۔حضرت سلمان نے کہا کہ خوب ہے۔پھر تین بار فرمایا،’تو توکل اختیار کر کیونکہ توکل اچھا ہے‘۔

۴۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔باپ کے قتل ہونے پر اپنی پھوپھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پاتے رہے۔آپ کا انتساب علمِ باطن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے۔

فضائل: آپ کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔زہد واتقا سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ فقہ وحدیث میں اپنی مثال آپ تھے۔یحییٰ بن سعید انصاری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ میں کسی کو ایسا نہ پایا کہ اُسے قاسم پر فضیلت دیں۔ایوب سختیانی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو قاسم سے افضل نہ دیکھا۔بقول امام بخاری آپ افضلِ اہلِ زمانہ تھے۔ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو قاسم سے بڑھ کر سنت کا

عالم نہ پایا اور نہ کسی فقیہہ کو آپ سے اعلم دیکھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ اگر امرِ خلافت میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کے سپرد کر دیتا۔

وفات: جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں کفنانا جن میں نماز پڑھا کرتا تھا۔یعنی قمیض وازار وچادر۔آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا، ابا جان! کیا ہم دو کپڑے اور زیادہ کر دیں۔جواب دیا، جانِ پدر! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کفن بھی تین ہی کپڑے تھے۔مُردے کی نسبت زندہ کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔آپ نے ستر یا بہتر سال کی عمر میں مکہ ومدینہ کے درمیان مقام قُدید میں وفات پائی اور مُشلّل (قدید سے تین میل کے فاصلے پر۔طبقاتِ ابن سعد) میں دفن کیے گئے۔سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ابنِ سعد نے طبقات میں ۱۰۸ھ جبکہ بقول ابنِ معین وابن المدینی ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ ہے۔

۵۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں متولد ہوئے۔حق گوئی کے سبب لوگ صادق کہتے تھے۔آپ اہلِ بیتِ اطہار کے چھٹے امام ہیں اور آپ کی سیادت وامامت متفق علیہ ہے۔آپ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت امام باقر کے صاحبزادے ہیں۔آپ کی والدہ اُمِّ فردہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم کی صاحبزادی ہیں۔اور اُمِّ فردہ کی والدہ اسماء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن کی صاحبزادی ہیں۔اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے،’’وَلَدَنِیْ اَبُوْ بَکْرٍ مَرَّتَیْنِ‘‘۔یعنی حضرت ابوبکر نے مجھے دوبار پیدا کیا۔مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ حضرتِ امام کا نسبِ صوری اور نسبِ معنوی حضرت صدیقِ اکبر سے ہے۔اس واسطے آپ نے ایسا فرمایا ہے (مکتوبات احمدیہ، دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۰)۔علمِ باطن میں آپ کا انتساب اپنے نانا قاسم سے ہے۔

علم: آپ لطائفِ تفسیر اور اسرارِ تنزیل میں یکتا تھے۔علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔امامِ اعظم کو آپ کی شاگردی پر ناز تھا۔فرماتے تھے کہ میں نے امامِ جعفر بن محمد سے بڑھ کر کسی کو فقیہہ نہیں دیکھا۔امام مالک، شعبہ، ہر دو سفیان، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ قطان، ابو عاصم نبیل وغیرہ نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

بقول داتا گنج بخش علیہ الرحمہ آپ کے اشاراتِ جمیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں۔المختصر! آپ تمام علوم واشارات میں کامل اور مشائخ کے پیشرو اور مقتدائے مطلق ہیں۔

اوصافِ حسنہ: ہیاج بن بسطام فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اوروں کو یہاں تک کھلاتے کہ اپنے عیال کے لیے کچھ باقی نہ رہتا۔حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے طلبِ نصیحت پر اصرار کیا تو فرمایا:'یا ابا سلیمان! مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن میرے جد بزرگوار میرا دامن نہ پکڑیں اور یوں فرمادیں کہ میرا حقِ متابعت کیوں نہ ادا کیا۔کیونکہ یہ کام نسب کی شرافت پر موقوف نہیں بلکہ درگاہِ رب العزت میں عمل کی پسندیدگی معتبر ہے۔یہ سن کر حضرت داؤد طائی بہت روئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ پروردگار! جس شخص کی سرشت نبوت کے آب وگل سے ہے اور جس کی طبیعت کی ترکیب آثارِ رسالت سے ہوئی ہے اور جس کے جدّ بزرگوار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ماں حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا ہیں، جب وہ ایسی حیرانی میں ہے تو داؤد کس شمار میں ہے کہ اپنے حال پر نازاں ہو۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا فرمان ہے کہ میں امام جعفر صادق کی زیارت کیا کرتا تھا۔جلوت میں حُسنِ خُلق کے سبب سے ان کے مزاج میں مزاح وتبسم زیادہ تھا۔مگر جس وقت ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آتا، ان کا رنگ زرد ہو جاتا۔میں نے ان کو حدیث شریف بیان کرتے وقت کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ان کی خدمت میں میری آمد ورفت دیر تک رہی مگر جب کبھی میں ان سے ملا، ان کو نماز پڑھتے یا خاموش یا قرآن مجید پڑھتے پایا۔وہ فضول ولغو کلام نہ کیا کرتے تھے اور علومِ شرعیہ کے عالم اور خداترس تھے۔(شفا شریف۔قاضی عیاض علیہ الرحمہ)

کرامات: ایک دفعہ آپ کی دعا سے غیب سے بے موسم کے انگور اور دو چادریں آئیں۔(یہ ذی الحجہ ۱۱۳ھ کا واقعہ ہے)۔مکہ معظمہ میں ایک غریب بیوہ کی مردہ گائے (جس کا دودھ بیچ کر اس کا گزارہ تھا) آپ کی دعا سے زندہ ہوئی۔اس وقت کے خلیفہ منصور نے آپ کو قتل کے ارادے سے بلوایا۔مگر ایک دیوقامت اژدھا جس کا ایک ہونٹ اس کے مکان کے نیچے اور دوسرا اوپر تھا، اس کے ارادے میں حائل رہا۔(دیگر کرامات کے لیے 'تذکرۃ الاولیاء' کا مطالعہ مفید ہے)۔

وفات: ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ کو ۶۸ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے قبہ اہلِ بیت میں مدفون ہوئے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔چار چیزیں ہیں جن سے شریف آدمی کو عار نہ چاہیے۔اپنے والد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جانا، اپنے مہمان کی خدمت کرنا، اپنے چوپایہ کی خبر لینا خواہ اس کے سو غلام ہوں، اپنے استاد کی خدمت کرنا۔

(۲)۔جس نے اللہ کو پہچانا اُس نے ماسوا سے منہ پھیرلیا۔

(۳)۔عبادت توبہ کے سوا درست نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا۔ چنانچہ فرمایا: اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ۔

(۴)۔جو شخص اپنے رزق میں تاخیر پائے، اسے طلبِ مغفرت زیادہ کرنی چاہیے۔

(۵)۔مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو چار میں مبتلا ہو، وہ چار سے کیسے غافل رہتا ہے۔ تعجب ہے اس پر جو غم میں مبتلا ہو، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ق اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَ کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔اور تعجب ہے اس پر جو کسی آفت سے ڈرتا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ۔اور تعجب ہے اس پر جو لوگوں کے مکر سے ڈرتا ہو، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا۔اور تعجب ہے اس پر جو جنت میں رغبت کرتا ہے، وہ یہ کیوں نہیں کہتا: مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِکَ۔

۶۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ

آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم اور لقب سلطان العارفین ہے۔آپ کے دادا پہلے مجوسی تھے، پھر مسلمان ہو گئے تھے۔جبکہ والد کا شمار بسطام کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔آپ کے دو بھائی آدم اور علی بھی نہایت عابد و زاہد تھے۔آپ کو علمِ باطن میں

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے تربیت ہے کیونکہ ان کا وصال آپ کے زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔

بچپن ہی میں والدہ سے اجازت لے کر گھر سے نکلے اور مجاہدے شروع کیے جو پورے تیس سال تک رہے۔اس کے دوران آپ کا آسان ترین مجاہدہ سال بھر پیاسا رہنا ہے۔

حج کرنے گئے تو فارغ ہو کر گھر واپس آ گئے اور پھر اگلے سال مدینہ منورہ کی نیت سے احرام باندھ کر دربارِ رسول (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں حاضری دی۔گویا آپ کے کمالِ ادب نے گوارا نہ کیا کہ زیارتِ مدینہ کو حج کے تابع رکھا جائے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ بایزید ہماری جماعت میں ایسے ہیں جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں۔دیگر سالکین کے میدان کی نہایت بایزید کے میدان کی بدایت ہے۔

اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ سنت کی تحقیق نہ ہو سکنے کی بنا پر خربوزہ نہ کھایا۔والدہ جو از حد عابدہ وزاہدہ تھیں، کے نہایت اطاعت گزار تھے۔آپ کے زہد و تقویٰ کی حکایات محیر العقول ہیں۔آپ سے بے شمار کرامات منسوب ہیں۔ایک دفعہ ملکِ روم میں لشکرِ اسلام کا کفار سے مقابلہ ہوا۔مسلمانوں کو شکست ہونے والی تھی کہ کسی مسلمان نے آپ کو پکارا، 'بایزید دریاب' یعنی اے بایزید خبر لیجو۔آپ نے توجہ کی۔اسی وقت خراسان کی طرف سے آگ نمودار ہوئی، جس کی ہیبت سے لشکرِ کفار میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

وفات: آپ نے ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ میں بسطام (نیشاپور کے راستے پر) میں انتقال

فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل کی؟ جواب دیا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔

(۲)۔ میں نے ربّ العزّت کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اے میرے پروردگار! میں تجھے کس طرح پاؤں؟ فرمایا: 'اپنے نفس کو چھوڑ اور میری طرف آ'۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نعمتیں دیں تاکہ ان کے سبب سے اللہ کی طرف رجوع کریں مگر وہ ان کے سبب سے غافل ہو گئے۔

(۴)۔ اگر تم کسی شخص میں کرامات دیکھو، یہاں تک کہ ہوا میں اڑتا ہو تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ، جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی، حفظ وحدود اور آدابِ شریعت میں کیسا ہے۔

(۵)۔ اپنے وصال کے وقت کہا: 'خدایا میں نے تجھ کو یاد نہ کیا مگر غفلت سے اور تیری عبادت نہ کی مگر سستی سے'۔

۷۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نامِ نامی علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے۔ سلوک میں آپ کی تربیت حضرت بایزید بسطامی کی روحانیت سے ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت سلطان العارفین کی وفات کے بعد کی ہے۔ آپ قدماء مشائخ اور اجلّہ صوفیا میں سے ہوئے ہیں اور اپنے دَور میں تمام اولیاء اللہ کے ممدوح تھے۔ آپ سلطان المشائخ اور اوتاد و ابدال کے قطب تھے۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ ہر سال دِہستان میں قبورِ شہداء کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب آپ موضع خرقان (بسطام کے دیہات میں سے ایک

گاؤں۔ معجم البلدان) سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور کچھ سونگھتے۔ مریدوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: 'اس چوروں کے گاؤں سے ایک مردِ خدا کی خوشبو آتی ہے جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے'۔

عشاء کی نماز خرقان میں با جماعت ادا کر کے حضرت بایزید کے مزار پر حاضری دیتے اور نمازِ فجر اسی وضو سے خرقان میں آ کر ادا کرتے۔ واپسی میں اہتمام یہ تھا کہ مزارِ بایزید کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ بارہ برس بعد حضرت بایزید نے کامیابی کی خوشخبری دی تو تمام ظاہری و باطنی علوم آپ پر منکشف ہو گئے۔ ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول اور حضور و مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے۔ استاد ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جب میں خرقان کے علاقے میں آیا تو اس شیخِ عصر کے دبدبے سے میری فصاحت جاتی رہی اور عبارت آرائی ختم ہو گئی، یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول ہو گیا ہوں۔

سلطان محمود غزنوی نے عین اس وقت جبکہ ہندوستان میں سومنات پر حملے میں شکست نظر آ رہی تھی، آپ کے عطا کردہ پیراہن کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رکھ کر یوں دعا کی: "الٰہی بآبروے ایں خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ ہر چہ ازینجا غنیمت بگیرم بدرویشاں بدھم"۔

یعنی خدایا! اس خرقہ کی آبرو کے صدقے مجھے ان کافروں پر فتح دے، میں یہاں سے جو غنیمت لوں گا درویشوں کو دے دوں گا۔ اچانک لشکرِ کفار میں ایسی صورتحال پیدا ہوئی کہ ایک دوسرے کو تہ تیغ کرنے لگے اور لشکرِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی رات محمود غزنوی کو خواب میں حضرت خرقانی قدس سرہ نے فرمایا: "اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی آبرو

ضائع کردی ۔اگر تو اس وقت خدا تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمام کفار مسلمان ہو جائیں تو سب مسلمان ہو جاتے''۔

وفات: قریبِ وصال وصیت کی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودی جائے تا کہ حضرت بایزید علیہ الرحمہ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ چنانچہ ۱۰ محرم ۴۲۵ھ کو خرقان میں جب آپ کا وصال ہوا تو ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے فرمایا تھا: ''جو شخص میرے مزار کے پتھر پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگے گا، وہ قبول ہو جائے گی''۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ ایک دن آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کون سی چیز بہتر ہے؟۔ انہوں نے عرض کی، اے شیخ! آپ ہی فرمائیے، فرمایا کہ وہ دل جس میں خدا کی یاد ہو۔

(۲)۔ جو کچھ تو خدا کے لیے کرتا ہے اخلاص ہے اور جو کچھ بندوں کے واسطے کرتا ہے ریا ہے۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فعل کی پیروی کرے، نہ وہ شخص جو کہ کاغذ کو سیاہ کرے۔

(۴)۔ مجھے تین چیزوں کی غایت معلوم نہ ہوئی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درجات، نفس کا مکر، معرفت۔

(۵)۔ میں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز سنی، 'میرے بندے! اگر تو غم کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو تجھے خوش کروں گا، اور اگر حاجت و فقر کے ساتھ آئے گا تو تجھے تونگر کروں گا۔ جب تو اپنے آپ سے بالکل دستبردار ہو جائے گا تو پانی اور ہوا کو تیرا مطیع کر دوں گا۔

۸۔ حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی فضل بن محمد بن علی جبکہ کنیت ابو علی ہے۔ آپ طوس کے دیہات میں سے ایک گاؤں 'فارمد' میں ۴۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔

علم: آپ نے فقہ امام ابو حامد غزالی کبیر سے پڑھی۔ ابو عبد اللہ بن باکو شیرازی، ابو منصور تمیمی، امام ابو حامد غزالی کبیر، ابو عبد الرحمٰن نیلی اور ابو عثمان صابونی وغیرھم سے سماعِ حدیث کیا۔ عبد الغافر فارسی، عبد اللہ بن علی خرکوشی، عبد اللہ بن محمد علوی اور ابو الخیر جامع الشفاء وغیرھم نے آپ سے روایت کی ہے۔ وعظ و تذکیر میں آپ امام ابو القاسم قشیری صاحبِ رسالہ کے شاگرد ہیں۔ عبارت و تہذیب و حسنِ ادب و ملیح استعارہ و دقیق اشارہ و رقت الفاظ میں کوئی آپ سے سبقت نہیں لے گیا۔ آپ کا کلام پر تاثیر ہے۔ اپنے پر تاثیر کلام کے سبب امرا بالخصوص نظام الملک کے ہاں بے حد قبولیت حاصل کی۔

علمِ باطن کا انتساب شیخِ بزرگوار ابو القاسم گرگانی اور قطبِ وقت حضرت ابو الحسن خرقانی (علیہما الرحمہ) سے ہے۔ آپ اپنے اصحاب و مریدین کی تربیت میں طریقہ حسنہ رکھتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس گویا ایک باغ تھا جس میں طرح طرح کے خوشنما شگوفے تھے۔

وفات: آپ نے ربیع الثانی ۴۷۷ھ میں وصال فرمایا اور مزار شریف طوس میں بنا۔

۹۔ حضرت یوسف بن ایوب ہمدانی علیہ الرحمہ

آپ کا اسمِ مبارک یوسف بن ایوب اور کنیت ابو یعقوب ہے۔ ہمدان کے

نواح میں موضع بُوزَنجِرد میں قریباً ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ علوم و معارف میں قدم راسخ، فتاویٰ دینیہ میں یدِ بیضاء اور احکامِ شرعیہ میں دستگاہِ کامل اور خواطر قلبیہ سے واقفیت رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس میں علماء، فقہاء، اور صلحاء کا بڑا مجمع رہا کرتا تھا۔

علم ظاہری و باطنی: اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد آ کر ابواسحٰق شیرازی سے فقہ پڑھی۔ پھر مختلف محدثین سے سماعِ حدیث کیا۔ اس کے بعد سب کچھ ترک کر کے عبادت و ریاضت و مجاہدہ کی طرف راغب ہوئے۔ تصوّف میں آپ کا انتساب شیخ بوعلی فارمدی علیہ الرحمہ سے ہے۔ شیخ عبداللہ جوینی نیشاپوری علیہ الرحمہ اور شیخ حسن سمنانی علیہ الرحمہ کی صحبت میں بھی رہے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ ابتدائے حال میں آپ سے اپنی ملاقات کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے آپ کی بہت تعریف فرماتے ہیں۔ آپ سے متعدد کرامات منسوب ہیں۔

وفات: دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۵۳۵ھ آپ کی تاریخِ وصال ہے۔ مزارِ پُر انوار 'مرو' میں ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ 'تم خدا تعالیٰ سے صحبت رکھو۔ اگر یہ میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو خدا تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے۔

۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے سردار ہیں۔ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر 'غُجدُوان' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت عبدالجمیل، امام مالک کی اولاد

سے بہت بڑے عالم اور ولی تھے۔ جبکہ والدہ ماجدہ روم کے شاہی خاندان سے تھیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت عبدالجمیل کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دے کر عبدالخالق نام رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ حوادثِ روزگار کے سبب والدِ ماجد مع متعلقین روم سے ماوراء النہر کی طرف نکلے اور بخارا کے گاؤں 'غُجدُوان' میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ غجدوانی ہمیشہ صدق و صفا اور متابعتِ شرع و سنتِ رسول اور مخالفتِ بدعت و ہوا میں کوشاں رہے اور اپنی اس روش کو آپ اغیار کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کی سعی فرماتے رہے۔ طریقت میں آپ کی روش حجت ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنی فرزندی میں لیا اور وقوفِ عددی کی تعلیم دی (وقوفِ عددی سے مراد ذکرِ نفی و اثبات میں عددِ ذکر سے واقف رہنا ہے۔ یعنی ذاکر اِس ذکر میں سانس کو عدد طاق پر چھوڑے نہ کہ جفت پر)۔ بعد ازاں انہی کے ارشاد پر آپ حضرت یوسف ہمدانی علیہ الرحمہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ اپنے شیخ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی۔

ایک دفعہ ایامِ عاشورا میں لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے سامنے آپ معرفت پر کلام فرما رہے تھے۔ اچانک ایک جوان زاہدوں کی صورت میں خرقہ پہنے اور سجادہ کندھے پر ڈالے حاضر ہوا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ اے خواجہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ مومن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کا سرّ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کا سرّ یہ ہے کہ تو زنار کو توڑ دے اور ایمان لائے۔ اس نے کہا کہ پناہ بخدا کہ میرے پاس زنار ہو۔ حضرت خواجہ نے خادم کی

طرف اشارہ کیا، اس نے اس جوان کا خرقہ اٹھا دیا۔ پس خرقہ کے نیچے سے زنار ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس جوان نے اُسی وقت زنار توڑ دیا اور ایمان لایا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، یارو! ہم بھی اس نومسلم کی طرح اپنے زنار توڑ ڈالیں اور ایمان لائیں۔ ہم اپنے زنارِ باطنی جس سے مراد خود پسندی ہے توڑ ڈالیں، تاکہ اس کی طرح ہم بھی بخشے جائیں۔ یہ سن کر حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ میں ہوئی اور مزار غجدوان میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ مشہور آٹھ کلمات جو خواجگانِ نقشبند کے طریق عمل کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت خواجہ سے ہی چلے ہیں۔ وہ یہ ہیں: ہوش در دم ۱۔ نظر بر قدم ۲۔ سفر در وطن ۳۔ خلوت در انجمن ۴۔ یاد کرد ۵۔ باز گشت ۶۔ نگہداشت ۷۔ یادداشت ۸

(۲)۔ حق تعالیٰ کی جلالت سے ڈرتے رہو، اور بھولو مت کہ ایک روز تم موقف حساب میں کھڑے ہوگے۔

(۳)۔ تم پر لازم ہے کہ مذہبِ سنّت و جماعت کے پابند رہو اور ائمہ سلف کے مسلک کو اختیار کرو کیونکہ جو نئی باتیں پیدا ہوئی ہیں وہ گمراہی ہیں۔

۱۔ اس کی تشریح خواجۂ نقشبند فرماتے ہیں کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دو۔ سانس کے خروج و دخول کے ساتھ بلکہ ان کے درمیانی وقفے میں بھی ذکر و حضور جاری رہنا چاہئے۔

۲۔ سالک چلتے ہوئے آوارگی نظر سے بچتے ہوئے پاؤں کی پشت پر نظر رکھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کا باطنی قدم اُس کی باطنی نظر سے پیچھے نہ رہے یعنی سرعتِ سیر کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱۔ حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے چار خلفاء تھے۔ خواجہ احمد صدیق، خواجہ اولیائے کبیر، خواجہ سلیمان کرمینی اور خواجہ عارف ریوُگری علیہم الرحمہ۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری علیہ الرحمہ آپ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ العزیز

بقیہ:

۳۔ سفر در وطن (سیر انفسی) سے مراد بری صفات چھوڑ کر اچھی صفات اختیار کرنا ہے۔ خواجگانِ نقشبندیہ نے، مقامِ بقا میں جو سیر انفسی سے تعلق رکھتا ہے، سیرِ آفاقی کی بجائے اسی کو اپنایا ہے اور سفرِ ظاہر اتنا ہی کرتے ہیں کہ پیرِ کامل تک پہنچ جائیں۔ سیرِ آفاقی (یعنی مطلوب کو باہر ڈھونڈنے) کی بجائے سیرِ انفسی (یعنی مطلوب کی اندرونی تلاش) شروع کرنا سلسلۂ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔

۴۔ یعنی ظاہر میں خلائق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ۔ سالک اگر بازار میں بھی جائے تو ذکر میں استغراق و انہماک کے سبب کوئی آواز نہ سنے۔

۵۔ یعنی ہر وقت ذکرِ قلبی یا زبانی میں مشغول رہے۔ یا یہ مراد کہ شیخ کا بتایا ہوا ذکر بتکلف کرے یہاں تک کہ حضور حاصل ہو جائے۔

۶۔ جب ذاکر کلمۂ توحید کا ذکر دل سے کرے تو ہر بار کلمۂ توحید کے بعد زبانِ دل سے کہے، 'خدایا میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا'۔

۷۔ دل کو خطرات و وساوس سے محفوظ رکھنے کی کوشش یا اس یقین کی محافظت کہ میرا مقصود خدا ہی ہے۔

۸۔ یادداشت سے مراد ہے دوامِ آگاہی۔ اگر اس دوامِ آگاہی میں اپنے وجود کا شعور بھی نہ رہے تو اسے فنا کہتے ہیں اور اگر اس بے شعوری کا شعور بھی نہ رہے تو اسے فنائے فنا، جمع الجمع یا عین الیقین بھی کہتے ہیں یا اس یادداشت سے مراد نگہداشت میں پختگی ہے۔

کی نسبت واردات بھی انہی تک پہنچتی ہے۔ حضرت ریوگری علیہ الرحمہ موضع 'ریوگر' میں پیدا ہوئے جو بخارا کے نواح میں، بخارا سے چھ فرسنگ اور غجدوان سے ایک فرسنگ شرعی کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اپنے شیخ کے وصال پر سجادۂ ارشاد پر بیٹھے۔ تا حیات عبادت و ریاضت اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے۔ آپ یگانۂ وقت اور نادرِ روزگار شخص تھے۔

وفات: آپ نے یکم شوال ۶۱۶ھ میں وصال فرمایا۔ مرقد مبارک ریوگر میں ہی ہے۔

۱۲۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا مقامِ ولادت موضع انجیر فغنہ ہے جو شہر بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلے پر ایک قصبے وابکنہ کا ایک گاؤں ہے۔ آپ کی رہائش وابکنہ میں تھی۔ وجہِ معاش گِل کاری تھی۔ آپ خواجہ عارف ریوگری کے خلیفہ تھے اور ان کے تمام اصحاب میں شرف و بزرگی والے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ عارف قدس سرہ کے اشارے کے مطابق ذکرِ جہر شروع کیا۔ مولٰینا حافظ الدین بخاری نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو ہشیار کر کے راہِ راست پر لانے اور توبہ و استقامت کی طرف رغبت دلانے کے لیے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ذکرِ جہر اس شخص کیلئے جائز ہے جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور جس کا حلق حرام و شبہہ اور دل ریا و سمعہ سے اور باطن توجہ بما سوا سے پاک ہو۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی رامیتنی نے جناب خضر علیہ السلام سے شیخِ کامل کی نشاندہی کے لیے عرض کیا تو انہوں نے حضرت خواجہ محمود کا نام لیا (رحمۃ اللہ علیہما)۔

وفات: حضرات خواجہ محمود قدس سرہ کی تاریخ وفات بعضوں نے ۱۷ ربیع الاول ۷۱۷ھ تحریر کی ہے۔ وابکنہ میں ہی آپ کا مزارِ اقدس بنا۔

۱۳۔ حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت بخارا شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر موضع رامیتن میں ہوئی۔ آپ خواجہ محمود قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ سلسلہ خواجگاں میں آپ کا لقب حضرت عزیزاں ہے۔ صنعت بافندگی کیا کرتے تھے۔ آپ رامیتن سے باورد میں تشریف لائے۔ ایک مدت تک یہاں کے لوگوں کو راہِ خدا بتاتے رہے۔ بعد ازاں شہر خوارزم میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں بھی ریاضت و مجاہدہ اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے اور بہت سے لوگ آپ کے دامانِ کرم سے وابستہ ہوئے۔ آپ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔

مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ میں نے بعض اکابر سے یوں سنا ہے کہ مولانا رومی کے شعرِ ذیل میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے:

گر نہ علمِ حال فوقِ قال بودے کے شدے
بندہ اعیانِ بخارا خواجۂ نساج را

(یعنی علمِ حال اگر قال سے بہتر نہ ہوتا تو سردارانِ بخارا خواجہ نساج (بافندہ) کے کب غلام بنتے)

وفات: آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک خواجہ محمد جو خواجہ خُرد کے نام سے مشہور تھے کیونکہ حضرت عزیزاں کے اصحاب حضرت عزیزاں کو خواجہ بزرگ کہا کرتے تھے اور خواجہ محمد کو

خواجۂ خرد۔ دوسرے خواجہ ابراہیم تھے جو چھوٹے تھے۔ جب حضرت عزیزاں کا وقتِ وصال قریب آیا تو آپ نے خواجہ ابراہیم کو اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ بعض نے بڑے صاحبزادے کی موجودگی میں جو عالم وعارف تھے، چھوٹے کی خلافت پر حیرانی کا اظہار کیا۔ حضرت نے ان کی کیفیتِ قلبی پر مطلع ہوکر فرمایا کہ خواجہ خرد ہمارے بعد زیادہ نہ ٹھہریں گے بلکہ جلد ہمارے پاس پہنچیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضرت عزیزاں کے وصال کے انیس روز بعد خواجہ خرد نے بروز دوشنبہ وقتِ چاشت، ۱۷ ذی الحجہ ۷۱۵ھ میں وفات پائی جبکہ خواجہ ابراہیم نے ۷۹۳ھ میں۔ حضرت عزیزاں نے ۲۸ ذی قعدہ ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک خوارزم میں بنا جو کہ مرجعِ خلائق ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے اپنی صنعت (بافندگی) کی مناسبت سے جواب دیا کہ توڑنا اور جوڑنا، یعنی ماسوا سے توڑنا اور حق تعالیٰ سے ملانا۔

(۲)۔ آیہ تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ (تحریم) میں اشارت بھی ہے اور بشارت بھی۔ اشارت ہے توبہ کرنے کی اور بشارت ہے اُس کے قبول کی۔ کیونکہ اگر قبول نہ کرتا تو توبہ کا امر نہ کرتا۔ امر دلیل ہے قبول کی، تردیدِ قصور کے ساتھ۔

(۳)۔ عمل کرنا چاہئے اور ناکردہ خیال کرنا چاہئے اور اپنے تئیں قصوروار کہنا چاہئے اور (بصورتِ نقصان) عمل کو از سرِ نو کرنا چاہئے۔

(۴)۔ دو وقت اپنے تئیں خوب نگاہ رکھنا چاہئے۔ بات کرتے وقت اور کوئی چیز کھانے کے وقت۔

(۵) آپ کی یہ رباعی مشہور ہے۔

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت   وزتو نرمید زحمتِ آب وگلت
ازصحبت وے اگر تبرا نکنی   ہرگز نکند روحِ عزیزاں بحلت

یعنی جس شخص کے پاس تو بیٹھا اور تیری دلجمعی نہ ہوئی اور تیری آب وگل کی کدورت تجھ سے دور نہ ہوئی، اگر تو اس کی صحبت سے بیزار نہ ہوگا تو عزیزاں کی روح تجھے کبھی معاف نہ کرے گی۔

۱۴۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ العزیز

آپ کا مولد موضع سماسی ہے جو رامیتن سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے (رشحات) یا مضافاتِ مشہد سے ہے (شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے مطابق)۔ اسی کی طرف نسبت کے سبب آپ کو سماسی کہتے ہیں۔ (ایک قول کے مطابق موضع 'سماس' کی نسبت سے سماسی ہیں)۔

طریقت میں آپ کا انتساب حضرت عزیزاں سے ہے۔ جنہوں نے اپنے وصال سے قبل خواجہ سماسی کو اپنی خلافت ونیابت کے لیے منتخب کیا اور تمام اصحاب کو ان کی متابعت کا حکم دیا۔

آپ پر محویت واستغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ چنانچہ اپنے ایک چھوٹے سے باغ میں کبھی تشریف لے جاتے اور انگور کی شاخوں کی تراش خراش کرنے لگتے تو ایک شاخ ہی کاٹتے کہ غلبہ حال کی وجہ سے آری آپ کے دستِ مبارک سے گر پڑتی اور آپ بیخود ہوجاتے۔ یہ صورتحال دیر تک رہتی۔ ہوش میں آکر پھر شاخِ انگور کو کاٹنے لگتے تو پھر وہی کیفیت طاری ہوجاتی۔

وفات: آپ کی تاریخِ وصال ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ ملتی ہے۔ مزار مبارک موضع سماسی میں ہے۔

۱۵۔ حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی شمس الدین ہے۔ صحیح النسب سید تھے۔ مولد قریہ سوخار ہے جو سماسی سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کلال کوزہ گر کو کہتے ہیں۔

ایامِ حمل میں اگر آپ کی والدہ کوئی مشتبہ لقمہ کھالیتی تھیں تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا، جب تک وہ لُقمہ باہر نہ آجاتا، آرام نہ آتا۔

آپ ابتدائے جوانی میں کُشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز خواجہ سماسی قدس سرہٗ کا گذر اکھاڑے پر ہوا۔ وہ ایک دیوار کے سائے میں ٹھہر کر حضرت امیر کے حالات میں محو ہو گئے۔ خدام نے پوچھا کہ اے مخدوم! آپ ان لوگوں میں جو بدعت میں مشغول ہیں، کس واسطے حیران ہیں۔ فرمایا کہ اُس میدان میں ایک مرد ہے اور اس صید گاہ میں ایک ایسا شکار ہے کہ کاملینِ زمانہ اس کی صحبت سے فیضیاب ہوں گے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر کی نظر خواجہ سماسی پر پڑی اور ان کے دل کا پرندہ خواجہ کی محبت کے جال میں آ پھنسا۔ بے اختیار ان کے پیچھے پیچھے ان کے دولتخانہ پر پہنچے۔ اسی روز حضرت خواجہ نے ان کو طریقہ عالیہ کی تلقین کی اور اپنی فرزندی میں قبول کرلیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کبھی کشتی کے دنگل اور بازار میں نہ دیکھے گئے۔ آپ بطریق خواجگان ریاضت میں مشغول رہے یہاں تک کہ حضرت بابا کی تربیت کے سایہ میں درجۂ تکمیل وارشاد پر پہنچے۔

جب امیر تیمور نے سمرقند میں قیام کیا تو ایک قاصد کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ہمارے ہاں قدمِ رنجہ فرمائیں۔ آپ نے انکار کیا۔ اس نے بخارا کی امارت آپ کے صاحبزادے امیر عمر کے ذریعے دینا چاہی، آپ نے نہیں لی۔ ایک اور موقع پر امیر تیمور دعا ونصیحت کا طلبگار ہوا۔ آپ نے اپنے ایک محرم شیخ منصور کے ذریعے پیغام بھیجا کہ مشائخ بخارا کی ارواحِ طیبہ نے مملکتِ خوارزم تمہیں عطا کر دی ہے۔ تم بے توقف سوار ہو کر وہاں پہنچو۔ امیر تیمور نے ایسا ہی کیا اور خوارزم سے مظفر ومنصور واپس آیا۔

وفات: مرضِ اخیر میں حضرت امیر نے اپنے اصحاب کو حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ عنہ کی متابعت کا حکم دیا۔ سفینۃ الاولیاء میں حضرت امیر قدس سرہٗ کا سنِ وفات روز پنجشنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ مذکور ہے۔ (جبکہ انوارِ لاثانی میں ۱۵ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ رقم ہے)۔ مزارِ پُر انوار 'سوخار' میں ہے۔ آپ کے ایک سو چودہ خلفاء تھے۔

کلمات قدسیہ: (۱)۔ فرمایا کہ ارادت کیا ہے؟ ارادت خدا کی طلب، ترکِ عادت، وفائے عہد، ادائے امانت، ترکِ خیانت اپنی تقصیر کی دید اور اپنے عمل کی نادید کا نام ہے۔

(۲)۔ چاہئے کہ تم علماء کی خدمت میں رہو اور ان کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ وہ اُمّتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چراغ ہیں۔ جاہلوں اور ان کی صحبت سے دور رہو اور دنیا داروں سے صحبت نہ رکھو کیونکہ ان کی صحبت تم کو خدا سے دور رکھتی ہے۔

۱۶۔ امام الطریقہ حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز

آپ کی ولادت ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ میں ''قصرِ عارفاں'' میں ہوئی جو شہر

بخارا سے محض ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ طریقہ نقشبندیہ آپ ہی سے منسوب ہے۔ پہلے اسے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے صدیقیہ، پھر حضرت بایزید علیہ الرحمہ کی وجہ سے طیفوریہ اور پھر حضرت خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمہ کی نسبت سے خواجگانیہ کہتے تھے۔ خواجۂ نقشبند کا شجرۂ نسب پچیس واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔

حضرت بابا سماسی کوشک ہندواں سے گذرتے تو فرماتے ’از یں خاک بوئے مردے می آید زود باشد کہ کوشک ہندواں قصرِ عارفاں شود‘۔ یعنی اس زمین سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے، جلد ہی کوشک ہندواں، قصرِ عارفاں بننے والا ہے۔ ایک روز بابا سماسی حضرت امیر کلال کے مکان سے کوشک ہندواں (قصرِ عارفاں) کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا، ’وہ خوشبو اب زیادہ ہوگئی ہے اور بے شک وہ مرد پیدا ہوگیا ہے‘۔ اس دن آپ کی ولادت کو تین دن ہو چکے تھے۔ آپ کے جدِّ امجد آپ کو حصولِ برکت وتوجہ کے لیے خواجہ سماسی کی خدمت میں لائے۔ انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا، ’یہ وہی مرد ہے، جس کی ہم نے خوشبو سونگھی تھی، یہ اپنے وقت کا مقتدا ہوگا‘۔ نیز اپنی فرزندی میں قبول کر کے حضرت امیر کلال کو فرمایا، ’تم میرے فرزند بہاؤالدین کے حق میں شفقت وتربیت سے دریغ نہ کرنا، اس سلسلے میں تمہاری کوتاہی معاف نہیں ہوگی‘۔ حضرت امیر نے کھڑے ہوکر اور ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا، ’اگر کوتاہی کروں تو مرد نہیں‘۔ مناسب وقت آیا تو حضرت امیر کلال نے آپ کی تربیت میں پوری ہمت صرف کر دی۔ پھر آپ کی بلندیٔ استعداد کے پیشِ نظر دوسرے چشمہ ہائے فیض سے بھی سیراب ہونے کی پرزور تلقین فرمائی۔ چنانچہ سات سال مولینا

عارف دیک کرانی کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں حضرت قثم شیخ کی خدمت میں دو تین مہینے رہے۔ پھر بارہ سال حضرت عطا کے پاس رہے اور بہت کچھ حاصل کیا۔ (رحمۃ اللہ علیہم)۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمہ کی روحانیت بھی آپ کو دولتِ عرفان سے مالا مال کرتی رہی۔ چنانچہ آپ کی روحانیت کا جواب نہیں۔ اللہ کریم نے جو مقام رفیع آپ کو عطا کیا تھا، بڑے بڑے اولیاء اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ آپ سے لاتعداد کرامات کا ظہور ہوا۔ لمحہ بھر میں دشمن کی قید سے قیدی کو چھڑا لانا، چوری شدہ مال کی متاثرہ شخص کو خبر دینا، مردہ درویش کو زندہ کرنا، ماوراالنہر اور کئی علاقوں کی حکومت تبدیل کر دینا، حضرت درویش محمد زاہد کے بھاگے غلام کو واپس لے آنا، ایک ہی وقت میں متعدد جگہوں پر موجود ہونا، ندی کے بہنے کی سمت کو اشارہ سے تبدیل کر دینا، برف باری سے قبل اس کی اطلاع دے کر ایندھن جمع کروانا تا کہ حرارت حاصل ہو، ندی کے پانی پر سے خود بھی اور دیگر کو بھی چلتے ہوئے اس طرح پار کرانا کہ موزے تک نہ بھیگیں، قلیل طعام میں اس قدر برکت کہ لاتعداد کے لیے کافی ہو، سینکڑوں میل دور سے حضرت مولینا عارف کو آواز دے کر بلوالینا، اپنے درویش حضرت خواجہ محمد پارسا کی زبان سے کہلوا کر بارش کو روکنا، تنور میں دستِ مبارک کا داخل کرنا اور اس کا متاثر نہ ہونا وغیرہم تو مشہور کرامات ہیں، دیگر کا شمار بھی ناممکن ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ’جس شخص نے کسی روز ہمارا جوتا بھی سیدھا کیا ہے، ہم اُس کی شفاعت کریں گے‘۔

وفات: خواجہ علاؤالدین عطار کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کے وقت ہم سورۂ یٰسٓ پڑھ رہے تھے۔ جب سورت نصف ہوئی تو انوار ظاہر ہونے لگے۔ ہم کلمہ پڑھنے

میں مشغول ہوگئے۔اس کے بعد حضرت خواجہ کا سانس منقطع ہوگیا۔حضرت کی عمر شریف پورے تہتر سال کی تھی اور چوہترویں سال میں دوشنبہ کی رات ۳ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔مزار مبارک قصرِ عارفاں میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ پاک ہے، اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نماز مومنوں کی معراج ہے)۔یہ نمازِ حقیقی کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔

(۲)۔حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، روزہ میرے واسطے ہے۔یہ صومِ حقیقی کی طرف اشارہ ہے جو ماسوائے حق سے امساکِ کلی کا نام ہے۔

(۳)۔جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا، اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔حضرت خواجہ علاؤ الدین علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اس کلمہ قدسیہ سے حضرت خواجہ کی مراد یہ ہے کہ عارف پر اشیاء کا ظاہر ہونا اُس کی توجہ پر موقوف ہے۔

(۴)۔مشائخ کہتے ہیں، 'مجاز حقیقت کا پُل ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ تمام عباداتِ ظاہری، قولی ہوں یا فعلی، مجاز ہیں۔جب تک سالک ان سے نہ گذرے گا، حقیقت کو نہ پہنچے گا۔

(۵)۔اولیاء کو اسرار پر آگاہی ہے اور آگاہی دی جاتی ہے۔لیکن وہ بغیر اجازت کے ان کو ظاہر نہیں کرتے۔کہتے ہیں کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ اسے چھپاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ شور مچاتا ہے۔اسرار کا چھپانا ابرار کا کام ہے۔

(۶)۔ہم نے جو کچھ پایا، وہ بفضلِ الٰہی قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے اور اس عمل

سے، نتیجہ طلب کرنے سے اور تقویٰ وحدودِ شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھنے سے اور عزیمت پر اور طریقہ اہلِ سنت وجماعت پر چلنے سے اور بدعت سے پرہیز کرنے سے پایا۔

۱۷۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ

آپ کا اسمِ گرامی محمد بن محمد بخاری ہے۔صحیح النسب سید ہیں۔حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعظم اور نائبِ مطلق تھے۔حضرت خواجہ نے بہت سے طالبوں کو اپنی زندگی میں ان کے سپرد کردیا تھا۔طالبعلمی میں ہی آپ کا عقد حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے ہوگیا۔جب طریقِ حق کی طلب آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو علومِ رسمی کا مطالعہ چھوڑ کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طریقہ اخذ کیا۔حضرت خواجہ کی آپ پر نظرِ خاص تھی۔مجالس میں آپ کو اپنے پاس بٹھاتے اور بار بار آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔بعضوں کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں ان کو اپنے پاس بٹھاتا ہوں تاکہ ان کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ان کے نفس کا بھیڑیا گھات میں ہے، اس لیے میں ہر لحظہ ان کا حال دریافت کرتا رہتا ہوں۔یوں حضرت خواجہ کی توجہاتِ عالیہ سے آپ بہت جلد درجۂ کمال پر پہنچے۔

حضرت سید شریف جرجانی جو آپ کے اصحاب میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین کی صحبت میں نہ پہنچا رفض سے رہائی نہ پائی اور جب تک خواجہ علاؤالدین عطار کی صحبت سے مشرف نہ ہوا، میں نے خدا کو نہ پہچانا۔

آپ کا خاص طریقہ ہے جسے علائیہ کہتے ہیں۔اس کا ذکر امامِ ربانی سیدنا مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ القوی نے اپنے مکتوبات (دفتر اول، مکتوب ۲۹) میں بالتفصیل کیا ہے۔

بخارا میں علماء کی ایک جماعت کے درمیان رؤیت باری تعالیٰ میں مباحثہ ہوا۔ انہوں نے بالاتفاق خواجہ علاؤالدین کو ثالث تسلیم کیا اور آپ کے پاس آ کر طالبِ فیصلہ ہوئے۔ آپ نے منکرینِ رؤیت سے جو مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے، فرمایا کہ تم تین دن چپ چاپ باوضو ہماری صحبت میں رہو، بعد ازاں ہم فیصلہ دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز کے آخر میں ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش میں آئے تو نہایت نیاز مندی سے عرض کرنے لگے کہ ہم رؤیتِ حق پر ایمان لائے۔ اِس کے بعد وہ کبھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے۔

وفات: آپ مرضِ وصال میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند علیہ الرحمہ کو موجود دیکھتے اور ان سے گفتگو کرتے تھے۔

بروز دوشنبہ ۲ رجب ۸۰۲ھ میں آپ کی طبع مبارک ناساز ہوگئی اور چارشنبہ کی رات ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ میں نمازِ عشاء کے بعد وصال فرمایا۔ مزار مبارک قصبہ چغانیاں میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ اہل اللہ کی صحبت سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس سنت پر خصوصاً وعموماً ہمیشگی کرو۔

(۲)۔ اہل اللہ کی صحبت میں ہمیشہ رہنا عقل معاد کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

(۳)۔ اپنے آپ سے غیبت اور حق سبحانہٗ کے ساتھ حضور بقدر عشق کے ہوتا ہے اور افراطِ محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عشق جس قدر زیادہ ہو، اُسی قدر عاشق کو اپنے آپ سے

غیبت اور معشوق کے ساتھ حضور زیادہ ہوتا ہے۔

۱۸۔ حضرت مولٰنا یعقوب بن عثمان چرخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمہ کے اجل اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کی سکونت موضع چرخ (علاقہ غزنی) میں تھی۔ ابتدائے احوال میں کچھ مدت جامع ہرات میں اور کچھ مدت دیارِ مصر میں تحصیلِ علم میں مشغول رہے ہیں۔ علومِ ظاہری سے فراغت پانے کے بعد سلوک کا خیال آیا تو حضرت خواجہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ اور جب حضرت خواجہ نے آپ کو بخارا سے سفر کی اجازت دی تو اشارۃً حضرت علاؤالدین قدس سرہٗ کی متابعت کا حکم دیا۔ آپ بخارا سے شہر 'کش' (یہ موضع دیہاتِ اصفہان میں سے ہے۔ بعض ماوراء النہر میں بتاتے ہیں)، تشریف لائے، کچھ عرصہ یہاں مقیم رہے۔ یہیں آپ کو حضرت خواجہ کے وصال کی خبر ملی جس پر آپ نے شدید رنج وصدمہ محسوس کیا۔ پھر آپ اپنے شیخ کے حکم پر حضرت عطار قدس سرہٗ کی صحبت میں چغانیاں چند سال رہے۔ وہ آپ پر نہایت مہربان تھے۔ پھر آپ نے تاحیات خلقِ خدا کی اصلاحِ احوال کے لیے اپنی بہترین کاوشیں بروئے کار لائیں اور ایک زمانہ آپ سے مستفید ہوا۔ آپ نے قرآنِ پاک کے آخری دو پاروں کی تفسیر لکھی جس کے مطالعہ سے بڑا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ رسالہ اُنسیہ بھی آپ کی تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے حضرت خواجہٗ نقشبند قدس سرہٗ کے حالات درج کیے ہیں۔

وفات: آپ نے ۵ صفر ۸۵۱ھ میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک 'حلفتو' میں واقع ماوراء النہر کے مضافات میں سے ہے۔

۱۹۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی عبیداللہ جبکہ لقب ناصرالدین اور خواجۂ احرار ہے۔آپ رمضان ۸۰۶ھ میں یاغستان جوتاشکند (واقع توران) کے مضافات سے ہے، میں پیدا ہوئے۔تولد کے بعد چالیس دن تک آپ نے ماں کا دودھ نہ پیا۔لڑکپن ہی سے رُشدو سعادت کے آثار اور قبول وعنایتِ الٰہی کے انوار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔بچپن سے ہی مزاراتِ مشائخ پر حاضری کی ابتدا ہو چکی تھی۔آپ کا علمِ لدُنّی بڑے بڑے علماءِ ظاہر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا تھا۔متعدد بزرگوں سے کسبِ فیض کرنے کے بعد حضرت یعقوب چرخی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔خواجہ چرخی علیہ الرحمہ نے فرمایا؛ طالب کو کامل کی بارگاہ میں خواجہ عبیداللہ کی طرح آنا چاہئے کہ چراغ اور تیل بتی سب تیار ہے۔اپنے شیخ سے رخصت پا کر پھر ہرات میں آئے اور کم وبیش ایک سال وہاں رہے۔بعدازاں انتیس سال کی عمر میں وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔یہاں آکر زراعت شروع کی، ربِ اکرم نے آپ کے مال ومنال، گلہ ومواشی اور اسباب و املاک میں بے اندازہ برکت دی مگر یہ سب کچھ درویشوں کے لیے تھا۔آپ نے مولانا نظام الدین خلیفہ خواجہ عطار کی پیشگوئی کے مطابق کئی بادشاہوں کو سیدھا کیا۔

وفات: آپ کی تاریخِ وصال شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ ہے۔بروقتِ وصال دونوں ابروئے مبارک کے درمیان سے ایک نور چمکتی بجلی کی طرح نمودار ہوا۔حاضرین نے اس نور کا مشاہدہ کیا۔مزارِ اقدس محوطہ ملایاں (محلّہ خواجہ کفشیر) میں ہے۔آپ کی اولاد بزرگوار نے آپ کی مرقد مبارک پر عالیشان عمارت تعمیر کرائی اور قبر مبارک کو

نہایت عمدہ وضع پر بنایا۔

کلمات قدسیہ: (۱)۔آپ فرماتے تھے کہ اگر تمام احوال (حال کی جمع۔حال وہ ہے جو سالک کے دل پر بغیر اکتساب کے وارد ہوتا ہے۔مثلاً خوشی یا غم یا قبض یا بسط وغیرہ۔حال جب دائم ہو اور ملکہ بن جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔یعنی احوال مواہب ہیں اور مقامات مکاسب۔احوال عین جود سے جبکہ مقامات مجہود سے حاصل ہوتے ہیں) اور مواجید (وجد کی جمع۔وجد وہ ہے جو سالک کے دل پر بغیر تکلف وتصنع کے وارد ہو۔یہ اوراد ووظائف پر بفضلِ الٰہی مترتب ہوتے ہیں) ہمیں عطا کیے جائیں اور ہمیں اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے بجز خرابی کچھ نہیں سمجھتے۔اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کی جائیں اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے سرفراز فرمایا جائے تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔

(۲)۔ہماری زبان دل کا آئینہ ہے۔اور دل روح کا آئینہ ہے اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ ہے اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا آئینہ ہے۔حقائقِ غیبیہ غیب ذات سے دور دراز فاصلے طے کر کے زبان پر آتے ہیں۔اور یہاں صورتِ لفظی قبول کر کے مستعدانِ حقائق کے کانوں میں پہنچتے ہیں۔

(۳)۔ظاہری وباطنی فائدہ جس جگہ پائے اسے اپنے پیر کی برکت سے سمجھے۔

(۴)۔محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد اولیاءاللہ ترقی کرتے ہیں

(۵)۔شریعت،طریقت،حقیقت تین چیزیں ہیں۔ظاہر پر احکام کا جاری کرنا شریعت ہے،جمعیتِ باطن میں تعمل وتکلف طریقت ہے اور اس جمعیت میں رسوخ حقیقت ہے۔

۲۰۔ حضرت مولانا محمد زاہد وخشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ یعقوب چرخی علیہ الرحمہ کے نواسے ہیں۔ ذکر کی تلقین انہی کے کسی خلیفہ سے حاصل کی۔ آپ کا انتساب طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ احرار علیہ الرحمہ سے ہے۔ خواجۂ احرار کی شہرت سنی تو حصار سے سمرقند کو روانہ ہوئے اور یہاں آ کر محلّہ وانسرا میں ٹھہرے۔ خواجۂ احرار نے جو یہاں تین کوس دور اپنی اقامت گاہ پر تھے، بذریعہ کشف معلوم کرلیا۔ عین بوقتِ دوپہر آپ نے فرمایا کہ سواری کا اونٹ لاؤ۔ آپ بمعہ مریدین استقبال کے لیے نکلے۔ اونٹ کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ جب حضرت مولانا کی قیام گاہ کے پاس پہنچے تو اونٹ خود بخود رک گیا اور حضرت اتر پڑے۔ حضرت مولانا سن کر دوڑے آئے اور قدمبوسی کی۔ پھر خلوت میں اپنے واردات و معاملات و مقامات حضرت کے آگے پیش کئے اور بیعت کی خواہش کی۔ حضرت نے آپ کو بیعت کر کے اسی مجلس میں درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور خلافت عطا کر کے وہیں سے رخصت کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت خواجہ کے عظیم تصرّف اور حضرت مولانا کے کمالِ استعداد و لیاقت پر دلالت کرتا ہے۔

وفات: حضرت مولانا محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال موضع 'وخش' (نواح بلخ میں ختلان کا ایک شہر۔ معجم البلدان) میں ربیع الاوّل ۹۳۶ھ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

۲۱۔ حضرت مولانا درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ محمد زاہد علیہ الرحمہ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ ابتدا میں پندرہ

سال بحالتِ تجرید و تفرید بے خور و خواب بیابانوں میں سفر کیے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی پر اپنے ماموں کی بارگاہ میں بیعت ہوئے۔ درجۂ تکمیل کو پہنچے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے مستقل نائب ہوگئے۔ زُہد و تقویٰ، عمل بعزیمت اور حفظِ نسبت میں آپ عظیم شان کے مالک تھے۔ اپنے حالات کو چھپانے کا خصوصی التزام تھا، چنانچہ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ نورالدین خوافی علیہ الرحمہ نے علاقے کے لوگوں میں آپ کو محض ایک مُلّا کے طور پر متعارف دیکھا تو رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کیسے اندھے اور مُردہ دل ہیں جو ایسے درویشِ کامل سے فائدہ و فیض حاصل نہیں کرتے، جب ان شیخِ ہردلعزیز کا یہ کلام مشہور ہوا تو ہر طرف سے طالبانِ طریقت آ کر آپ کے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ تاہم آپ تا حیات گوشہ نشینی اور گُمنامی کی لذّت کو یاد کیا کرتے تھے۔

آپ کے دور میں شیخ حسین خوارزمی کبروی کا بھی خاصا شہرہ تھا۔ جو درویش ان کے پاس آتا نسبت سلب کرلیتے۔ وہاں کے مشائخ ان کے سامنے گویا بے دست و پا تھے۔ ایک مرتبہ وہ حضرت مولانا درویش محمد علیہ الرحمہ کے شہر سے گذرے تو حضرت مولانا نے ان کی نسبت اپنے تصرّف سے سلب کر لی۔ انہوں نے معلوم ہونے پر نہایت انکساری سے عرض کیا کہ مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اقلیم آپ کے زیرِ حکومت ہے، اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ حضرت مولانا کو ان شیخ پر رحم آیا اور سلب شدہ نسبت واپس دے دی۔

وفات: آپ کی تاریخِ وصال روز پنجشنبہ ۱۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ ہے۔ مزار شریف موضع

اسقرار میں ہے جو شہر سبز واقع ماوراء النہر کا مشہور موضع ہے۔

۲۲۔ حضرت مولانا خواجگی اِمکنگی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مبارک خواجگی ہے، جس کے لفظی معنی 'منسوب بہ خواجہ' ہیں۔ آپ بخارا کے موضع 'اِمکنہ' میں رہتے تھے، اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے آپ کو 'اِمکنگی' کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور خلیفہ برحق تھے۔ انہوں نے ہی آپ کی ظاہری و باطنی تربیت فرمائی اور درجۂ تکمیل پر فائز کیا۔

آپ تیس برس تک مسندِ خلافت پر رونق افروز رہے۔ معمّر ہونے کے باوجود مہمانوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے کھانا خود لاتے بلکہ بسا اوقات مہمانوں کے خدام اور سواریوں کی بھی خود نگہداشت فرماتے تھے۔

آپ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز کے اصل طریقہ کے پابند تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ درجۂ کمال کو پہنچا ہوا اور کرامات و خوارق کا کثرت سے ظہور ہوتا تھا۔ تاہم آپ کو اپنے احوال کا اخفا عزیز تھا۔ طالبانِ طریقت کے مرجع تھے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء اور امراء و فقراء آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور بامراد لوٹتے۔ بلکہ بادشاہانِ وقت آپ کے درِ اقدس کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔

عبداللہ خان والیٔ توران نے خواب میں آپ کو دربارِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دربانی کرتے دیکھا تو نیازمندانہ آپ کی خدمت میں ہر صبح حاضری دیتا رہا۔

وفات: آپ نے وصال سے چند روز قبل اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کو

ایک خط لکھا جس میں یہ دو شعر تحریر فرمائے:

زماں تا زماں مرگ یاد آیدم — ندانم کنوں تا چہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرا از خدا — دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

ترجمہ: زماں تا زماں مرگ مجھے یاد آ رہی ہے۔ کیا خبر کہ وہ کب پیش آئے گی۔ مجھے میرے خدا سے جدائی منظور نہیں، باقی جو کچھ بھی مجھے درپیش ہو، منظور ہے۔

اس خط کے پہنچتے ہی حضرت کی وفات کی خبر خواجہ ممدوح کو پہنچی۔ اس وقت عمر نوّے برس تھی۔ ۲۲ شعبان ۱۰۰۹ھ تاریخِ وصال ہے۔ مزارِ اقدس اِمکنہ میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ درویشوں نے جو کمالات حاصل کیے ہیں وہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے کیے ہیں۔ لہٰذا ان سے کوئی کام خلافِ شریعت صادر نہیں ہوتا۔

(۲)۔ امرِ مباح (یہاں مراد طلبِ کرامت) کی نیت سے بھی درویشوں کے پاس نہیں آنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کاموں کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے اور آنے والے بداعتقاد ہو کر ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فقراء کے ہاں کرامتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے پاس خالصتاً لوجہ اللہ آنا چاہئے تاکہ فیضِ باطنی کا کچھ حصّہ ملے۔

۲۳۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز

حضرت خواجہ محمد باقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں کابل میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشی رحمۃ اللہ علیہ اربابِ

فضل و صفا سے بڑے بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ باقی قدس سرہٗ کو حضرت مولانا خواجگی اِمکنگی سے خلافت ہے۔ بچپن ہی سے بزرگی وہمّت کے آثار آپ کی پیشانی مبارک سے نمایاں تھے۔ گوشہ نشینی کا آغاز اسی دور سے ہو چکا تھا۔ علومِ رسمی کی تعلیم مولانا صادق حلوائی سے حاصل کی جو اس زمانہ کے علماءِ کبار سے تھے۔ پھر مردانِ خدا کی تلاش میں ماوراء النہر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر دلی اور لاہور کے سالکوں اور مجذوبوں سے ملاقات کی اور فیض پایا۔ ایک ایسے ہی سفر میں تھے (ماوراء النہر کے ایک شہر کی طرف) کہ حضرت خواجگی قدس سرہٗ نمودار ہوئے اور فرمایا ’اے فرزند چشمِ ما براہ شما است‘ (ہماری آنکھ تمہاری راہ پر لگی ہوئی ہے)۔ آپ نے کیف وسرور کے عالم میں بے ساختہ جواب دیا:

مے گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں
عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت

یعنی میں غم سے آزاد پھر رہا تھا کہ اچانک ایک عالم آشوب نظر نے
گھات سے نکل کر سرِ راہ ہی مجھے گرفتار کرلیا۔

قصہ کوتاہ آپ نے مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عنایات ورعایات حاصل کیں۔ آپ کے احوالِ حاصلہ سن کر انہوں نے تین دن رات آپ کو اپنی صحبت میں رکھا۔ پھر فرمایا، ’تمہارا کام بعنایتِ الٰہی اس سلسلہ عالیہ کے اکابر کی روحانیت سے انجام کو پہنچا ہوا ہے، اب تم پھر ہندوستان جاؤ تا کہ تمہارے ذریعہ سے یہ سلسلہ عالیہ فروغ پائے۔ ان کے حکم پر استخارہ جو کیا تو وہ بھی اسی کے موافق پایا چنانچہ ہندوستان میں آگئے۔ سال بھر تک لاہور کو مستفید کرنے کے بعد دہلی کا رُخ کیا۔ محض تین چار سال میں ہندوستان میں روحانی وایمانی انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ جسے دیکھتے

تڑپ کر رہ جاتا۔

تحمل و بردباری کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ جانثاروں کی ایک فوج ہمراہ ہوتی، مگر کوئی سختی سے پیش آتا تو بھی نہایت مہربانی سے پیش آتے اور کسی جانثار کو تلخ کلامی تک نہ کرنے دیتے۔ شفقت ورحمت کا یہ ماجرا تھا کہ ایک دفعہ لاہور میں قحط پڑا، آپ یہیں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ ماحضر کو بھوکوں کے لیے بھیج دیتے اور قوّتِ روحانی پر گذارا کرتے۔

تواضع وانکساری اپنی آخری حدوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ کوئی آپ کی بزرگی کا شہرہ سن کر حاضرِ خدمت ہوتا تو فرماتے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔

اگرچہ ابتدا سے انتہا تک بڑے بڑے عظیم الشان حالات آپ پر وارد ہوئے تاہم آپ کی بلند ہمّت نے کسی ایک حال وکشف پر قناعت نہ کی۔ بلکہ باوجود کمال کے آپ ہمیشہ اپنی نایافت کا اظہار فرماتے تھے۔ اور عین بحرِ وصال میں خشک لب وتشنہ رہتے تھے جیسا کہ آپ کی اس رباعی سے معلوم ہوتا ہے:

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود — تا جاں باقیست درطلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند
گم باید کرد وخشک لب باید بود

خدا نے آپ کو مجسّمۂ ہیبت ورعب بنا رکھا تھا، لوگ چہرہ مبارک دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتے تھے۔ شیخ تاج الدین جو آپ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، کا بیان ہے کہ ایک دن ہمارے خواجہ عجیب کیفیت کے ساتھ دریا کے ساحل کی طرف متوجہ ہوئے (دہلی میں قلعہ فیروزی میں آپ کی سکونت تھی جو نہایت دلکشا اور ساحلِ سمندر پر

واقع تھا۔زمانِ وفات تک آپ یہیں سکونت پذیر رہے)۔قبا کے بند کھلے ،سینہ ننگا،عمامہ پریشان، چہرہ مبارک سے شکستگی اور قلق واندوہ کے آثار نمایاں۔آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں آپ کے پیچھے ہولیا۔جب آپ کو میری موجودگی کا احساس ہواتو نہایت آہ ودرد کے ساتھ فرمایا کہ تاج!اس قدر واردات اور احوال اور فیوضات اور انوار واسرار مجھ پر وارد ہورہے ہیں کہ اگر یہ دریا سیاہی ہوجائے تو ان کے لکھنے کے لیے ناکافی ہو،مگر مجھے ان سے کیا کام۔میرا مطلوب دید ودانش سے دور ہے:

طلب بے چون ومطلب ہیچ گونہ
نہ آں را شبہ وزایں را نمونہ

آپ محض دوتین سال درویشوں کی تربیت میں مشغول رہے۔جب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ آپ کی عنایات سے درجۂ کمال پر پہنچ گئے تو آپ اربابِ ارادت کی تعلیم وصحبت سے کنارہ کش ہوگئے اور ان کو حضرت مجدد کے حوالہ کرکے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔لیکن اس دوتین برس کے عرصہ میں لاتعداد بندگانِ خدا آپ کے خوانِ دولت سے بہرہ ور ہوئے۔آپ کے فیوض و برکات پورے ہندوستان اور باہر پھیل گئے۔سلسلہ نقشبندیہ جواس سے قبل مسافرانہ حالت میں تھا،آپ کے ذریعے پورے طور پر رائج ہوگیا۔آج تک آپ کے آثار وبرکات روزافزوں ہیں۔

وفات: آپ نے ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ میں وصال فرمایا جبکہ عمرِ عزیز چالیس برس تھی۔مزارِ پُرانوار دِلّی میں ہے۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ہمارے طریقے کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔اہلِ سنّت

وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا، دوام آگاہی اور عبادت۔اگر کسی شخص کی ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل وفتور آجائے تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ہم عزّت کے بعد ذلّت اور قبول کے بعد ردّ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۲)۔توکل یہ نہیں کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھ رہیں۔کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔بلکہ سبب مشروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہئے اور نظر سبب پر ہی نہ رکھنا چاہئے، کیونکہ سبب مثل دروازے کے ہے جو حق سبحانہٗ نے مسبب پر پہنچنے کے لیے بنایا ہے۔اس صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کرلے کہ خدا اوپر سے پھینک دے گا تو یہ اس کی بے ادبی ہے کیونکہ دروازہ خدا ہی کا بنایا ہوا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ کھلا ہے۔کھلے ہوئے کو بند نہ کرنا چاہئے۔بعدازاں اُسے اختیار ہے، چاہے دروازے سے بھیجے یا اوپر سے پھینک دے۔

☆☆☆☆☆☆☆

۲۴۔امامِ ربّانی حضرت سیدنا مجدّد الف ثانی قدس سرہ القوی

آپ کی ولادت باسعادت شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو شہر سرہند میں ہوئی۔مکتب میں حفظِ قرآنِ پاک کے بعد اکثر علوم متداولہ اپنے والدِ ماجد سے حاصل کیے۔اس کے بعد سیالکوٹ آکر معقولات حضرت مُلّا کمال کشمیری سے اور کتبِ حدیث مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔نیز کتب تفسیر و حدیث اور قصیدہ بُردہ وغیرہ کی اجازت حضرت قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی۔(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

غرض سترہ سال کی عمر میں تمام مروّجہ علوم سے فارغ ہوکر اپنے والدِ بزرگوار

کے ہاں تدریس میں مشغول ہوئے۔ اسی زمانہ میں رسالہ تہلیلیہ، اثبات النبوۃ اور رسالہ ردّ روافض جیسی مفید اور بلیغ کتابیں لکھیں۔ آگرے بھی تشریف لے گئے جہاں ابوالفضل اور فیضی جیسے لوگوں کو بھی آپ کی علمی برتری کا اعتراف کرنا پڑا۔

طریقت میں قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کے علاوہ دیگر سلاسل مثلاً شطاریہ، مداریہ، کبرویہ وغیرہ میں بھی اپنے والدِ ماجد سے خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی آکر خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دامانِ رحمت سے (سلسلہ نقشبندیہ میں) وابستہ ہوگئے۔ یہ واقعہ ۱۰۰۸ھ کا ہے جبکہ آپ زیارتِ حرمین کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں دہلی میں ان کی زیارت ہوئی، چنانچہ تین ماہ رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جو اور لوگ برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ حضرت خواجہ باقی کی ہندوستان میں تشریف آوری سے مقصود آپ ہی کی تکمیل تھی۔ آپ کی عظمتِ شان پر روشن گواہ آپ کے والدِ ماجد شیخ عبدالاحد سرہندی کا خواب، حضرت خواجگی اِمکنگی، حضرت احمد جام اور شاہ کمال کیتھلی کی پیشگوئیاں نیز حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا جبّہ ہے جو آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی اولاد میں بطور امانت پھرتا رہا، یہاں تک کہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی کے ذریعے حضرتِ مجدد تک پہنچا۔

ہزار سال کے مجدّد: آپ ایک صدی کے بجائے پورے (دوسرے) ہزار سال کے مجدد ہیں۔ قیومیت کا خلعت بھی آپ کو پہنایا گیا۔ آپ کی انقلابی کاوشوں سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے 'جامع الجوامع' میں یہ حدیث نقل کی ہے:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُل "یُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ" یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ کَذَا وَ کَذَا

ترجمہ: میری اُمّت میں ایک وہ شخص ہوگا جسے 'صلہ' کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنّت میں داخل ہوں گے۔

تمام علماءِ ظاہر و باطن کے نزدیک اس کا مصداق حضرت مجدّد ہیں۔ جو کہ خود فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَ مُصْلِحاً بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۶)

ترجمہ: حمد اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں (شریعت و طریقت) کو ملانے والا اور دو گروہوں (علماء و صوفیاء) میں اصلاح کرنے والا بنایا۔

طبقۂ علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا تبحرِ علمی مشہور تھا، پہلے عالم ہیں جنہوں نے آپ کو 'مجدد الف ثانی' لکھا۔ (دلائل التوحید)

نسب: نسباً آپ فاروقی ہیں، دیکھئے:

شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین علی ملقب بہ فرخ شاہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ

عبداللہ الواعظ الاصغر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المومنین عمرِ فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین

فضل وکمال: آپ کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں جو فقراتِ مدحیہ فرمائے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ایک روز فرمایا کہ ’’آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں‘۔دوسرے موقع پر فرمایا کہ ’آج آسمان کے نیچے صوفیاءِ کرام میں کوئی آپ جیسا نہیں‘۔ایک مرتبہ فرمایا کہ ’صحابہ اور کامل تابعین ومجتہدین کے بعد اخص الخواص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں‘۔ربِّ کریم کا خصوصی لطف وکرم جو آپ کے شاملِ حال تھا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے اور وہ بھی حضرتِ مجدّد کی اپنی زبانی:

’’یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی۔اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا۔اس اثنا میں بحکمِ حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہ (جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی، اللہ نے اس کو بلند فرمایا)۔اس دورافتادہ کو مذلّت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ ندا اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور ان کو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔بار بار یہ بشارت دی گئی۔یہاں تک کہ شک کی گنجائش نہ رہی۔والحمد لِلّٰہ سبحانہٗ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ وکما یحب ربنا و یرضی والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمّد واٰلہٖ کما

یحویٰ۔بعدازاں اس واقعہ کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

اگر پادشہ بر در پیر زن

بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشاہ پیر کے دروازے پر آئے ، تو آ اے خواجہ سستی مت کر)

انّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃ ‘‘ (رسالہ مبداء ومعاد)

مدارج عرفان کے اس عروج پر پہنچ گئے کہ آخر میں خود حضرت باقی باللہ علیہ الرحمہ آپ کے حلقہ میں بیٹھ کر توجّہ پاتے۔

حُبّ واتّباعِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم: آپ پر حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبّت کا غلبہ اس قدر تھا کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا:

’’محبّت آنسرور بہ نہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست مے دارم کہ ربّ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم است‘‘۔(رسالہ مبداء ومعاد)

ترجمہ: آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبّت اس طرح غالب آ گئی ہے کہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمّد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا رب ہے۔

محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا لازمی نتیجہ اتّباعِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے، چنانچہ شیخ فرماتے ہیں:

’’ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ واٰلہ

وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں قائم ہیں"۔ (حضرات القدس ص۔۱۷۰)

تجدیدی کارنامے: آپ کے تجدیدی کارناموں کا بیان از حد طوالت طلب ہے، یہاں اتنا سمجھ لیں کہ مؤرخین کا اجماع ہے کہ اگر آپ کی ذاتِ مقدسہ سرزمینِ ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو اکبر کے نئے نام نہاد "دینِ الٰہی" کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب لکھا:

"آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر ہورہا ہے اور قلب وروح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے۔ یا اِلٰہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں، ان سب کی گردنوں پر حضرتِ مجدد کا بارِ منت ہے۔ اگر حضرتِ مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو مساجد میں اذانیں نہ ہوتیں، نہ مدارسِ دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ"۔

(سیرت مجدد الف ثانی تقدیم ص۱۰)

آپ نے اپنے تربیت یافتہ خلفا کے ذریعے بھی عظیم الشان تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے۔ حضرت کے محض ایک سال (چودھویں) کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے:

تجدید کے چودھویں سال حضرت نے اپنے خلیفے بغرضِ ہدایتِ خلق دنیا کے اطراف

میں روانہ کیے۔ چنانچہ ستر اہلِ ارادت بسر کردگی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان وقبچاق کو بھیجے اور چالیس ارادتمند یمن، شام اور روم کی طرف بسر کردگی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے اور اپنے دس معتبر مولانا صادق کابلی کے تحت میں کاشغر کی طرف روانہ کیے۔ تین بڑے خلیفوں کو بسر کردگی مولانا شیخ احمد برکی توران، بدخشاں اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفا کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر وزیر بادشاہ تک حضرت کے خلفاء کے مرید بن گئے۔ خراسان، بدخشاں اور توران میں تو طریقہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں۔ یہاں تک کہ عبداللہ خان اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا، حضرت کا ایسا معتقد ہوگیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرتا۔

خلفاء کے علاوہ حضرت کے مکتوبات شریفہ کے ذریعہ سے بھی تبلیغ واشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی۔ ان میں ان حقائق واسرار کا ذکر ہے جو اس سے قبل ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اہلِ حق کے ہاں ان کی ایک خاص اہمیت ہے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ، انداز واطوار، روحانی مقام، خدمتِ اسلام اور شان وعظمت کے بیان کے لیے دفتر درکار ہیں۔

وفات: ۱۲ محرم الحرام ۱۰۳۴ھ کو آپ نے فرمایا، ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اِس جہان سے اُس جہان میں جانا پڑے گا۔ اور میری قبر مجھے دکھائی گئی۔

روزِ وصال کی شب کو آپ نے ان خادموں کو جو راتوں کو آپ کی خدمت

کرتے رہے فرمایا، تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے، کل تمہاری خلاصی ہوجائے گی۔ اس رات آپ بار بار یہ ہندی مصرعہ پڑھتے تھے:

اج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دینواں وار

اے محرم! آج وصالِ یار ہے، میں تمام جہان نثار کرتا ہوں۔

آخر، کائناتِ ارضی کے طول وعرض میں احسان وعرفان کی ضَو بکھیرنے کے بعد نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سچا نائب ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بعمر تریسٹھ برس، تریسٹھ دن بیمار رہ کر 'اللہ اللہ' کہتا ہوا اپنے اللہ کے پاس چلا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آپ اس قبہ منورہ میں دفن ہوئے جو خود آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد پر تعمیر فرمایا تھا۔

کلماتِ قدسیہ: (۱)۔ مکلفین کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدوں کو علماءِ اہلسنت وجماعت کی رائے کے موافق درست کریں، کیونکہ نجاتِ اُخروی ان بزرگوں کی صواب نما رائے کی پیروی سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ یہی بزرگوار اور ان کے پیرو ہیں اور یہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریق پر ہیں۔

(۲)۔ فقیر کا یقین ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نا کہ شریعت کے خلاف کوئی امر۔

(۳)۔ مولانا حاجی محمد صاحب نے اشغال میں سستی اور ذوق وحلاوت میں کمی کی شکایت کی تو فرمایا، ''یارا! غم نہیں، اگر دو چیزوں میں خرابی نہ ہوئی ہو۔ ان دو چیزوں میں

سے ایک صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت ہے۔ دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں تاریکیاں اور تیرگیاں طاری ہوجائیں تو کچھ خوف نہیں۔

(۴)۔ خدا جل وعلا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے، چہ جائیکہ اکابرِ دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

(۵)۔ لوگ ریاضت ومجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت ومجاہدہ آدابِ نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔ نیز فرمایا کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آدابِ نماز میں سستی برتتے ہیں۔

۲۵۔ قیومِ زمانی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور سیدنا مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے فرزندِ سوم ہیں۔ تاریخِ ولادت ۱۰ شوال ۱۰۰۷ھ ہے۔ عروۃ الوثقیٰ کا لقب آپ کو عطا ہوا۔ آپ کی خداداد ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ ایک ماہ میں قرآنِ پاک حفظ کرلیا اور سولہ برس کی عمر میں تمام علومِ ظاہری وباطنی سے فارغ ہوگئے۔ مجدد پاک فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی آمد ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کیونکہ ان کی پیدائش سے چند ماہ بعد ہم حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی ملازمت سے مشرّف ہوئے اور ان کی خدمت میں دیکھا جو دیکھا۔ مجدد پاک کے وصال کے بعد یکم ربیع الاوّل ۱۰۳۴ھ کو مسندِ ارشاد وقیومیت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اسی روز پچاس ہزار اشخاص نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ ماوراء النہر

خراسان، بدخشاں وغیرہم ممالک کے بادشاہوں نے اپنے نمائندے مع تحائف بھیج کر دوبارہ غائبانہ بیعت کی۔شاہ جہاں بھی دوبارہ بیعت ہوا۔روم، توران، خراسان، کاشغر، یمن اور شام کے بادشاہ بھی آپ کے مرید ہوئے۔شاہ سلیمان بادشاہِ ایران ہزاروں کے ساتھ رفض سے تائب ہوکر آپ کا مرید ہوا۔آپ نے اپنے خلیفہ ارغون کو خطا و چین میں بھیجا تو وہاں کا بادشاہ ملقب بہ قاآن بھی مسلمان ہوگیا۔تاریخ مرآت عالم اور جہاں نما میں جو عالمگیر کے حکم سے لکھی گئی ہیں، یوں لکھا ہے کہ مشیخت کی مسند پر کوئی ایسا شخص نہیں بیٹھا جیسا کہ شیخ محمد معصوم رضی اللہ عنہ، جہان کے تمام اطراف و جوانب کے بادشاہ، علماء و مشائخ چھوٹے بڑے، وضیع و شریف مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک، حضرت کے مرید ہوئے۔یادرہے کہ خانانِ توران و ترکستان، والیانِ دشتِ قبچاق و بدخشاں، فرمانروایانِ خطا و خراسان، تخت نشینانِ کاشغر و طبرستان، حاکمانِ قہستان و کرجستان سب کے سب آپ کی زیارت کے لیے سرہند شریف میں خیمہ زن ہوئے۔ایسا اجتماع سرہند کی زمین میں پہلے ہوا تھا نہ بعد میں۔ کہتے ہیں کہ خلفا اور فرزندوں کی وساطت کے بغیر براہِ راست نو لاکھ افراد آپ کے مرید ہوئے (عالمگیر سمیت)۔آپ کے خلفا کی تعداد سات ہزار تھی جو سب کے سب صاحبِ کمالات تھے۔

آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔آپ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق پیشاوری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت سے اجازت لے کر اپنے وطن کو روانہ ہوا۔راستے میں سلطانپور کی ندی کے پل کے نیچے کپڑے دھورہا تھا کہ میرا پاؤں پھسلا اور ندی میں گر گیا۔میں تیرنا نہیں جانتا تھا، چنانچہ پانی سر سے اونچا ہوگیا۔پانی مجھ کو کبھی اوپر لاتا تھا، کبھی نیچے۔زندگی کی امید باقی نہ رہی تھی۔یکایک حضرت نمودار ہوئے اور ہاتھ ڈال

کر مجھے باہر نکال لیا اور پھر نظر سے غائب ہوگئے۔

ایک شخص نے آپ کے حضور میں ایک رافضی کا ذکر کیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا ہے۔صحابہ سے کمال محبت کے سبب آپ سخت ناراض ہوئے۔خربوزہ کھا رہے تھے۔آپ نے چھری ہاتھ میں لے کر خربوزہ پر رکھ کر فرمایا، 'لو ہم رافضی کا سر کاٹتے ہیں'، ساتھ ہی خربوزے کو دو ٹکڑے کر دیا۔اسی روز رافضی مرگِ مفاجات سے مر گیا۔آپ نے اپنے خلفا کی مدد سے پوری روئے زمین پر عظیم الشان دینی فتوحات حاصل کیں۔لاتعداد کو مسلمان کیا، بے شمار رافضی تائب ہوئے اور دینِ اسلام کی حقانیت کا جھنڈا ہر سُو لہرانے لگا۔

وفات:۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ بروز شنبہ آپ نے وصال فرمایا۔مزار مبارک سرہند شریف ہی میں ہے۔آپ کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔علیہم الرحمہ

کلمات قدسیہ:مکتوباتِ احمدیہ کی طرح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ' کے مکتوباتِ شریفہ کی بھی تین جلدیں ہیں۔بطورِ تبرّک چند ارشادات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔جو شخص کہ شیخی کی مسند پر بیٹھا ہے اور اس کا عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے موافق نہیں اور وہ زیورِ شریعت سے آراستہ نہیں، پناہ ہزار پناہ، اس سے دور رہ۔بلکہ اس شہر میں نہ رہ جہاں وہ رہتا ہے۔مبادا کہ زمانہ گذرنے پر تیرے دل میں اس کی طرف میلان پیدا ہوجائے اور وہ تیرے کارخانہ میں خلل ڈال دے۔کیونکہ وہ مقتدا بننے کے لائق نہیں۔وہ پوشیدہ چور ہے اور شیطان کا جال ہے۔اگرچہ تو اس سے طرح طرح کے خوارق دیکھے اور بظاہر دنیا سے بے تعلق پائے۔تو اس کی صحبت سے اس سے

بھی زیادہ بھاگ کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (جلد ثانی۔ مکتوب ۱۱۰)

(۲)۔ بیچارہ مرید چونکہ عالمِ سفلی میں گرفتار ہے، اس سبب سے عالمِ علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تا کہ حضرت باری تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے فیوض و برکات اخذ کرے۔ ایک واسطہ دو جہت والا درکار ہے جو عالمِ علوی سے بہرہ ور ہو کر مخلوق کی دعوت وارشاد کے لیے عالمِ سفلی کی طرف متوجہ ہوا ہو۔ اور بوجہ مناسبت اولیٰ کے عالمِ غیب سے فیوض اخذ کر کے بوجہ مناسبتِ ثانیہ کے جو عالمِ سفلی سے رکھتا ہے ان فیوض کو لائق مریدوں تک پہنچائے۔ اس لیے طالبِ رشید شیخ کے ساتھ مناسبت کا وجود جس قدر زیادہ رکھتا ہو، اس کے باطن سے اسی قدر اخذِ فیوض زیادہ کرے گا۔

(۳)۔ اس دارِ فانی میں بڑا مطلب حق جل وعلا کی معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ اور معرفت دو قسم کی ہے۔ قسمِ اوّل وہ معرفت ہے جسے بڑے بڑے عالموں نے بیان کیا ہے۔ قسمِ دوم وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ صوفیاءِ کرام ممتاز ہیں۔ قسمِ اوّل نظر واستدلال سے وابستہ ہے اور قسمِ دوم کشف وشہود سے۔ قسمِ اوّل دائرۂ علم میں داخل ہے جو تصوّر و تعقل کی جنس سے ہے اور قسمِ دوم دائرۂ حال میں داخل ہے اور جنس تحقق سے ہے۔ قسمِ اوّل عارف کے وجود کے فانی کرنے والی نہیں اور قسمِ دوم سالک کے وجود کے فانی کرنے والی ہے۔

۲۶۔ قیومِ ثالث حضرت خواجہ حجۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا لقب نقشبند ثانی ہے۔ بروز جمعہ ۷ رمضان ۱۰۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علمِ ظاہری

و باطنی اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاصل کیا۔ آپ بلند استعداد کے مالک تھے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں آپ پر وہ اسرار منکشف ہوئے جن کی نسبت حضرت عروۃ الوثقیٰ فرماتے تھے کہ یہ حیطۂ درک عقل اور تصویرِ خیال سے باہر ہیں۔

حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اپنی قیومیت کے اکتالیسویں سال ۱۰۴۷ھ میں آپ کو قطب الاقطابی اور قیومیت کی بشارت دی۔ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ کو مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ آپ کی قیومیت کے پچیسویں سال ہر روز چار پانچ سو آدمی بلکہ اس سے بھی زائد حاضر ہو کر بیعت ہوتے۔ بڑے بڑے مشائخ اور علماء اپنی مشیخت اور درس وتدریس چھوڑ کر آپ کے مرید ہوئے۔ مجلس میں ہوتے تو آپ کے رعب کا یہ عالم ہوتا کہ بادشاہ اور امراء کو جرأت نہ تھی کہ بات کریں۔ وہ وقت بھی آیا کہ اس قدر عوام وخواص کا ہجوم رہنے لگا کہ کابل میں گنجائش نہ رہی۔

وفات: آپ کا وصال شبِ جمعہ ۲۹ محرم الحرام ۱۱۱۴ھ میں سرہند میں ہوا۔ آپ کی اولاد چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

۲۷۔ قیومِ رابع حضرت خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ قیومِ ثالث حضرت حجۃ اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے ہیں۔ والدِ محترم کا اسمِ گرامی حضرت ابو العلی ہے جو ۱۰۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحبِ کشف وکرامات تھے (۱۱۰۷ھ میں وفات پائے)۔ حضرت خواجہ محمد زبیر علیہ الرحمہ حضرت ابوالعلی کے فرزندِ اکبر تھے۔ بروز دوشنبہ ۵ ذیقعد ۱۰۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت حجۃ اللہ نے ان کی

قیومیت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ ان کے وصال کے بعد یوم شنبہ یکم صفر ۱۱۴۴ھ میں مسندِ قیومیت وارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ بادشاہِ وقت نیز تمام امراء ووزراء آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔

آپ نصف شب کو تہجد کے لیے اٹھتے اور کبھی چالیس بار کبھی ساٹھ بار سورۂ یٰسین پڑھتے تھے۔ نمازِ اوابین کے بعد ذکرِ نفی واثبات کرتے۔ پھر مردوں کا حلقہ فرماتے اور انہیں توجہ دیتے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ بادشاہی محلوں میں تشریف لا کر عورتوں کا حلقہ فرماتے۔ آپ کے حلقۂ ذکر میں ہزار ہزار مرد اور دو دو تین تین سو عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ فجر سے چاشت تک مراقبہ میں مشغول رہتے، پھر مردوں کو حلقہ میں توجہ دیتے۔ دم کے ساتھ دن میں چوبیس ہزار بار ذکرِ نفی واثبات اور پندرہ ہزار بار ذکرِ اسمِ ذات کرتے۔

وفات: آپ نے اڑتیس سال مسندِ قیومیت پر جلوس فرما کر ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ میں دہلی میں وصال فرمایا۔ دہلی سے جسم مبارک سرہند لے جا کر دفن کیا گیا۔

۲۸۔ حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی قطب الدین بخاری جبکہ لقب سید حسین تھا۔ ولادت ایک روایت کے مطابق ۱۰۴۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا اصلی وطن ماوراء النہر تھا۔ ظاہری و باطنی علوم میں کمال دسترس حاصل تھی۔ سرہند شریف میں آ کر روحانی استفادہ حضرت خواجہ محمد زبیر علیہ الرحمہ سے کیا۔ ان کے وصال شریف کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور کچھ

مدت تک سرہند شریف ہی میں قیام فرمایا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد سے اختلاف ہوا تو بارھویں صدی کے آغاز میں ہجرت کر کے مدینہ شریف کو چلے گئے۔ آپ کی ناراضی سے چھ سال تک سرہند شریف میں سخت تباہی مچی، تبھی آپ کو خالی سرہند کہتے ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ مزارِ اقدس جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے روضۂ پُرنور سے متصل بنایا گیا۔

۲۹۔ حضرت خواجہ سید جمال اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ صحیح النسب سید، قرآنِ پاک کے حافظ اور زبردست عالمِ دین ہیں۔ بخارا سے مجذوبی کی حالت میں سرہند شریف میں آئے اور حضرت خواجہ شاہ محمد اشرف کی بیعت کی۔ علوِ استعداد کے سبب ان سے فیوض و برکات کے خزانے سمیٹے۔ سرہند شریف ویران ہو جانے کے بعد آپ رامپور تشریف لے آئے اور تاحیات وہیں سکونت پذیر رہے۔ یہاں تک کہ مزار شریف بھی وہیں بنا۔ آپ کے خلفا میں سید محمد عیسیٰ، مُلّا شیر خان تیراہی، سید ملاں امان تیرامی، شاہ درگاہی غزنوی، وارث خاں بنارسی اور سید محی الدین تیراہی ہیں۔ آپ تمام عمر مجرد رہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت شاہ جمال اللہ نے خواجہ محمد فیض اللہ علیہ الرحمہ کو افغانستان جانے کا حکم دیا تو بطورِ وصیت یہ دو رباعیاں سنائیں:

۱۔ مایۂ دیں رابدنیا دادن از بے ہمتی است
زانکہ دنیا جملگی رنج است و دیں آسائش است

نعمتِ فانی ستانی ، دولتِ باقی دہی
اندریں سودا خرد داند کہ غبن فاحش است

....

۲۔ بکوش تا دلِ صاحب نظر بدست آری
کہ نیست در دو جہاں دولتے ازیں بہتر
مکن عمارتِ دنیا ، بکن عمارتِ دل
کہ عرشِ اعظم است ایں دل بقول پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

....

ترجمہ: سرمایۂ دیں کو دنیا کے بدلے لٹانا بے ہمتی ہے۔ اس لیے کہ دنیا سراسر رنج ہے اور دین راحت ہے۔ نعمتِ فانی تو نے لے لی، دولتِ باقی تو نے دے دی۔ اس سودے میں تیری عقل ماری گئی اور تو نے بہت بڑی خطا کھائی۔

....

ترجمہ: دنیا کی عمارت مت بنا، دل کی عمارت بنا۔ کیونکہ قولِ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہے کہ یہ دل عرشِ اعظم ہے (رب کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے)۔

۳۰۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمہ کا شجرۂ نسب مولائے کائنات حضرت سیدنا شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے جا ملتا ہے۔ آپ 'چوڈہ' ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ خواجہ جمال اللہ علیہ الرحمہ سے باطنی استفادہ فرمایا اور خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں

گونڈا پور ضلع بنوں میں قیام فرمایا۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ ۱۔ خواجہ پیر محمد ۲۔ خواجہ جان محمد ۳۔ خواجہ علی محمد (علیہم الرحمہ)

وفات: آپ کا یومِ وصال ۷ ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ ہے اور مزار شریف گونڈا پور میں ہے۔ آپ کے بعد خواجہ جان محمد مسندِ خلافت پر بیٹھے۔

۳۱۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ فاروقی النسب ہیں۔ ولادت تیراہ (کابل) میں ہوئی۔ والدِ محترم کا نام قاضی خان محمد تھا۔ چند واسطوں سے شجرہ نسب امام رفیع الدین سے جا ملتا ہے۔ ابتدا ہی سے فقرا اور درویشوں سے قلبی لگاؤ تھا۔ آپ رامپور میں بملازمت سپہ سالاری متعیّن تھے اور احمد شاہ (بادشاہ) کے قلعے کی دیوار پر کھڑے ڈیوٹی دے رہے تھے کہ حضرت سید جمال اللہ اپنے ساتھیوں سمیت سیر کی غرض سے ادھر آ نکلے۔ خواجہ صاحب، ان کو دیکھتے ہی دیوار سے اترے اور سیدھے آپ کے قدموں میں گر گئے۔ دو تین گھنٹوں کی اضطراری حالت کے بعد ہوش آیا تو سلسلہ میں داخل کرنے کی گزارش کی۔ حضرت سید جمال اللہ صاحب آپ کو کمال محبت سے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ ملازمت کو اسی روز سے خیر باد کہہ چکے تھے۔ ایک مدت کے بعد وصال سے کچھ پہلے شیخ نے حضرت خواجہ محمد عیسیٰ کے ہاتھ میں خواجہ محمد فیض اللہ کا ہاتھ دے کر ان سے فرمایا کہ ان کی بیعت اگرچہ بحقیقت مجھ سے ہے مگر تکمیل آپ کے ذمّہ ہے۔ چنانچہ آپ ان کے حلقہ بگوش ہو گئے اور ایک عرصہ بعد واپس گئے۔

آپ صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔ ہزارہا لوگ آپ سے مستفید و

مستفیض ہوئے۔

وفات: آپ کی وفات شریف ۸ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع تیزئی شریف (تیراہ) میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے بابا جی نور محمد سجادہ نشین ہوئے۔

۳۲۔ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت نے ۱۱۷۹ھ میں اس جہان کو رونق بخشی۔ آپ حضرت خواجہ بابا فیض اللہ تیراہی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ تحصیلِ علوم کے بعد اپنے والدِ ماجد علیہ الرحمہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ شریعت کے سخت پابند، طریقت کے شہسوار اور معرفت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ سجادہ نشین ہوئے تو سب سے پہلے فقیر اللہ نور اور عجب نور دو بھائی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ چند دنوں میں منتہی ہو کر مجازِ طریقہ ہو گئے۔ واپس گئے تو افغانستان کے طول و عرض میں ان کے ذریعے عرفان کا نور پھیل گیا۔

حضرت اسی سال تک، تیراہ شریف میں مقیم رہے۔ پھر پنجاب کے دوستوں کی تکلیف دیکھ کر، جو انہیں پہاڑی راستوں میں پٹھانوں سے پہنچتی تھی، تیراہ سے ہجرت فرما کر موضع چورہ ضلع اٹک میں تشریف لائے۔ یہاں ڈیڑھ سال قیام فرمایا اور خلقِ خدا کی روحانی تربیّت فرمائی۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ (۱)۔ خواجہ احمد گل صاحب جو تیراہ شریف میں رہے۔ (۲)۔ خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ (۳)۔ خواجہ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ (۴)۔ خواجہ شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ

وفات: ۱۲ شعبان شریف ۱۲۸۶ھ کو ۱۰۶ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ مزار مبارک یہیں چورہ شریف میں ہے۔ آپ کے بعد خواجہ فقیر محمد اور خواجہ دین محمد علیہما الرحمہ مسندِ خلافت پر متمکّن ہوئے۔

۳۳۔ حضرت خواجہ بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نسب: غوثِ زماں خواجہ فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ جنہیں دنیا 'باواجی صاحب' کے نام سے یاد کرتی ہے، شیخ المشائخ خواجہ نور محمد تیراہی علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب کئی واسطوں سے امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے ہوتا ہوا خلیفۃ الرسول جناب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔

ولادت باسعادت: ہمارے آقائے ممدوح ۱۲۱۳ھ کو موضع تیزئی شریف (تیراہ) میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے دن اپنی والدہ کریمہ کا دودھ نہ پیتے تھے۔ آپ کے جدامجد نازش اہل اللہ خواجہ محمد فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو برجستہ فرمایا:

''یہ تو ابھی سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے''

پھر انہوں نے اپنی زبان مبارک حضرت باواجی علیہ الرحمہ کے منہ میں ڈالی جسے آپ تادیر چوستے رہے۔ تب وہ فرمانے لگے:

''یہ بچہ بہت نیک بخت ہے۔ اس کے وجودِ مسعود سے
کثیر خلقِ خدا فیض یاب ہوگی''

کسب علم: قبلہ باواجی رحمۃ اللہ علیہ جس اوج کمال کی طرف گامزن تھے، اس کا تقاضا تھا کہ زندگی کا سارا سفر قرآن وسنت کی روشنی میں طے ہو۔ قدرت نے آپ کے گھر میں ہی

اس کا اہتمام کر دیا تھا۔ آپ کے والد ماجد شیخ ازہد خواجہ نور محمد علیہ الرحمۃ علوم قرآنیہ، تفسیر، حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی وسیع دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ باواجی سرکار علیہ الرحمۃ ایک عرصہ ان سے مستفید و مستنیر ہوتے رہے تا آنکہ فقہی مسائل میں مہارت یہاں تک حاصل کی کہ کوئی مسئلہ بھی دریافت کیا جاتا تو مسئلہ کی بابت مسلک آئمہ اربعہ بیان کر دیتے۔ البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کی پابندی کو لازم قرار دیتے۔

بیعت وخلافت: اوپر بیان ہوا کہ علوم ظاہر کی طرح علوم باطن کا سرچشمہ بھی آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کی ذات اقدس تھی۔ چنانچہ آپ سلسلہ نقشبندیہ میں ان سے بیعت ہوئے اور دس سال کے قلیل عرصہ میں ولایت کے اس عظیم وارفع مقام کو چھولیا اور حقیقت وطریقت کے ان اسرار ورموز سے آشنا ہو گئے، جن سے آشنائی کے لیے بڑے بڑوں کی ہمتیں اور حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔ جذبہ وسلوک کی تکمیل پر آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا گیا اور اشاعت سلسلہ کا فریضہ سونپا گیا۔ آپ کو چہار سلاسل طریقت اور چودہ خانوادوں میں بیعت کی اجازت تھی، لیکن سلسلہ نقشبندیہ کے امتیازی اوصاف کی بنا پر عموماً اسی کی ترویج وترقی میں کوشاں رہے۔

تبلیغ دین واشاعت طریقہ: تکمیلِ علومِ ظاہر وباطن کے بعد آپ باقاعدہ تبلیغ کے میدان میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے مؤثر انداز نے خلقِ خدا میں خوفِ خدا، عشقِ رسول ﷺ اور خدمتِ خلق کی شمعیں جلائیں۔ آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے بڑے بڑے علما وفضلا تیار کیے جنہوں نے اسلام کے اجالے پھیلائے اور ایک زمانہ ان سے مستفید ہوا۔ اکثر

طالبانِ حق ایک ہی توجہ میں صاحبِ ارشاد و اجازت ہو جاتے تھے۔ عرفان کے اس آفتابِ عالمتاب سے مستفیض برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچ کر انوارِ نقشبندیت سے جہاں والوں کو مستنیر کرتے رہے ہیں۔

اخلاق باواجی علیہ الرحمۃ: اسلام میں شائستگیٔ اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خواجۂ خواجگاں خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ حسن اخلاق کے جس مقام عالی پر فائز تھے، ہم کم ظرف اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تاہم مالا یدرك كله لا يترك كله کے مصداق کچھ نمایاں تر پہلو پیش کیے جاتے ہیں۔

۱...... آپ نہایت خوش خلق اور شیریں لب ولہجہ کے مالک تھے۔ لوگ اپنی مصیبتیں آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے اور آپ محبت وشفقت سے ان سے پیش آتے۔ ان کی تکالیف رفع کرتے۔ کبھی مالی امداد کی صورت میں اور کبھی نظر وتوجہ سے۔ آپ تعویذ نویسی کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے۔

۲...... کسی کے خلاف شکایت نہ سنتے اور اس بات کو سخت ناپسند رکھتے تھے۔

۳...... خاموشی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اسے بہت اہمیت حا صل ہے۔ احباب ومتوسلین کو بھی خاموشی اختیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ خصوصاً آپ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک خاموشی کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

۴...... اپنی تکالیف اور امراض کسی کے سامنے بیان نہ کرتے بلکہ پوشیدہ رکھتے۔

۵...... کسی کی غلطی ولغزش پر گرفت نہ کرتے بلکہ عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے۔

٦......تحمل و بردباری، تسلیم ورضا، توکل علی اللہ، صبر واستقلال، جود وسخا، انفاق فی سبیل اللہ، فقر واستغنا، شفقت ورحمت، احترام آدمیت، زہد واتقا غرضیکہ اتنے اعلیٰ اوصاف کے آپ حامل تھے جن کو بیان کرنے کے لیے خاصا وقت درکار ہے۔

٧......امراء سے متاثر نہ ہوتے اوران سے قطع تعلق بھی نہ کرتے تاکہ ان کی بھی اصلاح ہوسکے۔

٨......آپ کی طبیعت مبارکہ ریا وتصنع، عجب وغرور، فخر وخود پسندی اور تکلف سے بیزار تھی۔ اور حلم ووقار، جمال صدیقی، جلال فاروقی، اور مسکنت وتمکنت آپ کی طبیعت مبارکہ کا خاصہ تھی۔

٩......غصہ سے پرہیز فرماتے، سالہا سال تک غصہ کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نظر نہ آتے تھے۔

١٠......آپ کو جو کچھ میسر آجاتا بخوشی تناول فرمالیتے۔ مرغن کھانے ناپسند تھے۔ آپ کی اصل غذا تو 'ذکر وفکر' تھی۔

لباس: سادہ اور نیلگوں لباس آپ کو پسند تھا۔ کبھی کبھی سیاہ رنگ کی چادر اور عمامہ شریف بھی استعمال فرماتے، شرعی سفید پاجامہ، سر پر کلاہ اور اس پر خط دار لنگی یا سبز دستار پہنتے تھے۔ پوٹھوہاری پاپوش پہنتے اور ہاتھ میں ہمیشہ عصا دیکھا گیا۔ کبھی کبھار نیلگوں لنگی یا چادر اوڑھتے تھے۔ لباس پر بے جا خرچ سے پرہیز برتتے اور درج ذیل آیت پیش نظر رہتی۔

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط ﴾..... (بنی اسرائیل)

ترجمہ: بے شک اڑانے والے (یعنی فضول خرچ) شیطانوں کے بھائی ہیں۔

معمولاتِ مبارکہ: معرفت کے بحر ناپیدا کنار جناب باواجی سرکار رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد اور مراقبہ ودیگر اذکار سے فارغ ہوکر کبھی کبھی فجر کی سنت سے قبل سنت خیر الانام (ﷺ) کی اتباع میں دائیں پہلو پر استراحت فرماتے۔ فجر کی سنتوں اور فرائض کے مابین سورہ فاتحہ ۴۱ دفعہ پڑھ کر سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ کی تسبیح کرتے (کیونکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے پھلکے، میزان میں بھاری اور رحمٰن کو پیارے ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ......... بخاری ومسلم) فرائض فجر باجماعت ادا کرکے طلوع آفتاب تک مراقبہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ پھر بروقت اشراق، دو اور کبھی چار رکعت نوافل ادا کرتے اور دو نفل برائے استخارہ بھی ادا فرماتے۔

ازاں بعد دو سے اڑھائی سیپارے تلاوت کرنا معمول تھا۔ نماز چاشت کے بعد انتہائی قلیل وسادہ ناشتہ تناول فرماتے۔ پھر زائرین ومتوسلین کی فریادرسی فرماتے۔ ان امور سے فراغت کے بعد متابعت سنت میں کھانا تناول فرماکر (سنت) قیلولہ ادا کی جاتی۔

اذانِ ظہر کے ساتھ ہی اٹھ جاتے۔ نماز باجماعت کے بعد قرآن پاک بھی پڑھتے۔ بعد ازاں حاجتمندوں کی طرف نگاہ التفات فرماتے، کسی کے لیے پانی دم کیا جاتا، کبھی کبھار تعویذ بھی دیتے اور عموماً دعا دینے پر ہی اکتفا کرتے۔

نماز عصر کی چار سنتیں کبھی ترک نہ فرمائیں اور نماز باجماعت کے بعد عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کا ختم شریف پڑھتے نیز خواص کو بھی پڑھنے کی ترغیب و اجازت دیتے۔ باجماعت نماز مغرب کے بعد نماز اوابین ادا کرنا بھی آپ کا معمول تھا۔

پھر زائرین و مریدین کے لیے طعام کے انتظام کے بعد خود بھی قلیل مقدار میں تناول فرماتے۔ نماز عشاء کے بعد مراقبہ بھی آپ کے معمولات میں شامل تھا، تبلیغی دوروں پر جاتے تو ہمیشہ مسجد میں قیام ہوتا۔ اکثر فرماتے کہ ''میں اللہ کا مہمان ہوں لہذا اللہ کے گھر میں ہی قیام کروں گا۔''

المختصر آپ کے شب و روز کے معمولات ہر قسم کے گناہوں اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور ذکر و فکر اور تبلیغ وتذکیر سے معمور تھے۔

قیوم زمانی حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضری:

صوفیائے نقشبند خصوصیت سے حضور مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے گہری و والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے سعادت گردانتے ہیں۔ خواجہ خواجگان خواجہ فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمۃ بھی اسی قسم کے جذبات سے لبریز تھے اور ہر سال قافلے کی صورت میں مجدد پاک کے سالانہ عرس مبارک (سرہند شریف) میں حاضری دیتے تھے۔ سرہند شریف پہنچ کر عموماً آپ کے مرقد انور کے سامنے قدمین شریفین کی جانب بیٹھا کرتے اور حضور امام ربانی کی بارگاہ کے خادموں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کو لازم جانتے تھے۔ یعنی آپ کا مجدد پاک سے تعلق نہایت نیازمندانہ و عاجزانہ تھا۔

باواجی علیہ الرحمہ کے خلفائے عظام:

قبلہ باواجی سرکار علیہ الرحمہ کا شمار ان اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جن کی نسبت اور توجہ خاص بڑی بڑی منازل کو آن واحد میں طے کرا سکتی تھی اور آپ کے خلفا اس

حقیقت کے آئینہ دار تھے۔ خصوصاً آپ کے مرید و مراد محبوب سبحانی، قیوم دورانی حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی (علی پور شریف) آپ کی فیض نگاہ سے روشن وہ عظیم ماہتاب ہیں جنہوں نے اپنے 'انوار لاثانی' سے ایک جہاں کو منور کیا اور کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ چند مزید خلفاء کے اسمائے گرامی حصول برکت کے لیے تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱.....امیر ملت حافظ جماعت علی شاہ علی پوری

۲.....خواجہ محمد خان عالم باؤلی شریف

۳.....خواجہ غلام محی الدین باؤلی شریف

۴.....حافظ عبدالکریم صاحب عیدگاہ راولپنڈی

۵.....مولوی غلام محمد بگوی ثم لاہوری

۶..... مولوی غلام نبی قریشی چک قریشیاں

۷.....مولوی محمد حسن گجرات

۸.....مولوی غلام یوسف

۹.....راجہ شیر باز خاں موضع بڑکی ضلع گوجر خان (علیہم الرحمہ)

سانحۂ وصال:

حضرت باواجی علیہ الرحمہ کا وصال ۲۹۔ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ بمطابق یکم جولائی ۱۸۹۷ء بروز جمعرات ظہر و عصر کے مابین ہوا۔ آپ نے سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ آپ کا مزار پر انوار چورہ شریف ضلع اٹک میں مرجع خلائق ہے تہی دامن آپ کے در اقدس پر

حاضری دیتے ہیں اور اپنا دامن گوہر مراد سے بھر کر لوٹتے ہیں۔

۳۴۔ حضور قبلۂ عالم پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی قدس سرہٗ النورانی

ولایت وطریقت کا یہ "لاثانی" آفتاب اگست ۱۸۶۰ء (بمطابق ۶ ۱۲۷۷ھ ۲۱ ساون ۱۹۱۶) بروز جمعۃ المبارک بوقت صبح طلوع ہوا۔ جائے ولادت علی پور سیداں شریف ضلع نارووال ہے۔ والدِ گرامی کا اسم شریف سیّد سیِد علی شاہ تھا۔ شجرہ نسب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے مولوی عبد الرشید صاحب سے علومِ دینیہ حاصل کیے۔

آپ کی بیعت خواجۂ خواجگان اعلیحضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی علیہ الرحمہ سے تھی چورہ شریف کے اس درویش خدامست کی نظر کرم نے حقیقت ومعرفت کی ان بلند ترین منزلوں پہ فائز کر دیا کہ جہاں تک بڑے بڑوں کی قوت تخیل بھی نہیں پہنچ سکتی۔ بلاشبہ آپ اپنے دور میں اتباع شہنشاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کمالات سیرت میں لاثانی تھے۔ آپ کے دور میں انگریزوں اور ہندوؤں کی ریشہ دوانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ آپ کی سیرتِ اقدس ان کی زہرناکیوں کا تریاق تھی۔ اگر چہ آپ نے کھلم کھلا سیاست میں حصہ تو نہیں لیا تاہم لاکھوں نفوس جو بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ سے وابستہ تھے، خاموش تبلیغ سے ان کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ اغیار کے ہر حربے سے ان کو آگاہی دے کر چوکنا کر دیا تھا۔ تحریک خلافت اور تحریک موالات میں آپ کا نقطہ نظر وہی تھا جو مجدد دین وملت اعلیحضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا تھا۔ کتنے ہی مسلمان ایسے تھے کہ جو گاندھی اور کانگریس کے حوالے سے نرم گوشہ دل میں رکھتے تھے مگر آپ نے جب ان

کی اسلام دشمنی کو ظاہر کیا تو انہوں نے اپنا زاویہ فکر درست کر لیا، یہ وجوہات تھیں جن کے سبب علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جو ملت اسلامیہ کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دولت سے مالا مال کرنا چاہتے تھے آپ کے مداح وممدوح تھے۔

آپ کا فیض عام محض اہل اسلام کے لیے ہی مخصوص ومحدود نہ تھا (اگر چہ فیض خاص صرف اہل ایمان کے لیے ہے) ہندو، سکھ، عیسائی سب حل مشکلات کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور دولت اطمینان لے کر جاتے تھے۔ ان میں بعض، بعض اسلامی شعائر کی بھی پاسداری کرتے تھے اور اس طرح اپنے عمل وکردار سے اسلام کی حقانیت کا اعلان بن جاتے تھے۔

یہ تو تھا اسلام کا خارجی محاذ، داخلی محاذ پر بھی مختصراً آپ کی فتوحات کا حال سنئے:

جو لوگ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان وعظمت اور معجزات وکمالات کا انکار کرتے تھے، حضور شاہ لاثانی قدس سرہٗ النورانی نے ہر جگہ اور ہر موقع پر ان کا رد کیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات وکمالات کے منکر جب آپ کے تصرفات واختیارات دیکھ لیتے تو راہ راست پر آجاتے (کہ جب اس غلام کی یہ شان ہے تو یقیناً آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو اس سے بے حد وبے حساب درجہ بلند شان واختیار کے مالک ہوں گے)۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کتاب وسنت کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا اور اپنے کردار سے توحید، صبر، توکل، تفویض اور تسلیم ورضا کا مفہوم پیش کیا۔ آپ کی مجلسوں میں بیٹھنے والا بدعقیدہ رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ فیضان سماوی سے مخمور نگاہ پر نور اس کی بدعقیدگی کے بت پاش پاش کر دیتی تھی اور یوں اس کے دین ودنیا بلکہ زیارت ہی ہزاروں مسائل

کا حل تھی۔

آپ سفر کی نسبت حضر کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ طالبانِ رُشد وہدایت خود ہی کشاں کشاں چلے آتے تھے اور انوار و تجلیات سے جھولیاں بھر کر لے جاتے تھے۔ آپ کے شیخ نے آپ کو لاثانی کہا تھا۔ آپ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی عملی تصویر اور قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کے اخلاق کا مجموعہ تھے۔ آپ ایک گوشہ نشین اور زبردست تصرّفات پر باذنِ الٰہی قادر بزرگ تھے۔ آپ کی زیادہ تر توجہ تزکیۂ نفس اور ذکر و اذکار پر مبذول رہی۔ لباس وطعام اور دیگر معمولات میں سادگی کے عدیم المثال پیکر تھے۔

وصال: حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء (شعبان ۱۳۵۸ھ) میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی دولت ایمان بچا کر دنیا سے پردہ فرما گئے۔ مزارِ مقدس علی پور سیداں شریف ہی میں مرجعِ خلائق ہے۔

۳۵۔ حضور قبلۂ عالم پیر سید علی حسین شاہ نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کے تینوں فرزند (پیر سید فدا حسین شاہ صاحب، پیر سید خادم حسین شاہ صاحب اور پیر سید غلام رسول شاہ صاحب علیہم الرحمہ) آپ کی حیاتِ ظاہری ہی میں وصال فرما چکے تھے (جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا)۔ چنانچہ حضور شاہِ لاثانی کے سانحۂ وصال کے بعد آپ کے نبیرۂ مقدس، شبلیٔ زمانہ، شیخ یگانہ، قیوم زمانی، قطب ربانی، شہنشاہ ولایت حضور پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ (ولادت: ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۱۷ء)۔ آپ نے بائیس سال کی عمر مبارک میں سجادہ لاثانی کو زینت بخشنے کے بعد اپنے عمل و کردار کی

عظمتوں کا لوہا منوایا، حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کے سینکڑوں خلفا اور لاکھوں مریدین نے آپ کو اپنا ملجا و ماویٰ تسلیم کیا، اپنے جدِ امجد، اپنے مرشد گرامی کے ہر ہر نقش قدم کو قبلۂ عمل بنایا اور اس سے سرمو انحراف نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شاہ لاثانی علیہ الرحمہ تھے تو انہیں بھی اہل نظر نے نقش لاثانی مانا:

بفضلِ مصطفےٰ ﷺ ہے نقش لاثانی مرا مرشد
خدا شاہد یہی ہے رونق گلزار لاثانی
وہ ان کے جدامجد ہیں تو یہ نور نظر ان کے
وہ ہیں سرکار لاثانی، یہ ہیں شہکار لاثانی

حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ العزیز اس دور میں اپنے آقا و مولا، اپنے جد کریم نبی عظیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے پایاں رحمتوں کے مظہر کامل تھے۔ لاکھوں وہ ہیں جو آپ کی بدولت ایمان و یقین سے وابستہ رہے، ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جنہیں آپ کی غلامی نے ضلالت و شقاوت سے بچا لیا، سینکڑوں خوش نصیبوں نے آپ کی برکت سے روحانی درجات طے کئے اور جو دنیوی تکالیف و مصائب سے رہا ہوئے، وہ لاتعداد ہیں۔ سجادہ لاثانی کو زینت بخشے ابھی چھ ماہ بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ قرارداد پاکستان پاس ہوئی۔ پھر انتخابات کا اعلان بھی ہو گیا، چنانچہ دیگر مشائخ اہلسنت کے شانہ بشانہ آپ بھی خانقاہ سے نکل کر رسم شبیری (رضی اللہ عنہ) ادا کرنے کے لیے میدان عمل میں اتر آئے، ہر محاذ پر آپ نے مسلم لیگ کی حمایت کی اور ان کے امیدواروں کو کامیاب کرایا۔

تحریکِ پاکستان میں آپ کی عملی جدّ وجہد اور بالخصوص قیامِ پاکستان کے وقت مہاجرین کی آبادکاری اور ہندوؤں اور سکھوں کے عتاب سے مسلمانوں کو بچانے

کے لیے آپ کی عسکری کاوشیں تاریخ کے اوراق کا حصّہ ہیں جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

جب سکون ہوا تو وہی تبلیغ و تذکیر، وہی تزکیہ و تصفیہ، وہی اسلوبِ تربیت، طالبانِ محبت دور دور سے آرہے ہیں اور مرادوں سے دامن بھر بھر کر لوٹ رہے ہیں کبھی دور دراز مقامات پر خود تشریف لے جارہے ہیں اور ابرِ عنایات بن کر فکر و عمل کی کھیتیوں کو سیراب کر رہے ہیں۔ جو آجاتا ہے، آہی جاتا ہے، جو دیکھ لیتا ہے شکار ہو جاتا ہے۔ جسے دیکھ لیتے ہیں، جانے نہیں دیتے، جو دامن گیر ہوا اس کے دستگیر بن گئے۔

ع محفل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں
سالک اچھل رہے ہیں، مجذوب ابل رہے ہیں

کبھی ایسا ہوا نہیں کہ کسی نے کوئی تمنا کی اور بر نہ آئی ہو، کسی نے کچھ مانگا اور عطا نہ ہوا ہو اور کسی نے کوئی الجھن پیش کی اور سلجھائی نہ گئی ہو۔

ع کافی ہے اس کو ساقی تیرے میکدے کی بوند
اس دور میں جو طالب عرفان ذات ہے
دیکھیں تو اک اشارہ تقدیر گر ترا!
وہ لوگ شاخ آہو پہ جنکی برات ہے
حسن ازل نے تیری جبیں پر رقم کیا
آل رسول روشنی شش جہات ہے

(حضور مفکر اسلام)

حضور نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کیم ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ (بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء) کو

پیر کی صبح وصال فرما گئے۔

۳۶۔ حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہٗ القوی

آپ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ ان کے جلال و جمال فضل و کمال، اخلاق و کردار، انداز و اطوار، طرزِ فکر اور اندازِ نظر کا مظہرِ اتم تھے۔ آپ نے اپنی کُل متاعِ حیات مرشدِ کامل کی نذر کر دی تھی۔ اور شیخِ کامل نے بھی آپ کو ولایت کے بلند ترین درجات طے کروا کے طریقت و حقیقت کا عظیم شہکار بنا دیا تھا اور پیر و مرید کا یہ عمیق ترین ربط اہلِ نظر سے مخفی نہیں تھا۔

آپ کا اپنے پیر سے یہ لاثانی ربط 'پیر و مرید' میں باہمی رشتۂ محبت و الفت کی نادر ترین مثالوں میں سے ایک تھا۔ چنانچہ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے فنا و بقا کی منازل طے کرا کے جہاں خلافتِ عظمیٰ سے نوازا تھا وہاں حضور سیدنا مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کا جُبہ مبارک، شاہِ لاثانی کا کرتہ مبارک نیز دیگر مقدس تبرکات بھی آپ ہی کو عطا فرمائے تھے۔

آپ نے اوراقِ گزشتہ میں مشائخ نقشبند علیہم الرحمہ کے مختصر سے احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی مقدس تعلیمات سے حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی سیرت کو منطبق کرتے چلے جایئے، آپ کو کہیں بھی 'خلا' یا اختلاف محسوس نہ ہوگا۔ آپ کو یہ تسلیم کرنے میں ہرگز بھی تامّل نہیں ہوگا کہ وہی اندازِ مجاہدہ و ریاضت، وہی صحتِ مکاشفہ و بصیرت، وہی تواضع اور عجز و انکسار، وہی جلالت و صداقتِ گفتار، وہی خدمتِ خلق و احساسِ مساوات، وہی سترِ احوال و عروجِ مقامات، وہی رنگِ بے رنگی و سادگی، وہی ترکِ اختیار

وخودسپردگی، وہی شانِ توکّل و استغنا، وہی اسلوبِ زُہد بے ریا، وہی جذبۂ اطاعتِ رسول وخدا، وہی بے مثل اخلاص وللّٰہیت غرض جس پہلو سے بھی دیکھئے، حضور مفکّرِ اسلام کی شخصیت عہدِ حاضر میں اسلاف کی سیرت وصورت کا دلکش نمونہ نظر آتی ہے۔تو پھر کوئی آپ کی رفعتِ پرواز کیا جانے اور کمالِ عظمت کا اندازہ کیونکر کر پائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب 16

علمی وادبی کارنامے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبانِ شریعت وطریقت، واقفِ اسرارِ حقیقت، حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ علم وفضل کے
نبار سے اپنے دَور کی بے مثل شخصیت تھے۔آپ کے مقالات میں تحقیق وتہذیب کے
بصورت پھول دیدہ ودل کو دعوتِ نظارہ فراہم کرتے ہیں تو آپ کے اشعار بلند
ری، صحتِ لفظی اور محاسنِ شعری کا حسین امتزاج معلوم ہوتے ہیں۔ جناب مولانا محمّد
یل صاحب بھیرہ شریف کی عظیم درسگاہ سے فاضل، عزّت مآب جناب پیر کرم شاہ
احب الازہری کے مرید اور رحمۃ للعٰلمین مدرسہ سیالکوٹ میں مدرّس ہیں، بیان
رتے ہیں کہ جب پیر کرم شاہ صاحب نے رسالہ 'ضیائے حرم' شروع کیا تو ان کی
اہش پر حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ نے ایک مضمون لکھ کر بھیجا۔ پیر صاحب مطالعہ کرنے
ے بعد فرمانے لگے:

''میں مصر سے علم حاصل کر کے آیا ہوں، لیکن مجھے اتنا علم حاصل نہیں ہو سکا جتنا علم یہ رکھتے ہیں''۔

یہ تو تھی آپ کے کمالِ علم کی ایک جھلک، اب شاعری میں آپ کی سخن گوئی اور بلندیٔ پرواز کو ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر تجمل سلیمی صاحب جو جناح اسلامیہ سیالکوٹ میں اردو ڈیپارٹمنٹ کے صدر اور بہترین شاعر بھی ہیں، کا قول ہے، ''آپ امیر مینائی اور (آفتابِ چشت) پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ کے پائے کے شاعر ہیں''۔

آپ زمرۂ لایحزنوں میں داخل اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کسی کی پروانہ کرنے والے تھے۔آپ کے دلائل کے سامنے مخالفینِ حق کا دِیا نہیں جل سکتا۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا، کمال اٹھایا۔ تاثیر میں آپ کی تحاریر لاجواب ہیں۔ آیئے! حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ کی تصانیف کا مختصر تعارف حاصل کرتے ہیں:

۱۔ انوارِ لاثانی: یہ صحیفۂ وفا قطب العارفین حضور قبلۂ عالم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی قدس سرہٗ العزیز (علی پور سیداں شریف) کے تذکارِ جمیلہ پر مشتمل ہے۔ جسے آپ نے اپنے شیخ کامل کے حکم پر قلمبند کیا۔ اس کتابِ مستطاب میں جہاں بھی ختمِ رُسُل، مولائے کُل حضور احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا ذکرِ خیر آیا ہے، پڑھ کر قاری جھوم اٹھتا ہے۔ بالخصوص شیوخ وسلاسل کے باب میں جہاں ایک مستقل عنوان اسی سے مختص ہے، عجب ایمان افروز انداز ہے۔ اس تصنیفِ لطیف میں دَورِ حاضر کے چیدہ چیدہ مسائل جو ایک مدّت سے وجہِ نزاع بنے ہوئے تھے، آپ نے نہایت مثبت، مختصر اور مدلّل طریقے سے انہیں حل کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ عموماً کسی مردِ کامل کی

سیرت لکھتے ہوئے فصاحت و بلاغت اور صنائع و بدائع کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا، یونہی جوشِ بیان اور حُسنِ بیان کے تقاضوں کو عموماً فراموش کر دیا جاتا ہے مگر 'انوارِ لاثانی' پڑھ کر اہلِ علم وادب حیرت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ آپ نے اسے معنوی خصائص ہی سے مزیّن نہیں کیا، ظاہری محاسن سے بھی آراستہ کیا ہے۔

المختصر! یہ کتاب مجموعی طور پر دینی ادب میں ایک حسین وجمیل اضافہ بھی ہے اور طریقت وتصوّف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مشعلِ راہ بھی۔ ایک مرتبہ آپ نے مریدین کو 'کشف المحجوب' کے علاوہ 'انوارِ لاثانی' کے بھی کم از کم ایک دو صفحے روزانہ رات کو پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ نے جنوری ۱۹۷۷ء میں کتابِ ھٰذا کے لیے اذنِ تحریر دیا۔ انہی کے حکم پر اپنے برادرِ طریقت صوفی ظفر اقبال صاحب کے ہاں لاہور قیام کر کے لکھنے کا آغاز کیا۔ صوفی صاحب مصطفیٰ آباد (سابق دھرم پورہ) میں دربارِ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے بیرونی گیٹ کے بالکل قریب سکونت پذیر تھے۔ سید محمد صدیق شاہ صاحب (اندرونِ بھاٹی گیٹ) کے قیمتی مشورے بھی میسر رہے۔ یکم جون ۱۹۷۷ء تک یہیں قیام رہا، پھر یہ معاملہ بعض مصروفیات کے سبب تعطل کی نظر ہو گیا۔ البتہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ تحریر کیا جاتا رہا۔ بہرحال ایک مدّت کے بعد ماہِ رمضان المبارک میں اس کی تکمیل ہوئی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء میں اس مبارک تصنیف کی اشاعتِ اوّل ہوئی، جو اہلِ محبت نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ پھر اس کی مقبولیت کے سبب اگست ۱۹۸۳ء میں اشاعتِ دوم، ۱۹۸۵ء میں اشاعتِ سوم، ستمبر ۱۹۹۰ء میں اشاعتِ چہارم، ستمبر ۱۹۹۶ء میں اشاعتِ پنجم ہوئی۔ یہ ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ سیرتِ حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ.... (برکات وکرامات):

محبوبانِ خدا کے تذکرے جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوتے ہیں فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا) کے قرآنی وعدے ہی کی گویا تفسیر ہوتے ہیں۔ ''سیرتِ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ'' بھی اسی سلسلۂ زریں کی ایک کڑی ہے۔ اس میں سند الاتقیاء، سید الاصفیاء، قیوم زمانی، غوثِ دورانی حضور قبلۂ عالم پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کی برکات وکرامات کا ذکرِ جمیل ہے۔ یاد رہے کہ یہ کتاب اصل کتاب 'سیرتِ حضور نقشِ لاثانی' کا صرف ایک باب (برکات وکرامات) ہے، جو مستقل کتاب کی حیثیت سے (ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ میں) الگ شائع ہوا۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ اپنے شیخ کامل کا عکسِ جمیل تھے۔ آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ جو عشق تھا، اس دور میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ عقیدت وادب کی صورتحال کے بیان سے زبان وقلم عاجز ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی سطر سطر بلکہ لفظ لفظ سے صدقِ عقیدت عیاں ہے اور نقطے نقطے سے نکتے نکالے گئے ہیں۔ اہلِ علم جن کی نظر سے بزرگانِ دین کے تذکرے گذرتے رہتے ہیں، انشاء اللہ گواہی دیں گے کہ لاثانی ونقشِ لاثانی (علیہما الرحمہ) کے فیض سے دربارِ لاثانی کے اس 'مستانے' کا اندازِ بیاں بھی لاثانی ہے۔

یہ بات بھی خوب ہے کہ بظاہر آپ اپنے مرشدِ کامل علیہ الرحمہ کی کرامات بیان کر رہے ہیں مگر بباطن توحید ورسالت، اسلام وایمان اور مسلکِ سلف صالحین کے

خلاف ابھرنے والے ذہنی وسوسوں کے جواب بھی دیتے جاتے ہیں (کہ یہی آپ کا مقصدِ حیات تھا)۔سوانح نگاری میں یہ اسلوبِ نگارش بالکل نیا ہے۔جزئیات و تفصیلات کا ایک بحرِ بیکنار ہے جو آپ نے ۳۱۲ صفحوں پر مشتمل اس کتاب میں بند کردیا ہے۔آپ نے کتاب میں ادبیت کا دامن خوب مضبوطی سے تھامے رکھا ہے چنانچہ ادبی چاشنی کے باعث اسے اگر اعلیٰ درجے کا ادبی مرقع کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

۳۔ موجودہ فرقہ واریت اور حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ کا مذہبی تعامل: کسے معلوم نہیں کہ فرقہ واریت دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔اس کتاب میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے فرقہ واریت کے اسباب ومحرکات، تاریخ، اس ضمن میں اسلام دشمنوں کی سازشیں، بالخصوص برصغیر میں نئی فرقہ واریت اور فرقہ پرست جماعتوں پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔قرآن وحدیث سے دلائل دے کر 'سنت وجماعت' کو معیارِ حق گردانا ہے۔آپ نے حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرقہ واریت کا علاج قرار دیا ہے۔یعنی سب کے سب اسی ایک نکتے پر آجائیں تو اصلاح ممکن ہے۔

یہ تحریر بھی درحقیقت 'سیرتِ حضور نقشِ لاثانی قدس سرہٗ' کا ایک باب ہے، جسے اس کی افادیت کے پیشِ نظر علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔پہلے نصف حصے میں مذہبی تعامل پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے آخری نصف حصے میں آپ نے اپنے شیخِ کریم کا مذہبی تعامل بیان کیا ہے۔یعنی ان کا عقیدہ ومذہب اور اس کی تبلیغ واشاعت کا انداز۔۶۷ صفحات پر مشتمل یہ مختصر کتاب کشفِ حقیقت کے لیے نہایت مؤثر و نافع تحریر ہے جو مارچ ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پہ آئی۔بعدازاں اس کا دوسرا اڈیشن بھی شائع ہوا۔

۴۔سورج اُلٹے پاؤں پلٹے: 'سپاہ صحابہ' کے ترجمان ماہنامہ 'خلافتِ راشدہ' بابت ماہِ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں شہرہ آفاق حدیثِ ردّ الشمس (جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنابِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سورج لوٹایا تھا) کو موضوع قرار دے کر انصاف کا خون کیا گیا۔مذکورہ شمارے کے محض ساڑھے تین صفحات میں بڑا زور لگا کر حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک عظیم معجزے کے انکار پر خامہ فرسائی کی گئی۔حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے ۴۰ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر نہایت جامع اور مدلل جواب دیا۔حدیث کی اسناد پر بھی بہترین بحث کی۔اسی مقالے کو پھر کتابی شکل میں عوام وخواص کے استفادے کے لیے (رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ میں) پیش کیا گیا۔جسے علمی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔

۵۔شاہِ ابرار۔زندہ ومختار: حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کے دَور میں طرح طرح کے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ان میں ایک بڑا فتنہ تھا، حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زندہ ومختار ہونے کا انکار۔حالانکہ عہدِ رسالت سے اب تک حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس نمایاں وصف کے انکار کی کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی۔چنانچہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کا قلم حرکت میں آیا اور ''شاہِ ابرار۔زندہ ومختار'' رقم ہوئی۔۱۰۴ صفحات کی اس کتاب میں عقلی ونقلی دلائل کے انبار نے عقیدۂ حق کو خوب بیان کیا ہے۔اسے پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج شخص پر حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے اور اس کے ذہن میں پیدا کیے گئے شکوک واوہام کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (بمطابق ۱۹۹۵ء) کو کتاب ھٰذا کی اشاعت ہوئی۔

۶۔ امام حُسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت: امتِ مسلمہ کی تاریخ میں مسلمہ حیثیت کا کوئی ایک بزرگ بھی نہیں گذرا جس نے خانوادۂ رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل سے انکار کیا ہو۔ جو شخص جب بھی ان سے باغی ہوا، قوم نے اسے مردود، ملعون اور خارجی و جہنمی سمجھا۔ دورِ حاضر کے ان سیاہ بختوں کی سیاہ بختی دیکھئے جو شانِ اہلِ بیت پر حملہ آور ہوئے، اور بالخصوص شہزادۂ رسول سیدنا امام حسین علیٰ جدہ وعلیہ السلام کی حقانیت پر معترض ہوئے۔ روئے ارض پر شاید ان سے بدتر اور کوئی نہیں۔ ان کی نظر وفکر میں یزید جنتی ہے اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سفرِ کربلا حصولِ مال و جاہ کے لیے تھا (نعوذ باللہ)۔ ایسی صورتحال میں حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ نے ''امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت'' کے نام سے ایک عظیم تحقیقی مقالہ پیش کیا جو محبتِ اہلِ بیت کی خوشبو سے مہکتا ہوا ایک پیغام ہے۔ اس میں امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور یزید کے جہنمی ہونے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مضمون کے آخر میں خوبصورت اور محبت افروز نظمیں بھی شاملِ اشاعت ہیں جن میں اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ یہ عظیم الشان مقالہ کتابی شکل میں ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے ماہِ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ میں تصنیف کیا گیا اور متعدد جرائد و رسائل میں چھپا۔

۷۔ میلاد شریف اور بعض روایات: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے میلادِ مبارک کی روایات حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ظہورِ نور کے اکرام و اجلال پہ شاہد عادل ہیں۔ ان روایات کو ہر دور کے جید محدثین اور مقتدر علماء نے اپنی کتب مولود میں

درج کیا ہے۔ لہٰذا یہ اس قدر قابلِ قدر ہیں کہ اپنی صحت وحقانیت کے لیے اسناد کی بھی محتاج نہیں۔ (اگرچہ ان کی مضبوط اسناد موجود ہیں)

مولانا ابوالکلام آزاد وہ بدقسمت شخص ہے جس نے مخصوص طبقۂ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلام کی دیگر تعلیمات کی طرح حضور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے میلادِ مبارک کی بعض روایات کو بھی اپنے منہ زور قلم کا نشانہ بنایا اور اپنی ژولیدہ فکری، کج فہمی، ناعاقبت اندیشی اور جہالت فروشی کی بدولت موضوع قرار دیا۔ کاش وہ اصولِ حدیث کو جانتا، یا جان کر بے اعتنائی نہ برتتا تو دیکھتا کہ امت کے حدیث شناسوں نے نبیٔ اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واقعاتِ میلاد اور معجزات وارہاصات کو قبول کرنے کے لیے کس حد تک اہتمام کیا ہے۔

روایاتِ میلاد کی ثقاہت وصراحت کے سلسلہ میں ابوالکلام آزاد نے اگر آزادانہ کلام کیا ہے تو حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے اس کی زہریلی تحریر کا خوب تعاقب فرمایا ہے۔ اس تحریر میں دلائل کی بجلیاں کوندتی محسوس ہوتی ہیں۔ جن کی چمک سے اپنوں کے دل چمکتے جبکہ بیگانوں کے دم سلگھتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعتِ اوّل کی تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء ہے۔ دوسری مرتبہ بھی چھپی۔

۸۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

۱۹۹۹ء میں یہ خبر عام ہوئی کہ سعودی عرب کی نجدی حکومت نے اپنے مفسدو شر پسند علماء کے کہنے پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی والدہ ماجدہ، کریمہ، طیبہ، طاہرہ کے

مزارِ اقدس کو ابواء شریف میں شہید کر دیا ہے اور بلڈوزر کے ساتھ ساری زمین کی ہیئت کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ اس وحشت ناک خبر نے تمام عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ بالخصوص حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ اس سانحہ پر تڑپ اٹھے، بے اختیار رو دیئے۔ پھر قلم اٹھایا اور ''حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما'' لکھ کر اپنے جذبات واحساسات کو علمی وعقلی دلائل کے ساتھ مزیّن کر کے کتابی صورت میں شائع فرما دیا۔ آپ فرماتے تھے، 'یہ مقالہ میں اپنی نجات کے لیے لکھ رہا ہوں'۔ آپ نے موضوع کے ساتھ خوب انصاف کیا ہے اور رہتی دنیا تک یہ علمی دستاویز مخالفینِ رسول کے چہرے پر تازیانے کا کام کرے گی۔ یہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعتِ اوّل یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء (۱۴۲۰ھ) کو ہوئی، بعد میں دوسری مرتبہ بھی شائع کی گئی۔

۹۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ القوی کی مجدّدیت وقیومیت:

امامِ ربانی سیدنا مجدد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ کی مجددیت وقیومیت پر کس صاحبِ عقل کو اعتراض ہو سکتا ہے؟ چار صدیوں سے سب ان کو مجدد الف ثانی اور قیومِ اوّل قرار دے رہے ہیں۔ مگر اب چند ''مفتیانِ خام'' ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنہیں امام صاحب کی یہ مخصوص شان وعظمت گوارا نہیں۔ مقصد محض اتحاد واتفاق کی فضا کو خراب کرنا اور قوم کو اپنے بزرگوں سے بدظن کر کے ان کے فیضانِ کرم سے محروم کرنا ہے۔ یہ اتنا بڑا نقصان ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہٗ کی مجددیت وقیومیت پر سب سے پہلے ہندوستان کے 'مفتی' حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ ہندوستان کے علماءِ حق تڑپ اٹھے اور انہوں نے جا بجا آستانوں اور اہلِ علم

حضرات کو خطوط لکھ کر ایسے مفتیوں کی علمی گوشمالی کی درخواست کی۔ دربارِ لاثانی (علی پور سیداں شریف) کے وارث پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہٗ نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کو بھی ایک خط موصول ہوا۔ انہوں نے فوری جواب کے لیے ہمارے حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ سے کہا۔ آپ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ القوی کے بہت بڑے محبّ اور عاشقِ صادق تھے۔ چنانچہ آپ نے مجدد پاک کی مجددیت وقیومیت پر اعتراضات کے جواب میں علمی مُحاکمے، مُحاربے اور مُحاسبے کا آغاز فرمایا، یوں ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مجددیت وقیومیت'' مرتب ہوئی۔ تاریخی حقائق اور فکری مسائل بیان کرتے ہوئے آپ نے کہیں بھی علمی عظمت، تحقیقی رنگت، ذہنی متانت اور قلمی حرمت کو فراموش نہیں کیا۔ المختصر! اپنے موضوع پر یہ ایک نہایت مدلل، مسکت، بے مثال اور لاجواب تصنیف ہے۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تاریخِ اشاعت ۲۱ مارچ ۱۹۹۹ء ہے۔

۱۰۔ تبرکاتِ حرمین: دنیائے آب وگل کی عظیم ترین سعادت یہ ہے کہ انسان مسلمان ہو اور اسے خداوندِ کریم جل جلالہٗ اور رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی مقدّس بارگاہوں کی حاضری نصیب ہو جائے۔ حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ القوی کو اپنی حیاتِ ظاہری میں دو مرتبہ یہ سعادت ملی۔ آپ کے ذوقِ عشق، شوقِ نظر، جذبِ دل اور سوزِ جگر کو بارگاہِ خدا اور رسول میں خاص پذیرائی ملی اور وہاں سے ''تبرکاتِ حرمین'' کے عنوان سے تبرکات وکیفیات کا حسین مجموعہ لے کر آئے۔ اس گلستانِ حمد ونعت میں عشق ومستی کا جوش، حزم وادب کا ہوش، فکر ونظر کی روشنی، شعر وسخن کی چاشنی غرضیکہ انواع واقسام کے گلہائے معطر لہکتے اور مہکتے نظر آئیں گے۔

رحمتِ بندہ نواز پر ناز، جمالِ جہاں آراء پہ فدا ہونے کا انداز، دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محبِّ صادق کا کمالِ ادب، بارگاہِ نسیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک سائلِ بے نوا کا حسنِ طلب، فصاحت و بلاغت، حسنِ تغزل، رعنائی خیال غرضیکہ سبھی کچھ تو ہے اس گشتۂ مہر و وفا میں۔ پھر سلطانِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کی لامحدود تابشیں اور نوازشات کی بے پناہ بارشیں بھی برستی محسوس ہوتی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ عین سایۂ کعبہ میں، کبھی مدینہ شریف کی روحانی و نورانی فضاؤں میں اور کبھی مواجہہ شریف حاضری کے دوران ورود ہونے والے کلام کو اس کتابِ بے مثال میں مرتب کیا گیا ہے۔

سفرِ حج و زیارت کی پہلی مرتبہ توفیق ۱۹۷۶ء میں ملی۔ آپ کو اپنے شیخ کریم اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی سنگت میں دربارِ ربِّ کریم اور دربارِ شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضری کی سعادت ملی۔ پھر چوبیس برس بعد ۲۰۰۰ء (بمطابق ۱۴۲۰ھ) میں دوسری مرتبہ حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ شہر سیالکوٹ کے ایک معزز خانوادۂ سادات کے متمول فرد جناب سید محمد یونس صاحب کو سفری اخراجات برداشت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ حاضری ۶ فروری ۲۰۰۰ء بمطابق ۲۹ شوال ۱۴۲۰ھ تا ۲۶ مارچ ۲۰۰۰ء بمطابق ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ میسر رہی۔

یاد رہے کہ آپ کا سفرِ اوّل میں لکھا گیا سارا کلام جس ڈائری پہ تھا، وہ کھو گئی تھی، جس کی وجہ سے ایک دو حمد و مناجات اور دو تین نعتوں کے سوا تمام کلام سے ہم محروم ہو گئے۔ البتہ سفرِ ثانی میں لکھا گیا تمام کلام محفوظ ہے۔ بہر حال دونوں مقدس سفروں کا دستیاب کلام ''تبرکات حرمین'' کے نام سے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ (۲۰۰۰ء) کو منظرِ عام

پہ آیا۔ صفحات کی تعداد ۲۵۴ ہے۔

۱۱۔ توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات: معجزات کا انکار پہلے دور میں جنہوں نے کیا وہ تو مر مٹ گئے، آج ان کا انکار کھلے کافروں کے علاوہ زیادہ تر نام نہاد 'اہلِ قرآن' کرتے ہیں جو وہابیوں کی 'ترقی یافتہ' شکل ہے۔ غور کریں تو ان کے انکار کی وجہ خدا کی ذات پر ان کے ایمان کا پختہ نہ ہونا ہے۔ قرآنِ پاک میں جو معجزاتِ انبیاء علیہم السلام بیان ہوئے ہیں یہ ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ یعنی کھلم کھلا قرآنِ پاک کا انکار تو کسی مصلحت سے نہیں کر سکتے، آخر 'اہلِ قرآن' جو کہلاتے ہیں، البتہ لفظوں کے ہیر پھیر سے یہ واقعہ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں، اور حقیقت یہی ہے کہ خدا کو قادرِ مطلق نہیں مانتے۔

اسی طرح جو لوگ کرامتِ اولیاء کا انکار کرتے ہیں وہ بھی دراصل خدا کی قدرت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے نبیوں اور ولیوں کے ذریعے اپنی قدرتوں کا اظہار کرتا ہے اور عرفان کے دروازے کھولتا ہے۔ اب جن کو ان محبوبانِ خدا سے بغض ہو، وہ نہ تو خدا کی قدرت پر پورا ایمان رکھ سکتے ہیں اور نہ عرفان سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ توحید کے نام پر محبوبانِ خدا کے کمالات کا انکار ان کی الٹی سوچ اور مفسدانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے اور دورِ حاضر میں اس سوچ اور ذہنیت کو بڑے پیمانے پر عام کیا جا رہا ہے۔ مزاراتِ انبیاء و اولیا پہ حاضری، خدا کے مقرّب بندے جانتے ہوئے ان سے امداد و توسّل، ان کی بفضلِ خدا مشکل کشائی و حاجت روائی جیسے عقیدے ان کے خصوصی ہدفِ تنقید ہیں۔ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ عصرِ حاضر کے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے میدان میں آئے اور ''توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات'' کے عنوانِ جلی سے ایک شہکار

تصنیف کو ضابطۂ تحریر میں لانا شروع کر دیا۔ تحقیق و جستجو کا یہ پُر نور سفر جنوری ۲۰۰۱ء تا اگست ۲۰۰۶ء جاری وساری رہا۔ یہ مؤثر تحریر مجلۃ الحقیقہ کے نورانی صفحات کی زینت بنتی رہی۔ لاتعداد لوگ اسے پڑھ کر حقیقت آشنا ہوتے رہے۔ پھر قارئین نے پُر زور تقاضا کیا کہ اس نادر اور شہرت یافتہ مضمون کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے تا کہ اس کی افادیت اور بھی بڑھ جائے۔ چنانچہ نہایت محنت و لگن کے بعد یہ ایمان افروز تحقیق اور ایقان انگیز تحریر کتابی صورت میں شائع ہوگئی۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد جنوری ۲۰۰۴ء میں منظرِ عام پہ آئی جو ۷۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد (غالباً اکتوبر نومبر ۲۰۰۶ء) میں ۴۹۶ صفحات پر مشتمل جبکہ تیسری جلد اگست ۲۰۰۷ء (شعبان ۱۴۲۸ھ) میں جو کہ ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ملک بھر سے بڑے بڑے مذہبی سکالروں اور ممتاز آستانوں کے پیرانِ عظام نے اسے نہایت سراہا اور اپنے موضوع پر لاجواب تصنیف قرار دیا۔

۱۲۔ اسلام کا پہلا عقیدہ۔۔۔ توحید: فی زمانہ ایسے نام نہاد محقق پیدا ہو چکے ہیں جنہوں نے 'توحید' کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ بات بات پہ اہلِ اسلام پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں۔ ان کے وہم میں وہ خود توحیدی اور باقی ساری اُمّتِ مسلمہ مشرک ہے (نعوذ باللہ)۔ یہ فکر نہایت مکروہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی فکر کے رد اور اس کے حاملین کے احتساب کے لیے "اسلام کا پہلا عقیدہ۔۔۔ توحید" رقم فرمائی۔ آپ کے پیرزادے زُبدۃُ المخلصین، مظہرِ نقشِ لاثانی پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب (علی پور سیداں شریف) نے یہ تحریر لکھنے اور کتابی صورت دینے کی

تحریک دلائی تھی۔ زیورِ طباعت سے آراستہ پیراستہ ہونے کے بعد ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف قارئین کے ہاتھوں میں پہنچی اور بحمد اللہ تعالیٰ ان کے ایمان و ایقان کی دولت کو محفوظ و مستحکم کر رہی ہے۔

۱۳۔ عقیدۂ توحید و رسالت: "یہ توحید ہے جو انسان کو اللہ کا ایسا بندہ بنا دیتی ہے جو مہر و ماہ کا شکار کرتا ہے، دشت و جبل جس کو سلامی دیتے ہیں، کوہ و کمر جس کا حکم مانتے ہیں، جن و ملک جس کے نوکر چاکر بن جاتے ہیں۔ اسی توحید سے نارِ نمرود گلزار بنتی ہے، اسی سے لوہا موم ہو جاتا ہے اور یہی مردوں کو زندہ کرنے کا فارمولا ہے۔ اسی توحید کے زور سے مسلمانوں نے مشرق و مغرب سے اوہام کے اندھیرے چھانٹے۔ بقول اقبال:

زندہ قوت یہی توحید تھی دنیا میں کبھی   اب کیا ہے فقط اِک مسئلہ علمِ کلام

مگر یاد رہے، یہ قوّتِ توحید عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اگر کوئی شخص عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے محروم ہے تو لاکھ دعووں کے باوجود وہ 'توحید' کے نور سے خالی ہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے شرک میں گرفتار ہے، کیونکہ اللہ اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق کو فرض کر رہا ہے اور یہ بد بخت شیطانی اکڑفوں سے خود بھی اس کا مخالف ہے اور دوسروں کو بھی اس سے محروم کرنا چاہتا ہے"۔

مذکورہ اقتباس کتاب "عقیدۂ توحید و رسالت" سے لیا گیا ہے جو دراصل اس کتاب کا خلاصہ بھی ہے اور تصنیفِ لطیف کا مقصدِ وحید بھی بیان کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید و رسالت کے عنوان پر اس سے بہتر کتاب کی کوئی مثال اس دور میں ملنا محال ہے۔ یہ

۲۵٦ صفحات پر مشتمل ہے۔ٹائٹل نہایت خوبصورت ہے۔

۱۴۔ کالج میگزینز: حضور مفکرِ اسلام قدس سرۃ القوی جہاں بھی گئے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خوشبو پھیلاتے اور علم وادب کے چمنستان کی آبیاری کرتے گئے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ تعلیمی اداروں کے جو سالانہ میگزین شائع ہوتے ہیں ،ان میں کہانیوں، بے مقصد شاعری اور لطیفوں وغیرہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔لیکن ہمارے حضور نے یہاں ایک نئی طَرَح ڈالی اور کالج میگزینز کے سیرت نمبر، قرآن نمبر اور اسلام نمبر چھپوائے جو علم وادب کا مرقع اور نوجوان نسل کی تعمیرِ کردار کے سلسلہ میں بے مثال تحفہ ہیں۔مثلاً گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں 'کاوش' کے نام سے سالانہ میگزین چھپتا تھا۔آپ نے ۱۹۸٦ء میں اس کا 'سیرت نمبر' شائع کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔بعدازاں گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ ضلع نارووال جہاں میگزین 'عزمِ نو' کے نام سے چھپتا تھا، تین عظیم اور ضخیم نمبر نکالے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۵۔ عزمِ نو۔سیرت نمبر: اکتوبر ۱۹۹۰ء میں جب آپ کا تبادلہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ میں ہوا تو اس ادارے کے سربراہ محترم پیر دلاور علی شاہ صاحب تھے۔انہوں نے ابتدائی ملاقات ہی میں آپ کی شخصیت اور عشقِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے متاثر ہوکر کالج میگزین 'عزمِ نو' سنبھالنے کا کہا۔آپ نے اس شرط پر حامی بھری کہ اس کا پہلا شمارہ 'سیرتِ رسول نمبر' ہونا چاہئے۔جسے تسلیم کرلیا گیا۔پھر تقریباً اڑھائی مہینے کی جانفشانی کے بعد یہ نمبر (۱۹۹۱ء میں) شائع ہوا۔کالج حدود کے باہر بھی جہاں جہاں یہ پہنچا، اہلِ ادب وذوق نے اس کی ستائش کی

اور کئی سربرآوردہ مصنفین ومؤلفین نے اپنی تالیفات میں اس کے حوالے دیئے۔مثلاً ملک کے ممتاز محقق ومصنف متین خالد صاحب نے اپنی کتاب ''جب حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم آئے'' میں 'سیرت نمبر' کا اقتباس لے کر اس نمبر کا بھی ذکر کیا۔یہ نمبر ۲۴۰ صفحات میں سمایا ہے۔جس میں بیالیس مقالات شامل ہیں۔

اس دَور کے وزیرِ اعلیٰ پنجاب جناب غلام حیدر وائیں، محترم مذہبی وسیاسی رہنما جناب عبدالستار خان نیازی صاحب (وفاقی وزیرِ بلدیات ودیہی ترقّی وخصوصی تعلیم وسماجی بہبود)، جناب سید محمد یعقوب شاہ صاحب (مشیر وزیرِ اعلیٰ پنجاب)، ممتاز مذہبی وسیاسی شخصیت جناب حاجی محمد حنیف طیب صاحب (امیر نظامِ مصطفیٰ پارٹی) کے تہنیتی پیغامات بھی آغازِ کتاب میں درج ہیں۔جبکہ پیغامات کی فراہمی کے سلسلہ میں عالمِ بے بدل جناب صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ رضوی صاحب (خانقاہ ڈوگراں) اور مولانا صوفی محمد صدیق ضیا صاحب (انجینئر تربیلا ڈیم) نے خوب تعاون کیا۔ملک ناظر حسین صاحب (شعبہ اسلامیات) نے پروف ریڈر کی ذمہ داریاں نبھائیں۔

۱٦۔ عزمِ نو۔قرآن نمبر: 'سیرت نمبر ۱۹۹۱ء' کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ہمارے حضور نے گورنمنٹ ڈگری کالج شکرگڑھ کے پرنسپل سید دلاور علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو 'قرآنِ پاک نمبر' کے لیے آمادہ کیا۔قبلہ شاہ صاحب انہی دنوں ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کر چکے تھے۔حضور چاہتے تھے کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے جلد سے جلد یہ نمبر آجائے۔چنانچہ اس نمبر کی ترتیب وتدوین میں مختصر وقت میں ریکارڈ کام ہوا۔آپ کے دو شاگردوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ آپ کی معاونت کی۔جناب پروفیسر محمد محبوب

عارف صاحب جو اسی کالج میں انگریزی کے استاد تھے (آجکل مرے کالج سیالکوٹ میں ہوتے ہیں)، اور ممتاز سکالر مولانا غلام مصطفیٰ مجددی صاحب۔ یوں ۱۹۹۵ء میں ۹۰۴ صفحات پر مشتمل عظیم و ضخیم ''قرآنِ پاک نمبر ۹۶۔۹۵'' منظرِ عام پہ آیا۔ جو قرآنیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

اس میں دس ابواب ہیں۔ اور مایہ ناز سکالرز کے اٹھاون مقالات، ۱۳ انگریزی مقالات (۴۸ صفحات میں) اور عظیم شعراء کے ۱۷ محامد و منظومات پر مشتمل ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت میں مبلغ چار لاکھ روپے کی خطیر رقم خرچ ہوئی۔ علمی حلقوں میں اسے بے پناہ سراہا گیا۔ اور لاہور سے چند باذوق اہلِ علم افراد نے اسے اجازت لے کر دوبارہ شائع کیا۔

۱۷۔ عزمِ نو۔ اسلام نمبر: 'سیرت نمبر' اور 'قرآنِ پاک نمبر' کی اشاعت اور زبردست پذیرائی کے بعد 'اسلام نمبر' نکالنے کی ٹھانی گئی۔ فنڈز کی دستیابی ایک دُشوار امر تھی۔ ان دنوں کالج کے پرنسپل غلام سرور خان ابدالی تھے۔ حضور نے انہیں 'اسلام نمبر' کے لیے قائل کیا اور یوں طویل عرصہ محنت کے بعد ۱۰۸۵ صفحات (جن میں ۲۷ صفحات انگریزی مضامین کے تھے)، ۱۱ ابواب، ۵۸ مقالات اردو، ۲ مقالات انگریزی پر مشتمل عزمِ نو کا 'اسلام نمبر' رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (بمطابق دسمبر ۱۹۹۹ء) منظرِ عام پہ آیا۔ اس نمبر کی ترتیب و تدوین میں بھی پروفیسر محبوب عارف صاحب، مولانا صدّیق ضیا صاحب (انجینئر تربیلا ڈیم)، محمد طفیل خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ آف کلیریکل سٹاف)، بشیر وسیم صاحب، راولپنڈی اسلام آباد سے حمزہ مصطفائی صاحب، محترم محمد خلیل صاحب، محمد

افتخار صاحب اور محمد عاطف صاحب کا تعاون کسی نہ کسی شکل میں دستیاب رہا۔

اس مبارک کتاب کے آغاز میں صدرِ پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب، وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد جناب انوار حسین صدّیقی صاحب، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان ڈاکٹر شیر محمد زمان صاحب، مایہ ناز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب، صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد جناب ڈاکٹر حسن محمود الشافعی صاحب، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ہلال راولپنڈی جناب لیفٹیننٹ کرنل اے۔ کے چشتی، ممتاز ایٹمی سائنسدان اور سیاستدان ڈاکٹر نعمت علی جاوید (ستارۂ امتیاز) کے پیغامات اور تعریفی کلمات بھی موجود ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کا ریٹائرمنٹ (یکم جنوری ۲۰۰۰ء) پر گویا یہ قوم کو تحفہ تھا۔ ملک بھر میں اس نمبر کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور علماء و مشائخ نے اسے خوب سراہا۔

۱۸۔ سیرتِ نبوی کا پیغام۔۔۔ عصرِ حاضر کے نام: ۲/۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں قومی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے 'سیرتِ نبوی کا پیغام۔۔۔ عصرِ حاضر کے نام' کے عنوان سے نہایت شاندار مقالہ پیش کیا۔ اس انتہائی جاندار مقالہ میں آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ہمہ گیر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز اس نکتے کی وضاحت بھی خوبصورت انداز سے کی ہے کہ دورِ حاضر بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کے فیضانِ ابدی کا محتاج ہے۔ کثیر آیات و احادیث کے اندراج، غیر مسلم سکالرز اور مغربی مستشرقین کے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعتراف میں انگریزی

بیانات، تعلیماتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی ہمہ گیری، گہرائی اور نوبیائی کے منفرد بیان اور پرتاثیر اشعار کے برمحل استعمال نے اس مقالے کو چار چاند لگادیئے ہیں۔ اس بات کا بھی مختصر مگر جامع تذکرہ موجود ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اوصاف، معجزات اور تعلیمات (جو دراصل آپ کی سیرت ہی کے تین پہلو ہیں) کس طرح سائنس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل اس مقالہ کو 'مرکزی بزمِ نعت سیالکوٹ' نے کتابچے کی شکل میں کانفرنس کے موقع پر ہی شرکاء کو پیش کیا۔

۱۹۔ مردانِ حق اور راہِ حق: مردانِ حق کے تذکرے بھی راہِ حق کی طرف بلاتے ہیں اور طالبانِ حق کو منزلِ مقصود کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ بندگانِ خدا کی داستانیں ذکروفکر، کیف ومستی، عشق ومحبت، صبرواستقامت، زُہدوعبادت، تسلیم ورضا، توکّل وتفویض اور اخلاص ومروّت کی داستانیں ہیں، لہٰذا انہیں پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہی جذبات کے تحت حضور نے ''مردانِ حق اور راہِ حق'' کے عنوان سے ایک مدلّل اور محققانہ مقالہ لکھا جو صفحات کے کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔

۲۰۔ ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم): اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ، وصال:) کی ایک شہرہ آفاق نعت کا مطلع ہے: سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا ووالا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

اس نعت کی ردیف اور بحر میں متعدد شعرائے کرام نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن جب ہمارے حضور قدس سرہٗ اس جانب متوجہ ہوئے تو اس نعت شریف کی ردیف، زمین اور

بحر میں لکھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ستائیس نعتیں لکھ ڈالیں۔ نعتوں کے اس مجموعے 'ہمارا نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم' میں یہ تمام نعتیں حروفِ تہجّی کی ترتیب سے موجود ہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے طبیعت جھوم اُٹھتی ہے۔

۲۱۔ منظوم ترجمہ قصیدۃ النعمان: امام الائمہ حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (نعمان بن ثابت) کا تحریر کردہ بابرکت ''قصیدۃ النعمان'' بہت مشہور ہے۔ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے اس قصیدے کا نہایت خوبصورت انداز میں منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ جسے پڑھ کر روح جھوم اُٹھتی ہے۔ متعدد افراد کو دیکھا گیا کہ اس قصیدے کو فریم میں سجا کر اپنے گھروں اور دکانوں میں آویزاں کرتے اور موجبِ خیروبرکت پاتے ہیں۔

۲۲۔ شرک اور بدعت: کسے معلوم نہیں کہ 'شرک' اور 'بدعت' جیسی اصطلاحات کا ناجائز استعمال عام ہوچکا ہے اور ایک مخصوص ٹولہ مسلمانوں کی اکثریت کو مشرک اور بدعتی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ ایسی صورتحال میں ان الفاظ کے اصل مصداق اور 'اہل' کی پہچان ضروری ہوچکی تھی۔ چنانچہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ نے 'شرک اور بدعت' تحریر فرما کر حقیقت کو خوب واضح کردیا۔ ۳۰ صفحات کی اس مختصر کتاب میں آپ نے 'توحید کی صحیح وضاحت'، 'توحید اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم'، 'شرک وبدعت کی حقیقت'، 'قرآنِ پاک کی تدوین اور بدعات'، 'حدیث وفقہ کی تدوین اور بدعات'، 'اصل بدعتی کون' جیسے موضوعات پر قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات اور تعاملِ ائمہ وعلماء پیش فرمایا ہے۔ طرزِ تحریر کی تاثیر سے قاری متاثر ہوئے بنا نہیں رہ

سکتا۔آپ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں یہ مضمون متعدد رسائل میں چھپا،تاہم علیحدہ کتابچے کی شکل میں استفادۂ خاص وعام کے لیے مئی ۲۰۰۸ء میں پیش کیا گیا۔

۲۳۔یاغوث: اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور شہنشاہِ بغداد سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے سو اشعار پر مشتمل ایک منقبت لکھی ہے، جس کا مقطع ہے:

رضا کا خاتمہ بالخیر ہوگا   تری رحمت اگر شامل ہے یاغوث

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ القوی نے دوسرے مصرعے کو بدل کر یوں بنا دیا: 'اگر شامل تیری رحمت ہے یاغوث' اور یوں قافیہ بدل کر اسی ردیف میں 'یاغوث' کے نام سے ۹۶ اشعار پر مشتمل منقبت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عزت میں پیش کی ہے۔اعلیٰحضرت کی منقبت ۱۰۰ اشعار پر مشتمل تھی۔آپ سے سنا گیا کہ میں نے اپنی منقبت اعلیٰحضرت کے احترام میں ۹۶ اشعار تک محدود رکھی، وگرنہ جی تو چاہتا تھا کہ اَور لکھا جائے۔یہ خوبصورت منقبت یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو کتابچے کی شکل میں شائع ہوئی۔

۲۴۔مرزا قادیانی کا مختصر تعارف: قادیانی اربوں روپے خرچ کر کے اپنا کفر وارتداد پر مبنی لٹریچر پوری دنیا میں تقسیم کر رہے ہیں۔مسلم وغیر مسلم ممالک میں قرآنِ پاک کے غلط ترجمہ اور اسلام کا معاذ اللہ قادیانی ایڈیشن عام کر رہے ہیں۔خود ہمارا وطن پاکستان ان کے مکروہ منصوبوں کی زد میں ہے۔یہ ملعون قادیانی قرآنِ پاک، احادیثِ مقدسہ، انبیاءِ کرام علیہم السلام، اہلِ بیتِ اطہار وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی وگستاخی میں نہایت سرگرم ہیں بلکہ تمام حدیں عبور کر چکے ہیں۔

اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ذاتِ بانی اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے۔یعنی حضورِ اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا فوراً اسلام کی سچائی کا معترف ہو جاتا ہے۔جبکہ دوسری طرف مرزا قادیانی کی اپنی ذات، قادیانیت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔یعنی مرزا کی زندگی کے احوال پڑھنے والا اس کی منافقت ، مکاریوں، بدکرداریوں ، مخربِ اَخلاق سرگرمیوں ، گستاخ وناپاک فطرت وغیرہ کو دیکھ کر قادیانیت کو جھوٹا اور فضول مذہب قرار دینے میں لمحہ بھر بھی توقف نہیں کرتا۔چنانچہ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز نے قادیانیت کے مواخذے کے لیے ''مرزا قادیانی کا مختصر تعارف'' کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔جس میں نہایت آسان اور عام فہم طرزِ تحریر سے مرزا کے کردار ، خاندانی پس منظر، لڑکپن و جوانی کی آوارگیوں ، جھوٹے الہامات، مختلف دعووں، مناظروں میں پٹائی ،اس کی بیماریوں ، بدحواسیوں، جھوٹی پیشگوئیوں اور لایعنی باتوں کو بیان کر کے مرزا قادیانی اور اس کے مذہب کا رد فرمایا۔یہ مضمون 'الحقیقہ' بابت ماہ ستمبر ۲۰۰۱ء سمیت مختلف جرائد میں شائع ہوا۔بعد ازاں ۲۰۱۰ء میں ۲۳ صفحات پرمحیط کتابچے کی شکل میں چھپا اور ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم ہوا۔

۲۵۔مدح وثنائے اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم): حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ حُبِّ خدا ورسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ساتھ حُبِّ اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان کی دولتِ لازوال سے بھی مالا مال تھے۔آپ کے نظم ونثر اس پر گواہ ہیں۔آپ کی اہلِ بیتِ رسول علیہم الرضوان سے محبت والفت میں وارفتگی کا اندازہ اُس انداز سے ہوتا ہے جو آپ

نے اپنی ایک منقبت بعنوان ''دونوں شہزادے'' میں اختیار کیا ہے: (چند اشعار)

آلِ اطہار کا میں گدا ہوں ، میرے پاس اَور کچھ بھی نہیں ہے
اس گدائی پہ قربان سب کچھ ، یہ گدائی بہشتِ بریں ہے
مجھ کو ان کے کرم کا سہارا ، میرا ان کی عطا پر گذارا!!
ان کے نانا کی پھِران کی رحمت ، زندگی کی متاعِ ثمیں ہے
دونوں شہزادے خیرالوریٰ کے، دونوں فرزند خیر النساء کے
سب کو ملتی ہے خیرات ان سے، ان کی خیرات خیرآفریں ہے
کیوں نہ گُن گاؤں آلِ نبی کے، کیوں نہ لوٹوں مزے بندگی کے
میرا مرشد ہے حسنی حسینی ، آسی کیا اَور ایسا حسیں ہے

شانِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں آپ کا کلام بہت زیادہ ہے۔ چند منقبتوں کو ''مدح وثنائے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم'' کے نام سے دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع کیا گیا۔ صفحات کی تعداد ۴۸ ہے۔

۲۶۔ نغماتِ میلاد: ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ میں بسلسلہ میلاد جو کلام آپ کی زبانِ اقدس پر صادر ہوا، وہ 'نغماتِ میلاد' کے نام سے شائع ہوا۔ یوں تو آپ کا سارا کلام ہی بے مثال ہے لیکن جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ میلاد آ جائے، طبیعت وقلم کی مستی و روانی کا عالم ہی نرالا ہوتا ہے۔ عشاقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لیے یہ کتاب ذریعۂ فروغِ ایمان ہے۔

۲۷۔ اسلام کے اصول: آپ نے مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم

صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی انگریزی کتاب کا عام فہم اور آسان اردو ترجمہ کیا ہے۔ آپ کے قیامِ سیالکوٹ کے دوران یہ ترجمہ 'اسلام کے اصول' کے نام سے کئی بار شائع ہوا۔

۲۸۔ انسانی مسائل کا حل: یہ کتاب بھی مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کی انگریزی کتاب کا اردو میں ترجمہ ہے۔ اندازِ تحریر نہایت دلنشین ہے۔

۲۹۔ آؤ میلاد منائیں: اس مقالہ میں حضور نے بارہ ربیع الاوّل شریف کو تاریخِ کائنات کا سب سے بڑا دن قرار دیتے ہوئے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احسن انداز میں منانے کی ترغیب دلائی ہے۔ کوثر وتسنیم میں ڈوبی زبان میں لکھا گیا یہ مقالہ پُر تاثیر ہے۔

۳۰۔ تفسیر سورۂ اُخلاص: حکیم الامّت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کی مثنوی 'رموزِ بیخودی' کا ہمارے حضور نے عارفانہ وصوفیانہ انداز میں منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو کہ سورۂ اُخلاص کی بہترین منظوم تفسیر ہے۔ باذوق افراد نے اسے بہت پسند کیا۔

۳۱۔ الحقیقہ..... تحفظِ ختمِ نبوت نمبر: عقیدۂ ختمِ نبوّت ضروریاتِ دین میں سے ہے اور کثیر آیاتِ کریمہ، متعدد احادیثِ شریفہ اور اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔ جبکہ فتنۂ قادیانیت اس صدی کا وہ خوفناک فتنہ ہے جس نے اس مسلّمہ عقیدے پر شب خون مارنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ اس فتنے کو بے نقاب کرنا وقت کی آواز ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی مذموم سازشوں سے آگاہ کرنا باشعور اور اہلِ علم افراد

کی اوّلین ذمہ داری۔

ہمارے حضور، ہمارے ولیٔ نعمت، ہمارے محسن و مربّی، شمس العرفاء، بدر الاولیاء حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی اس فتنے کی ہولناکیوں سے پوری طرح باخبر تھے اور اہلِ ایمان کی متاعِ ایمان بچانے کے جذبے سے سرشار بھی۔ چنانچہ آپ نے تاحیات اس ضمن میں ناقابلِ فراموش اور گراں قدر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس شیر کی للکار اور قلم کے وار سے قادیانیت لرزہ براندام تھی۔ قادیانی پیشوا آپ کو اپنے دشمنوں کی فہرست میں نمایاں مقام پر گردان رہے تھے۔ ادھر ''نقشِ لاثانی نگر'' کی سرزمین سے اس مردِ قلندر کی آواز گونج رہی تھی:

خدا کا شکر ادا کرتا ہوں آسی اس سعادت پر
رسول اللہ ﷺ کے دشمن مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں

حضور علیہ الرحمہ اپنے وصال (۸ اگست ۲۰۰۶ء) سے چند روز قبل (۵ اگست ۲۰۰۶ء کو) راولپنڈی اسلام آباد رونق افروز ہوئے۔ (۷ اگست ۲۰۰۶ء کو ضلع اٹک کی ایک نامور مذہبی شخصیت، علم و ادب کی دنیا کے ایک عظیم فرد پیر سید صابر حسین شاہ صاحب دام اقبالہٗ عیادت و زیارت کے لیے آئے۔ یہاں ملّت کی زبوں حالی کے تذکرے ہوئے اور اپنوں کی غفلت بھی زیرِ بحث آئی۔ پھر حضور نے فتنۂ انکارِ ختمِ نبوّت کی گوشمالی اور اس سلسلہ میں ماہنامہ الحقیقہ کے ضخیم ختمِ نبوّت نمبر کی ضرورت و اہمیّت پر روشنی ڈالی۔ (آپ ۲۰۰۴ء سے اس نمبر کی اشاعت کے خواہاں تھے)۔ اگلے ہی دن حضور کا سانحۂ ارتحال وقوع پذیر ہوگیا۔ تاہم قبلہ پیر صاحب پوری تندہی و لگن کے ساتھ اس عظیم کام کے لیے جت گئے اور حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل

کے لیے چھ سال صرف کر دیئے۔ مایہ ناز سکالرز سے مضامین لکھوائے۔ نہ صرف یہ کہ عقیدۂ ختمِ نبوّت کو قرآن و حدیث اور اجماعِ امّت کی روشنی میں خوب بیان کیا بلکہ اس عقیدہ کے منکر ہر گروہ بالخصوص قادیانیت کو بے نقاب کیا بلکہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ نیز اسی قبیل کے دوسرے گروہوں مثلاً بابی و بہائی وغیرہ کی خفیہ سرگرمیوں سے بھی پردہ اٹھایا۔

ماہنامہ الحقیقہ کا ''تحفظِ ختمِ نبوّت نمبر (جلد اوّل)'' ۹۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ سنِ اشاعت ۲۰۱۳ء (۱۴۳۴ھ) ہے۔ یادگارِ اسلاف پیر سید کرامت علی حسین شاہ صاحب زیبِ سجادہ علی پور سیداں شریف، امیر شیرانِ اسلام صاحبزادہ خواجہ محمد ناصر رحمانی صاحب، سیکرٹری جنرل سنّی اتحاد کونسل و سرپرستِ اعلیٰ المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ / نظامِ مصطفیٰ پارٹی اور سابق وفاقی وزیر جناب حاجی محمد حنیف طیب صاحب (جن کی حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے ساتھ گہری باہمی محبت تھی)، چیف آرگنائزر شیرانِ اسلام پاکستان خواجہ حکیم غلام رسول وانی چشتی صاحب خلیفۂ مجاز اجمیر شریف، سربراہ سنّی تحریک پاکستان محمد ثروت اعجاز قادری صاحب، مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ معارفِ رضا کراچی و صدر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی پاکستان سید وجاہت رسول قادری، محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ناظمِ تعلیمات و استاذ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی جناب جمیل احمد صاحب کے ستائشی کلمات و پیغامات کا اضافہ نہایت عمدہ ہے۔ شیرانِ اسلام کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے اس تحفظِ ختمِ نبوّت نمبر میں مفکرِ اسلام ویلفیئر ٹرسٹ سیالکوٹ کے مرکزی عہدیدار جناب حافظ محمد اظہر نعیم صاحب کی معاونت لائقِ صد تحسین ہے۔ اس کا ٹائٹل بہت خوبصورت اور کاغذ اعلیٰ معیار کا ہے۔ علمی حلقوں میں اسے بے پناہ پذیرائی ملی ہے۔

وہ مبارک تصانیف جواشاعت طلب ہیں

۳۲۔ سیرتِ حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ: حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ العزیز نے اپنے شیخ کریم قیوم زمانی، قطبِ ربانی پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ کی حیاتِ مقدسہ کے حالات و واقعات کو قلمبند کرنا تاحیات جاری رکھا۔ ایک مرتبہ علی پور شریف کی ہفتہ وار حاضری کے لیے آپ روانہ ہوئے تو دیگر افراد کے علاوہ اس سگِ بارگاہ کو بھی ساتھ لے جانے کا شرف بخشا۔ راستے میں نارووال میں ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب (جو ان دنوں نارووال رہائش پذیر تھے) کے گھر مختصر قیام کیا۔ یہاں ''سیرتِ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ'' کی بابت بھی گفتگو ہوئی۔ اس عاجز نے عرض کیا کہ حضور اس کتاب کی تکمیل کب ہوگی؟ ارشاد ہوا، ''جب یہ کتاب مکمل ہونی ہے، میں نے فوت ہو جانا ہے، قدرت کو کچھ ایسا منظور ہے''۔ (یا قدرت نے کچھ ایسا اہتمام کیا ہوا ہے۔ گویا عمر بھر اپنے شیخ کی سیرت پر لکھنے کا آپ تہیہ کیے ہوئے تھے۔ حضور کے اس ارشادِ عالیشان میں کئی اسرار تھے)۔ چنانچہ جب حضور کا وصال ہوا، یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے دو ابواب 'برکات و کرامات' اور 'مذہبی تعامل' دو علیحدہ علیحدہ کتب کی شکل میں شائع ہو چکی تھیں۔ اس عاجز نے باقی ابواب کا بھی مطالعہ کیا ہے اور خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے کہ اس کی نظر سے آج تک ایسی کتاب نہیں گذری جس میں اپنے شیخ کی حیاتِ مقدسہ اس قدر گہرائی، باریک بینی عشق و محبت کی وارفتگی اور حزم و ادب کی شگفتگی کے ساتھ لکھی گئی ہو۔ بلکہ اس گنہگار کی تو اوقات ہی کیا ہے، ساری دنیا کے اہلِ علم و ادب یا پھر اہلِ نظر و عشق لے آؤ، خدا کی قسم وہ

گواہی دیں گے کہ اپنے شیوخ کی سیرت پر اَوروں نے بھی لکھا ہے مگر اس عاشقِ صادق کا انداز ہی جداگانہ ہے۔ بہر حال یہ مبارک تصنیف جلد قارئین کے ہاتھوں میں ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز

۳۳۔ اتحادِ ملّت کی ضرورت و صورت: اس بات میں کسے شک ہو سکتا ہے کہ وقت کی سب سے اہم ضرورت اتحادِ امّت ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں لیکن اس کی صورت کیا ہو عموماً اسے بیان نہیں کیا جاتا، نہ یہ اتنا سہل ہے۔ حضور نے 'اتحادِ ملّت کی ضرورت و صورت' کے نام سے الحقیقہ (جنوری ۲۰۰۳ء) میں لکھنا شروع کیا اور پھر لکھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۴۲ اقساط لکھ ڈالیں (اگست ۲۰۰۶ء تک)۔ اس میں جہاں اتحادِ امّت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے وہاں اس کے لیے عملی صورتیں بھی صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر ملّت کے بہی خواہ واقعتاً اس کا بھلا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ عنقریب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے (انشاء اللہ)۔

۳۴۔ اسلام اور شیطان کے سپوت: حضور کی یہ مایہ ناز تحریر بھی الحقیقہ (ستمبر ۲۰۰۴ء) کے صفحات کی زینت بنی اور شمارہ ماہِ اگست ۲۰۰۶ء تک بنتی ہی رہی۔ اس کی بائیس اقساط چھپیں۔ حضور کے وصال کے بعد 'توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات' (۶۵ اقساط) اور 'اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت (۴۲ اقساط) کی طرح اس تحریر 'اسلام اور شیطان کے سپوت' (۲۲ اقساط) کا بھی اختتام ہو گیا۔

وہ بدطینت لوگ جو یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام بھی معاذ اللہ تفریق

انسانی کا علمبردار ہے اور یہ بھی اتحاد کی بجائے افتراق و انتشار کی راہیں ہموار کرتا ہے، آپ کے نزدیک 'شیطان کے سپوت' ہیں۔ آپ نے اپنی اس تصنیفِ لطیف میں بتایا ہے کہ 'شیطان کے سپوت' وحدت و مساواتِ انسانی کے نعرے میں خود کس حد تک 'مخلص' ہیں اور نسلِ انسانی پر ان کی اپنی 'نوازشات' کا کیا عالم ہے۔ نیز اسلام نے نوعِ انسانی کے لیے کیا کیا اور اس کے انقلابی پیغام نے انسانیت کی تقدیر بدلنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ باذوق اور حقیقت کے متلاشی افراد کے لیے یہ کتاب ایک بے مثال نعمت ہے۔

۳۵۔ خطباتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی کے نورانی خطابات میں سوز و گداز، کیف و مستی، محبت و غیرت، حزم و ادب، تاثیر و تذکیر، علم وایقان، اسرار و رموز غرضیکہ سبھی کچھ تو ہوتا تھا جو ایک ولیٔ کامل کے خطابات میں ہونا چاہیے۔ آستانہ عالیہ کی طرف سے ان خطابات کو تحریری شکل میں لاکر استفادۂ عام کے لیے پیش کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں کافی کام ہو چکا ہے اور کچھ ہونا باقی ہے۔ اسباب کی دستیابی کے بعد اسے بصورتِ کتاب شائع کر دیا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

۳۶۔ مقالاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور نے عرصۂ تدریس کے دوران اور اس کے بعد تاحیات لاتعداد مقالات لکھے۔ جن میں سے بعض تو کتابچوں کی صورت میں شائع کر دیئے گئے تاہم ان کی بڑی تعداد محض رسائل و جرائد میں تو چھپتے رہے، کتابی صورت میں لائے نہ جا سکے۔ اب ان مقالات کو مرحلہ وار کتابی شکل میں

شائع کرنے کا پروگرام ترتیب دیا جا چکا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مقالات ایک سے بڑھ کر ایک نادر ہیں۔ اگر انہیں محفوظ نہ کیا گیا تو قوم ایک بڑے علمی سرمایے سے محروم ہو جائے گی۔ انہی خدشات کے پیشِ نظر تصنیف ''مقالاتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ'' مرتب کی جا رہی ہے۔

۳۷۔ کلیاتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ: حضور کے بلند پایہ شاعر ہونے کا اعتراف بڑے بڑے شعراء نے کیا۔ حمد و نعت کا حسین امتزاج آپ کی خصوصیت ہے۔ اس سے پہلے اس منفرد انداز میں کثرت کے ساتھ حمد و نعت یکجا کرنے کا اسلوب ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان اور اولیائے کرام علیہم الرحمہ کے مناقب آپ کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ملکی حالات کی درستی اور ملی و قومی احوال کی اصلاح کے لیے آپ نے بہت خوبصورت نظمیں لکھیں۔ جس شخصیت نے گیارہ سال کی عمرِ عزیز میں اشعار کہنا شروع کیے ہوں اور سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر مبارک تک (یعنی چھپن سال) گلہائے عقیدت و محبت نچھاور کیے ہوں، ان کے کلام کی وسعت و ضخامت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس آپ کے لکھے گئے کلام کا ایک بڑا حصہ حوادثِ زمانہ کی نظر ہو گیا اور جو باقی ہے وہ بھی ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ بہر حال دستیاب کلام کو ''کلیاتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ'' کے عنوان سے شائع کرنا آئندہ پروگرامز میں شامل ہے۔

۳۸۔ اداریاتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ: حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ القوی

اسلام کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔آپ محض خدا سے ڈرنے والے جبکہ خلقِ خدا سے بے خوف تھے۔اس کی دلیل مجلۃ الحقیقہ کے اداریوں میں دیکھی جا سکتی ہے،ان اداریوں نے ایک عرصہ علمی حلقوں میں تہلکہ مچائے رکھا۔یہ اداریئے کیا تھے،شیر کی گرج تھی جس نے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ طاری کر دیا تھا۔ان میں ملک وملت کے دشمنوں کی پکڑ بھی کی جاتی تھی اور اپنوں کو متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی ترغیب بھی دی جاتی تھی۔اب آستانۂ عالیہ حضور مفکّرِ اسلام ان اداریوں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔کیونکہ یہ آج بھی اتنے ہی اہم اور مؤثر ہیں جتنے اس دور میں تھے۔

۳۹۔ملفوظاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: آپ کی حیاتِ مقدّسہ کا ایک ایک لمحہ تابناک تھا۔اہلِ ایمان آپ کی سیرت و کردار کو دیکھ کر اپنے ایمان مضبوط کرتے تھے اور غیر مسلم آپ کے اخلاق و اطوار دیکھ کر اسلام سے مرعوب ہوئے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔لوگ آپ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والے ایک ایک حرف کو دلیلِ آخر سمجھتے تھے۔آپ کے اقوال اپنوں اور بیگانوں کو قائل و مائل کر لیتے تھے۔چنانچہ آپ کے ارشادات کی اثر آفرینی کے سبب انہیں اکٹھا کرنا از حد ضروری ہے۔اسی اہمیت کے پیشِ نظر 'ملفوظاتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ' کی اشاعت کا پروگرام تشکیل دیا گیا ہے۔

۴۰۔مکاتیبِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور علیہ الرحمہ نے وقتاً فوقتاً مکاتیب کو بھی ذریعۂ تبلیغ بنایا تھا۔مثلاً صدور اور وزراءِ اعظم کو اصلاح کے لیے، مختلف وزراء کو تنبیہہ کے لیے، رسائل و جرائد کے ایڈیٹرز کو مختلف ایشوز پر، مذہبی رہنماؤں بالخصوص پیرانِ عظام کو اصلاحِ قوم کے لیے، اخبارات کے ایڈیٹرز کو فحاشی کے خلاف نیز مختلف

شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مختلف افراد کو خطوط لکھ کر اصلاحِ احوال کی کوشش فرمائی۔یہ حضور سیدنا مجدّد الف ثانی قدس سرہ النورانی کی سنّت بھی ہے۔تمام مکاتیب کو تو محفوظ نہیں رکھا جا سکا تاہم آپ کے غلاموں نے جن مکاتیب کو حرزِ جاں بنا کر رکھا،انہیں یکجا کر کے ''مکاتیبِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ'' کے نام سے انشاء اللہ العزیز شائع کیا جائے گا۔

۴۱۔انتسابات حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ نے اپنی ہر تصنیف اور الحقیقہ کے خاص نمبر کے آغاز میں مختلف عظیم شخصیات (زیادہ تر حضور نقشِ لاثانی

علیہ الرحمہ) کے نام جو انتساب کے الفاظ رقم فرمائے ہیں،وہ اردو ادب میں عظیم شہ پارے اور عقیدت و محبّت کے مظہر شاہکار جواہر پارے ہیں۔قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہٗ نے تمام انتسابات کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا ذمّہ اٹھایا ہے۔ہر کتاب اور جس کے نام انتساب ہے،کا مختصر تعارف بھی دیا جائے گا۔

۴۲۔تقدیماتِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور نے اپنی دیگر کتب پر جو تقدیمات رقم فرمائی ہیں، ان کو اس کتاب 'تقدیماتِ حضرتِ آسی علیہ الرحمہ' میں یکجا کرنے کا پروگرام ہے۔تقدیم کے ساتھ ہر کتاب اور مصنّف کا مختصر تعارف بھی درج ہوگا۔یہ کام بھی قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہٗ نے اپنے ذمّے لے رکھا ہے۔

۴۳۔مناقبِ حضرت آسی علیہ الرحمہ: حضور کا وہ کلام جو آپ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان اور مشائخِ عظام علیہم الرحمہ کی شان

میں لکھا، اسے 'مناقبِ حضرتِ آسی علیہ الرحمۃ' کے عنوان سے مراحلِ طباعت سے گذارنے کا پروگرام بھی ترتیب پا چکا ہے۔

۴۴۔ مقالاتِ میلاد: میلاد شریف کے موضوع پر آپ کے گراں قدر مقالات کو ایک خوبصورت گلدستہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ میلاد پر آپ کے مقالات بہترین مقالات ہیں۔

۴۵۔ حق بیانی: نعتیہ کلام اور مناقب کے علاوہ آپ نے اصلاحِ معاشرہ اور اربابِ

سیاست کی اصلاح کے لیے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اس متفرق کلام میں 'ایسے پیر کی ایسی تیسی' اور 'اے ہمارے بادشاہو، وزیرو، حاکمو' کو کافی شہرت ملی۔ ان عنوانات پر دیگر نظمیں بھی بہت خوبصورت ہیں۔ انہیں 'حق بیانی' کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

۴۶۔ نعتِ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: اس ایمان افروز مقالہ میں عہدِ نبوی میں نعت گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نعتیہ کلام عنوانات اور تراجم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اصحابِ رسول کے عقائد و نظریات کا بھی پتا چلتا ہے۔

۴۷۔ لاثانی لغات القرآن: ۱۷ اگست ۲۰۰۶ء کو قبلہ پیر سید صابر حسین شاہ صاحب مدظلہ آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کی 'لاثانی لائبریری'

میں آپ کے قلمی مخطوطات کی زیارت بھی کی۔ انہی میں 'لاثانی لغات القرآن' بھی تھی۔ یہ آپ کے قلم سے صاف اور شفاف صورت میں موجود ہے۔ قرآنیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس کی اشاعت بھی ازحد نافع ثابت ہوگی۔

۴۸۔ لاثانی دروس القرآن: نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی میں حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ جو دروسِ قرآن دیتے رہے، ان کو 'لاثانی دروسِ قرآن' میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ تاہم اس کی طباعت پروگرامز میں شامل ہے۔ (انشاء اللہ)

۴۹۔ تجلیاتِ احادیث: حضور ہر سال ماہِ رمضان میں عصر تا افطار درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ (افطاری کا وسیع بندوبست بھی ہوتا تھا)۔ جامع مسجد خاتونِ جنت شکر گڑھ میں جو دروس دیئے، ان کو 'تجلیاتِ احادیث' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کرنا مقصود ہے۔

۵۰۔ تضمین "واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا": اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی مشہور نعت کا مطلع ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — 'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اس پر حضور نے تضمین لکھی ہے اور خوب لکھی ہے۔ مطلع ملاحظہ کیجئے:

رب کی ہر دولت و نعمت پہ ہے قبضہ تیرا — نام یونہی تو نہیں قاسمِ نعما تیرا
تو غنی اور ہے محتاج زمانہ تیرا — واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ تضمین الحقیقہ میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اب اسے علیحدہ شائع کرانے کا بھی منصوبہ ہے۔

۵۱۔ میوہسپتال لاہور میں چند روز: حضور مفکّرِ اسلام قدس سرہٗ نے دورانِ علالت دس روز میوہسپتال لاہور میں گذارے۔ ان ایام میں آپ نے مختلف احوال کا بے لاگ تجزیہ کیا۔ مختلف افراد کی سیرت و کردار پر مخلصانہ تبصرہ فرمایا۔ ایمان و اسلام کے بنیادی تقاضے، تبلیغ و تذکیر کے ظاہری و باطنی مظاہر کی تطہیر فرما کر اپنی حیات کے ایک باب کو وا کیا۔ یہ آپ بیتی نہایت دلچسپ اور دلنشین پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ الحقیقہ (مئی ۲۰۰۴ء) میں شائع ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ جلد یا بدیر کتابی صورت میں بھی شائع ہو جائے گی۔

یاد رہے! ماہنامہ انوارِ لاثانی، ماہنامہ الحقیقہ کے علاوہ بے شمار رسائل و جرائد میں چھپنے والے لاتعداد مضامین ان کے علاوہ ہیں۔ جن کو اگر یکجا کیا جائے تو بیسیوں کتابوں پر محیط ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سجادہ نشین درگاہِ حضور مفکرِ اسلام

صاحبزادہ محمد عطاء الحق نقشبندی دامت برکاتہٗ

صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی مدظلہ العالی ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء کو موضع پھگواڑی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ النورانی کی اکلوتی ہمشیرہ محترمہ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ والدِ محترم کا اسمِ گرامی محمد صدیق ہے جو فوج میں ملازمت کرتے تھے۔ ان کا تعلق میانوالی سے تھا جبکہ آباء و اجداد موضع ریہانہ، مدین پور انڈیا سے ہجرت کر کے میانوالی آئے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کی عمر ایک سال سے کچھ ماہ اوپر تھی جب والدِ گرامی علالت کے بعد وفات پا گئے۔ تب حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ العزیز نے براہِ راست اپنی نگرانی و کفالت میں لے لیا اور تا حیات اپنے زیرِ سایہ رکھا۔

صاحبزادہ صاحب نے میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول شکر گڑھ سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ حنفیہ دو دروازہ سیالکوٹ سے درسِ نظامی کے چیدہ چیدہ اسباق پڑھے۔ قرآنِ پاک کے چند سپارے بھی حفظ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ دینی و دنیاوی تعلیم کے حصول کا سلسلہ محدود عرصہ تک جاری رہا، اس کی وجہ اکلوتے ہونے کے سبب بیشتر ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ تاہم جن کے اپنے گھر میں (حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کی صورت میں) علم کا سمندر موجود ہو، انہیں حصولِ علم کے لیے کسی اور کے مرہونِ منت ہونے کی احتیاج نہیں تھی۔

جب ۱۸ اگست ۲۰۰۶ء کو حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو دسویں کی تقریب کے موقع پر سجادہ نشینی کی دستار بدست پیر سید کرامت علی حسین شاہ صاحب سجادہ

نشین آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف آپ کے سر پر سجی۔ حضور نے اس بارے وصیت فرما رکھی تھی اور اسی کے تحت یہ کارروائی عمل میں لائی گئی۔

حضور مفکرِ اسلام قدس سرہٗ النورانی کی رفاقت نے عشقِ خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سنہری اسباق خوب حفظ کرا دیئے تھے۔ اور غیرتِ دینی تو آپ کی ذات کا نمایاں ترین وصف ہے۔ بدعقیدہ لوگوں کے لیے شمشیرِ بے نیام ہیں۔ جہاں کہیں بھی اصل عقائدِ اسلامیہ کو 'زدوکوب' کرنے کی کوشش کی جائے، آپ برق رفتاری سے وہاں پہنچتے ہیں اور پوری طاقت سے 'اصلاح' کرتے ہیں۔ چنانچہ علاقے کے ممتاز علماء کسی بھی قسم کے مسئلے کی صورت میں آپ سے ہی رجوع کرتے ہیں۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کے تمام دینی منصوبہ جات بشمول نقشِ لاثانی اسلامک یونیورسٹی، جامعہ انوارِ لاثانی برائے طلباء اور جامعہ انوارِ لاثانی للبنات (نقشِ لاثانی نگر) اور ماہنامہ الحقیقہ کو کامیابی سے چلائے رکھنا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ 'شیرانِ اسلام' کی تمام تر سرگرمیاں اور کامیابیاں آپ ہی کے زیرِ سایہ جاری وساری ہیں۔ اہلِ حق اہلِ سنّت کے لیے آپ کا وجود نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ اللہ کریم آپ کا سایہ تادیر متعلقین ومتوسلین کے سروں پہ قائم ودائم رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٓمٓ
حٰمٓ عٓسٓقٓ
نٓ
الٓمٓصٓ
حٰمٓ
یٰسٓ
کٓھٰیٰعٓصٓ
قٓ
آمین

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

یاداشت

حضور مفکر اسلام کی شہرۂ آفاق تصانیف

- میلاد شریف اور بعض روایات
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین
- شاہِ ابرار زندہ و مختار
- سورج الٹے پاؤں پلٹے
- حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت
- اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت (زیر طبع)
- حضرت امام حسین کی حقانیت
- اسلام کا پہلا عقیدۂ توحید
- اسلام کا دوسرا عقیدۂ رسالت
- موجودہ فرقہ واریت اور حضور نقش لاثانی کا مذہبی تأمل
- انوارِ لاثانی
- آؤ میلاد منائیں
- نغمات میلاد (نعتیہ مجموعہ)
- تبرکات حرمین (نعتیہ مجموعہ)
- ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نعتیہ کلام)
- بلبل چہک رہا ہے ریاض الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں (زیر طبع)
- اسلام اور شیطان کے سپوت (زیر طبع)
- مردانِ حق
- سیرتِ حضور نقشِ لاثانی
- سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام

ادارہ الحقیقہ
نقشِ لاثانی نگر
شکر گڑھ (نارووال)
0300-7123402